بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال رسول الله ﷺ:

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْراً يُّفَقِّهْهُ فِيْ الدِّيْنِ.

(صحيح البخاري ١٦/١ رقم: ٧١، صحيح مسلم ٣٣٣/١ رقم: ١٠٣٧)

کتابُ النوازل

منتخب فتاویٰ: مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

نائب مفتی واستاذ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

(جلدِ رابع عشر)

اَحکامِ مدارس، ومقابر، صیدوذبائح وغیرہ

ترتیب وتحقیق:

(مفتی) محمد ابراہیم قاسمی غازی آبادی

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

- نام کتاب : کتاب النوازل (جلدِ رابع عشر)
- منتخب فتاویٰ : مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری
- ترتیب وتحقیق : مفتی محمد ابراہیم قاسمی غازی آبادی
- کمپیوٹر کتابت : محمد اسجد قاسمی مظفرنگری
- ناشر : المركز العلمی للنشر والتحقيق، لال باغ مرادآباد

09412635154 - 09058602750

- تقسیم کار : فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمٹیڈ دریا گنج دہلی

011-23289786 - 23289159

- اشاعتِ اول : ربیع الاول ۱۴۳۷ھ مطابق جنوری ۲۰۱۶ء
- صفحات : ۶۹۶
- قیمت : ۴۰۰/روپئے

ملنے کے پتے:

- مرکز نشر وتحقیق لال باغ مرادآباد 09058602750
- مکتبہ صدیق اینڈ کلاتھ ہاؤس لال باغ مرادآباد 09997747293
- کتب خانہ یحیوی محلہ مفتی سہارن پور
- کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

○

مسائل کی پوچھ تاچھ

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ:

فَسْئَلُوْآ أَھْلَ الذِّکْرِ إِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○

[الأنبیآء: ٧]

ترجمہ: پس پوچھ لو جانکار لوگوں سے اگر تم نہ جانتے ہو۔

○

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ:

إِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّوَالُ.

(سنن أبي داؤد ٤٩/١ رقم: ٣٣٦، سنن ابن ماجة ٤٣/١ قم: ٥٧٢)

ترجمہ: عاجز (ناواقف) شخص کے لئے اطمینانِ قلب کا ذریعہ (معتبر اور جانکار لوگوں سے مسئلہ کے بارے میں) سوال کر لینا ہے۔

○

اجمالی فہرست

اَحکام مدارس

اَحکام المقابر

کتاب الصید والذبائح

کتاب الاضحیۃ

تفصیلی فہرست

اَحکام المدارس

مدرسہ کا اہتمام اور شوریٰ ۳۶

مدرسہ کے قوانین وضوابط

مدرسہ کا تعلیمی نظام ۸۵

اَیڈڈ مدارس کے شرعی اَحکام ۹۶

مدرسین کی تنخواہ اور تعطیلات کے ضابطے ۱۱۷

سفراء اور چندہ کے اَحکام

مدرسہ کی آمدنی اور مصارف ۱۹۵

مدرسہ میں مشتبہ آمدنی کا مال لگانا ۲۱۸

مدرسہ ومسجد کے مصارف کو باہم استعمال کرنا ۲۲۴

مدرسۃ البنات اور اُس کے شرعی اَحکام ۲۴۰

اَحکام المقابر

قبرستان کے آداب

قبرستان کو مسجد، مدرسہ یا عیدگاہ میں تبدیل کرنا ۳۱۲

قبرستان کودیگر مصارف میں اِستعمال کرنا ۳۲۹

قبرستان کی آمدنی کے مصارف ۳۵۵

متفرقات

کتاب الصید والذبائح

شکار کرنے کے شرعی اَحکام ۳۸۴

ماکول اللحم جانور ۳۹۹

موذی جانور مارنا ۴۴۶

ذبح کے مسائل ۴۵۲

کتاب الاضحیۃ

قربانی سے متعلق مسائل

۴۸۸

نفلی قربانی ۵۱۲

قربانی کے حصے ۵۲۵

قربانی کا وقت ۵۴۳

قربانی کے اَیام

تکبیرِ تشریق

چرمِ قربانی اور اُس کی قیمت کے مصارف ۵۹۹

قربانی کے گوشت کے مصارف ۶۳۰

قربانی کے جانور ۶۴۱

قربانی کے جانوروں کے عیوب ۶۶۳

قربانی کے جانوروں میں نذر و نیاز کا حکم ۶۶۹

عقیقہ کے مسائل ۶۷۲

اَحکام المدارس

مدرسہ کا اہتمام اور شوریٰ

مدرسہ کے مہتمم کی کیا کیا ذمہ داریاں ہیں؟

سوال (۴۸۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ کے مہتمم کی ذمہ داری کیا ہے؟ اور مدرسہ کے کام میں مصروف رہنے کا وقت متعین ہے یا نہیں؟ بعض مہتمم کو دیکھا ہے کہ مدرسہ میں کسی بھی وقت تھوڑی دیر کے لئے آتے ہیں پھر چلے جاتے ہیں، پھر اپنے کام گھر میں مصروف رہتے ہیں، تعلیم اور مدرسہ میں کوئی توجہ نہیں ہے، کیا ایسا شخص اہتمام کے عہدہ پر فائز ہوسکتا ہے یا نہیں؟ نیز مہتمم کو حاضری رجسٹر میں ملازم ہونے کی حیثیت سے دستخط کرنا اور آمد ورفت کا وقت لکھنا ضروری ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مہتمم مجلسِ شوریٰ کا پابند ہوتا ہے؛ لہٰذا حاضری اور کام کاج اور سفر وحضر وغیرہ کے سلسلہ میں شوریٰ کی طرف سے مہتمم کے متعلق جو بھی ضابطہ بنایا جائے اُس کی پابندی مہتمم پر ضروری ہے، خواہ وہ ضابطہ تمام اَساتذہ کے مطابق ہو یا اُس سے کم وبیش ہو۔

عن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال:...... والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالاً أو أحل حرامًا. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام / باب ما ذكر عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في الصلح بين الناس ۲۵۱/۱، المعجم الكبير للطبراني ۲۲/۱۷ رقم: ۳۰ دار إحياء التراث العربي بيروت)

عن رافع بن خديج رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: المسلمون عند شروطهم فيما أحل. (المعجم الكبير للطبراني ۲۷۵/٤ رقم:

٤٤٠٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۶/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کے مہتمم اور اَساتذہ کا باہم اعتماد، نرمی اور اَمانت داری سے چلنا ضروری ہے؟

سوال (۴۹۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے مدرسہ میں تمام اساتذۂ کرام کو کچھ نہ کچھ چندہ لانا ضروری قرار دیا جاتا ہے، اور استاذ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ لے کر آتے ہیں اور اس کے علاوہ مقام میں رہ کر دھان، چندہ، چرم قربانی اور لکڑیاں وغیرہ کے چندہ میں ہر استاذ تعلیم میں نقصان کئے بغیر بھرپور محنت کرتے ہیں، جب اساتذہ ہر مہینے پورے ہونے پر یا ضرورت پڑنے پر تنخواہ دینے کے لئے کہتے ہیں، تو مہتمم صاحب کہتے ہیں کہ روپئے نہیں ہیں، تم کہاں سے کما کے لائے، تو اساتذہ اُن سے عرض کرتے ہیں کہ اب تک کا حساب دکھا دیجئے، تو مہتمم صاحب کہتے ہیں اساتذہ کو حساب دکھانا ضروری نہیں ہے، حالاں کہ جو بھی کام ہے اکثر اساتذہ ہی انجام دیتے ہیں، اور تمام اساتذہ کی نظر میں مہتمم کا ایک بدفعل یہ بھی ہے کہ مدرسہ کا بینک اکاؤنٹ رہتے ہوئے اپنے ہم زلف آدمی کے بینک اکاؤنٹ میں روپئے بھیجواتے ہیں، اور بھیجنے والا کو کہتے ہیں کہ اس کی خبر اساتذہ کو مت دو، تو سوال یہ ہے کہ کیا ایسے شخص کو اہتمام کے عہدہ پر فائز رکھنا درست ہے؟ کبھی کبھی مہتمم صاحب کو کوئی استاذ غلطی پر تنبیہ کرتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ مدرسہ کو تالا لگا دوں گا، تو اُن کا یہ کہنا کہاں تک صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مہتمم اور اساتذہ وملازمین میں باہم اعتماد کی بحالی ادارہ کی بقا کے لئے لازم ہے، اساتذہ کو چاہئے کہ وہ مفوضہ خدمات میں دریغ نہ کریں اور مہتمم صاحب کی جائز اُمور میں اطاعت کریں، اور مہتمم کو چاہئے کہ وہ اساتذہ کی قدر کرے، اور ان کی

ضروریات کا خیال کرے، اگر ضروریات کا خیال نہیں رکھا جائے گا تو اساتذہ یکسوئی کے ساتھ تعلیمی اُمور انجام نہیں دے پائیں گے، اور مدرسہ کا نظام بگڑ جائے گا، مہتمم کو یہ بھی چاہئے کہ مدرسہ کا حساب وکتاب صاف شفاف رکھے، بہتر تو یہی ہے کہ مدرسہ کے اِکاؤنٹ کے علاوہ کسی دوسرے کے اِکاؤنٹ میں مدرسہ کی رقم نہیں رہنی چاہئے؛ لیکن اگر کسی ضرورت سے دوسرے کے اِکاؤنٹ میں رقم ڈالی گئی ہے، تو مدرسہ سے متعلق لوگوں پر اُس کی وجہ ظاہر کردینی چاہئے؛ تاکہ بدگمانیاں پیدا نہ ہوں، اور باہم ناگواریوں کے درمیان یہ کہنا کہ مدرسہ کو تالا لگادوں گا، بڑی جسارت کی بات ہے، باوقار عہدہ پر فائز شخص کے لئے ایسے جملوں کا استعمال مناسب نہیں ہے۔

عن أبي أمامة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن اللّٰه عزوجل يحب الرفق، ويرضاه، ويعين عليه مالا يعين على العُنف. (المعجم الكبير للطبراني ۸/۹۵ رقم: ۷٤۷۷، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٤٠٧٣ بيت الأفكار الدولية)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: …… إن اللّٰه يحب الرفق في الأمر كله. (صحيح البخاري، كتاب الأدب / باب الرفق في الأمر كله ص: ۱۵۲۷ رقم: ٦٠٢٤ دار الفكر بيروت، صحيح مسلم، كتاب السلام / باب النهي عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام ص: ۱۳۵۷ رقم: ٦۵۲۱ بيت الأفكار الدولية، المعجم الأوسط للطبراني ٤/۳۲۳ رقم: ۳۵۵۹، الترغيب والترهيب مكمل / كتاب الأدب وغيره رقم: ٤٠٦٩ بيت الأفكار الدولية) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۰/۶/۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کے اہتمام وانتظام میں پابندِ شرع کو مقدم کرنا؟

سوال (۴۹۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کی ایک قطعہ آراضی پر ایک مدرسہ حفظ وناظرہ قرآنِ کریم ودینیات کی تعلیم کا کئی سال سے چل رہا ہے، جس کا مہتمم ومنتظم زید ہی کا ایک لڑکا ہے، اور زید ہی کے دولڑکے حفظ وناظرہ قرآنِ

کریم کی تعلیم کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اَب چند دن قبل زید نے اُسی پہلے لڑکے کو مہتمم ومنتظم تاحیات مقرر کردیا، اور یہ بھی شرط طے ہوئی کہ شریعت کی پوری پابندی کے ساتھ رہیں گے، اگر ان کی جگہ کوئی دوسرا مہتمم چنا جائے گا تو اُس میں اِس لڑکے کا مشورہ بھی شامل ہوگا، اِس کے بعد اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت سے صدقۂ جاریہ کے طور پر سرکاری اِسٹامپ لکھوا کر وقف نامہ کے طریقہ پر رجسٹری کرادیا۔ اس سے متعلق مندرجہ ذیل سوالوں کے جواب مطلوب ہیں، شرعاً جو بات جائز اور درست ہو، تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

(۱) اپنے چار لڑکوں میں سے صرف ایک ہی لڑکے کو شریعت کی پابندی کی شرط کے ساتھ منتظم ومہتمم بنانا درست وجائز ہے یا نہیں؟

(۲) اس لڑکے کے علاوہ کوئی اور دوسرا مہتمم بنایا جائے تو اس لڑکے کے لئے مشورہ میں شریک ہونے کی شرط لگانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں چار لڑکوں میں سے صرف ایک لڑکے کو شریعت کی پابندی کی شرط کے ساتھ منتظم ومہتمم بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے، جب کہ اُس کے اندر اِس کی اہلیت ہو۔ اِسی طرح دوسرے کو مہتمم بنائے جانے کی صورت میں اس لڑکے کے لئے مشورہ میں شریک ہونے کی شرط لگانا بھی جائز ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: بينما النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يحدث إذ جاء أعرابي، فقال: متى الساعة؟ قال: "إذا ضُيّعت الأمانة فانتظر الساعة". قال: كيف إضاعتها؟ قال: "إذا وُسِّد الأمر إلى غير أهله فانتظر الساعة". (مشكاة المصابيح، كتاب الفتن / باب أشراط الساعة، الفصل الأول ٤٦٩)

قال في الإسعاف: ولا يولي إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه. (رد المحتار، كتاب الوقف / مطلب في شروط المتولي ٣٨٠/٤ كراچی، ٥٧٨/٦ زكريا، البحر الرائق / كتاب الوقف

۳۷۸/٥ زكريا، وكذا في الفتاویٰ الهندية، كتاب الوقف / الباب الخامس في ولاية الوقف و تصرف القيم في الأوقاف ٤٠٨/٢ زكريا)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من استعمل رجُلاً من عصابةٍ، وفي تلك العِصابة من هو أرضىٰ للّٰه منه فقد خان اللّٰه وخان رسوله وخان المؤمنين. (المستدرك للحاكم / كتاب الأحكام ١٠٤/٤ رقم: ٧٠٢٣ دار الكتب العلمية بيروت)

مستفاد: ولو جعل الولاية لأفضل أولاده، وكانوا في الفضل سواء، تكون لأكبرهم سنًا. (الفتاویٰ الهندية / الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم الخ ٤١١/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۲/۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کا نظم چلانے والے عالم دین کے لئے حساب صاف رکھنا ضروری ہے

سوال (۴۹۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی عالم دین کو مکمل طور پر کوئی آ راضی مدرسہ کے لئے مہیا کر کے ذمہ داری دی جائے کہ مدرسہ کا نظم چلانے لگیں تو اس کا حساب وکتاب بھی رکھنا کیا لازم ہے؟ اگر مولانا حساب نہ رکھیں اور حساب مانگنے پر وہ ناراض ہوں اور گروپ سازیاں کریں تو کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عالم صاحب کو حساب مانگنے پر ناراضگی ظاہر نہیں کرنی چاہئے، اور بلاکسی جھجک کے حساب دینا چاہئے؛ بلکہ اُن کے لئے لازم ہے کہ حساب دکھلا کر ذمہ داران اور عام مسلمانوں کو مطمئن کردیں، اور بدگمانیوں کو دور کر کے اپنی پوزیشن صاف

کرلیں۔(فتاویٰ محمودیہ ۱۲/۲۱ میرٹھ)

"اتقوا مواضع التهم": ذكره في الإحياء. وقال العراقي في تخريج أحاديثه: لم أجد له أصلاً، لكنه بمعنى قول عمر: "من سلك مسالك الظن، اتهم". رواه الخرائطي في مكارم الأخلاق: "من أقام نفسه مقام التهم، فلا يلومنّ من أساء الظن به". وروى الخطيب في المتفق والمفترق عن سعيد بن المسيب قال: وضع عمر بن الخطاب ثماني عشرة كلمةً ...... ومن عرض نفسه للتهمة، فلا يلومنّ من أساء به الظن. (كشف الخفاء، الهمزة مع التاء المثناة ۱/۴۵ رقم الحديث: ۸۸ دار إحياء التراث العربي بيروت)

لا تلزم المحاسبة في كل عام، ويكتفي القاضي منه بالإجمال لو معروفًا بالأمانة، ولو متهمًا، يجبره على التعيين شيئًا فشيئًا، ولا يحبسه بل يهدده، ولو اتّهمه يحلفه. (الدر المختار / كتاب الوقف ۴/۴۴۸ كراچی، ۶/۶۶۹ زكريا، وكذا في البحر الرائق / كتاب الوقف ۵/۴۰۷ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۴/۲/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خیانت کرنے والے ناظم کے ساتھ عوام کیا سلوک کرے؟

سوال (۴۹۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عوام الناس کی عام میٹنگ سے ۲؍مرتبہ مہلت دی گئی، وقت معہود پر سکریٹری نے مدرسہ کی رقم جمع نہیں کی، اَب از روئے شرع عوام الناس کو اُس کے ساتھ کیا سلوک وبرتاؤ کرنا چاہئے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو ناظم خیانت کا مرتکب ہو، اُسے اِس ذمہ داری سے معزول کردینا چاہئے۔

عن الخصاف: أن له عزله أو إدخال غيره معه ومقتضاه إثم القاضي

بترکه، والإثم بتولیة الخائن ولا شک فیه. (شامي، کتاب الوقف / مطلب یأثم بتولیة الخائن ٥٧٨/٦ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۱۱/۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

صحیح حساب نہ دینے والے منتظم کو مدرسہ سے نکالنا؟

سوال (۴۹۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید مدرسہ میں صحیح حساب نہیں دیتا ہے، اور مدرسہ کے ذمہ داران اُس کو ہٹانا چاہتے ہیں، اور یہ شخص مدرسہ سے ہٹنا نہیں چاہتا، شرعاً اُس کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ قوم کی اَمانت ہے، اُس کا حساب زید کو دینا چاہئے؛ البتہ اگر بلا کسی وجہ شرعی کے لوگ اُس سے ناراض ہوں، تو اُس پر مدرسہ چھوڑنا لازم نہیں ہے۔

عن أبي أمامة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: یطبع المؤمن علی الخلال کلها، إلا الخیانة والکذب. (مشکاۃ المصابیح / باب حفظ اللسان والغیبة والشتم، الفصل الثالث ٤١٤/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۲/۶ھ

رسیدیں غصب کرنے والے کو مدرسہ کا ذمہ دار بنانا کیسا ہے؟

سوال (۴۹۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جس مدرس یا سفیر نے مدرسہ کی رسیدیں غصب کر دی ہوں، پھر اُس کو مدرسہ میں رکھنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خائن شخص کو مدرسہ کی ذمہ داری دینے سے مہتمم گنہگار ہوگا۔

ولا يـولـى إلا أميـن قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليـس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود. (شـامي، كتاب الوقف / مطلب في شروط المتولي ٥٧٨/٦ زكريا، ٣٨٠/٣ كراچی، البحر الرائق ٣٧٨/٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۱/۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دوسرے کو واقف کی رضا مندی کے بغیر مدرسہ کا مشرف بنا دیا؟

سوال (۴۹۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے مدرسہ کی زمین وقف کی، پھر جب مدرسہ چل پڑا تو اُس نے ایک کمیٹی بنادی اور خود تاحیات رکن ہونے کی شرط لگائی، تو کیا اَب کمیٹی کے دیگر اَرکان کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ اس واقف کی رضا مندی کے بغیر دوسرے لوگوں کو مشرف اور نگراں بنائیں، حالاں کہ واقف نے زمین بطور وقف دی اور مدرسہ کا کافی حصہ بنایا تھا اور بنیاد ڈالی تھی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اُوپر سوال سے واضح ہے کہ واقف نے صرف اپنی رکنیت کی شرط لگائی تھی؛ لیکن یہ شرط مذکور نہیں ہے کہ وہ خود ہمیشہ کے لئے نگراں رہے گا یا بغیر اس کی رضا مندی کے کسی کو نگراں نہیں بنایا جائے گا، پس اگر واقعہ ایسا ہی ہے تو ذمہ دارانِ مدرسہ کا دیگر لوگوں کو مدرسہ کا رکن یا ذمہ دار بنانے میں واقف کی رضا مندی حاصل کرنا ضروری نہیں؛ البتہ واقف کو بحیثیتِ رکن صرف مشورہ دینے کا حق حاصل ہے، اپنے مشورہ کو منوانے کا حق نہیں ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۲۰۱/۱۳)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: لما نزلت هٰذه الآيةُ: ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ الآية، قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أما إن اللّٰه ورسوله غنيان عنهما ولكن جعلها اللّٰه رحمةً لأمتي، فمن شاور منهم لم يعدم رُشدًا ومن ترك

المشورةَ منهم لم يعدم عناءً. (رواه البيهقي في شعب الإيمان / باب في الحكم بين الناس ٧٦/٦، الأحاديث المنتخبة في الصفات الست ص: ٣٧٦ رقم: ١٣٩٣)

شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به. (الدر المختار، كتاب الوقف / مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، ومطلب: بيان مفهوم المخالفة ٤٣٣/٤-٤٣٤ كراچی، ٦٤٩/٦ زكريا، وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف / الفن الثاني، الفوائد: ٣٠٥/١ إدارة القرآن كراچی، تنقيح الفتاویٰ الحامدية ١٢٦/١ المكتبة الميمنية مصر)

ثم ذكر عن التاتارخانيه ما حاصله أن أهل المسجد لو اتفقوا على نصب رجل متوليًا لمصالح المسجد فعند المتقدمين يصح. (شامي / مطلب: الأفضل في زماننا نصب المتولي بلا إعلام القاضي وكذا وصي اليتيم ٦٣٤/٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۲/۷/۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شوریٰ کی شرعی حیثیت

سوال (۴۹۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ کی شوریٰ امرہم شوریٰ کے تحت مدرسوں میں بنائی جاتی ہے، شوریٰ مدرسہ کے فیصلے اساتذہ وملازمین کا تقرر وتعزل کرتی ہے، حسبِ شوریٰ کے فیصلے قابلِ عمل ہے یا نہیں؟ ﴿وَاَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ حکم خداوندی کے تحت کیا ناظم اور مہتمم مدرسہ اولی الامر ہیں، اُس کی اِطاعت ملازمین ومدرسین پر فرض ہے؟ شوریٰ کی اطاعت ضروری ہے یا مہتمم اور ناظم اور امیر کی؟ شوریٰ برخاست کی جاسکتی ہے تو کون کرسکتا ہے؟ امیر کو شوریٰ برخاست کرسکتی ہے یا شوریٰ کو امیر؟ امیر کا مرتبہ بڑھا ہوا ہے یا شوریٰ کا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو مدارس شورائی نظام پر قائم ہیں، اور اُن کے باقاعدہ

دستور اور اُصول وضوابط مقرر ہیں، اُن میں شوریٰ کو ہیئتِ حاکمہ کی حیثیت حاصل ہوتی ہے، اور مہتمم اور دیگر اساتذہ وملازمین سب شوریٰ کے ملازم ہوتے ہیں، اور وہ سب عرفی اعتبار سے شوریٰ کی حاکمیت تسلیم کرتے ہیں؛ لہٰذا ایسے مضبوط شورائی مدارس میں شوریٰ کا حکم ماننا آئینی اور دستوری اعتبار سے لازم ہے، اور شوریٰ کے حکم کی روگردانی کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔ (مستفاد تحریر: حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی وتاریخ شاہی نمبر ندائے شاہی ۷)

عن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحًا حرّم حلالاً أوأحلّ حرامًا، والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالاً أو أحل حرامًا.

(سنن الترمذي، أبواب الأحكام / باب ما ذكر عن النبي صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس ۲۵۱/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۱۱/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا اَراکینِ شوریٰ صدر وسکریٹری کو معزول کر سکتے ہیں؟

سوال (۴۹۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید وبکر کسی مجلسِ شوریٰ/ کمیٹی کے صدر وسکریٹری ہیں، جس کے اَرکان کی قطعی اکثریت نے نااہلی بے ایمانی وبدعنوانی کی وجہ سے عدمِ اعتماد کی بنیاد پر اُن لوگوں کو ان کے عہدے سے ہٹا دیا، ایسی صورت میں زید وبکر کو شرعاً زبردستی اپنے عہدوں پر برقرار رہنے کا حق ہے؟ اگر زید وبکر اس سلسلہ میں زور وزبردستی کرتے ہیں اور اِس سے ملت کا نقصان ہوتا ہے، تو شرعاً اُن سے مؤاخذہ کی کیا صورت ہوگی؟ اور ایسے لوگ کیا کہے جائیں گے؟ کسی الزام کے بغیر بھی اگر ممبران مجلس شوریٰ / کمیٹی کی قطعی اکثریت کسی شخص کو اس کے عہدے سے ہٹاتی ہے یا تبدیلیاں کرتی ہے، تو شخص مذکور کا اس سلسلہ میں کیا رویہ ہونا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اِس معاملہ میں مذکورہ اِدارہ کے دستور کے مطابق عمل کیا جائے گا، اگر دستور میں اراکینِ شوریٰ کو صدر و سکریٹری کو معزول کرنے کا اختیار ہو تو اُن کے معزول کرنے سے یہ دونوں عہدہ دار اپنے عہدہ سے برطرف ہو جائیں گے، اور زبردستی انہیں عہدے پر بنے رہنے کا حق نہ ہوگا، اور اگر دستور اِس کے برخلاف ہو تو اس کے مطابق عمل کیا جائے گا، اور سبھی ادارے کے ملازمین کو چاہئے کہ وہ من مانی کے بجائے ادارے کے دستور کی پابندی کریں، اور ملت میں انتشار کا سبب نہ بنیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ [آل عمران، جزء آیت: ۱۵۹]

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ [الشوریٰ، جزء آیت: ۳۸]

لا خلافة إلا عن مشورة. (مستفاد: معارف القرآن ۲۲٤/۲)

عن حذيفة رضي اللّٰه عنه قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: من فارق الجماعة واستذلَّ الإمارةَ، لقي اللّٰه ولا وجه له عندهُ. (المسند للإمام أحمد بن حنبل ۲۸۷/۵ دار الفكر بيروت، مجمع الزوائد / باب لزوم الجماعة ۲۲۲/۵ دار الكتاب العربي، الأحاديث المنتخبة في الصفات الست ص: ۳۸۰ رقم: ۱٤۱۲)

قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أيها الناس عليكم بالجماعة وإياكم والفرقة ثلاث مرات. (المسند للإمام أحمد بن حنبل ۳۷۰/۵، مجمع الزوائد / باب: لزوم الجماعة وطاعة الأئمة ۲۱۷/۵)

عن عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه أنه قال: يا أيها الناس! عليكم بالطاعة والجماعة؛ فإنها حبل اللّٰه الذي أمر به، وإن ما تكرهون في الجماعة خير مما تحبون في الفرقة. (مجمع الزوائد / باب لزوم الجماعة وطاعة الأئمة ۲۲۲/۵)

عن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده رضي اللّٰه عنه أن رسو ل اللّٰه

صلى الله عليه وسلم قال:...... والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالاً أو أحل حرامًا. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام / باب ما ذكر عن النبي صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس ١/ ٢٥١، المعجم الكبير للطبراني ١٧/ ٢٢ رقم: ٣٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۱۱/۱۴۳۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مہتمم مدرسہ کا کمیٹی اور شوریٰ کے بغیر مدرسین کی تنخواہ بڑھانا؟

سوال (۴۹۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا مہتمم مدرسہ کو بغیر کمیٹی کے مشورہ کے ملازمین کی تنخواہ بڑھانے کا جواز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مہتمم کو اگر کمیٹی نے اختیار دے رکھا ہے تو مہتمم کو اِضافہ تنخواہ کا فیصلہ کرنے کی شرعاً اجازت ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۲/ ۲۰۷، ۱۴/ ۲۸۲ قدیم زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۲/۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مہتمم اور کمیٹی کے مشورہ کے بغیر مدرسین کا اَزخود تنخواہ بڑھانا؟

سوال (۵۰۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ کی ایک باضابطہ بااختیار تقریباً بیس اَرکان پر مشتمل ایک کمیٹی ہے، کیا مدرسہ کے اَساتذۂ کرام کو خود اپنی تنخواہ بڑھانے کا جواز ہے، اگر بغیر مہتمم مدرسہ اور بغیر کمیٹی کے مشورہ کے تنخواہ بڑھالی ہے اور وہ اُنہوں نے خود مدرسہ کے فنڈ سے ادا کرلی ہے، تو یہ بڑھائی ہوئی تنخواہ لوٹانا ضروری ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کمیٹی کے سرگرم اور بااختیار ہونے کی حالت میں

اگر چہ اساتذہ کو خود اپنی تنخواہ بڑھانے کی اِجازت نہیں ہے؛ لیکن اگر کمیٹی کے ارکان کسی استاذ یا مہتمم کو مکمل اختیار دے دیں، اور وہ اپنے اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے تنخواہ بڑھائیں اور اُن کے اِس عمل پر کمیٹی کے اَرکان نکیر نہ کریں؛ بلکہ خاموش رہیں یا توثیق کریں، تو یہ اضافہ کرنا شرعاً جائز ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۲/ ۲۰۷، ۱۴/ ۱۲۸)

ثم ما هو أقرب إلى العمارة، وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة، يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم. (شامي، كتاب الوقف / مطلب يبدأ العمارة بما هو أقرب إليها ٤/ ٣٦٧ كراچی، ٦/ ٥٦٠ زكريا، البحر الرائق / كتاب الوقف ٥/ ٢١٣ كوئٹه، ٥/ ٣٥٦ زكريا، منحة الخالق على البحر الرائق ٥/ ٢١٣ كوئٹه)

وسائر التصرفات لمن يتولىٰ. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف / مطلب لا يستبدل العامر إلا في أربع ٦/ ٥٨٩ زكريا)

والنائب مثل الأصيل. (شامي / مطلب فيما إذا شرط المعلوم لمُباشرة الإمامة لا يستحق المستنيب ٦/ ٦٣٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۰/ ۲/ ۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ممبرانِ شوریٰ کی عدمِ موجودگی میں مہتمم یا کسی ایک رکن کا تجویز پاس کرنا؟

سوال (۵۰۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مہتمم مدرسہ اور ایک رکن شوریٰ نے ایک تجویز منظور کی، کیا اِن دو کی منظور کردہ تجویز قابلِ عمل ہے یا نہیں؟ جب کہ ارکانِ شوریٰ کی تعداد تقریباً بیس ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ تجویز بعد میں دیگر اراکینِ شوریٰ منظور کریں

تو وہ قابلِ عمل ہے۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۲/ ۲۰۷، ۱۴/ ۱۲۸)

قال تعالیٰ: ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ [الشوریٰ، جزء آیت: ۳۸] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۲/۲/۱۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اہلِ مدرسہ کا مدرس سے ہر ماہ سہ روزہ جماعت میں جانے کی شرط لگانا؟

سوال (۵۰۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بندہ ایک مدرسہ میں درجہ حفظ کا مدرس ہے، بندہ کو تین ہزار روپئے تنخواہ ملتی ہے، اہلِ کمیٹی نے یہ شرط لگائی ہے کہ آپ کو ہر تین مہینے میں تین روز کے لئے تبلیغی جماعت میں ضرور جانا ہوگا، جس کا خرچ سو روپئے ہے، تو کیا یہ شرط اہلِ کمیٹی کی جائز ہے؟ جب کہ بندہ مدرسہ کی مسجد میں اِمامت بھی کرتا ہے، اللہ کے فضل سے نماز بھی فوت نہیں ہوئی، حضرت والا سے گذارش ہے کہ مفصل جواب تحریر فرمادیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ نے ملازمت قبول کرتے وقت کمیٹی کی مذکورہ شرط قبول کرلی تھی، تو اس کی پابندی کرنا لازم ہے، اور اگر تقرر کے وقت یہ شرط نہیں لگائی تھی تو اَب آپ کی رضامندی کے بغیر کمیٹی والوں کی طرف سے یہ شرط آپ پر لاگو نہیں کی جاسکتی، خلاصہ یہ کہ اِس معاملہ کا مدار آپ کے راضی ہونے یا نہ ہونے پر ہے۔

عن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال:...... والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالاً أو أحل حرامًا. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام / باب ما ذكر عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في الصلح بين الناس ۱/ ۲۵۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۳/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا مہتمم مدرس کو عام راستہ پر ڈانٹ سکتا ہے؟

سوال (۵۰۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا مدرسہ کا مہتمم جیسا کہ عام دیہاتوں میں ہوتا ہے، یا پڑھے لکھے مہتمم مدرسہ کے کسی مدرس (حافظ ہو یا عالم) کو عام راستہ پر مدرسہ کے ایسے کام کے لئے جس سے مدرسہ کا کوئی فائدہ نہ ہو، یا ایسے کام کے لئے جس سے مدرسہ کا فائدہ ہو، عام راستہ پر عام نوکروں کی طرح سے ڈانٹ ڈپٹ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مہتمم چاہے اَن پڑھ ہو یا پڑھے لکھے ہوں، اُن کے لئے کسی بھی مدرس کو عام راستہ پر ڈانٹ ڈپٹ کرنے کی اِجازت نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس سے مدرس کی تحقیر لازم آتی ہے جو کہ ممنوع ہے؛ البتہ اگر مدرس قانون کی خلاف ورزی کرے تو تنہائی میں اسے تنبیہ کی جاسکتی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۷/۲۴۲)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿خُذِ الۡعَفۡوَ وَأۡمُرۡ بِالۡعُرۡفِ﴾ [الأعراف، جزء آیت: ۱۹۹]

قال تعالیٰ: ﴿وَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَاهۡجُرۡهُمۡ هَجۡرًا جَمِیۡلًا﴾ [المزمل: ۱۰]

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: كل المسلم على المسلم حرام ماله وعرضه ودمه. (سنن أبي داؤد)

حسب امرئٍ من الشر أي يكفي امرأ من الشر في دينه أن يحقر أخاه المسلم أي يعده حقيراً ذليلاً. (بذل المجهود / باب الرجل يذب عن عرض أخيه ۱۳/۲۹۲) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۱/۴/۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

مہتمم کا تعلیم میں کوتاہی کو دیکھ کر مدرس کا اخراج کرنا؟

سوال (۵۰۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: مہتمم مدرسہ کو تعلیم میں کوتاہی ہوتے ہوئے مدرس کو برطرف کرنے کا اور اُس کی جگہ اُس سے بہتر مدرس رکھنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ مدرسہ میں اگر باضابطہ شوریٰ یا کمیٹی موجود ہے، اور اُس نے مدرسین وملازمین کے لئے عزل ونصب کا ضابطہ بنا رکھا ہے، تو اُسی ضابطہ کے مطابق عمل کیا جائے گا، اگر ضابطہ میں مہتمم کو عزل ونصب کا حق دیا گیا ہے، تو اُسے برطرفی کا اختیار ہوگا ورنہ نہیں، اور اگر مدرسہ میں کوئی کمیٹی وغیرہ نہیں ہے؛ بلکہ خود مہتمم ہی بااختیار ہے تو اس کو بہرحال کسی بھی ملازم کو رکھنے یا برطرف کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

عن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال:...... والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالاً أو أحل حرامًا. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام / باب ما ذكر عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في الصلح بين الناس ۲۵۱/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۷/۱۰/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کے مہتمم کا مدرسہ کے مکان میں بغیر کرایہ کے رہنا؟

سوال (۵۰۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مکتب ہے جس میں صرف مقامی غیر امدادی طلبہ تعلیم حاصل کرتے ہیں، مکتب کی نصف عمارت میں مکتب کے مہتمم کا قیام ہے، جو بغیر کرایہ کے مدرسہ کی عمارت میں رہتے ہیں، اور دو کان کرتے ہیں، کوئی کرایہ مدرسہ کو نہیں دیتے، اور مدرسہ سے معقول تنخواہ لیتے ہیں، صرف مکتب کا اہتمام اور ایک گھنٹہ انگریزی وغیرہ کا پڑھاتے ہیں، کیا ایسے مہتمم کو مدرسہ کی عمارت میں بغیر کرایہ رہنے اور اس طرح معقول تنخواہ لینے کی اجازت ہے؟ مدرسہ میں طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر مدرسہ کو

عمارت کی شدید ضرورت بھی ہے، کیا مدرسہ کی ضرورت کو پس پشت ڈال کر کرایہ دے کر یا بغیر کرایہ مدرسہ کی عمارت میں رہنے کا جواز ہے؛ لیکن یہ بات واضح رہے کہ مدرسہ کی کافی آمدنی مہتمم صاحب موصوف ہی کے وسیلے سے ہے، اگر مہتمم صاحب سبک دوش ہوجائیں، تو ظاہر ہے کہ اسباب میں مدرسہ کی آمدنی کم ہوجائے گی، کیا اس مصلحت کے پیشِ نظر ایسے مہتمم کے لئے عمارت مدرسہ میں قیام اور تنخواہ لینے کی اجازت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کے ضابطہ کے مطابق اہلِ شوریٰ کی اجازت سے مدرسہ کے مہتمم کے لئے مدرسہ کی عمارت میں بقدرِ ضرورت بلا کرایہ قیام کرنے کی گنجائش ہے، اور مکتب کی ضرورت کو پس پشت ڈال کر ان کا نصف عمارت میں بلا کرایہ قیام کرنا بالکل ناجائز ہے، مہتمم صاحب کو چاہئے کہ وہ طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کو دیکھ کر ان کا خیال رکھیں اور مدرسہ میں طلبہ کے لئے عمارت کا بندوبست کریں، جس سے کہ طلبہ اپنی تعلیم میں یکسوئی کے ساتھ مشغول رہیں، طلبہ اور مدرسہ کی مصلحت ہمیشہ ہمیش پیشِ نظر رہنی چاہئے۔

للحاكم الدين أن يصرف من فاضل وقف المصالح والعمارة إلى الإمام والمؤذن باستصواب أهل الصلاح من أهل المحلة إن كان الوقف متحدًا؛ لأن غرضه إحياء وقفه، وذٰلک يحصل بما قلنا. (شامي، كتاب الوقف / مطلب في نقل أنقاض المسجد ٤/٣٦٠ كراچی، ٦/٥٥١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۰/۳/۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مہتمم کیلئے مدرسہ میں دفن ہونے کی وصیت کرنا کیسا ہے؟

سوال (۵۰۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص ایک مدرسہ کے مہتمم کئی سال تک رہے اور وہ بوڑھے ہوچکے ہیں، اَب وہ یہ

وصیت کرنا چاہتے ہیں کہ میرے مرنے کے بعد میری قبر مدرسہ ہی میں بنے اور مجھے مدرسہ میں دفن کیا جائے، تو کیا یہ درست ہے؟

کیا کسی مدرسہ کے مہتمم کو ایسی وصیت کرنا اور مدرسہ کی زمین میں دفن ہونا جائز ہے؟ اگر بعد والوں نے اس پر عمل کیا اور مدرسہ میں دفن کر دیا تو گناہ ہوگا یا نہیں؟ اگر گناہ و ناجائز ہے تو قصوروار کون ہے؟ موصی یا تدفین کرنے والے رشتہ دار؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مہتمم کے لئے اِس طرح کی وصیت کرنا صحیح نہیں ہے، اور نہ اس وصیت پر عمل کرنا جائز ہے، چوں کہ اِس میں مدرسہ کے حق کا ابطال لازم آتا ہے، اِس وصیت پر عمل کرنے کی شکل میں وصیت کرنے والا اور دفن کرنے والے سب گنہگار ہوں گے؛ اِس لئے کہ اس میں مدرسہ کے لئے وقف شدہ زمین کو ناحق استعمال کرنا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۴۰۸/۵)

علی أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامي، كتاب الوقف / مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة والعرف يصلح مخصصًا ٦٦٥/٦ زكريا، ٤٤٥/٤ كراچی)

رجل أوصیٰ بأن يدفن في داره، قال أبو القاسم: هٰذه الوصية باطلة. (خانية على الهندية / فصل فيما يكون وصية وفيما لا يكون ٤٩٤/٣)

أوصى بأن يصلى عليه فلان فهي باطلة، وجه البطلان أن إبطال حق الولي في الصلاة. (شامي / كتاب الوصايا ٦٩٠/٦ دار الفكر بيروت، ٣٦١/١٠ زكريا)

ولو أوصى بأن يصلي عليه فلان فقد ذكر في العيون أن الوصية باطلة، وفي الفتاویٰ العتابية وهو الأصح، وفي نوادر ابن رستم أنها جائزة، ويؤمر بأن يصلي عليه والفتویٰ على ما ذكر في العيون. (الفتاویٰ التاتارخانية ٥١/٢٠ رقم: ٣٢٤٥٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۴/۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کے صحن میں مہتمم مدرسہ کی تدفین؟

سوال (۵۰۷):-کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک بستی میں علم دین کی اِشاعت اور اُس سے متعلق اُمور کوانجام دینے کے لئے کچھ ذمہ دار لوگوں نے عام مسلمانوں کے مالی تعاون اور چندہ سے ایک ادارہ بنانا طے کیا، جس کی تکمیل کے لئے بطورامین ومہتمم زید کومنتخب کیا، پھر اِس اِدارہ کے وجود وبقاء وترقی کے لئے زکوٰۃ، خیرات، صدقات اور چرمِ قربانی وغیرہ مدات کی رقم زید کے حوالہ کرتے رہے، زید کی کاوش کو دیکھتے ہوئے اِدارہ کے فنڈ سے ماہانہ تنخواہ بھی ملتی رہی، اِس طرح عوام کے مالی تعاون سے آراضی خرید کراس پر عمارت بنائی گئی، اِس کے بعد کام کی ترقی اور اِنتظامی اُمور پر قابو پانے کے لئے سات یا آٹھ افراد پر مشتمل ایک رجسٹرڈ کمیٹی بنائی گئی اور باقاعدہ مدرسہ کے آمد وخرچ کی سالانہ رپورٹ روئیداد کی شکل میں شائع ہوتی رہی۔

چناں چہ ۱۹۹۴ء کی روئیداد میں مہتمم نے لکھا کہ یہ اِدارہ میرے استاذ وشیخ نے ۱۳۷۶ھ میں قائم کیا تھا، اِس کے کچھ وقت بعد مشاہیر علماء ہند نے اِدارہ کا معائنہ کرتے وقت اپنے تأثرات میں لکھا کہ اِس اِدارہ کے قیام کے سلسلہ کی تاسیس (بنیاد) مہتمم کے استاذ نے فرمائی، مہتمم نے اِدارہ کی مزید دیکھ بھال کے لئے اِس قومی اِدارہ کے زائد از ضرورت کمروں میں اپنی واہل خانہ کی رہائش اختیار کرلی، یہاں تک کہ بتدریج ممبرانِ ادارہ انتقال کرگئے، کچھ عرصہ کے بعد مہتمم کا بھی انتقال ہوگیا، اور اُن کے متعلقین نے یہ کہہ کر کہ مہتمم کی وصیت ہے اُن کو علاقہ کے ذاتی ومشترکہ قبرستان کو چھوڑ کر اِس ملی اِدارہ کے درمیان صحن میں بوقتِ شب دفن کردیا اور یہ بھی اعلان کردیا کہ مہتمم کی وصیت کے مطابق اُن کی اَہلیہ کو بھی انتقال کے بعد اِدارے کے صحن میں دفن کیا جائے گا۔

حضرت والا اِس عمل سے بستی کے مسلمانوں کی اکثریت میں بے چینی اور تشویش ہے کہ اُن کے پیش کردہ ثبوت سے کہیں مستقبل میں ہزاروں متولیانِ مساجد ومنتظمینِ مدارس کو عوامی جائیدادوں میں اپنی ومتعلقین کی قبریں بنانے کا سلسلہ وار موقع نہ مل جائے، چناں چہ اس ادارہ کے معاونین

نے بلاتاخیر رجسٹری آفس میں سرکاری بیع نامہ کا معائنہ کیا، تو اُس میں لکھا تھا کہ یہ گیارہ سوگز آراضی اِدارہ کو فروخت کی گئی جس کا مہتمم و بانی ''زید'' ہے۔

اِن حالات میں ضرورت پیش آئی کہ آپ سے معلوم کیا جائے کہ زید کی وصیت اور اُس کے متعلقین کا اِس پر عمل کرنے کے بارے میں شریعتِ اسلامیہ کا کیا حکم ہے؟ اگر یہ عمل ناجائز ہو تو اِس مہلک رسم کے خاتمہ کے لئے زید کے جسد خاکی کو ملی اِدارے کی آراضی میں ہی مدفون رکھا جائے یا احتیاط کے ساتھ قبرستان میں منتقل کیا جائے؟ اور آئندہ مہتمم کی زوجہ کو انتقال کے بعد اِدارہ کے صحن میں بلاکسی کراہت کے دفن کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ زمین مدرسہ کے نام پر وقف کی گئی ہے؛ لہٰذا اُس میں مہتمم کی تدفین منشاء واقف کے خلاف ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے؛ لیکن حسبِ تحریر سوال چوں کہ وہاں تدفین ہوچکی ہے، تو اَب قبر منتقل کرنے میں چوں کہ فتنہ کا بڑا خطرہ ہے، اِس لئے اُسے علی حالہ چھوڑ دیا جائے اور ایسا انتظام کیا جائے کہ آئندہ کوئی اور تدفین نہ ہوسکے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۵-۳۰/۳۲۲ ڈابھیل)

اور مذکورہ مہتمم صاحب کی اہلیہ کو مدرسہ کے اِحاطہ میں دفن کرنا جائز نہیں ہے، اور اس سلسلہ میں کسی کی وصیت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به.

(الدر المختار، كتاب الوقف / مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، ومطلب: بيان مفهوم المخالفة ٤٣٣/٤-٤٣٤ كراچی، ٦٤٩/٦ زكريا، وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف / الفن الثاني، الفوائد: ٣٠٥/١ إدارة القرآن كراچی، تنقيح الفتاوىٰ الحامدية ١٢٦/١ المكتبة الميمنية مصر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۳/۱۱/۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کے قوانین وضوابط

تنخواہ دار مدرس وملازم کا مدرسہ کا کھانا کھانا؟

سوال (۵۰۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم مدرسین مدرسہ ایک مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، اور ہمارے مدرسہ کے ذمہ داران نے ہمیں یہ کہہ کر ہمارا تقرر کیا ہے کہ قیام وطعام کی سہولت کے ساتھ ساتھ آپ کو ۳۵۰۰ روپئے تنخواہ ملے گی۔ اَب سوال یہ ہے کہ چاول، دال، آٹا، تیل اور مسالہ وغیرہ کی شکل میں لوگ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، کیا ہم وہ اشیاء استعمال کر سکتے ہیں؟ ہمارے لئے اس کا کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟ اگر نا جائز ہے تو کیا اس کے جواز کی کوئی شکل وصورت ہے، جس حیلہ کو اپنا کر شرعاً درست کیا جاسکے؟ اسی طرح ہمارے مدرسہ میں صدقہ کا بکرا یا دیگر اشیاء مثلاً کوئی لڑکا بیمار ہے تو اس کی جانب سے اس کی صحت یابی کے لئے بکرا وغیرہ دیا جاتا ہے، کیا اس بکرے کا گوشت ہم اساتذہ استعمال کر سکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کے مال میں سے تنخواہ دار ملازم کو کھانا جائز نہیں ہے، ایسے ملازمین کے لئے مدرسہ کے امدادی فنڈ سے الگ سے کھانے کا نظم ہونا چاہئے، اگر یہ صورت نہ ہو تو مجبوری میں دو طریقے اپنائے جاسکتے ہیں:

الف:- ایک طریقہ یہ ہے کہ باقاعدہ تملیکِ شرعی کے بعد ہی مدرسہ کا کھانا تیار کرایا جائے؛ تاکہ مکمل کھانا امدادی مد سے ہو جائے۔

ب:- دوسری شکل یہ ہے کہ ہر ملازم کی طرف سے من جانب مدرسہ ہر مہینے امدادی فنڈ

سے خورا کی رقم مطبخ میں جمع کی جائے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [النساء، جزء آیت: ٦]

ولا يعطى أجر الجزار منها؛ لأنه كبيع. (الدر المختار ٩/٤٧٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۴/۱/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کے اساتذہ کا بلا قیمت مدرسہ کا کھانا کھانا؟

سوال (۵۰۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ کے اَساتذہ بلا قیمت مدرسہ سے کھانا لے سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ تقرر ہوتے وقت طعام کی کوئی وضاحت نہیں ہوئی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کی رقم سے بنایا گیا کھانا اساتذۂ مدرسہ کے لئے بطور اجرت کھانا درست نہیں ہے؛ البتہ قیمت جمع کر کے کھا سکتے ہیں، خواہ خود جمع کریں یا مدرسہ اُن کی طرف سے امدادی فنڈ میں سے جمع کرے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [النساء، جزء آیت: ٦]

ولا يعطى أجر الجزار منها؛ لأنه كبيع. (الدر المختار ٩/٤٧٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۱۲/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسین کے لئے مخصوص کھانا بنانا؟

سوال (۵۱۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) مدرسہ میں اُستاذوں کے واسطے مخصوص سبزی ترکاری بنانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید ایک مدرسہ میں اس شرط پر مدرس ہے کہ مدرسہ والے اس کو ۸۰۰/ روپیہ ماہانہ تنخواہ دیں گے اور کھانا ناشتہ وغیرہ بھی دیں گے، کیا اب زید اپنے کھانے کے لئے یا ناشتہ وغیرہ مزید بنانے کے لئے مدرسہ کی چینی اور دیگر اشیاء مثلاً چاول، چنے وغیرہ لے کر استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟

(۳) اگر زید کا کوئی مہمان آجائے تو اس ناشتہ اور کھانے سے مہمان کو کھلاسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اَساتذہ کے لئے الگ سے کھانا پکانا درست ہے، مگر یہ زکوٰۃ وصدقات کی رقم سے نہ ہونا چاہئے؛ بلکہ اس میں صرف اِمدادی رقوم ہی صرف کرنی چاہئیں۔

عن عائشة رضي الله عنها أنها قالت: أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن ننزل الناس منازلهم. (صحيح مسلم ۱/٤ المقدمة)

عن ميمون بن أبي شبيب أن عائشة رضي الله عنها مرّ بها سائل، فأعطته كِسرةً، ومرّ بها رجل عليه ثياب وهيأة، فأقعدته فأكل، فقيل لها في ذٰلك، فقالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أنزلوا الناس منازلهم. (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب / باب في تنزيل الناس منازلهم ص: ۹۰۷ رقم: ٤٨٤٢ دار الفكر بيروت)

قال العلامة المناوي رحمه الله تعالىٰ: ''أنزلوا الناس منازلهم'': أي احفظوا حرمة كل أحد على قدره، وعاملوه بما يلائم حاله في دين وعلم وشرف، فلا سوّوا بين الخادم والمخدوم، والرئيس والمرؤوس؛ فإنه يورث عداوةً وحقدًا في النفوس ...... وقد عدّ الأسكري هٰذا الحديث من الأمثال والحِكَم، وقال: هٰذا مما ادّب به المصطفى صلى الله عليه وسلم أمته من إيفاء

الـنـاس حـقـوقَهم من تعظيم العلماء والأولياء وإكرام ذي الشيبة وإجلال الكبير وما أشبه. (فيض القدير شرح الجامع الصغير ٢٣٢٢/٥ رقم: ٢٧٣٥ مكتبة نزار مصطفى الباز رياض)

يصفّ الرجال: ظاهره يعم العبد ثم الصبيان، ثم الخناثیٰ ثم النساء. (الدر المختار) قوله: ظاهره يعم العبد: أشار به إلى أن البلوغ مقدم على الحرية، لقوله صلى اللّٰه عليه وسلم: لِيَلِينِي منكم أولوا الأحلام والنهي: أی البالغون. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة / باب الإمامة ٥٦٨/١-٥٧١ كراچی، ٣٠٩/٢-٣١٤ زكريا)

(۲) مسئولہ صورت میں جب کہ اُجرت میں روپئے کے علاوہ کھانا اور ناشتہ دینا بھی طے ہوا ہے، تو زید اہل مدرسہ کی اجازت سے اپنے کھانے وناشتہ کے لئے مدرسہ کا اِمدادی غلہ وغیرہ لے سکتا ہے۔

ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل أو باستيفاء المعقود عليه، فإذا وجد أحد هٰذه الأشياء الثلاثة فإنه يملكها. (الفتاویٰ الهندية / الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة وما يتعلق به من الملك وغيره ٤١٣/٤)

(۳) اپنے حصہ کا جو کھانا وغیرہ اُسے ملا ہے، اس میں سے اپنے مہمان کو بھی کھلا سکتا ہے، مہمان کیلئے الگ سے بلا قیمت زیادہ لینا درست نہ ہوگا۔ (کذا تستفاد من العبارۃ السابقۃ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۲/۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کا کھانا مہتمم کے گھر اور گھر کا کھانا مدرسہ کے تنور پر پکانا؟

سوال (۵۱۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ کے مہتمم کی مقررہ تنخواہ نہیں ہے، مقیم طلبہ کا کھانا وغیرہ اُس کی بیوی پکاتی ہے، اور کبھی تنور پر روٹی اور گھر پر سالن بنتا ہے، ایسی صورت میں کبھی مہتمم کے گھر کی روٹیاں تنور پر پک جاتی ہیں، اور سالن طلبہ کے سالن میں شامل کر کے پکالیا جاتا ہے، کیا مہتمم کو اتنا فائدہ حاصل کرنے کی گنجائش ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مالی معاملات مجمل نہیں رہنے چاہئیں؛ بلکہ پوری دیانت کے ساتھ صاف صاف معاملات طے کرنے چاہئیں؛ لہٰذا جب مہتمم کے گھر کی روٹیاں مدرسہ کے تنور پر پکوائی جائیں، تو مہتمم کو چاہئے کہ اس کا مناسب معاوضہ مدرسہ میں جمع کرائے، اور جب مدرسہ کا سالن مہتمم کے گھر پکایا جائے تو اس کا مناسب عوض مدرسہ سے وصول کرلے، اور حتی الامکان گھر کا سالن مدرسہ کے سالن سے الگ پکایا جائے، اگر اس میں سخت دشواری ہو تو صحیح حساب لگاکر ساتھ میں بھی پکانے کی گنجائش ہے، مگر مہتمم کو بہرحال اس میں احتیاط کرنی لازم ہے؛ تاکہ وہ متہم نہ ہوسکے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَهُمْ اِلٰى اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا﴾

[النساء، جزء آیت: ۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۴/۱/۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نابینا اُستاذ کا طلبہ سے خدمت لینا؟

سوال (۵۱۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مدرسہ ہے جس میں بیرونی طلبہ رہتے ہیں، اور اس بستی کے ایک نابینا صاحب اکثر اس میں آتے جاتے رہتے ہیں، اور قیام بھی کرتے ہیں، نابینا صاحب اُن طلبہ کا حتی الامکان خیال رکھتے ہیں، مثلاً کھانے پینے کا خیال اور سیکھنے سکھانے کی بھی خدمت انجام دیتے ہیں، مثلاً سورتیں سکھانا اور دعائیں سکھانا، اگر یہ نابینا صاحب اُن طلبہ سے کوئی خدمت مثلاً اگر بال بنوانا ہے یا کوئی سامان خریدنا ہے، تو کیا ان طلبہ میں سے کسی کو اپنے ہمراہ لے جاسکتے ہیں؟ باوجود اس کے کہ نابینا صاحب کے خود بھی لڑکے ہیں، اور نابینا صاحب مدرسہ کے کوئی رکن بھی نہیں ہیں، تو اگر نابینا صاحب کا کام طلبہ بخوشی کردیتے ہیں، تو کیا اُن کا یہ کام لینا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلبہ اگر بخوشی اُن نابینا استاذ صاحب کی خدمت کرتے ہیں اور اس سے مدرسہ کے قوانین وغیرہ کی بھی کوئی خلاف ورزی نہیں ہوتی، تو اِس میں کوئی حرج نہیں؛ بلکہ یہ عمل موجبِ اجر وثواب ہے۔

عن أبي ذر رضي اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: تبسمک في وجه أخیک صدقةٌ، وأمرک بالمعروف ونهیک عن المنکر صدقةٌ، وإماطة الأذیٰ والشوک والعظم عن الطریق لک صدقةٌ، وإفراغک من دلوک في دلو أخیک لک صدقةٌ، وزاد وعظهم وبصرک للرجل الردي البصر لک صدقةٌ. (رواہ الترمذي وحسنه، وابن حبان في صحیحه، الترغیب والترهیب مکمل ص: ۵۷۲ رقم: ٤٠٩٤ بیت الأفکار الدولیة) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۸/۲/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طالبِ علم سے سالانہ پیشگی فیس مکمل وصول کرنا؟

سوال (۵۱۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مدرسہ ہے جس میں طالبِ علم کے لئے داخلہ کے لئے یہ شرط ہے کہ ہر شروع سال میں ایک سال تک کی مکمل تعلیمی فیس جمع کرنی پڑے گی، اس کے بعد اگر طالبِ علم درمیان سال میں کبھی بھی مدرسہ چھوڑ کر کہیں جاتا ہے، تو بقیہ دنوں کی تعلیمی فیس واپس نہیں کی جائے گی، اِس شرط کی وضاحت داخلہ لینے والے سے شروع ہی میں کردی جاتی ہے، تو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعلیمی فیس میں اُجرت وقت کی بنیاد پر نہیں لی جاتی ہے؛ بلکہ نفسِ تعلیم پر لی جاتی ہے؛ لہٰذا تعلیم چند دنوں کی ہو یا پورے سال

کی ہو، اس کی فیس یکساں مقرر کرنے کی گنجائش ہے۔ بریں بناء اسے ماہانہ فیس کا نام نہ دیا جائے؛ بلکہ سالانہ فیس کا عنوان دیا جائے۔

وتستحق (الأجر) بإحدى معاني ثلاثة: إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل من غير شرط. (الهداية / باب الأجر متى يستحق ۲۹٤/۳)

لا يستوجب الأجر قبل الفراغ إلا أن يشترط التعجيل؛ لما مرّ أن الشرط فيه لازم. (الهداية / باب الأجر متى يستحق ۲۹٥/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۲۳؍۷؍۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طلبہ سے اَیامِ تعطیل کی فیس لینا؟

سوال (۵۱۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی مدرسہ اور اِسکول وغیرہ میں عموماً دس مہینہ پڑھائی ہوتی ہے؛ لیکن اُن کے ذمہ داران بچوں سے پورے بارہ مہینہ کی فیس لیتے ہیں، حالاں کہ چھٹی کے موقع پر اَساتذہ کو تنخواہ نہیں دی جاتی ہے۔ کیا شریعتِ اسلامیہ میں دو ماہ کی فیس جو زیادہ لی جاتی ہے، جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مدرسہ اور اِسکول کا ضابطہ یہ ہو کہ ایامِ تعطیل کی فیس بھی جمع کرنی پڑے گی؛ تاکہ طالبِ علم کی نسبت اور داخلہ اسکول میں برقرار رہے، تو ایسے اسکول میں ایامِ تعطیل کی فیس کا لین دین جائز ہے اور اگر کسی طالب علم یا اُس کے اَولیاء کو اِن ایام کی فیس دینے پر اتفاق نہ ہو، تو اپنے بچوں کو اس اسکول سے دوسری جگہ منتقل کر سکتے ہیں۔

عن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحًا حرّم حلالاً أو أحلّ حرامًا، والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالاً أو أحل حرامًا.

(سنن الترمذي، أبواب الأحكام / باب ما ذكر عن لنبي صلى اللّٰه عليه وسلم في الصلح بين الناس ۲۵۱/۱)

أراد الحكم في المعلوم على نفس المباشرة، فإن وجدت استحق المعلوم وإلا فلا، هٰذا هو الفقه. قلت: ولا ينافي هٰذا ما مر من المسامحة بأسبوع ونحوه؛ لأن القليل مغتفر كما سومح بالبطالة المعتادة. (شامي، كتاب الوقف / مطلب فيما إذا قبض المعلوم وغاب قبل تمام السنة ۶۳۰/۶ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۱۴۳۵/۵/۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طلبہ سے کھانے کی فیس جمع کر کے دستر خوان پر کھانے کا پابند بنانا؟

سوال (۵۱۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مدرسہ ہے جس میں دورۂ حدیث شریف تک کی تعلیم ہے، اس میں بالغ ونابالغ طلبہ زیر تعلیم ہیں، یہ طلبہ جب مدرسہ میں داخل ہوتے ہیں، تو اُن سے خورا کی فیس کہہ کر کھانے کی فیس متعینہ مثلاً تین سو روپۓ ماہانہ وصول کی جاتی ہے، اگر طالبِ علم کی حیثیت کمزور ہوتی ہے اور وہ خورا کی فیس مکمل نہیں ادا کرسکتا ہے اور وہ مستحق زکوۃ ہے، تو اس کو مدز کوٰۃ سے رقم تملیکاً دے کر بقیہ خوار کی فیس وصول کی جاتی ہے، اور بچوں کو خورا کی فیس کے عوض کھانا مطبخ میں بیٹھا کر کھلایا جاتا ہے، کسی بچے کو کھانا مطبخ سے باہر لے جانے کی بالکل اِجازت نہیں ہے، ایک روٹی بھی باہر نہیں لے جاسکتا۔ اَب سوال یہ ہے کہ خورا کی فیس کے عوض مذکورہ طریقے سے کھلانے میں شرعاً کوئی حرج ہے یا نہیں؟

نیز ہر جمعہ کو تقریباً ایک تہائی بچے ایک دن یا زیادہ کھانا نہیں کھاتے، بعض بچے بیماری وغیرہ کی وجہ سے کم وبیش ایام کھانا نہیں کھاتے، اِس کے باوجود خورا کی فیس میں کوئی کمی نہیں ہوتی، تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ اُمید ہے کہ تشفی بخش جواب سے نوازیں گے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مسئولہ صورت میں لازم ہے کہ جن بچوں کو مطبخ میں

کھانا کھلایا جاتا ہے، اُن کو تملیکاً کھانا ملنا چاہئے، نہ کہ اِباحۃً، اور اُن کو حق ہونا چاہئے کہ اپنے حصہ کا کھانا اگر بچ جائے تو اپنے ساتھ کمرے میں لاکر کھا سکتے ہیں؛ البتہ انتظامی ضرورت ہو تو ترغیب سے کام لیا جائے، اور رہ گیا جمعہ یا چھٹی کے دن کھانا نہ کھانا، یا دو ایک وقت کی بیماری کی وجہ سے کھانا نہ لینا، تو اُس میں فیس کی مقدار میں کمی کرنے کی ضرورت نہیں ہے؛ اِس لئے کہ اِن اوقات میں استحقاق موجود ہے؛ البتہ اگر بیماری یا رخصت طویل ہو تو یقیناً فیس میں کمی کرنی چاہئے۔

مستفاد: البيع في اللغة مطلق المبادلة، وفي الشرع: مبادلة المال المتقوم تمليكًا وتملكًا. (قواعد الفقه ۲۱۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۵/۸/۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر حاضری کرنے پر طلبہ کا کھانا بند کرنا؟

سوال (۵۱۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک دینی مدرسہ کا مہتمم اور دارالاقامہ کا نگراں ہے، مذکورہ دینی مدرسہ میں دارالاقامہ (ہوسٹل) بھی ہے، جس میں بیرونی طلباء کھانا کھاتے ہیں، وہ زید سے چھٹی لے کر ہر پندرہ دن یا ایک ماہ میں گھر جاتے ہیں، ایک دو دن کی چھٹی پر پھر وہ کسی مجبوری یا اپنی مکاریوں کے سبب وقت پر پہنچنے میں ایک دو دن کی تاخیر کر دیتے ہیں، تو مدرسہ کے مہتمم یا دارالاقامہ کے نگراں اس کا ایک دو وقت یا ایک دن دو دن کا کھانا بند کر دیتے ہیں، اور دارالاقامہ سے اس کو کھانا نہیں دیا جاتا۔ ایسی صورت میں اگر طالب علم کے پاس پیسے ہوتے ہیں تو وہ ہوٹل وغیرہ میں کھانا کھالیتا ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ طالب علم کے پاس پیسے نہیں ہوتے اور وہ کئی وقت بھوکا رہتا ہے، اِس صورت میں مدرسہ کا مہتمم جواب دہ ہے یا نہیں؟ اور زید کا یہ عمل ازروئے شرع کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بے اُصولی کرنے والے طلبہ کی تادیب کے لئے مدرسہ

کی طرف سے کھانا بند کرنے کی سزا شرعاً درست ہے، اور اِس وقفہ میں مذکورہ طالب علم کہیں بھی کھائے یا نہ کھائے اس کا مدرسہ ذمہ دار نہیں۔ (مستفاد: امدادالفتاویٰ ۲/۵۴۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۴/۱۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طلبہ سے غیر حاضری پر جرمانہ (فائن) لینا؟

سوال (۵۱۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں دستور ہے کہ اگر کوئی طالب علم یا طالبہ بغیر اطلاع یا بغیر عذر کے مدرسہ سے غیر حاضر ہو جائے، تو یومیہ کے حساب سے ۵۰/ روپئے جرمانہ (فائن) لیا جاتا ہے، یہ فائن کی وصول شدہ رقم کی آمدنی بھی تنخواہوں میں شامل کر کے مدرسین کو دی جاتی ہے، تو کیا شرعاً یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سزا کے طور پر بچوں سے مالی جرمانہ لینے کی اِجازت نہیں ہے، یہ رقم اُنہیں واپس لوٹا دی جائے، اور اسے ملازمین کی تنخواہوں میں شامل کرنا درست نہیں ہے۔

والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال. (شامي / باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال ٤/ ٦١-٦٢ كراچی، ٦/ ١٠٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۷/۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِسٹوڈینٹ کی عدمِ موجودگی میں ٹیچر کا حاضری لگانا؟

سوال (۵۱۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کی اسکول میں استاذ کی حیثیت سے ملازمت لگی، اُس کو حکومت کی طرف سے دو سال ٹریننگ کرنی پڑتی ہے، اس میں اسکول کے ذمہ داروں کو ۷۰/ فیصد حاضری دکھانی پڑتی ہے، لڑکے

اسکول میں ٹریننگ کرنے بہت کم جاتے ہیں، زید کا بھی مہینے میں 3/45 کا اوسط آجاتا ہے، اسکول کے ٹیچر لڑکوں سے اکثر ماہانہ روپئے یا سامان پینٹ شرٹ، اور اس کے علاوہ دنیاوی سامان ہدیۃً یا رشوۃً دیتے رہتے ہیں، اُن کی عدمِ موجودگی میں دیگر حضرات (ٹیچرس) اُن کی حاضری لگا دیتے ہیں، کچھ لڑکوں کے تعلقات کی وجہ سے حاضری لگادیتے ہیں، کچھ لڑکوں کی اس لئے کہ حاضری لگانی پڑتی ہے کہ ٹیچر سے اوپر سے پوچھتا چھ نہ ہوجائے، بہرحال اسکول میں زید موجودنہیں پھر بھی حاضری لگ جاتی ہے، کیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: غیر حاضری کے باوجود حاضری لگانے کی کارروائی خواہ استاذ کی طرف سے ہو، یا لڑکوں کی طرف سے قطعاً جھوٹ اور دھوکہ ہے، شریعت میں اِس کی اجازت نہیں۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ......، ثم قال: من غش فليس منا. (سنن الترمذي / باب ما جاء في كراهية الغش في البيوع ٢٤٥/١، سنن أبي داؤد ٤٨٩/٢، صحيح مسلم ٧٠/١، الترهيب والترغيب مكمل ٤٠٠ رقم: ٢٧٤٠ بيت الأفكار الدولية)

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا لا تظلموا! ألا لا يحل مال امرء إلا بطيب نفس منه. (مشكاة المصابيح / باب الغصب والعارية، الفصل الثاني ٢٥٥، مرقاة المفاتيح / باب الغصب والعارية، الفصل الثاني ١١٨/٦ المكتبة الأشرفية ديوبند، المسند للإمام أحمد بن حنبل ٧٢/٥، شعب الإيمان للبيهقي ٣٨٧/٤ رقم: ٥٤٩٢ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۴/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کتب خانہ کی کتاب گم ہونے پر ڈبل قیمت وصول کرنا؟

سوال (۵۱۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: لائبریری کی کتاب مطالعہ کے لئے لےکر گم کردینے والے سے بدلہ میں بجائے کتاب کے جس کا ہونا یا ذرائع حصول کا دشوار کن ہونا وغیرہ، اس لئے روپئے کی شکل میں کتاب کی قیمت دوگنی تین گنی لے لی جاتی ہے، جس سے پھر کسی موقع پر ذمہ داران حضرات اس جیسی کتاب خرید کر داخل کتب خانہ کر دیتے ہیں، اور وہ زائد رقم کتب خانہ کے فنڈ میں جمع رہتی ہے، قیمت سے زیادہ لینا اس واسطے ہوتا ہے تاکہ مطالعہ کنندہ آئندہ سے کتاب کی پوری نگہداشت کرے اور دوسروں کے لئے عبرت کا سبق ہو۔

سو اِس طرح کتاب کے بجائے روپئے اور اسے قیمت کتاب سے بڑھا چڑھا کر لینا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں ہے تو اس کے متبادل جائز طریقۂ کار کیا ہونا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کتاب ایسی ہے جو عام طور پر مل جاتی ہے، تو اُس کی مقررہ قیمت ہی لی جائے زیادہ وصول نہ کی جائے، زیادہ سے زیادہ ڈاک سے منگوانے کا خرچ لے لیا جائے، اور اگر کتاب نایاب ہے یا کمیاب ہے، اور دشواری سے ملتی ہے تو اہلِ علم کتاب کی حیثیت اور اِفادیت وغیرہ کے اعتبار سے اور اُس کے حصول کی مشقت کا خیال کرتے ہوئے جتنی قیمت بھی لگائیں، اُس کی ضمان کی شرط لگانے کو صاحب ''الجوہرۃ النیرۃ'' نے جائز قرار دیا ہے، اور یہی موجودہ زمانہ کے لئے مناسب ہے۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۲/۳۴)

البتہ ہر کتاب کی دوگنی تین گنی قیمت لگانا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ مالی ضمان کی صورت ہے، جو حنفیہ کے نزدیک ممنوع ہے۔

قال في الفتح: وعن أبي یوسف یجوز التعزیر للسلطان – إلی قوله – وعندهما وباقي الأئمة لا یجوز. (شامي / مطلب في التعزیر بأخذ المال ۴/۶۱ کراچی) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۴/۸/۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دوسرے مدرسہ میں داخلہ لینے کی وجہ سے طلبہ کا اِخراج کرانا؟

سوال (۵۲۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک دینی اِدارہ ہے جس میں سالِ ششم تک تعلیم ہوتی ہے، کچھ طلبہ اپنی تعلیم سالِ ششم تک مکمل کئے بغیر دوسرے اِس سے بڑے اِدارے میں چلے گئے، اور تقریباً پانچ ماہ دوسرے مدرسہ میں رہ کر محنت کے ساتھ پڑھتے رہے اور کسی قسم کی کوئی شکایت کا موقع نہیں دیا، اور امتحان میں بھی کامیابی حاصل کی، تو اَب پہلے مدرسہ سے درمیان سال میں اخراج کراکر تعلیم سے بے بہرہ رکھیں اور محض اس وجہ سے کہ اُن طلبہ نے سابق اِدارہ میں اپنی تعلیم مکمل کیوں نہیں کی؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک مدرسہ میں ہی تعلیم کی تکمیل شرعاً ضروری نہیں ہے، صورتِ مسئولہ میں جو طلبہ ایک مدرسہ سے دوسرے مدرسہ میں داخل ہوئے، وہ کسی شرعی جرم کے مرتکب نہیں ہوئے؛ لہٰذا پہلے اہلِ مدرسہ کا دوسرے مدارس سے اُن کے اخراج کی کوشش کرنا شرعاً اور اخلاقاً مذموم ہے، اور طلبہ علومِ دینیہ سے خیر خواہی کے منافی ہے جب کہ ہمیں اُن سے بہتر سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

فإذا أتوكم فاستوصوا بهم خيرًا. (مشكاة المصابيح ٣٤/١)

نیز دوسرے مدرسہ والوں کو بھی چاہئے کہ وہ بلا وجہ معقول کے اُن طلبہ کو تعلیم سے محروم نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۲/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرس کی پٹائی سے بیمار ہونے والے طالبِ علم کا علاج کس کے ذمہ ہے؟

سوال (۵۲۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: زید حافظِ قرآن ہے، اور ایک دینی مدرسہ میں طلبہ حفظ کی تدریس کے لئے مقرر ہے، اُن کی تعلیم وتربیت سے اربابِ مدرسہ مطمئن ہیں؛ البتہ اربابِ مدرسہ نے حالاتِ حاضرہ کے پیشِ نظر زد وکوب پر پابندی لگادی ہے، کیا اس طرح زجر وتوبیخ زدوکوب پر بالکلیہ پابندی لگادینا درست ہے؟ اگر زید پھر بھی کسی بچے کی غیر حاضری یا سبق یاد نہ کرنے پر یا پارہ نہ سنانے پر اس کی مسواک وغیرہ سے معمولی پٹائی کرتا ہے، تو کیا شرعاً درست ہے؟ اگر کسی طرح کی غلطی پر زید نے کھڑے ہوکر کسی بیرونی بچے کو ہاتھ پکڑ کر بھری درس گاہ میں مسواک سے مارنا شروع کیا کہ اچانک بچہ فرش پر سر کے بل گر گیا اور بے ہوش ہوگیا، زید استاذ نے ڈاکٹر صاحب سے علاج شروع کرادیا، بعد میں اربابِ مدرسہ نے کسی اور بڑے ڈاکٹر صاحب کا علاج کرایا، اَب علاج میں جو رقم خرچ ہوئی اُس کو من جانب مدرسہ ادا کیا جائے یا زید کی تنخواہ سے وضع کریں، اگر زید چھ سات ہزار روپئے کی کثیر رقم دینے کو تیار نہ ہو، تو کیا اس سے زبردستی وصول کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مصلحت کی بنا پر مدرسہ کی طرف سے زجر وتوبیخ پر پابندی لگانا شرعاً درست ہے، اور اس پابندی کے باوجود مدرس کی طرف سے تادیبِ ضربی کی وجہ سے بچہ کے علاج پر جو رقم خرچ ہوئی، وہ مدرس ہی سے لی جائے گی، مدرس اگر یک مشت ادا نہ کرے تو اُس کی تنخواہ سے بھی ادا کی جاسکتی ہے۔

(هي فرض عين على كل مكلف ......) وإن وجب ضرب ابن عشر عليها بيد لا بخشبة بحديث: "مروا أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبع، واضربوهم عليها وهم أبناء عشر الخ (الدر المختار) قال الشامي في قوله: بيدٍ: أي ولا يجاوز الثلاث، وكذلك المعلم ليس له أن يجاوزها، قال عليه السلام لمرداس المعلم: إياك أن تضرب فوق الثلاث، فإنك إذا ضربت فوق الثلاث اقتص اللّٰه منك الخ. وظاهره أنه لا يضرب بالعصا في غير الصلاة أيضًا. قوله: لا بخشبة: أي عصا. ومقتضى قوله بيد: أن يراد بالخشبة ما هو الأعم منها ومن

السوط، أفاده ط. (قوله: لحديث الخ) استدلالٌ على الضرب المطلق، وأما كونه لا بخشبة، فلأن الضرب بها ورد في جناية المكلف الخ. (الدر المختار مع الشامي / كتاب الصلاة ۱/۳۵۱-۳۵۲ کراچی)

أما المعلم فله ضربه؛ لأن المأمور يضربه نيابةً عن الأب لمصلحته، والمعلم يضربه بحكم الملك بتمليک أبيه لمصلحة التعليم ...... والنقل في كتاب الصلاة يضرب الصغير باليد لا بالخشبة، ولا يزيد على ثلاث ضرباتٍ. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / فصل في البيع ۶/۴۳۰ کراچی)

قال العلامة الطحطاوي رحمه الله تعالىٰ: يجوز للمعلم أن يضربه بإذن أبيه نحو ثلاث ضربات ضربًا وسطًا سليمًا ...... لا بخشبة، فلأن الضرب بها ورد في جناية صادرة عن المكلف ولا جناية عن الصغير. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار / كتاب الصلاة ۱/۱۷۰ دار المعرفة بيروت)

لو ضرب المعلم الصبيَّ ضربا فاحشا قيد به؛ لأنه ليس له أن يضربها في التاديب ضربا فاحشاً وهو الذي يكسر العظم أو يخرق الجلد أو يسوده قال في البحر: وصرحوا بأنه إذا ضربها بغير حق وجب عليه التعزير، أي وإن لم يكن فاحشًا ويضمنه لو مات، وكذا المعلم إذا أدب الصبي فمات منه يضمن عندنا. (شامي / مطلب في تعزيز المتهم ۶/۱۳۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۴/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طلبہ پر پیسہ خرچ کرنے کے عوض طلبہ کے گیس چولہے کو اپنا بتانا؟

سوال (۵۲۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ کی کمیٹی نے گیس چولہا بچوں کے کھانا پکانے کے لئے دیا؛ لیکن ایک شخص نے چولہا

کمیٹی کے مانگنے پر کہا کہ اتنی رقم تو میں بچوں پر صرف کر چکا ہوں، چولہا میرا ہے اور صرفہ کا کمیٹی کو کوئی علم نہ تھا، ایسے شخص کے بارے میں شرعی حکم تحریر فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں وہ شخص کمیٹی سے اپنا حساب صاف کرلے، مگر بلا کسی حق کے چولہے پر قبضہ کرنے کا اختیار نہیں ہے؛ اِس لئے کہ وہ اَمین ہے۔

لا یجوز التصرف في مال غیرہ بلا إذنه و لا و لایته. (الدر المختار مع الشامي، کتاب الغصب / مطلب فیما یجوز من التصرف بمال الغیر ۹/۲۹۱ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۴/۵/۶ھ

مدرسہ میں جمعرات کی شام سے جمعہ کی شام تک نگرانی کے لئے اَساتذہ کی باری لگانا؟

سوال (۵۲۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مدرسہ کے مہتمم/ ناظم نے مدرسہ کی نگرانی کے لئے یہ ضابطہ بنایا کہ جمعرات کی شام سے جمعہ کی شام تک مدرسہ کے جملہ اُمور کی نگرانی کے لئے تمام اساتذہ کی چند افراد پر مشتمل جماعتیں بنادیں، اور پھر اُن جماعتوں کی جمعہ کے دن نگرانی کے لئے باریاں قائم کردیں، اور یہ ہدایت دے دی گئی کہ ہر استاذ اپنے نمبر پر قیام کرے یا اپنے نمبر پر عوض دار مقرر کرے، اگر ایسا نہیں کرے گا تو اُس کی یومِ جمعہ کی تنخواہ وضع کرلی جائے گی، تو شریعت کی روشنی میں اس ضابطہ کا حکم اور اس طرح سے تنخواہ وضع کرنے کا حکم کیا ہے؟ واضح رہے کہ یوم جمعہ میں مدرسہ میں اپنے نمبر پر قیام کرنے والے کو اس روز کا علیحدہ سے کچھ معاوضہ بھی نہیں ملتا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مہتمم یا ناظم کا مذکورہ ضابطہ بنانا درست ہے، جن لوگوں

کواس ضابطہ کا علم ہوا، اور وہ اس پر خاموش رہے، تو گویا اُنہوں نے اُسے قبول کرلیا؛ لہٰذا اِس بنیاد پر اگر وہ اپنی باری پر غیر حاضر رہے، تو حسبِ ضابطہ ان کی یومِ جمعہ کی تنخواہ وضع کی جاسکتی ہے۔

عن أنس بن مالك رضي الله عنه: المسلمون على شروطهم ما وافق الحق من ذٰلك. (سنن الدار قطني ٣/٢٤)

وفي القنية: إذا كان الواقف قدر للدرس لكل يوم مبلغًا فلم يدرس يوم الجمعة أو الثلاثاء لا يحل له أن يأخذ. (شامي، كتاب الوقف / مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البَطالة ٦/٥٦٨ زكريا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۲۴/۲/۱۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرس کا نظامِ مدرسہ کے خلاف عمل کرنا؟

سوال (۵۲۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں ایک عالم صاحب مدرسہ میں مدرس عربی ہیں، مدرسہ سے متعین کئے ہوئے وقت میں نہ پڑھا کر اپنی سہولت کے مطابق جب چاہے پڑھاتے ہیں، اور بغیر مطالعہ کئے سرسری طور پر صرف ترجمہ کر کے چلے جاتے ہیں، جس کی بنا پر سب طلبہ پریشان رہتے ہیں۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اُن کا یہ طریقہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟ نیز اُن کی تنخواہ کے استحقاق کے بارے میں کیا حکم ہے؟ جب کہ تنخواہ صرف متعین اَوقات اور صحیح پڑھانے کی ملتی ہے، یہ بات اُن عالم صاحب کو بتلادی گئی؛ لیکن وہ کہتے ہیں کہ میرا کام کتاب کا ختم کرنا ہے، چاہے میں جس وقت ختم کروں، اور ذمہ دارانِ مدرسہ کہتے ہیں کہ متعین وقت میں پڑھا کر ختم کرنا ضروری ہے، اُن میں سے کس کی بات درست ہے؟ نیز اَراکینِ مدرسہ اُنہیں اِس بات پر جبر کرنے کا اختیار رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اِس بارے میں مدارس کے کیا قواعد ہیں؟ تفصیل سے روشنی ڈالیں، تو عین نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کے مدرس کو متعینہ وقت میں اطمینان بخش طریقہ

پر پڑھانا اور حسبِ ضابطہ کتاب کو نصاب تک پہنچانا لازم ہے، اس میں کسی بھی کوتاہی پر ذمہ دارانِ مدرسہ کو باز پرس کرنے کا مکمل حق ہے، اور اگر وہ مدرسہ کے متعینہ اَوقات پر حاضری نہ دیں تو حسبِ ضابطہ اُن کی تنخواہ وضع کی جاسکتی ہے۔

عن عبد اللّٰہ ابن عمر رضي اللّٰہ عنہ قال: قال النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم: کلکم راع، وکلکم مسئول، فالإمام راعٍ وهو مسؤول، والرجل راعٍ علی أهله وهو مسؤولٌ، والمرأة راعیة علی بیت زوجها وهي مسؤولة، والعبد راعٍ علی مال سیده وهو مسؤولٌ، ألا فکلکم راعٍ وکلکم مسؤولٌ. (صحیح البخاري، کتاب النکاح / باب الوصاة بالنساء ص: ۱۳۳۲ رقم: ۵۱۸۸ دار الفکر بیروت، صحیح مسلم، کتاب الإمارة / باب فضیلة الإمام العادل وعقوبة الجائر ص: ۱۱۸۵ رقم: ۱۸۲۹ بیت الأفکار الدولیة)

عن عمرو بن عوف المزني عن أبیه عن جده رضي اللّٰہ عنہ أن رسو ل اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال:...... والمسلمون علی شروطهم إلا شرطا حرم حلالاً أو أحل حرامًا. (سنن الترمذي، أبواب الأحکام / باب ما ذکر عن النبي ﷺ في الصلح بین الناس ۲۵۱/۱)

ولیس للخاص أن یعمل لغیره، ولو عمل نقص من أجرته بقدر ما عمل. (الدر المختار مع الشامي / کتاب الإجارة ۹۶/۹ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۶/۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدارس میں مغرب کے بعد سورۂ واقعہ کی تلاوت کے بعد اجتماعی دعاء کا اہتمام

سوال (۵۲۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض مدارس کا معمول ہے کہ بعد نماز مغرب سورۂ واقعہ تلاوت کی جاتی ہے، اُس کے بعد اجتماعی دعا ہوتی ہے، طلبہ قرآنِ کریم دیکھ کر تلاوت کرتے ہیں، اگر کوئی مدرس یا دوسرے احباب

اس وقت نوافل میں سورۂ واقعہ پڑھ کر دعا میں شریک ہوجائیں، تو ان کے لئے تلاوت کرنے والوں کےثواب کے برابر ثواب ہوگا یا کمی بیشی؟ سورۂ واقعہ دیکھ کر پڑھنے میں زیادہ ثواب ہوگا یا نفل نماز میں پڑھنے سے؟ طلبہ کے لئے تو معمول بنایا گیا ہے کہ وہ دیکھ کر پڑھیں گے، سوال صرف مدرس یا دوسرے آنے والے غیر طلبہ کے لئے ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلبہ وغیرہ کو عادی بنانے کے لئے مدرسہ میں سورۂ واقعہ پڑھنے کا معمول بنانا درست ہے؛ لیکن اُسے ضروری نہ سمجھا جائے، اور نماز میں قرآنِ کریم پڑھنا غیر نماز میں پڑھنے سے زیادہ اَفضل ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے:

عن عائشة رضي اللّٰه عنها أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: قراءة القراٰن في الصلاة أفضل من قراءة القراٰن في غير الصلاة. (مشكاة المصابيح ۱۸۸/۱)

اِس سے معلوم ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں جو لوگ نوافل میں سورۂ واقعہ پڑھتے ہیں، اُن کو زیادہ ثواب ملے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۶/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قومی ترنگا جھنڈا لہرانا؟

سوال (۵۲۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قومی ترنگا جھنڈا لگانا اور لہرانا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض علامتی طور پر مدرسہ میں جھنڈا لہرانے میں حرج نہیں ہے؛ البتہ اُس کو اِس طرح تقدس واحترام کا درجہ دینا کہ اُس کی عبادت کا شبہ ہونے لگے یہ جائز نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۳۸۵/۹، جدید فقہی مسائل ۴۶۷/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۶/۵/۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۲۶؍جنوری یا ۱۵؍اگست کو مدرسہ میں ترنگا جھنڈا لہرانا؟

سوال (۵۲۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مکتب جو مسجد سے متصل ہے، صرف ایک سڑک درمیان میں ہے، مکتب دینی مدرسہ ہے جس میں مقامی و بیرونی طلبہ پڑھتے ہیں، حفظ وناظرہ کی تعلیم ہوتی ہے، اس کے ساتھ ہی ہندی انگریزی حساب وغیرہ پرائمری سیکشن درجہ ۵؍ تک کی تعلیم ہوتی ہے، اور اسی پرائمری کی نسبت سے مدرسہ میں یوم آزادی اور یومِ جمہوریہ کے موقع پر ترنگا جھنڈا لہرایا جاتا ہے، اور ساتھ ہی بچوں کا پروگرام بھی ہوتا ہے، تو ایسے دینی مدرسہ میں آج کل کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ۱۵؍اگست و ۲۶؍جنوری کے موقع پر ترنگا جھنڈا لہرا کر بچوں کا پروگرام کر سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۲۶؍جنوری یا ۱۵؍اگست کو جو جھنڈا لہرایا جاتا ہے، وہ کوئی مذہبی عمل نہیں ہے؛ بلکہ قوم ووطن سے تعلق کی ایک علامت ہے؛ لہٰذا اگر کسی مدرسہ یا اسکول میں حب الوطنی کے اظہار کے لئے ترنگا جھنڈا لہرایا جائے، تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(مستفاد: کفایت المفتی ۹؍۲۹۱)

الأصل في الأشياء الإباحة. (الأشباه/ ۱۱۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۲۸؍۴؍۱۴۲۳ھ

یوم آزادی کے جلسہ میں چندہ کرکے شیرینی تقسیم کرنا؟

سوال (۵۲۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ۱۵؍اگست یوم آزادئ ہند کے موقع پر مدرسہ اسلامیہ میں نعت خوانی، قرآن خوانی اور تقریر کرانا اور عوام وخواص کو دعوت دینا اور شیرینی وغیرہ تقسیم کرنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی دینی اوردنیوی مصلحت کے پیش نظر یوم آزادی کا جلسہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ خلافِ شرع اُمور کا ارتکاب نہ کیا جائے، اور شیرینی وغیرہ کی تقسیم کو لازم نہ سمجھا جائے اور نہ لوگوں سے جبراً چندہ لیا جائے اور نہ ہی زکوٰۃ کی رقم استعمال کی جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۴/۱۸۱، احسن الفتاویٰ ۱/۳۷۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۶/۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۲۶/جنوری اور ۱۵/اگست کو مدارسِ اسلامیہ میں چھٹی کرنا کیسا ہے؟

سوال (۵۲۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ۱۵/اگست اور ۲۶/جنوری کو مدارسِ اسلامیہ میں چھٹی کرنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۱۵/اگست اور ۲۶/جنوری کو قومی یادگار کے طور پر مدارس میں چھٹی کرنے میں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ یہ عمل مذہبی طور پر نہیں کیا جاتا؛ بلکہ اس کا تعلق قومی مصالح سے ہے، اس طرح کی مصلحتوں پر عمل کرنا شرعاً منع نہیں ہے۔ (مستفاد کفایت المفتی ۹/۴۱۶-۴۱۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/۸/۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۵/اگست پر جھنڈا لہرانا اور راشٹریہ گیت گانا کیسا ہے؟

سوال (۵۳۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ۱۵/اگست یا ۲۶/جنوری کے موقع پر مدارس والوں کا جھنڈا لے کر گھومنا اور راشٹریہ گیت پڑھنا کیسا ہے؟ قانونی مجبوری وعدم مجبوری دونوں صورتوں کا حکم واضح فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۱۵؍اگست اور ۲۶؍جنوری کے موقع پر جلسہ جلوس کوئی امر شرعی نہیں؛ بلکہ ایک دنیوی امر ہے، شرعی حدود کی رعایت رکھتے ہوئے اور شرکیہ کلمات سے بچتے ہوئے اِس طرح کے پروگرام منانے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۱۲؍۴۲۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰؍۵؍۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کے سالانہ جلسہ کی شرائط؟

سوال (۵۳۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ذمہ دارانِ مدرسہ چندروز قبل کسی خاص یا عام بزرگ کی فرصت کے مطابق تاریخ مقرر کر لیتے ہیں۔

(۲) جلسے کے انعقاد کا مقصد خاص اپنی اور اپنے مسلمان بھائیوں کی اِصلاح اور مدرسہ کی طرف متوجہ کر کے مسلم بچوں کو دینی تعلیم وتربیت پر لانا ہے۔

(۳) علاقہ کے مسلمانوں کو مطلع ومدعو کرنے کے لئے اشتہار اور دعوت نامے طباعت کرا کر چسپاں اور تقسیم کئے جاتے ہیں۔

(۴) اشتہار میں القاب وآداب کے ساتھ مدعووین اکابر علماء وصلحاء کے اسماء گرامی لکھے جاتے ہیں۔

(۵) جلسے کے پنڈال واسٹیج، جنریٹر اور مائک وغیرہ کے لئے نیز علاوہ طعام کے جملہ مصارف میں مدرسہ کی امدادی رقم استعمال کی جاتی ہے۔

(۶) خصوصی وعمومی طعام کے لئے چند مخصوص حضرات سے چندہ کیا جاتا ہے۔

(۷) عورتوں کی شرکت کے لئے پردہ کا انتظام کیا جاتا ہے، جو اکثر ناکافی رہتا ہے، حتی کہ بے پردگی بھی ہوجاتی ہے۔

(۸) جلسہ میں خطاب کے لئے کم سے کم علماء کو مدعو کیا جاتا ہے؛ بلکہ تفصیلی تقریر کسی ایک عالم کی ہی ہوتی ہے؛ تاکہ رات کے بارہ یا ایک بجے تک اختتام ہوجائے اور فرائض میں خلل واقع نہ ہو۔

(۹) جلسہ میں صرف ایسے مقررین حضرات کو مدعو کیا جاتا ہے جو مخلص ہوں، اِسی لئے اکثر حضرات اپنے اخراجات سے تشریف لاکر نوازتے ہیں، یا پھر صرف زادِراہ کے صرفہ پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

(۱۰) جلسہ کی ابتداء بعد نماز مغرب ہوتی ہے اور عشاء تک صرف مدرسہ کے طلبہ وطالبات سے تلاوتِ کلام اللہ شریف، اصلاحی نظمیں ونعتیں، مکالمے، اسلامی عقائد وغیرہ سنوائی جاتی ہیں، اور چند طلبہ وطالبات کا نظام بعد نماز عشاء اسٹیج پر علماء وصلحاء کی موجودگی میں ہوتا ہے۔

(۱۱) مدرسہ سے فارغین حفاظِ کرام خواہ پختہ ہوں یا خام کے آخری اسباق سنوا کر بزرگوں کے مبارک ہاتھوں سے دستار بندی کرائی جاتی ہے۔

(۱۲) مدرسہ سے متعلق پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کے ازالہ اور ضروریاتِ مدرسہ کا اظہار کرنے، نیز مختصر کارگذاری سنانے کے لئے ناظم مدرسہ کو منتخب کیا جاتا ہے۔

(۱۳) مدرسہ کے تعاون کے لئے اسٹیج سے کافی فاصلہ پر ذمہ دارانِ مدرسہ کی ایک نشست گاہ بنائی جاتی ہے؛ تاکہ جو صاحبِ خیر اپنی وسعت وخوشی سے بغیر کسی لحاظ وشرم کے تعاون کرنا چاہے، بسہولت کردے۔

(۱۴) عورتوں کے مجمع میں دس یا بارہ سال تک کے بچوں کو بھیج کر چندہ وصول کیا جاتا ہے۔

(۱۵) دعا سے قبل اسٹیج پر کپڑا اچھا کر سامعین حضرات کو متوجہ کیا جاتا ہے کہ وہ حسبِ توفیق مدرسہ کا تعاون فرمائیں، کسی کا نام مائک پر نہیں بولا جاتا۔

(۱۶) بعدہ دعا ہوجاتی ہے اور شریکِ جلسہ حضرات بزرگوں سے مصافحہ ملاکر واپس ہوجاتے ہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال میں جس نوعیت کے جلسہ کا ذکر کیا گیا ہے، اِس طرح کے جلسہ منعقد کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، کارِ خیر کے لئے چندہ کی اپیل کرنا اور لوگوں کو اِس جانب ترغیب دینا شرعاً منع نہیں ہے؛ بلکہ اِس کا ثبوت بعض اہم مواقع پر دورِ نبوت

میں بھی ملتا ہے؛ تاہم جو باتیں لکھی گئی ہیں، اُن میں اِس بات کا لحاظ ضروری ہے ہے کہ خواتین کے لئے پردہ کا حسبِ ضرورت معقول انتظام کیا جائے، اور جو بچیاں مراہق اور قریب البلوغ ہوں، اُن کا پروگرام اسٹیج پر نہ کرایا جائے۔

عن ابن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يتخولنا بالموعظة في الأيام كراهةَ السامة علينا. (صحيح البخاري، كتاب العلم / باب ما كان النبي ﷺ يتخولهم بالموعظة والعلم كي لا ينفروا ص: ٣٨ رقم: ٦٨ دار الفكر بيروت، صحيح مسلم، كتاب صفة القيامة / باب الاقتصاد في الموعضة ص: ١٦٥٠ رقم: ٢٨٢١ بيت الأفكار الدولية)

قال ابن مسعود رضي اللّٰه عنه: ...... وإني أتخوّلكم بالموعظة كما كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يتخولُنا بها مخافة السامة علينا. (صحيح البخاري، كتاب العلم / باب من جعل لأهل العلم أيامًا معلومةً ص: ٣٩ رقم: ٧٠ دار الفكر بيروت)

عن أبي موسىٰ الأشعري عن أبيه رضي اللّٰه عنه قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا جاءه السائل أو طُلبت إليه حاجةٌ، قال: اشفعوا توجروا، ويقضي اللّٰه على لسان نبيه صلى اللّٰه عليه وسلم ما شاء. (صحيح البخاري، كتاب الزكاة / باب التحريض على الصدقة والشفاعة فيها ص: ٣٤١ رقم: ١٤٣٢ دار الفكر بيروت)

عن عبد الرحمن بن خباب السلمي رضي اللّٰه عنه قال: خطب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فحث على جيش العسرة، فقال عثمان بن عفان رضي اللّٰه عنه: علي مائة بعير بأحلاسها وأقتابها. (المسند للإمام أحمد بن حنبل ٤/٧٥)

وحض رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم المسلمين على الجهاد، ورغبهم فيه، وأمرهم بالصدقة، فحملوا صدقات كثيرة. (أورده الكاندهلوي في حياة الصحابة ١/٤٤٢، معزوا إلى ابن عساكر ١/١١٠)

فقد أعطوها حكم البالغة من حين بلوغ حد الشهوة، واختلفوا في تقدير حد الشهوة ...... المعتبر أن تصلح للجماع بأن تكون عبلة ضخمة، وهٰذا هو

المناسب اعتباره هنا. (شامي ۸۱/۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۴/۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اہلِ مدارس کا فجر تک یا رات دیر تک جلسہ کرنا؟

سوال (۵۳۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اہلِ مدارس کا فجر تک جلسوں کا کیا حکم ہے؟ رات کو کتنے بجے تک جلسہ کرنا موزوں ومناسب ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بہتر ہے کہ جلسہ مغرب کے بعد شروع کر کے عشاء کچھ تاخیر سے پڑھ کر ختم کر دیا جائے تاکہ سامعین پر بوجھ بھی نہ ہو، اور وہ بیدار رہ کر علماء کی باتیں سنیں، اور اس پر عمل کا جذبہ لے کر جائیں، اور آج کل جو رات بھر جلسوں کا بعض علاقوں میں رواج ہو گیا ہے وہ جلسے محض رسم بن کر رہ گئے ہیں؛ کیوں کہ اُن میں شریک ہونے والے لوگ یا تو رات کا زیادہ حصہ اِدھر اُدھر ٹہلنے اور مٹر گشتی میں گذار دیتے ہیں، اور جو لوگ جلسہ گاہ میں بیٹھے رہتے ہیں وہ بھی وقت گذرنے کے ساتھ اُکتا جاتے ہیں اور تھک ہار کر نیند کی آغوش میں چلے جاتے ہیں، اور ایسے جلسوں میں یہ دیکھا گیا ہے کہ ایک طرف مقرر صاحب کی بے تکان شعلہ بیانی ہوتی ہے، اور دوسری طرف جلسہ گاہ کا پنڈال یا تو خالی ہو چکا ہوتا ہے اور یا سونے والوں کی کثرت سے مسافروں کی سرائے کا منظر پیش کرتا ہے، اِس طرح کے جلسوں میں مقصد کی باتیں کم آتی ہیں، وقت گذاری زیادہ ہوتی ہے، جلسہ کے ذمہ داران صبح صادق کے انتظار میں غزلوں اور نظموں سے وقت پورا کرتے ہیں اور مقرر صاحب بھی اِدھر اُدھر کی باتیں ملا کر اپنی بات کو بلاوجہ طول دیتے ہیں۔ واضح ہو کہ جلسوں میں رات کا جاگنا اصل نہیں؛ بلکہ اِصلاح اصل ہے، اور اِن طویل جلسوں سے عام طور پر اصلاح کا مقصود حاصل نہیں ہوتا، اور رات بھر کی چیخ وپکار سے اَطراف کی مسلم یا غیر مسلم آبادی کو جس کلفت سے گذرنا پڑتا ہے وہ بجائے خود اَذیت ناک ہے، جس کی اِسلامی شریعت میں اجازت نہیں، اِس لئے بہرحال دینی جلسے جلدی شروع ہو کر جلدی ہی ختم ہونے چاہئیں۔

عن أبی برزۃ رضي اللّٰہ عنہ قال: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ینھی عن النوم قبلھا والحدیث بعدھا. (سنن أبي داؤد ٦٦٦/٢، سنن الترمذي ٤٦/١)

کرہ قوم منھم السمر بعد صلاۃ العشاء، ورخص بعضھم إذا کان في معنی العلم، ومالا بد منہ من الحوائج. (سنن الترمذي ٤٢/١)

قولہ ''والحدیث بعدھا'' أي بعد صلاۃ العشاء؛ لأنہ یؤدي إلی تفویت قیام اللیل؛ بل وصلاۃ الصبح أیضًا. (بذل المجھود ٢٦٨/١٣ دار البشائر الإسلامیۃ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹؍۷؍۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رات کے جلسوں میں عورتوں کا شرکت کرنا؟

سوال (۵۳۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اِن دنوں بہار میں جلسہ پوری رات ہوتا ہے، ۱۵-۲۰؍ کلومیٹر دور کی خواتین بسوں سے پیدل اور مختلف سواریوں سے جلسہ گاہ آتی ہیں، اور اکثر عورتیں وہ ہوتی ہیں جن کا کوئی محرم ساتھ نہیں ہوتا، منتظمین کی جانب سے مردوں کی نشست کا الگ نظم ہوتا ہے اور عورتوں کی نشست کا الگ پردہ کے ساتھ نظم ہوتا ہے، مگر عملاً یہ ہوتا ہے کہ جلسہ کے موقع سے مختلف اشیاء کی جو دوکانیں لگائی جاتی ہیں، مستورات اُن دوکانوں میں بے محابا پردہ کے بغیر خرید وفروخت کرتی رہتی ہیں، اور یہ سلسلہ اختتام جلسہ تک جاری رہتا ہے، اِس دوران مردوں سے اختلاط بھی ہوتا رہتا ہے، تو کیا اِس طرح کے دینی جلسوں میں عورتوں کی شرکت جائز ہے؟ اور اُن کے سرپرستوں کے لئے ایسے جلسوں میں شریک ہونے کی اِجازت دینا درست ہے؟ یا سرپرست پر لازم ہے کہ عورتوں کو جلسوں میں شریک ہونے سے روک دے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گاؤں دیہات میں رات کے جلسوں میں دور دراز سے آکر عورتوں کا محرم کے بغیر شرکت کرنا اور جلسہ گاہ کی دکانوں پر مردوں کے ساتھ مخلوط ہوکر خرید

وفروخت کرنا جائز نہیں ہے، ایسے جلسوں میں عورتوں کو ہرگز شریک نہیں ہونا چاہئے، اور ذمہ دارانِ جلسہ رات کے وقت عورتوں کے لئے انتظام نہ کریں، اور اگر ضروری ہوتو دن کے وقت میں عورتوں کے لئے الگ نشست رکھیں، جس میں خواتین اپنے اپنے محارم اور شوہروں کے ساتھ آکر شرکت کریں، اور پردہ کے ساتھ واپس چلی جائیں تاکہ کوئی فتنہ نہ ہو۔

عن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: المرأة عورة فإذا خرجت استشرفها الشيطان. (سنن الترمذي آخر أبواب النكاح ۱/ ۲۲۲)

روي عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: لا تسافر امرأة مسيرة يوم وليلة إلا مع ذي محرم، والعمل على هٰذا عند أهل العلم يكرهون للمرأة أن تسافر إلا مع ذي محرم. (سنن الترمذي، أبواب الرضاع / باب ما جاء في كراهية أن تسافر المرأة وحدها ۱/ ۲۲۰)

قوله "استشرفها الشيطان'' أي زينها في نظر الرجال والمعنى: أن المرأة يستقبح بروزها وظهورها فإذا خرجت أمعن النظر إليها ليغويها بغيرها، ويغوي غيرها، بها ليوقعها، أو أحدهما في الفتنة. (تحفة الأحوذي ۴/ ۲۸۳ المكتبة الأشرفية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۹/۷/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دینی جلسوں میں مردوعورتوں کامخلوط ہوکر شرکت کرنا؟

سوال (۵۳۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اسٹیج پر بیچ میں کچھ فاصلہ چھوڑ کر ایک طرف کچھ مرد بیٹھے ہیں، اور دوسری طرف کچھ خواتین بیٹھی ہیں، اُن میں سے کسی کے چہرہ پر نقاب ہے، اور کسی کے چہرہ پر ڈھاٹا لگا ہے، دونوں کی آنکھیں کھلی ہیں؟

اسٹیج سے مردوں نے بھی خطاب کیا، اور خواتین نے بھی اسی پردے کے ساتھ خطاب کیا،

جس پردے کے ساتھ وہ بیٹھی ہوئی تھیں؟

خطابات کے بعد بعض مردوں نے اور بعض خواتین نے بھی سوالات کیئے، کسی سوال کا جواب کسی مرد نے دیا اور کسی سوال کا جواب کسی خاتون نے دیا؟

جلسہ گاہ میں آنے جانے کے لئے مرد وخواتین کے راستے الگ الگ ہیں؟

محترم مفتیان کرام سے شرعی جواب کی درخواست ہے آیا یہ مندرجہ بالا شکل میں مکمل جلسہ شرعی ہے یا مکمل جلسہ کے کچھ اجزاء غیر شرعی نہیں اور وہ کون کون سے اجزاء ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت میں پردے کے حکم کا مقصد یہ ہے کہ اجنبی مردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی فتنہ رونما نہ ہو، لہٰذا اجنبی مردوں اور عورتوں کا کوئی بھی ایسا اختلاط جس میں فتنہ کا امکان ہو اُس کی شرعاً اجازت نہ ہوگی، سوال میں جلسہ کے اندر مردوں اور عورتوں کا ایک دوسرے سے آنکھیں ملا کر باتیں کرنا، خطابات سننا، اور سوال وجواب کرنا، اور بے پردہ ایک دوسرے کی آوازیں سننا بلا شبہ فتنہ انگیزی کا باعث ہیں؛ کیوں کہ ہر ایک دوسرے سے براہِ راست مخاطب ہو رہا ہے، اِس لئے اس طرح کا دینی جلسہ شرعاً درست نہیں ہے، اگر مستورات کو دین کی بات پہنچانا ہی مقصود ہو، تو اُن کی نشست گاہ مردوں سے بالکل الگ ہونی چاہیئے، نہ تو اُن پر مردوں کی نظر پڑ سکے اور نہ وہ مردوں کو دیکھ سکیں، اور اُن کے آنے جانے کے راستوں پر بھی پوری احتیاط برتی جائے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَاِذَا سَاَلۡتُمُوۡهُنَّ مَتَاعًا فَاسۡئَلُوۡهُنَّ مِنۡ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمۡ اَطۡهَرُ لِقُلُوۡبِكُمۡ وَقُلُوۡبِهِنَّ﴾ [الأحزاب، جزء آیت: ۵۳]

قال القرطبي: ویدخل في ذٰلک جمیع النساء بالمعنی، وبما تضمنته أصول الشریعة من أن المرأة کلها عورة، بدنها وصوتها، کما تقدم فلا یجوز کشف ذٰلک إلا لحاجة کالشهادة علیها. (تفسیر القرطبي ١٤/ ١٢٠)

المرأة عورة؛ فإذا خرجب استشرفها الشیطان، العینان زناهما النظر،

والأذنان زناهما الاستماع، واللسان زناه النطق. (فتاویٰ رحیمیه ۱۲۹/۳، مستفاد کفایت المفتی ۳۳/۲-۳٦ تیسرا باب زنانان)

وفي الشرنبلالية معزيًا للجوهرة: ولا يكلم الأجنبية إلا عجوزًا، وفي الذخيرة: وإذا عطس فشمتته المرأة: فإن عجوزا رد عليها وإلا رد في نفسه، وتقدم في شروط الصلاة: إن صوت المرأة عورة على الراجح. (الدر المختار مع الشامي ۵۳۰/۹ زكريا)

وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال، لا لأنه عورة؛ بل لخوف الفتنة، قال الشافعي: قال عليه الصلاة والسلام: التسبيح للرجال، والتصفيق للنساء، فلا يحسن أن يسمعها الرجل، وفي الكافي: ولا تلبي جهرًا؛ لأن صوتها عورةٌ. (شامي مع الدر المختار ۷۸/۲-۷۹ زكريا)

عن عبد الله رضي الله عنه قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إن أشد الناس عذابًا عند الله يوم القيامة المصورون. (صحيح البخاري، كتاب اللباس / باب عذاب المصورين يوم القيامة ۸۸۰/۲ رقم: ۵۹۵۰ دار الفكر بيروت، صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة / باب تحريم تصوير صورة الحيوان الخ رقم: ۲۱۰۹ بيت الأفكار الدولية، المصنف لابن أبي شيبة ۲۰۰/۵ رقم: ۲۵۲۰۹، المسند للإمام أحمد بن حنبل ۴۸٦/۳ رقم: ۳۵۵۹)

دینی جلسہ میں ویڈیو کا استعمال بلاضرورت ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے؛ البتہ اگر کوئی سیاسی جلسہ ہو جس سے کوئی ملی مفاد وابستہ ہو اور بظاہر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو ضرورت کے تحت اُسے گوارہ کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ پاسپورٹ وغیرہ کے لئے تصویر کی اجازت دی گئی ہے۔

الضرورات تبيح المحظورات. (الأشباه والنظائر ۲۱۵/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۱۱/۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کا تعلیمی نظام

دینی مدارس اور دنیوی اِداروں کے اَغراض ومقاصد؟

سوال (۵۳۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گذشتہ ۳۱/۷/۲۰۰۰ء تری پورہ دینک شمنا دنامی اخبار بشال گھڑ کے نام داری نعمت علی نے مدرسہ قومیہ کے متعلق جو اعتراضاً پروپیگنڈہ اور تجزیہ زیر قلم لایا ہے، وہ آنحضرت کی خدمت میں ارسال کیا جارہا ہے، اُمید ہے کہ ہر اعتراض سوالات کے مفصل اور مدلل جوابات عنایت فرمائیں گے؛ تاکہ ہم صورت رسالہ شائع کریں، اور تقاضہ حال شاہد ہے کہ ایسے رسائل مدارسِ قومیہ کے لئے بہت ہی مفید ثابت ہوں گے۔ ذیل میں نعمت علی کے اعتراضات بیان کرتے ہیں:

مدارسِ قومیہ کی خصوصیت ہے کہ تعلیمی نصاب سے بنگلہ، انگریزی اور حساب سائنس وغیرہ خارج از نصاب ضروری ہے۔

تعلیمی معیار، اُردو، عربی یا فارسی ہوگا، علاقائی زبان کا کوئی دخل نہ ہوگا۔

تعلیمی نصاب من مانا اور غیر معیاری ہے، جس کی کوئی اصل نہیں ہے، یعنی بنیاد پرستوں کی مرضی کے موافق۔

مدارس قومیہ میں امتحان کی کوئی قیمت نہیں ہے، جو جیسا چاہے کرے۔

جماعت اور درس وتدریس کا کوئی مقررہ وقت نہیں ہے۔

مدارسِ قومیہ سے کوئی طالب علم فاضل اعلیٰ یا تولیاقت علیا حاصل کرنے کا انتظام نہیں ہے۔

اِس جیسے مدرسہ میں داخلہ لے کر کچھ دن بعد لمبا کرتہ اور لمبی داڑھی والا ہوجانے سے ہی بہت بڑا ملاّ بن جاتا ہے، اور سب سے بڑی ڈگری مل جاتی ہے۔

ایسے مدرسہ کی حقیقتِ حال یہ ہے کہ فراغت کے بعد بھی بزبانِ بنگلہ یا انگریزی سے اپنا نام بھی نہیں لکھ پاتے ہیں۔

اِس جیسے مدارس کی سند قوم یا سرکار کے پاس سفید کاغذ کی قیمت بھی نہیں رکھتی ہے۔

ایسا سند یافتہ شخص سرکاری اور ہر قسم کی ملازمت یا تعاون سے محروم رہتا ہے اور ساری زندگی افسوس کرتا رہتا ہے۔

مدارسِ قومیہ کے ملا اور مربیوں نے فتویٰ بازی کی تھی کہ انگریزی زبان کی تعلیم حرام ہے، جس کے نتیجہ میں آج مسلمان اپنے ذاتی حقوق سے بھی محروم ہیں۔

ہندو پاک کے اول وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد سرکاری مدرسہ کے متعلم تھے، مدارسِ قومیہ کی کون ایسی ہستی دیکھی جا سکتی ہے۔

اَب لوگ چالاک ہو گئے ہیں، ایسے قومی ملا اور مولویوں کے پیچھے گھومنا نہیں چاہتے ہیں، یعنی شکار نہیں ہوں گے۔

غرضے کہ نعمت علی نے سرکاری مکتب اور سرکاری مدارس کی تعریف کرتے ہوئے مذکورہ اعتراضات واتہامات مدارسِ قومیہ پر عائد کئے ہیں۔

واضح رہے کہ تری پورہ میں مرکزی سرکار سے مرڑا فائزیشن نامی اسکیم سے انگریزی سند یافتہ ماسٹر کو انگریزی تعلیم سے پلٹ دیا گیا ہے، ساتھ ساتھ مختلف خرافات وفسادات بھی برپا ہو رہے ہیں، اِنہی باتوں کے احتجاج کے جواب میں نعمت علی کا مذکورہ بیان پیش خدمت ہے۔ مدلل ومفصل جواب کے ہم منتظر ہیں، یہ اسکیم تقریباً دوسو مکتب میں چالو کی گئی ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آزاد دینی مدارسِ قومیہ کا اصل مقصد ڈگری حاصل کرنا یا دنیوی مفادات کا حصول نہیں ہے؛ بلکہ دین کی بقا اور شریعت کا تحفظ ان مدارس کا اصل مقصد ہے، اور الحمدللہ یہ مدارس اپنے اس مقصد میں کامیاب ہیں، اِس کے برخلاف سرکاری مدارس اور اسکولوں کا نصب العین محض دنیا کا حصول ہے، وہاں پڑھنے والوں کا دین وایمان باقی رہے یا نہ

رہے، اس سے سرکار کو کچھ مطلب نہیں، اَب دونوں طبقے کے حضرات مقاصد پر غور کر کے فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کس طرح کے مدارس کی کس قدر ضرورت ہے۔ حضرات علماء نے کبھی بھی جدید تعلیم کی مخالفت نہیں کی؛ البتہ اُنہوں نے یہ ضرور کہا کہ جدید علوم مسلمان رہ کر حاصل کئے جانے چاہئیں۔ علماء کو قوم کی پسماندگی کا سبب قرار دینا محض عناد اور جہالت ہے؛ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ دنیوی لالچ میں نہ آئیں اور آزاد دینی مدارس کے تحفظ اور تعاون میں کوئی دریغ نہ کریں۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۴/۱۳۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۲۷/ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ اور مکتب میں فرق؟

سوال (۵۳۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے محلّہ میں کوئی دینی اِدارہ قائم نہیں ہے اس وجہ سے چھوٹے چھوٹے بچے و بچیاں دور دوسرے مدرسہ میں جاتے ہیں اور بازار راستہ میں پڑتا ہے، بایں وجہ اہلِ محلّہ نے ایک مکان جو مسجد کے لئے وقف ہے، اس کو کرایہ پر لے کر دینی اِدارہ قائم کر کے چلانے کا عزم مصمم کیا ہے، اور فی الحال تعلیمی سلسلہ کو مسجد کے اندر شروع کرا دیا ہے، جس میں ۸۰/ بچے بچیاں زیر تعلیم ہیں، نیز مقامی بچوں کے علاوہ گذشتہ ایام میں ۴-۵/ بچے بیرونی بھی تھے؛ لیکن چوں کہ ابھی مدرسہ کی کوئی عمارت نہ ہونے کی وجہ سے وہ چلے گئے، فی الحال بیرونی طالب علم کوئی نہیں ہے، اَب آپ سے سوال یہ ہیں کہ:

(۱) مدرسہ ومکتب میں لغوی وشرعی کیا کچھ فرق ہے؟

(۲) مسجد کا جو مکان ہے کیا اس جگہ کو کرایہ پر لے کر مدرسہ بنانا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) مکتب کا تعلق کسی ایک محلّہ یا زیادہ سے زیادہ کسی ایک بستی سے ہوتا ہے، اور مدرسہ جس میں تفسیر وحدیث ودیگر علومِ عالیہ کی تعلیم ہوتی ہے، اُس کا تعلق پوری قوم سے ہوتا ہے، اِسی وجہ سے شریعت کی نظر میں مدرسہ کی اَہمیت مکتب سے زیادہ ہے؛

لہٰذا مدرسہ کی بقاء کے لئے حیلۂ تملیک کی گنجائش نکل سکتی ہے، مکتب کی بقاء کے لئے اُس کی عام اِجازت نہ ہوگی، اہلِ محلّہ اور اہلِ بستی کی ذمہ داری ہے کہ وہ عام عطایا سے اُس کی کفالت کریں۔

(۲) اجر مثل پر مسجد کے مکان کو مکتب کے لئے کرایہ پر لینا درست ہے۔

ویؤجر بأجر المثل فلا یجوز بالأقل. (الدر المختار مع الشامي، کتاب الوقف / فصل یراعي شرط الواقف في إجارته ٤٠٢/٤ کراچی، ٦٠٨/٦ زکریا)

وإذا استأجر أرض وقف ...... بأجرة معلومةٍ هي أجر المثل ...... جازت الإجارة ...... وإذا آجر القیم الدار بأقل من أجر المثل قدر ما لا یتغابن الناس فیه، حتی لم تجر الإجارة فلو سکنه المستأجر کان علیه أجر المثل بالغًا ما بلغ علی ما اختاره المتأخرون من المشائخ. (الفتاویٰ التاتارخانیة ٦٩/٨-٧٠ رقم: ١١٢٣٥- ١١٢٤١ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۱/۳/۶ھ

اِسلامی مدرسہ کو اِنگلش اسکول سے بدلنا؟

سوال (۵۳۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اَب سے تقریباً ۸۰؍ سال پہلے محلّہ گھیر پچھیاں اَمروہہ سے بالکل ملی ہوئی زمین کے متعلق مسجد بنوانے والی ایک مسماۃ کے وارث نے مسجد سے متعلق سرکاری مقدمہ میں یہ شہادتی بیان دیا کہ مسجد گھیر پچھیاں امروہہ کے بالکل متصل شمال وجنوب ومشرق کی جانب والی زمین مسجد کی ہے، جنوبی مغربی حصہ نماز جنازہ کے لئے اور جنوبی مشرقی حصہ دینی مکتب کے لئے، شمالی حصہ جو اس زمانہ میں ایک باغ تھا، مسجد کے تیل بتی کے خرچ کے لئے وقف کیا گیا تھا، چناں چہ حسبِ منشاء واقف جنوبی مشرقی حصہ میں ایک دینی مکتب قرآنِ پاک کی تعلیم کے لئے قائم کیا گیا، اِس کا نام حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہویؒ سے معلوم کرکے ''مدرسہ ضیاء القرآن متعلقہ مسجد محلّہ گھیر پچھیاں

امروہہ‘‘ رکھا گیا، اور اس کے چندہ کے لئے اِسی نام کی رسید بک چھپوا کر امروہہ دہلی بمبئی وغیرہ سے چندہ کیا گیا، تعمیر مکمل ہونے پر اس کی پیشانی پر ’’مدرسہ ضیاء القرآن متعلقہ مسجد محلّہ گھیر پچھیاں امروہہ‘‘ سیمنٹ سے لکھوا دیا گیا، اور برسوں تک اس میں قرآن کی تعلیم ہوتی رہی، مگر ایک صاحب دہلی سے آئے اور چندلوگوں سے مل کر یہ بات کی کہ کچھ دنوں کے لئے عارضی طور پر صرف صبح کے وقت میں ’’الفلاح انگلش پبلک اسکول‘‘ کھول دیا جائے، اور دوسو روپئے ماہانہ کرایہ دیا جائے، مگر مدرسہ ضیاء القرآن کی قرآنی تعلیم کو اس جگہ بالکل بند کر دیا گیا اور ’’الفلاح انگلش پبلک اسکول‘‘ کچھ دنوں کے بجائے اَب چندسالوں تک اسی جگہ موجود ہے، حالاں کہ وعدہ یہاں سے ہٹانے کا کیا گیا تھا۔

اَب دریافت یہ کرنا ہے کہ ’’مدرسہ ضیاء القرآن متعلقہ مسجد گھیر پچھیاں‘‘ ہٹا کر واقف وچندہ دہندگان کی نیت ومرضی کے خلاف اس جگہ پر اور اسی عمارت میں ’’الفلاح اِنگلش پبلک اسکول‘‘ قائم کرنا وقبضہ جمائے رکھنا شریعت کی رو سے کسی مسلمان کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چوں کہ مذکورہ موقوفہ زمین وقف کرنے سے واقف کا منشا دینی مکتب کا قیام اور اُس کا اجراء تھا؛ لہٰذا حتی الامکان اِس منشاء کا لحاظ رکھنا ضروری اور لازم ہے، اِس جگہ پر مدرسہ اور مکتب ہی چلایا جائے، وہاں انگلش اسکول جاری رکھنا اور قبضہ جمائے رکھنا ہرگز درست نہیں ہے۔ اور اگر مسلم بچوں کو غیر مسلم اسکولوں کے ماحول سے بچانے کے لئے مسلم اسکول کے قیام کی ضرورت ہو تو اُس کے لئے الگ جگہ پر انتظام کیا جائے، مکتب کی جگہ اس کام میں استعمال نہیں ہوسکتی۔ (احسن الفتاویٰ ۶/۴۲۳)

شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به.

(الدر المختار، كتاب الوقف / مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، ومطلب: بيان مفهوم المخالفة ٤٣٣/٤-٤٣٤ كراچی، ٦٤٩/٦ زكريا، وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف / الفن الثاني، الفوائد: ٣٠٥/١ إدارة القرآن كراچی، تنقيح الفتاوىٰ الحامدية ١٢٦/١ المكتبة الميمنية مصر)

فإن شرائط الوقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالک فله أن يجعل ماله حيث شاء ما لم يكن معصية. (الرد المحتار / مطلب: شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع ۳۴۳/۴ دار الفكر بيروت، ۵۲۷/۶ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۳/۳/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ میں دنیوی علوم پڑھانا؟

سوال (۵۳۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایسے مدارسِ اسلامیہ جن کو اُن کے بانیین نے خالص قرآن وسنت کی تعلیمات کے لئے قائم کیا ہے اور اُن کے اغراض ومقاصد بھی مسلمانوں کی رہنمائی کرنا ہے، کیا ایسے مدارس میں مدرسہ کے بانیین کی اغراض ومقاصد کے خلاف بعد میں مدرسہ کے ذمہ دار بننے والے حضرات کے لئے یہ جائز ہوگا کہ وہ اُن مدارس میں دنیوی تعلیم (ہندی، انگلش، سائنس، جغرافیہ وغیرہ) یا صنعت وحرفت (اسلامی کڑھائی، بڑھئی، نقاشی، کمپیوٹر) کے شعبہ جات قائم کریں؟ واضح ہو کہ ان مدارس کو تعمیر کرتے وقت چندہ قرآن وسنت کی تعلیم کے لئے لیا گیا اور چندہ دہندگان نے بھی اسی نیت سے دیا ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر دینی تعلیم کے علاوہ دیگر شعبے محض ضمنی طور پر قائم ہیں اور اصل مقصد اور کامل توجہ قرآن وسنت کی تعلیم پر ہے، تو یہ بات چندہ دہندگان کی منشاء کے خلاف نہیں؛ البتہ اگر اس ادارے میں اسکولی تعلیم ہی کو اہمیت دی جانے لگے اور دینیات کو ثانوی درجہ میں رکھ دیا جائے، گویا مدرسہ کو اسکول بنا دیا جائے، تو یہ جائز نہ ہوگا۔

شرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه. (شامي، كتاب الوقف / مطلب: ما خالف شرطَ الواقف فهو مخالف للنص والحكم به حكمٌ بلا دليل ۴۹۵/۴ کراچی، ۷۳۵/۶ زكريا، كفايت المفتى ۹۹/۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۱/۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک عمارت میں صبح کو مدرسہ اور شام کو اسکول چلانا؟

سوال (۵۳۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے دیہاتوں میں عموماً جو مکاتب چلتے ہیں، جن میں دینی تعلیم دی جاتی ہے، اُنہیں مکاتب میں (پرائیویٹ اسکول) یعنی ایک وقت مدرسہ کی دینی تعلیم اور دوسرے وقت میں اسکول کی تعلیم دینا جائز ہے یا نہیں؟ اسکول الگ کرنے کی صورت میں تعمیری خرچ بڑھ جاتا ہے جو اہل بستی کے لئے ناقابل برداشت ہوتا ہے، نیز مدرسہ کے ٹرسٹی اسکول والے ٹرسٹی سے ایک وقت کا کرایہ لے سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مکاتب میں ایک وقت دینی تعلیم اور دوسرے وقت اسکول کی تعلیم دینا جائز ہے، اور مدرسہ کے ٹرسٹی ایک وقت کا کرایہ بھی لے سکتے ہیں۔

أما المال الموقوف على المسجد الجامع إن لم تكن للمسجد حاجة للحال، فللقاضي أن يصرف في ذٰلک، لكن على وجه القرض، فيكون دينًا في مال الفيءِ. (الفتاویٰ الهندية / الباب الحادي عشر، الفصل الثاني ۲/ ٤٦٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۵/۴/۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عوامی چندہ پر چلنے والے دینی اِدارہ کو جونیئر ہائی اسکول میں تبدیل کرنا؟

سوال (۵۴۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے شہر کے لوگوں نے دینی مدرسہ کے نام سے چندہ جمع کیا اور امداد، زکوٰۃ، صدقات، فطرہ اور چرم قربانی وغیرہ کے ذریعہ سے مدرسہ کی عمارت بنائی، اور تعلیم شروع کردی گئی، حفظ

وناظرہ اور پنجم درجہ تک پرائمری مدرسہ جاری ہوگیا، کچھ دن بعدارا کین مدرسہ نے عالم کو بھی رکھا، یکے بعد دیگرے تقریباً دس بارہ عالموں نے پڑھایا، مگر کوئی عالم سال ڈیڑھ سال سے زیادہ نہیں رہا، اس ادارہ کو ۵۶؍سال ہو چکے، اور اب کسی عالم کو نہیں رکھا جاتا ہے، پرائمری اسکول کو جونیئر ہائی اسکول بنادیا، اور اِس ادارہ میں چار عورتیں بھی پڑھارہی ہیں، جب کہ ارا کین مدرسہ سے کہا جارہا ہے کہ لڑکیوں کو یہاں پڑھانے کا موقع نہ دو، مردوں کے درمیان غیرمحرم عورتوں کا آنا جانا اور پڑھانا شرعاً درست نہیں ہے، اور عالم کو کیوں نہیں رکھا جاتا ہے؛ تاکہ دینی تعلیم کو بڑھایا جاسکے؟ مدرسہ قائم ہوئے ۵۶؍سال ہو چکے ہیں، یہاں پر درسِ نظامی کے پڑھانے کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے؛ کیوں کہ کوئی عالم کو جمایا ہی نہیں جاتا، اِس لئے مدرسہ میں دینی تعلیم کا معیار ہی نہیں ہے، آج تک اِس مدرسہ میں پڑھ کر ایک لڑکا بھی عالم نہیں بنا، اور مدرسہ کو ہائی اسکول بنانے کے لئے تیار ہیں؛ لہٰذا کیا ایسے دینی مدرسہ میں لڑکیوں کو پڑھانے کے واسطے معلّمہ بنانا، چھ سات حافظ قاری اور ماسٹروں کے درمیان میں عورتیں پڑھانے والی بھی ہوں، تو کیا یہ شرعاً درست ہے؟ اور کیا ایسے مدرسہ کو جہاں دینی تعلیم کے پڑھانے کا معقول انتظام نہ ہو، چندہ میں زکوٰۃ فطرہ کی رقم دینا جائز ہے یا نہیں؟ کیوں کہ بغیر تملیک کے استعمال ہوتی ہے، اور جو یہاں لڑکیاں عورتیں پڑھاتی ہیں، اُن کا پڑھانا چھ سات آدمیوں کے درمیان جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو اِدارہ عوامی چندہ سے دینی تعلیم کی غرض سے قائم کیا گیا ہے، اُس میں دینی تعلیم ختم کر کے پوری طرح اسکول کی دنیاوی تعلیم جاری کرنا اور مدرسہ کو جونیئر ہائی اسکول بنا دینا کسی کے لئے جائز نہیں ہے، اور اجنبی مردوں اور عورتوں کا اختلاط شریعت میں بہر حال منع ہے؛ اِس لئے مرد اَساتذہ کے ساتھ بے پردہ معلمات کا پڑھانا بھی جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر معلمات پردہ کے ساتھ الگ حصہ میں صرف بچیوں کو دینی تعلیم دیتی ہوں، تو اس کی گنجائش ہے۔

الوکیل إنما یستفید التصرف من المؤکل وقد أمرہ بالدفع إلی فلان فلا یملک الدفع إلی غیرہ. (شامي ۳/۱۸۹ زکریا)

لا يـجـوز التصرف في مال غيره بلا إذنه ولا ولايته. (الـدر المختار مع الشامي، كتاب الغصب / مطلب فيما يجوز من التصرف بمال الغير ۲۹۱/۹ زكريا)

وفـي الأشبـاه: الـخلوة بالأجنبية حرام. (الـدر الـمختـار، كتـاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء ۵۲۹/۹ زكريا، ۳۶۸/۶ كراچی)

فإن خاف الشهوة أو شک امتنع نظره إلى وجهها، فحل النظر مقيد بعدم الشهوة وإلا فـحـرام، وهٰذا فـي زمـانهـم، وأما في زماننا فمنع من الشابة لا لأنه عورة؛ بل لخوف الفتنة. (الدر المختار مع الشامي ۵۳۲/۹ زكريا)

شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به.
(الـدر الـمختـار، كتـاب الـوقف / مـطـلـب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، ومطلب: بيان مفهوم المخالفة ۴۳۳/۴-۴۳۴ کراچی، ۶۴۹/۶ زكريا، وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف / الفن الثاني، الفوائد: ۳۰۵/۱ إدارة القرآن کراچی، تنقيح الفتاویٰ الحامدية ۱۲۶/۱ المكتبة الميمنية مصر)

عـلى أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامي، كتاب الوقف / مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة والعرف يصلح مخصصًا ۶۶۵/۶ زكريا، ۴۴۵/۴ كراچی)

إن تـعلمت من امرأة كان أحب. (الـفتـاویٰ التاتارخانية ۱۱۵/۲ رقم: ۱۸۹۴ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۵/۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اہلِ حدیث اور غیر مقلدین کو قرأت پڑھانا اور سند دینا؟

سوال (۵۴۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں تبلیغی واصلاحی مشن کے طور پر مسجدوں میں بعد نماز مغرب قرأت وتجوید کا ایک سلسلہ چل رہا ہے، جس کا تعلق عقائد علماء دیوبند کے حامل ایک مدرسہ سے ہے، مدرسہ میں قرأت پڑھنے والوں کا باقاعدہ امتحان ہوتا ہے، سند اور دستار بندی بھی ہوتی ہے، مسجد میں محلّہ کے ہر عمر کے

لوگ بعد نماز مغرب قرأت پڑھتے ہیں، اِس تبلیغی واصلاحی مشن میں اہلِ حدیث، غیر مقلد اور بریلوی حضرات بھی شریک ہوکر قرأت پڑھتے ہیں، تو اُن کو قرأت وتجوید پڑھانا کیسا ہے؟ نیز عقائد علماء دیوبند کے حامل مدارس کا ان کو سند دینا شرعی نقطہ نظر سے کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اہلِ حدیث اور بریلوی حضرات کو قرأت وتجوید پڑھانے اور اس کی سند دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، ہوسکتا ہے یہی اُن کی ہدایت کا ذریعہ بن جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۲/۳۷۹، فتاویٰ محمودیہ ۱۴/۲۱)

عن عثمان بن عفان رضي اللّٰہ تعالیٰ عنه أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: خیرکم من تعلم القرآن وعلمه. (سنن الترمذي، أبواب فضائل القرآن / باب ما جاء في فضل القرآن ۲/۱۱۸، مشکاة المصابیح ۱/۱۸۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۵/۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر مسلم طلبہ کو مدرسہ میں اُردو پڑھانا؟

سوال (۵۴۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گاہے گاہے غیر مسلم طلبہ شوقیہ یا ضرورۃً منصفی وغیرہ کے امتحانات وغیرہ کی غرض سے مدرسہ میں اُردو پڑھنے آتے ہیں، کیا غیر مسلم طلبہ کو مدرسہ میں تعلیم دینا درست اور جائز ہے؟ مفتی محمود صاحب نے قرآن وفقہ کی تعلیم کو قرآن کو ہاتھ لگائے بغیر جائز لکھا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ان طلبہ کو مدرسہ میں تعلیم دینے کی گنجائش ہے، ہوسکتا ہے یہی اُن کی ہدایت کا ذریعہ بن جائے۔

قال أبوحنیفة: أعلم النصارني الفقه والقراٰن لعله یهتد. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الکراهیة / الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف الخ ۵/۳۲۳)

البتہ زکوۃ کا روپیہ اُن پر خرچ کرنا درست نہ ہوگا؛ اِس لئے کہ غیر مسلم زکوۃ کا مصرف نہیں ہے، اور نفلی امداد کی جاسکتی ہے۔

عن إبراهيم بن مهاجر قال: سألت إبراهيم عن الصدقة على غير أهل الإسلام، فقال: أما الزكاة فلا، وأما إن شاء رجل أن يتصدق فلا بأس. (المصنف لابن أبي شيبة / ما قالوا في الصدقة يعطي منها أهل الذمة ٦/٥١٦ رقم: ١٠٤١٠)

عن إبراهيم قال: لا تعطهم من الزكاة وأعطهم من التطوع. (المصنف لابن أبي شيبة / ما قالوا في الصدقة يعطي منها أهل الذمة ٦/٥١٧ رقم: ١٠٤١١)

عن جابر بن زيد قال: لا تعط اليهودي والنصراني من الزكاة، ولا بأس أن تتصدق عليهم. (المصنف لابن أبي شيبة / ما قالوا في الصدقة يعطي منها أهل الذمة ٦/٥١٧ رقم: ١٠٤١٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۲/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَیڈڈ مدارس کے شرعی اَحکام

مدارسِ اِسلامیہ کوسرکاری اِمداد لینا؟

سوال (۵۴۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حکومت کی جانب سے مدارس کے طلبہ کو فی کس ۱۲/روپئے ماہانہ اور ۱۴۴/روپئے سال کے حساب سے بطور وظیفہ طلبہ کی تعداد کے مطابق مکمل رقم یک مشت اربابِ انتظام کو دی گئی ہے، حکومت کی جانب سے تاکید کی گئی ہے کہ یہ رقم طلبہ کا وظیفہ ہے، صرف اُنہی کو دی جائے۔ اِس وضاحت کی روشنی میں سوال یہ ہے کہ مدارسِ اسلامیہ کے لئے اِس سرکاری امداد کا حاصل کرنا کیسا ہے؟ جب کہ اُن مدارس کا خرچ عام طور سے مسلمانوں کی زکوٰۃ وخیرات سے پورا ہوتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حکومت اگرخوشی سے اِمداد دے اور اُس کے حصول میں کوئی ناجائز ذریعہ نہ اپنائے تو رقم لینا شرعاً منع نہیں؛ لیکن دینی مدارس کی مصالح کے خلاف ہے؛ اس لئے کہ تجربہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ سرکاری امداد لینے والے مدارس عموماً تعلیمی تنزلی کا شکار رہتے ہیں، نیز بسا اَوقات حکومت کی دخل اندازی کا بھی اندیشہ رہتا ہے، اِس لئے سرکاری امداد سے مدارسِ اسلامیہ کو اجتناب کرنا ہی اولیٰ ہے۔

ومصرف الجزية والخراج ومال التغلبي وهديتهم للإمام مصالحنا كسد ثغور وبناء قنطرة وجسر وكفاية العلماء والمتعلمين وبه يدخل طلبة العلم. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الجهاد / باب العشر والخراج والجزية، مطلب في مصارف بيت المال ٦/٣٤٨-٣٤٩ زكريا، البحر الرائق، كتاب السير / فصل في الجزية ٥/١١٧ كوئٹه، ٤/٢١٧ كراچی،

تبيين الحقائق، كتاب السير / فصل في الجزية ۳۸۳/۳ المكتبة الإمدادية ملتان) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۷/۹/۱۸ھ

پرائمری مدرسہ کو الٰہ آباد بورڈ سے اَیڈڈ کرانا؟

سوال (۵۴۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی ایسے مدرسہ کو کہ جس میں پرائمری درجہ پنجم، درجہ حفظ اور عربی درجات میں عربی سوم تک کی تعلیم ہوتی ہو، اَیڈڈ کرانا کیسا ہے؟ اس مدرسہ کی الٰہ آباد بورڈ سے منظوری حاصل کرکے منشی، عالم، فاضل، وغیرہ کے خارجی فارم پر کرا کرامتحان دلانا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کو اَیڈڈ کرانے کی اگر چہ گنجائش ہے؛ لیکن اَیڈڈ کرانے کے بعد جو عام طور پر تعلیمی انحطاط اور بد دیانتی کا ظہور ہوتا ہے، اُس سے بچنا نہایت ضروری ہے، کم وسائل اور آمدنی کے ساتھ دین کی اِشاعت وحفاظت زیادہ کار ثواب ہے، اِس کے مقابلہ میں زیادہ آمدنی کی لالچ اور طمع میں مدرسہ کے اصل مقصدِ قیام کو پس پشت ڈال دینا نہایت مضر ہے، جیسا کہ عام طور پر اَیڈڈ مدارس میں ہورہا ہے، اس لئے حالات وضروریات کو سامنے رکھ کر اور ذاتی مفادات سے اوپر اٹھ کر اور دین کی خیرخواہی کو پیشِ نظر رکھ کر ہی اِس بارے میں کوئی اقدام کرنا چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۴/۱۴۱)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: بدأ الإسلام غريبًا، وسيعود غريبًا، فطوبىٰ للغرباء الذين يصلحون ما أفسد الناس.

(سنن الترمذي رقم: ۲٦۳۸، سنن ابن ماجة رقم: ۳۹۸٦، صحيح مسلم رقم: ۱٤٥ بيت الأفكار الدولية)

(غريبًا) أي لقلة أهله، وأصل الغريب البعيد عن الوطن (وسيعود غريبًا) بقلة من يقوم به ويعين عليه. وإن كان أهله كثيرًا. (طوبىٰ) فعلى من الطيب.

وتفسر بالجنة وبشجرة عظيمة فيها. (للغرباء) القائمين بأمره. وفي هٰذا تنبيه على أن نصرة الإسلام والقيام بأمره يصير محتاجًا إلى التغرب عن الأوطان، والصبر على مشاق الغربة، كما كان في أول الأمر. (سنن ابن ماجة، كتاب الفتن / باب بدأ الإسلام غريبًا تحت رقم: ٣٩٨٦ حاشية، دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۱/۳/۲۴ھ

محض کاغذی خانہ پوری کر کے سرکاری اِمدادی مدارس کا اِمداد وصول کرنا؟

سوال (۵۴۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل ہندوستان کے بعض مدارسِ اسلامیہ سرکار سے امداد لے رہے ہیں، سرکار کے مقرر کردہ ضابطہ کے خلاف صرف کاغذی خانہ پوری کر کے جو بڑی حد تک جھوٹ اور حقیقت کے برخلاف پر مبنی ہوتی ہے، امداد لے لیتے ہیں جو علماء کی غذا بن رہی ہے، بعض ملازم علماء نے جواز کی یہ صورت پیش کی ہے کہ ہم تو پڑھاتے ہیں، براہِ کرم کیا اِن علماء کے لئے یہ تنخواہ لینا جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکاری اِمدادی مدارس میں مقررہ ضابطوں کے خلاف محض جعلی خانہ پری کر کے تنخواہوں کا انتظام کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، اِس دھوکہ دہی کے اصل ذمہ دار تو مذکورہ مدارس کے غیر محتاط منتظمین ہیں؛ لیکن ملازمین بھی اپنی ذمہ داری سے اس وقت تک بچ نہیں سکتے، جب تک کہ وہ منتظمین کو اس بددیانتی سے روکنے کی کوشش نہ کریں، منتظمین پر لازم ہے کہ وہ کسی طرح کے فریب کے بغیر ضابطہ کے مطابق واقعۃً جس ملازم کا جو حق بنتا ہے وہ بلاکم وکاست اُس تک پہنچائیں، اور جو شخص ضابطہ میں مستحق نہ ہو اُسے سرکاری امداد کی رقم میں سے کوئی حصہ نہ دیں۔

عن عبد اللّٰه بن عمرو رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال:

أربع من كن فيه كان منافقًا خالصًا، ومن كانت فيه خصلةٌ منهن كانت فيه خصلةٌ من النفاق حتى يدعها: إذا ائتمن خان، وإذا حدّث كذب، وإذا عاهد غادر، وإذا خاصم فجر. (صحيح البخاري، كتاب الإيمان / باب علامة المنافق ۱۰/۱ رقم: ۳٤ دار الفكر بيروت، صحيح مسلم، كتاب الإيمان / باب بيان خصال المنافق رقم: ٥٨ بيت الأفكار الدولية، سنن أبي داؤد / كتاب السنة رقم: ٤٦٨٨ دار الفكر بيروت، سنن الترمذي رقم: ٢٦٣٢)

والغَدَر محرم بشتى صورة سواء أكان مع فرد أم جماعة، وسواء أكان مع مسلم أم ذمي أم معاهد. (الموسوعة الفقهية ١٤٣/٣١ كويت)

ذهب الفقهاء إلىٰ تحريم الغدر؛ لأنه من علامات النفاق ومن كبائر الذنوب، ولا سيما إذا كان الغادر من أصحاب الولايات العامة؛ لأن ضرر غدره يتعدي إلى خلق كثيرٍ. (الموسوعة الفقهية ١٤٣/٣١ كويت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۳/۶/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حکومت سے منسلک دینی درس گاہوں میں تعلیم دینا؟

سوال (۵۴۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: موجودہ حکومت میں کسی ایسی جگہ پر ملازمت کرنا جس میں کوئی ناجائز کام کرنے کی ذمہ داری نہ دی جاتی ہو، درست ہے یا نہیں؟ ایسی تعلیم گاہیں جن میں اُردو دینیات، ناظرہ وحفظ قرآنِ پاک، تجوید نصابِ عالمیت نیز ابتدائی ہندی انگلش، وسائنس وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہو، اُس میں سرکار سے تنخواہ لے کر ملازمت کرنا کیسا ہے؟ مزید مکرر عرض ہے کہ اس میں حکومت کی طرف سے کوئی بھی ناجائز کام کرنے کا قانون نہیں ہے۔ ۲۶/جنوری، ۱۵/اگست، ۲/اکتوبر کی تعطیلات ضرور ہوتی ہیں، باقی تعطیل نامہ خود اپنا تیار کرنے کی اجازت ہے، یہ مدرسین مدرسہ کی انتظامیہ کے ماتحت ہوتے ہیں، مہتمم مدرسہ کے دفتر سے مدرسین کا بینک میں کھاتہ کھلتا ہے، اُن کے کھاتے میں سرکاری

تنخواہیں آتی ہیں، اُن کا سرکاری گریڈ ہوتا ہے، اُسی کے مطابق انتظامیہ مہتمم کی طرف سے تنخواہیں بن کر جاتی ہیں، مدرسین کی تعداد مقرر ہے، اس سے زیادہ اگر مدرسین کی ضرورت ہو اور مدرس رکھے جائیں تو انتظامیہ ذمہ دار ہے، زیادہ سے زیادہ ۱۸/۱افراد کا عمل ملتا ہے؛ لیکن ۱۹۹۱-۱۹۹۰ء میں جن مدارس میں جتنے مدرسین تھے اُن سے زائد کی منظوری مشکل ترین کام ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دینی تعلیم وغیرہ پر سرکاری ملازمت فی نفسہٖ جائز ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۵/۵۵۳ ڈابھیل) لیکن مدرسین وذمہ داران کو دیانۃً اپنی ذمہ داریاں ادا کرنا لازم ہے، عام طور پر سرکاری مدارس میں اس کے متعلق سخت کوتاہیاں پائی جاتی ہیں۔

مصرف الجزية والخراج ومال التغلبي وهديتهم ......، مصالحنا كسدّ ثغور وبناء قنطرة وجسر وكفاية العلماء (الدر المختار) وكذا النفقة على المساجد كما في زكاة الخانية، فيدخل فيه الصرف على إقامة شعائرها من وظائف الإمامة والأذان ونحوهما. (شامي، كتاب الجهاد / مطلب في مصارف بيت المال ٢١٧/٤ كراچی، البحر الرائق، كتاب السير / فصل في الجزية ١١٧/٥ کوئٹہ، تبيين الحقائق، كتاب السير / باب العشر والخراج والجزية ٣٨٣/٣ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۱۰/۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَیڈڈ مدارس میں ملازمت کرنا؟

سوال (۵۴۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اَیڈڈ مدارس میں گورنمنٹ دخل اندازی کرتی ہے، ہر دو تین ماہ میں پولیو ڈراپ پلانے کے لئے علماء ومدرسین کی ڈیوٹی غیر مسلم بے پردہ عورتوں کے ساتھ لگائی جاتی ہے، جن کا دیکھنا، بات چیت کرنا، اُن کے ساتھ ساتھ چلنا سبھی حرام ہے، نیز اس اختلاط کا اثر مسلم معاشرہ پر بہت خراب

پڑرہا ہے اور علماء کی وقعت کم ہوتی جارہی ہے، الیکشن کے موقع پر اَیڈڈ مدارس کے تمام مدرسین علماء وغیرہ کی بھی ڈیوٹی لگائی جاتی ہے، اس میں تعلیم وتدریس کا زبردست نقصان ہوتا ہے، اگر یہ لوگ جانے سے انکار کرتے ہیں، تو اِن کے خلاف کارروائی کی جاتی ہے، کیا شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں ایسی ملازمت کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اَیڈڈ مدارس میں ملازمت فی نفسہٖ جائز ہے؛ لیکن ملازم کے لئے کسی خلافِ شرع کام کا ارتکاب کسی حال میں درست نہیں، اور اگر انتظامیہ کی طرف سے خلافِ شرع کام پر جبر کیا جائے تو ایسی ملازمت چھوڑ دینی چاہئے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدة، جزء آیت: ۲]

عن الحسن بن علي رضي اللّٰہ عنه قال: حفظت من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: دع ما یریبک إلی ما لا یریبک، فإن الصدق طمأنینةٌ، وإن الکذب ریبةٌ. (المسند للإمام أحمد بن حنبل ۱/ ۲۰۰، سنن الترمذي رقم: ۲۵۱۸، سنن النسائي: ۵۷۱۱)

عن عطیة السعدي رضي اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: لا یبلغُ العبد أن یکون من المتقین حتّٰی یدع ما لا بأس به حذَرًا لما بهٖ بأسٌ. (سنن الترمذي رقم: ۲۴۵۱، سنن ابن ماجة، کتاب الزهد / باب الورع والتقویٰ رقم: ۴۲۱۵ دار الفکر بیروت)

عن عبد اللّٰہ رضي اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: طلب کسب الحلال فریضةٌ بعد الفریضة. (شعب الإیمان للبیهقي رقم: ۸۴۸۲، لمعات التنقیح في شرح مشکاة المصابیح ۵/ ۲۰۵-۲۰۹ دار النوادر)

مصرف الجزیة والخراج ومال التغلبي وهدیتهم للإمام، مصالحنا کسدّ ثغور وبناء قنطرة وجسر وکفایة العلماء الخ، قوله: وکفایة العلماء: هم أصحاب التفسیر والحدیث والظاهر أن المراد بهم من یعلم العلوم الشرعیة فیشمل

الصرف والنحو وغيرهما. (شامي، كتاب الجهاد / مطلب في مصارف بيت المال ٤/٢١٧ كراچی، البحر الرائق، كتاب السير / فصل في الجزية ٥/١١٧ كوئٹه، تبيين الحقائق، كتاب السير / فصل في الجزية ٣/٣٨٣ إمدادية ملتان) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۵/۵/۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَیڈڈ مدرسہ میں سرکاری قانون کے خلاف جھوٹ بول کر کسی کا تقرر کرنا؟

سوال (۵۴۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) زید ایک اَیڈڈ مدرسہ کا ناظم ہے، اور سرکاری قانون کے خلاف جھوٹی بیان حلفی تحریری داخل کرکے اپنے بہنوئی کو مدرس بنوایا ہے، سرکاری قانون ہے کہ ناظم اپنے بہنوئی یا داماد کو مدرس یا ملازم نہیں رکھ سکتا، آج اُس کا بہنوئی سرکاری تنخواہ لے رہا ہے، زید کا یہ عمل کیسا ہے؟

(۲) زید نے درجاتِ عالیہ کی کتابوں کو پڑھانے کے لئے ایک سرکاری مدرس رکھا ہے، جو اُن کتابوں کے پڑھانے کا بالکل اہل نہیں ہے، یہ بات زید کو خود بھی تسلیم ہے، ایک بار اس نے پانچویں جماعت کی کتاب دے کر واپس بھی لے لی ہے، پھر آج تک اس جماعت کی کتاب نہیں دی ہے، یہ کام یا تو ذاتی کسی فائدہ کے لئے کیا ہے، یا کسی دباؤ میں آکر، تو کیا یہ مدرسہ کے ساتھ خیانت نہیں ہے؟

(۳) زید کی کوشش اب صرف یہ ہے کہ کسی طرح اس کے زیادہ سے زیادہ رشتہ دار مدرس اور ملازم ہوجائیں، جب کہ اِس وقت دو داماد، ایک بہنوئی اور ایک بھتیجہ مدرس ہیں، اور اکثر نااہل ہی ہیں، کیا یہ دیانت کے خلاف نہیں ہے؟

(۴) زید نے مدرسہ سے لگ کر ایک بلڈنگ مدرسہ کے نام پر مدرسہ کی رسید پر چندہ کرکے خریدی، قوم نے مدرسہ سمجھ کر چندہ دیا، جب کہ چندہ کی دو تہائی رقم زکوٰۃ کی ہے، اَب اس عمارت میں بچیوں کی عصری تعلیم کا انتظام ہے، ابھی اس کے اسکول کو سرکاری منظوری نہیں ملی ہے، اِس لئے بچیوں کو دوسرے اسکولوں سے فارم بھروا کر امتحان دلواتا ہے، اس اسکول کی معلمات کی تنخواہ بھی مدرسہ ہی کے

فنڈ سے ادا کی جاتی ہے، کیا یہ شریعت میں جائز ہے، اگر زید کے یہ کام غلط اور خلافِ شریعت ہیں، تو کیا زید مدرسہ کا ناظم رہ سکتا ہے، اگر وہ خود سے نہیں ہٹتا، تو مدرسہ کی کمیٹی کی ذمہ داری ہے؟

نوٹ :- زید نے مذکورہ بالا اسکول کے ساتھ ایک معلّمہ رکھ کر بچیوں کو حفظ کرانے کا بھی نظم کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کسی بھی اِدارے میں منتظم کے لئے قوانین کی خلاف ورزی اور خیانت جائز نہیں ہے، جو کام بھی ہو ضابطہ اور قانون کے تحت صاف ستھرے انداز میں ہونا چاہئے، اور جو منتظم اپنی ذمہ داری دیانت کے ساتھ ادا نہ کر سکے، وہ اس عہدے کے لائق نہیں ہے۔

حدیث عمر: ثم یلیه ذو الرأي من أهلها. وفي روایة: من أهله، وقد تقدم مرارًا. وفي روایة عمر بن شبة عن یزید بن هارون عن ابن عون: وأوصی بها عمر إلی حفصة أم المؤمنین، ثم إلی الأکابر من آل عمر، وفي روایة أیوب عن نافع عند أحمد ذوو الرأي من آل عمر. قاله الحافظ في الفتح ۵/ ۳۰۰. (المسند للإمام أحمد ۲/ ۱۲۵ بحواله: إعلاء السنن ۱۳/ ۲۱۴ رقم: ۴۵۵۲ دار الکتب العلمیة بیروت)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: کان یولي أقوامًا کثیرًا ولذي القربی صدقة عمر، فإذا رأی منهم خیرًا أقرهم؛ وإن کان غیر ذٰلک عزلهم. رواه الخصاف في الأوقاف له. (إعلاء السنن، کتاب ولایة الوقف / باب لا یولي إلا أمین عادل ذو رأي ۱۳/ ۲۱۵ رقم: ۴۵۵۳ دار الکتب العلمیة بیروت)

وینزع وجوبًا لو الواقف غیر مأمون أو عاجزًا أو ظهر به فسق، وإن شرط عدم نزعه. (تنویر الأبصار مع الدرالمختار علی هامش رد المحتار، کتاب الوقف / مطلب فیما یعزل به الناظر ۶/ ۵۷۸ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۷/۷/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَیڈڈ مدارس کا رشوت لے کر اُستاذ کا تقرر کرنا؟

ســوال (۵۴۹): -کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہندوستان میں مدارسِ اسلامیہ اسلام کی چھاؤنی ہیں، جہاں سے علماء، محدثین، فقہاء، حفاظ، قراء، مصنفین اور دعاۃ پیدا ہوتے ہیں، جو پورے ملک میں علم کی مشعلیں روشن کئے ہوئے ہیں، اَسلاف کرام اور علماء عظام کی روشن فکر اور عملی و علمی جد وجہد کا ثمرہ اور نتیجہ ہے کہ آج ملک میں مسلمان اپنے پورے تشخص اور امتیاز کے ساتھ زندہ اور پائندہ ہیں، اِدھر چند سالوں سے بعض مدارسِ اسلامیہ اور مکاتبِ دینیہ میں غیر معمولی خرابیاں پیدا ہوتی جارہی ہیں، جس کی بنا پر کچھ سوالات اُبھر رہے ہیں؛ چوں کہ دینی مدارس میں یہ خرابیاں پائی جارہی ہیں؛ لیکن مصلحۃً لوگ اُس کو بیان کرنے سے کتراتے ہیں، مگر آگے چل کر یہ خرابیاں ایک بڑے فتنہ کا سبب بن سکتی ہیں، اِس لئے شرعی اعتبار سے جواز اور عدمِ جواز کا فیصلہ کرنا علماء اور فقہاء کا کام ہے۔

موجودہ ہندوستان میں مدارس دو طرح کے ہیں:

(۱) اَیڈڈ مدارس (جو سرکار سے امداد لیتے ہیں)

(۲) غیر اَیڈڈ مدارس (جو سرکار سے امداد نہیں لیتے ہیں)

اَیڈڈ مدارس بھی دو قسم کے ہیں:

(۱) ایک وہ جو ایمان داری اور دیانت داری اور سچائی سے کام کرتے ہیں، کاغذات کی صحیح خانہ پری کرتے ہیں، مدرسہ میں جتنے مدرس اور ملازم ہوتے ہیں، اتنے ہی کی تنخواہ لیتے ہیں، کاغذات صحیح ہونے کی وجہ سے ان کو رشوت میں مدرسہ کی رقم بھی نہیں دینی پڑتی، مدرسین کا بھی صلاحیت کے مطابق انتخاب کرتے ہیں۔

(۲) پہلے کے برعکس بعض مدارس جھوٹ اور فراڈ کرتے ہیں، فرضی اور جعلی رجسٹر رکھتے ہیں، پچاس ملازمین کی جگہ ۸۰-۹۰ ر ملازمین دکھلا کر تنخواہ وصول کرتے ہیں۔ اور جعلی کاغذات کی وجہ سے جب کوئی انسپکٹر صاحب چیک کرنے کے لئے آتے ہیں، تو اُن کو لمبی رشوت بھی دیتے ہیں،

اور مدرسین کے انتخاب میں بھی دو چیزیں ملحوظ رہتی ہیں: ایک اقرباء پروری، دوسرے رشوت، ناظم یا اراکین کا قریبی ہو یا متمنی رشوت دینے والا ہو، اسی کا انتخاب عمل میں آتا ہے، اور کہتے ہیں کہ چوں کہ انسپکٹر کو رشوت دینی پڑتی ہے، اِس لئے ہم لوگ نئی تقرری پر مدرسین سے رشوت لیتے ہیں۔

(۱) کیا اِن مدارس کو رشوت لینا اور دینا جائز ہے، جب کہ حدیث شریف میں ہے: ''الراشي والمرتشي كلاهما في النار'' رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں جہنم رسید ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ مدارس کا مذکورہ اُمور کے لئے رشوت کا لین دین کرنا ہرگز جائز نہیں۔

عن عبد اللّٰه بن عمرو رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الراشي والمرتشي. (سنن أبي داؤد، كتاب القضاء / باب في كراهية الرشوة ص: ٦٧٢ رقم: ٣٥٨٠ دار الفكر بيروت، سنن الترمذي، أبواب الأحكام / باب ما جاء في الراشي والمرتشي في الحكم رقم: ١٣٣٧، تلخيص الحبير، كتاب القضاء / باب أدب القضاء ٢ رقم: ٢٠٩٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۵/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فرضی خانہ پوری کر کے سرکاری تنخواہ حاصل کرنا؟

سوال (۵۵۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ میں دو ہندی پڑھانے والوں کی تنخواہ سرکاری طور پر لی جارہی ہے، یہ سہولت حکومت اس وقت دیتی ہے جب کہ طلبہ کی تعداد جوان کو مطلوب ہے اُس مدرسہ میں موجود ہو، جب کہ اِس وقت یہ تعداد نہیں ہے، صرف کاغذی خانہ پوری کر کے سرکاری لوگوں کو دے دی جاتی ہے؛ چوں کہ مدرسہ والوں سے اُن کا کمیشن طے رہتا ہے، جب وہ تنخواہ دیتے ہیں تو اپنا طے ہوا معاملہ وضع کر کے اُن کو رقم دیتے ہیں، نیز کبھی کبھی مدرسہ آتے ہیں تو مدرسہ والے چند سو روپئے بطور رشوت دے کر

اور تواضع کر کے واپس کر دیتے ہیں، ذمہ دار مدرسہ اُس کو اپنے ذاتی استعمال میں لے آتے ہیں، اس طرح جھوٹ فریب سے سرکاری رقم لینا شرعاً کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جھوٹ فریب اور رشوت دے کر سرکاری تنخواہ لینا اور فرضی خانہ پوری کرا دینا قطعاً درست نہیں ہے، یہ حکومت کے ساتھ خیانت اور دھوکہ دہی ہے، جو کسی طرح جائز نہیں۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مرَّ على صبرةٍ من طعام، ...... ثم قال: من غش فليس منا. (سنن الترمذي / باب ما جاء في كراهية الغش في البيوع ٢٤٥/١، سنن أبي داؤد ٤٨٩/٢، صحيح مسلم ٩٧٠/١، الترهيب والترغيب مكمل ٤٠٠ رقم: ٢٧٤٠ بيت الأفكار الدولية)

ولا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (شامي، كتاب الحدود / باب التعزير، مطلب: في التعزير بأخذ المال ١٠٦/٦ زكريا، الفتاوىٰ الهندية، كتاب الغصب / الباب السابع في حد القذف، فصل في التعزير ١٦٧/٢ زكريا، البحر الرائق، كتاب الحدود / باب حد القذف، فصل في التعزير ٦٨/٢ زكريا، النهر الفائق، كتاب الحدود / باب حد القذف ١٦٥/٣ إمداديه ملتان)

الأجرة إنما تكون في مقابلة العمل. (شامي، كتاب النكاح / باب المهر، مطلب أنفق على معتدة الغير ٣٠٧/٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۲/۱۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَیڈڈ مدرسہ کا اَساتذہ کی تنخواہ میں اپنی طرف سے کمی کرنا؟

سوال (۵۵۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص ایک مذہبی اسکول کے نام پر ہر ماہ حکومت سے خرچ (ایڈ) لے کر اسکول چلاتا ہے؛ لیکن اسکول میں موجود طلبہ اور ٹیچرس کم ہیں اور انہیں حکومت کی نظر میں زیادہ دکھایا گیا ہے، اور

اِسی حساب سے اُسے حکومت سے رقم ملتی ہے؛ بلکہ بعض ٹیچرس اور طلبہ تو دوسرے مدرسہ میں پڑھتے پڑھاتے ہیں اور وہاں پر وہ ٹیچرس باتنخواہ ملازم ہیں، اس ٹیچر کے نام پر بھی حکومت سے وہ ہر ماہ تنخواہ وصول کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا حکومت سے اس طرح فراڈ کر کے رقم لینا اور اس کو اسکول اور خاص کر اپنے ذاتی خرچ میں لانا شریعت کی نظر میں جائز ہے؟ اگر جائز نہیں تو علماء دین کو اس کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہئے؟ اس سے دوستی کرنا کیا مذہب فی الدین نہیں ہے؟ ایسے شخص کو کسی کمیٹی کا رکن بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسے ہی وہ ٹیچر جو دوسرے مدرسہ میں کام کرتا ہے؛ لیکن نام یہاں بھی درج ہے اور تنخواہ لینے آتا ہے، تو کیا شرعاً یہ ٹیچر بھی مجرم ہے؟

جب یہ بات دوسرے لوگوں کو معلوم ہوئی تو اُنہوں نے ٹیچر کو اِس کام سے روکنے کے لئے جب مدرسہ کے نائب مہتمم سے کہا کہ آپ کے مدرسہ کے مدرس فلاں مدرسہ سے فرضی تنخواہ لیتے ہیں، اُن کو اِس کام سے روکیں یا اُنہیں اپنے مدرسہ سے نکال دیں، تو نائب مہتمم نے میری عرضی کو پھینک دیا اور کچھ سننے کے لئے تیار نہیں ہوئے، تو کیا نائب مہتمم بھی مجرم قرار دئے جائیں گے؟ اور اللہ کے یہاں اُن کی گرفت ہوگی؟ اور ان تینوں لوگوں کی حمایت کرنے والوں کی عنداللہ گرفت ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حکومت جو تنخواہ دیتی ہے وہ عمل کا معاوضہ ہے اور یہ شرعاً اِجارہ کا معاملہ ہے، اِس لئے جو حکومت کے مدرسہ کے ملازم ہیں وہ اپنی تنخواہ لینے کے مستحق ہیں، مہتمم کو اُس میں کٹوتی کا اختیار نہیں ہے، اور تنخواہ کم دینا اور رجسٹر پر پوری تنخواہ کے دستخط کرانا قطعاً دھوکہ اور خداع ہے، اِس کی کسی حال میں اِجازت نہیں ہے۔ اِسی طرح جو لوگ تدریس کے بغیر تنخواہ حکومت سے لیتے ہیں، اُن کے لئے بھی یہ تنخواہ ہرگز حلال نہیں ہے، وہ عنداللہ سخت مجرم ہیں اور اُن کے اس فعل پر راضی رہنے والے اور اُن کا دفاع کرنے والے بھی عنداللہ اپنا دامن نہیں بچا سکتے۔

عن ابن مسعود رضي اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: من غشنا فلیس منا، والمکرُ، والخداعُ في النار. (المعجم الکبیر والصغیر للطبراني ۲/ ۲۶۱،

صحیح ابن حبان رقم: ٥٥٣٣، سنن أبي داؤد ٤٨٩/٢، الترغیب والترهیب مکمل، کتاب البیوع وغیرها / الترهیب من الغش والترغیب في النصیحة في البیع وغیره ص: ٤٠٠ رقم: ٢٧٤٢ بیت الأفکار الدولیة)

عن قیس بن أبي غرزة رضي اللّٰه عنه قال: ...... فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من غش المسلمین فلیس منهم. (رواه الطبراني في الکبیر، کذا في الترغیب والترهیب مکمل، کتاب البیوع وغیرها / الترهیب من الغش والترغیب في النصیحة في البیع وغیره ص: ٤٠٠ رقم: ٢٧٤٣ بیت الأفکار الدولیة)

ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجیل أو بالتعجیل أو باستیفاء المعقود علیه، فإذا وجد أحد هٰذه الأشیاء الثلاثة فإنه یملکها، کذا في شرح الطحاوي. (الفتاویٰ الهندیة ٤١٣/٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۲/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ بورڈ کے پہلو سے اُبھرتے ہوئے کچھ سوالات

سوال (۵۵۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) کیا مدرسہ بورڈ مدارس کی آزادی کو سلب کرنے کی سازش ہے؟

(۲) کیا آج حکومت مدارس کو امریکی ایجنڈے پر عمل کرانا چاہتی ہے؟

(۳) ہماری حکومت کو مدارس کی اِس قدر فکر لاحق کیوں ہوگئی ہے؟

(۴) صرف مسلمان کے دینی مراکز کو حکومت اپنے ذمہ لینا چاہتی ہے، اور دوسرے مذاہب کے مراکز کو نظر انداز کر رہی ہے، ایسا کیوں؟

(۵) مدرسہ میں صرف ۴ ؍ فیصد مسلم بچے زیر تعلیم ہوتے ہیں، جو کبھی سرکار کا بوجھ نہیں بنتے، اور نہ بننا چاہتے ہیں، پھر بھی حکومت ۹۶ ؍ فیصد کی فکر چھوڑ کر انہیں ۴ ؍ فیصد کی فکر کیوں کرتی ہے، آخر کیا راز ہے؟

(۶) کیا ہندوستان میں دین کے تحفظ اور اُردو زبان کو باقی رکھنے کے لئے مدارس کا بورڈ سے ملحق ہونا ضروی ہے؟

(۷) کیا مدرسہ بورڈ میں قرآن وحدیث وفقہ کی کتابیں نکال کر زمانہ کے تقاضوں کے مطابق کتابیں پڑھائی جائیں گی؟

(۸) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سرکاری ملازمت میں تبدیل ہوجانے کے بعد مدارسِ عربیہ میں کسی تقدیس وپاکیزگی اور تقویٰ وطہارت کے باقی رہنے کا سوال ہی باقی نہیں رہ جاتا، کیا یہ سچ ہے؟ اگر یہ سچ ہے تو ایسا کیوں؟

(۹) کیا ہندوستان کی حکومت ذرائع آمدنی میں حلال وحرام کی کوئی تمیز نہیں رکھتی؟ اگر نہیں تو پھر اس سے تنخواہ لینا کیسا ہے؟

(۱۰) مدرسہ بورڈ سے ملحق حضرات کی اِمامت کے بارے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں علماء حق کیا فرماتے ہیں؟

(۱۱) مدرسہ بورڈ میں زکوۃ، فطرہ، چرمِ قربانی، صدقہ وغیرہ دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۱۲) کیا حکومتِ ہند کی اِس میں کوئی پالیسی ہے کہ ہمارے غیر مسلم بھائیوں نے بھی مدرسہ قائم کرنا شروع کردیا ہے، آخر اس میں کیا راز ہے؟

واضح ہو کہ مدرسہ بورڈ سے ملحق ہونے کے بعد درج ذیل اُمور انجام دینے پڑتے ہیں:

(۱) بورڈ کے لئے سب سے رجسٹریشن کرانا پڑتا ہے، جس میں کچھ نہ کچھ رشوت دی جاتی ہے، اور جھوٹ لکھا اور بولا جاتا ہے۔

(۲) مدرسہ کو بورڈ سے ملحق کرنے کے لئے چند شرائط ہوتی ہیں، جیسے بچوں کا کم از کم ۳۰۰/ سے ۵۰۰/ تک ہونا، اور کم سے کم پانچ کمروں کا ہونا، بچوں کے کھیل کود کے لئے میدان کا ہونا، جس میں اکثر مدارس والوں کو جھوٹ لکھنے اور رشوت دینے کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔

(۳) مدرسہ بورڈ جب ملحق ہوجاتا ہے تو ہمیشہ سرکار کی طرف سے کوئی نہ کوئی چیک کرنے

والے آتے ہیں، مدرسہ سرکار کے ضابطے کے مطابق ہونے پر بھی اہلِ مدرسہ کو کئی کئی ہزار روپئے آنے والے افسروں کو رشوت دینی پڑتی ہے۔

(۴) مدرسہ کے ہر درجہ میں بچوں کی حاضری ہوتی ہے، اور حاضری رجسٹر چیک بھی ہوتا ہے، جس میں اکثر ان بچوں کا نام بھی ہوتا ہے، جو نہ مدرسہ میں پڑھتے ہیں اور نہ ہی مدرسہ میں موجود ہوتے ہیں، اور نہ بورڈ کا امتحان دیتے ہیں؛ بلکہ ان بچوں کو اپنے داخلہ کی خبر بھی نہیں رہتی، کیا یہ ازروئے شریعت مشروع ہے؟

(۵) مدرسہ بورڈ کے بچوں کو سرکار کی طرف سے وظیفہ ملتا ہے، جس کو مدرسہ کے ذمہ دار بچوں کے درمیان تقسیم کرتے ہیں، مگر سرکار کی طرف سے جتنی رقم آتی ہے اس میں سے تھوڑی ہی رقم تقسیم ہوتی ہے، پھر کوئی نہ کوئی کام دِکھا کر مدرسہ والے رکھ لیتے ہیں، اور جتنی رقم سرکار کی طرف سے آئی ہوئی ہے، ہر طالبِ علم سے اتنی ہی رقم کا دستخط کرایا جاتا ہے، کیا یہ ذمہ دارانِ مدرسہ کے لئے جائز ہے؟

(۶) مدرسہ میں سبھی طالبِ علم کے کھانے کے لئے چاول وغیرہ آتا ہے، جو سبھی طالبِ علم کو نہیں ملتا، بعض کو ملتا ہے، اور بعض کو نہیں ملتا، اور بہت سے ایسے مدارس ہیں جہاں طلبہ کے طعام کا کوئی نظم ہی نہیں ہوتا، اور سارا غلہ ذمہ دار حضرات رکھ لیتے ہیں۔

(۷) مدرسہ بورڈ میں وہی شخص ملازم ہوسکتا ہے، جس نے منشی، معلم، عالم اور فاضل کا امتحان دیا ہو، اِس کے لئے امتحان سے پہلے نہ کوئی پڑھائی ہوتی ہے، اور نہ ہی کوئی مدرس ان کتابوں کو کبھی پڑھاتا ہے؛ بلکہ یہ کہہ لیجئے کہ نہ ہی اِس کے لئے کوئی درس گاہ ہوتی ہے، اور نہ کلاس، بس چھوٹے چھوٹے بورڈ پر منشی، معلم، عالم وغیرہ لکھ کر دروازہ پر لٹکا دیا جاتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب سرکاری درس گاہیں ہیں، اور بعض جگہوں پر حفظ کی درس گاہ کے دروازے پر یہ بورڈ لگا ہوا مل جاتا ہے، اور امتحان دینے والا خواہ حفظ قرآن، یا انگریزی، یا اور کسی زبان کا پڑھنے والا ہو، مسلم ہو یا غیر مسلم اس سے کچھ مطلب نہیں، بڑی آسانی سے امتحان دیتا ہے؛ کیوں کہ امتحان گاہ میں چیٹ لکھ کر سوالوں کو حل کرایا جاتا ہے، یا پھر گائیڈ کے ذریعہ مدد کی جاتی ہے۔

(٨) امتحان کے موقع سے افسر امتحان گاہ میں حاضر ہوتا ہے، حاضر ہونے سے پہلے ہی نگراں بچوں کو خبر کردیتے ہیں، بچے اپنی اپنی گائیڈ، یا چیٹ کو امتحان گاہ سے باہر کسی جگہ، یا پھر بیت الخلاء وغیرہ میں، مناسب وغیر مناسب کی تمیز کئے بغیر کہیں بھی ڈال دیتے ہیں، جب کہ چیٹ یا گائیڈ میں قرآن کی آیات اور اَحادیث بھی لکھی ہوئی ہوتی ہیں، کیا بورڈ کے امتحان کے لئے یہ سب جائز ہے؟

(٩) بورڈ کا امتحان دینے والوں کو اکثر آٹھ یا دس کلاس پاس ہونے کی مارسیٹ فارم پر لگانی ہوتی ہے، جس میں اکثر مارسیٹ فرضی ہوتی ہیں، جو سرکاری جرم ہے۔

(١٠) ہندوستان میں مسلمانوں کی زبان بول کر اُردو ٹیچر سرکاری محکموں میں رکھے جاتے ہیں، کیا آپ نے غور کیا ہے کہ کتنے مسلمان رکھے جاتے ہیں، اکثر ہمارے ہندو بھائی ملتے ہیں، اَب تو مدرسہ بورڈ کے بابو (منشی) ہمارے ہندو بھائی ہی ہوتے ہیں، کیا مدرسہ اُنہی حضرات سے چلے گا؟

(١١) کیا اُردو اِسلام کی زبان ہے؟ کیا اُردو زبان کی حفاظت ہم پر فرض ہے؟

(١٢) مدرسہ بورڈ میں جہاں پر قرآن وحدیث کی تعلیم دی جاتی ہے، جہاں صرف مسلمان ہی کے بچے زیرِ تعلیم ہوتے ہیں، وہاں پر ہندو مذاہب کی عبادت (تہوار) کی بھی چھٹیاں منائی جاتی ہیں، جب کہ مسلم تہوار کی چھٹی کم ہوتی ہے، سرکار بورڈ کی اس ناانصافی پر کوئی توجہ نہیں ہے۔

(١٣) جب کسی مدرسہ کو ایڈ حاصل ہوجاتا ہے، تو وہ جن اَساتذہ کو اپنے مدرسہ میں مدرس رکھتے ہیں، اُن سے ذمہ دارانِ مدرسہ لاکھ، دولاکھ روپئے رشوت لیتے ہیں، کیا ذمہ دارانِ مدرسہ کے لئے ایسا کرنا جائز ہے؟ اور مدرسہ کو ضرورت ہو یا نہ ہو، مدرسین سے زکوٰۃ وفطرہ کا چندہ کرایا جاتا ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جہاں تک مسئلہ شرعی کا تعلق ہے، تو حکم یہ ہے کہ اگر حکومت کسی مدرسہ کا کسی بھی طرح مالی تعاون کرے، تو فی نفسہٖ حکومت سے امداد لینا، اور اس کو حکومت کے قانون کے مطابق دیانت داری کے ساتھ مصارف میں صرف کرنا جائز ہے؛ لیکن مدرسہ کے نظام میں کسی بھی سطح پر کوئی بھی ایسا عمل کرنا جو شرعاً حرام ہو، مثلاً رشوتوں کا لین دین، یا

حسابات میں الٹ پھیر، یا تنخواہوں میں بد دیانتی، یا طلبہ کے لئے آمدہ رقومات کا غلط استعمال، ایسی سب صورتیں قطعاً حرام ہیں، اور بالخصوص دین سے نسبت رکھنے والے حضرات کے لئے یہ باتیں مزید شرم کا باعث ہیں۔ بریں بناء اگر سرکاری امداد سے مدرسہ چلایا جائے، تو شرعی حدود کا خیال ضرور رکھا جائے، اور اگر شرعی حدود کا خیال نہ رکھا جاسکے تو پھر سرکاری امداد نہ لینا ہی عافیت کا راستہ ہے۔ امید ہے کہ اس وضاحت سے آپ کو اپنے تمام سوالات کا جواب مل جائے گا۔

عن أنس بن مالک رضي اللّٰہ عنه قال: قلما خطبنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم إلا قال: لا إیمان لمن لا أمانة له ولا دین لمن لا عهد له. (مشکاة المصابیح، کتاب الإیمان / الفصل الثاني ۱۵/۱، رواه البیهقي في شعب الإیمان ۷۸/۸ رقم: ۴۳۵۴، مسند أحمد ۱۵۴/۳، الترغیب والترهیب مکمل ص: ۶۲۹ رقم: ۴۵۴۶ بیت الأفکار الدولیة، المعجم الکبیر رقم: ۱۰۵۵۲)

عن أبي هریرة رضي اللّٰہ عنه أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم مرَّ علی صبرةٍ من طعام فأدخل یده فیها فنالت أصابعه بللاً فقال: یا صاحب الطعام ما هٰذا؟ قال: أصابته الماء یا رسول اللّٰہ! قال: أفلا جعلته فوق الطعام حتی یراه الناس، ثم قال: من غش فلیس منا. (سنن الترمذي / باب ما جاء في کراهیة الغش في البیوع ۲۴۵/۱، سنن أبي داؤد / باب في النهي عن الغش ۴۸۹/۲، صحیح مسلم ۷۰/۱، الترهیب والترغیب مکمل ۴۰۰ رقم: ۲۷۴۰ بیت الأفکار الدولیة)

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: ألا لا تظلموا! ألا لا یحل مال امرء إلا بطیب نفس منه. (مشکاة المصابیح / باب الغصب والعاریة، الفصل الثاني ۲۵۵، مرقاة المفاتیح / باب الغصب والعاریة، الفصل الثاني ۱۱۸/۶ المکتبة الأشرفیة دیوبند، المسند للإمام أحمد بن حنبل ۷۲/۵، شعب الإیمان للبیهقي ۳۸۷/۴ رقم: ۵۴۹۲ دار الکتب العلمیة بیروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳۰؍۴؍۱۴۳۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سرکاری طرف سے مدارسِ دینیہ کے طلبہ کو ملنے والے وظائف کا حکم؟

سوال (۵۵۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گذشتہ دنوں حکومت کی طرف سے مدارسِ دینیہ مکتب وغیرہ جو گاؤں میں ہیں، اُن کو یعنی اس میں پڑھنے والے طلبہ اور طالبات کو وظائف دئے گئے تھے، تو اُن وظائف وغیرہ کا لینا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حکومت کی طرف سے مدارسِ دینیہ کے طلبہ وطالبات کو جو رقم بطور امداد دی جارہی ہے اُس کے لینے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ یہ رقم اصل مستحق طلبہ تک پہنچادی جائے، اور سرکار کی طرف سے کسی فتنہ کا آئندہ اندیشہ نہ ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۳۱۶/۶)

ومصرف الجزية والخراج ومال التغلبي وهديتهم للإمام، مصالحنا كسدّ ثغور وبناء قنطرة وجسر، وكفاية العلماء الخ، قوله كفاية العلماء: هم أصحاب التفسير والحديث والظاهر أن المراد بهم من يعلم العلوم الشرعية فيشمل الصرف والنحو وغيرهما. (شامي، كتاب الجهاد / مطلب في مصارف بيت المال ٢١٧/٤ كراچی، البحر الرائق، كتاب السير / فصل في الجزية ١١٧/٥ كوئٹه، تبيين الحقائق، كتاب السير / فصل في الجزية ٣٨٣/٣ المكتبة الإمدادية ملتان) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۰/۲/۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طلبہ کی تعداد زیادہ بتاکر سرکار سے زیادہ رقم لینا؟

سوال (۵۵۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سرکار کی طرف سے ملنے والی رقم کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کے لئے طلبہ کی تعداد کو بہت بڑھا چڑھا کر بتلانا، مثلاً کسی مدرسہ میں صرف ۷۰۰/ طلبہ ہوں، اور وہ اُن کی تعداد ۱۳۳۰/ بتلاکر اُسی حساب سے رقم وصول کریں، تو کیا جھوٹ اور دھوکہ دہی اس مالِ غنیمت کو حاصل

کرنے کے لئے جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ جھوٹ اور فریب بالکل جائز نہیں، اور استحقاق سے زائد رقم سرکاری خزانہ میں لوٹانی لازم ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ......، ثم قال: من غش فليس منا. (سنن الترمذي / باب ما جاء في كراهية الغش في البيوع ٢٤٥/١، سنن أبي داؤد ٤٨٩/٢، صحيح مسلم ٩٧٠/١، الترهيب والترغيب مكمل ٤٠٠ رقم: ٢٧٤٠ بيت الأفكار الدولية)

ويردونها على أربابها إن عرفوهم وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٣٨٥/٦ كراچی، ٥٥٣/٩ زكريا)

لأن الغش حرامٌ. (شامي ٢٣٠/٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۷/۹/۱۸ھ

مستحق طلبہ کے نام پر آنے والے سرکاری وظیفہ کو دوسرے مدرسہ کے طلبہ میں تقسیم کرنا؟

سوال (۵۵۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: منظوری اور بورڈ کے امتحان کے نتیجہ میں طلبہ کی کاپی کتاب کے اخراجات کے لئے جو وظیفہ الٰہ آباد سے لاکھوں روپئے تک آتا ہے، وہ انہی طلبہ کے نام آتا ہے کہ جنہوں نے فارم پر کر کے امتحان دئے ہیں، مگر اہلِ مدرسہ وہ وظیفہ ان طلبہ کو دینے کے بجائے، اپنے مدرسہ کے اُن طلبہ کو جو کہ باقاعدہ پرائمری درجہ حفظ وعربی وغیرہ میں داخل ہیں، تقسیم کر دیتے ہیں۔

تو کیا یہ ایک مستحق کا حق مار کر غیر مستحق کو حق دار بنانا ہے؟ آپ شرعی حکم جواز اور عدم جواز کا بیان فرمادیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وظیفہ کی رقم جن طلبہ کے نام آتی ہے، وہی اُس کے مستحق ہیں، اگر وہ موجود نہیں ہیں تو اُن کے حصہ کو مابقیہ رقم سرکار کو واپس کر دینا لازم اور ضروری ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۴/ ۱۴۱ ڈابھیل)

لا یجوز التصرف في مال غیرہ بلا إذنہ ولا ولایتہ. (الدر المختار مع الشامي، کتاب الغصب / مطلب فیما یجوز من التصرف بمال الغیر ۹/ ۲۹۱ زکریا)

فإن شرائط الوقف معتبرۃ إذا لم تخالف الشرع، وهو مالک فله أن یجعل ماله حیث شاء ما لم یکن معصیة. (الرد المحتار / مطلب: شرائط الواقف معتبرۃ إذا لم تخالف الشرع ٤/ ٣٤٣ دار الفکر بیروت، ٦/ ٥٢٧ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۲۴ھ

طلبہ کے وظیفہ سے مدرسہ کی تعمیر کرنا؟

سوال (۵۵٦): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: وظیفہ ایک سال تو مذکورہ طلبہ کو دیا جاتا ہے، اور دوسرے سال مدرسہ اپنے خرچ مثلاً تعمیر وغیرہ میں استعمال کرتا ہے، طلبہ کو نہیں دیتا۔

تو دریافت یہ کرنا ہے کہ اس سے مدرسہ کی تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکار کی طرف سے جن طلبہ کے نام وظیفہ آتا ہے، اُنہیں نہ دے کر مدرسہ کی تعمیرات ودیگر اُمور میں صرف کرنا درست نہیں ہے؛ لیکن اگر وہ طلبہ جن

کے نام وظیفہ آیا ہے، بالغ ہوں وہ رقم لے کر بخوشی بلا کسی دباؤ کے اہل مدرسہ کو واپس کردیں، تو اس رقم کو مدرسہ کی تعمیرات ودیگر ضروریات میں صرف کیا جاسکتا ہے۔

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (بيضاوي ۷/۱ سورة الفاتحة)

لا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه و لا و لايته. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الغصب / مطلب فيما يجوز من التصرف بمال الغير ۲۹۱/۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۱/۳/۲۴ھ

مدرسین کی تنخواہ اور تعطیلات کے ضابطے

اہلِ مدارس مالیات کا حساب شمسی تاریخ سے رکھیں یا قمری تاریخ سے؟

سوال (۵۵۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک دینی مکتب فی الحال ہی قائم ہوا ہے، ذمہ دار مکتب چاہتے ہیں کہ حساب وکتاب اور مدرس کی تنخواہ کی ادائیگی اور متعلقہ مسجد کی اِمامت کا وظیفہ شمسی تاریخ سے انجام دیں؛ کیوں کہ شمسی تاریخ کا استعمال زیادہ رہنے کی وجہ سے ایک عادت پڑی ہے اور سہولت بھی ہے، اور مدرس یا امام یہ چاہتے ہیں کہ قمری تاریخ کا حساب وکتاب رہے؛ کیوں کہ اول تو دینی ادارہ ہے اور معاملہ جس کی اشاعت کا ہم لوگوں پر ہے۔ دوم یہ کہ شمسی اور قمری میں دس یوم کا فرق سالانہ پڑتا ہے، جو شاید حقوق العباد ہی میں شمار ہوگا۔ براہِ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل تشریح فرمائیں کہ دینی ادارہ اور معاملہ ہی نہیں؛ بلکہ دنیاوی معاملات میں بھی کاروبار، لین دین کس حساب سے جائز اور بہتر ہوگا؟ اور کس حساب کو اَولیت اور فوقیت دی جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآنِ کریم، اَحادیثِ مبارکہ اور شرعی اَحکام پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اِسلامی عبادات میں چاند کی تاریخوں کو معیار بنایا گیا ہے۔ چناں چہ حج اور روزہ میں قمری مہینہ کا ہی اعتبار ہے، زکوٰۃ میں بھی حولانِ حول قمری معتبر ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَهِلَّةِ، قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾

[البقرة، جزء آیت: ۱۸۹]

وحولها أي الزكاة قمري لا شمسي. (الدر المختار ۲/۲۹۴ کراچی، ۳/۲۲۳ زکریا)

سئل الحسن بن علي رضي اللّٰه عنه عن الحول في الزكاة أقمري أم شمسي؟

فقال: قمري. (الفتاوىٰ التاتارخانية ١٣٤/٣ رقم: ٣٩٣٧ زكريا، البحر الرائق ٢٠٣/٢ كوئٹه، ٣٥٦/٢ زكريا، طحطاوي على الدر المختار ٣٨٩/١، الفتاوىٰ الهندية ١٧٥/١، شامي ١٧٥/٣ زكريا)

نیز قمری تاریخ فی زمانہ مسلمانوں کا شعار سمجھی جاتی ہے، اس لئے مسلمانوں کو اپنے معاملات میں قمری تاریخ کو ہی رائج کرنا چاہئے اور شمسی تاریخ رائج کرنے سے حتی الامکان احتراز کرنا چاہئے؛ تاہم کسی مصلحت سے دنیوی معاملات اور کاروبار میں شمسی تاریخوں کا اعتبار کرلیا جائے تو یہ بھی ناجائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۱/۲/۳ھ

اَیامِ تعطیل کی تنخواہ کا شرعی ضابطہ؟

سوال (۵۵۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک اِدارہ کے مدرس نے رمضان المبارک کی تعطیل میں مدرسہ کے لئے چندہ فراہمی کا کام ارباب کے کہنے پر انجام دیا، ادارہ رجسٹرڈ ہے، اور قواعد وضوابط کی روشنی میں جملہ اُمور انجام دئے جاتے ہیں، مذکورہ مدرس نے مدرسہ کے ضابطہ کے تحت جس کی عبارت یہ ہے:

’’تعطیلات (ج) رخصت استحقاقی۔ وہ تمام ملازمین جنہوں نے تعطیلِ کلاں سے فائدہ نہ اٹھایا ہو اُن کو یہ حق ہوگا کہ وہ تعلیمی سال کے دوران یکم محرم سے ۳۰/ رجب تک ایک ماہ کی رخصت مع تنخواہ لے سکتے ہیں، اگر کوئی ملازم اپنی رخصت استحقاقی نہ لینی چاہے تو اس کے عوض ایک ماہ کی تنخواہ لے سکتا ہے؟ یہ رخصت جمع بھی ہوسکتی ہے؛ لیکن ۶۰/ یوم سے زیادہ کی رخصت جمع نہ ہوسکے گی‘‘۔

مدرس نے تعطیل کے عوض ایک ماہ کی تنخواہ کی درخواست دی ہے؛ لیکن انتظامیہ نے درخواست کو یہ کہہ کر کہ ’’یہ دفعہ انتظامی اُمور کے ملازمین کے لئے ہے تعلیمی اُمور کے ملازمین کے لئے نہیں ہے، رد کردیا اور نامنظور کردیا‘‘۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ انتظامیہ کا اسے مدرسہ کے ایک شعبہ کے ملازمین کے ساتھ مخصوص باور کرانا جب کہ وہ دفعہ مطلق ہے کہاں تک درست ہے؟ کیا یہ زیادتی اور ناانصافی نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہاں پر دو صورتیں ہیں اور دونوں کے احکام الگ الگ ہیں:

الف:- اگر منجانب مدرسہ مدرسین پر یہ لازم ہے کہ وہ ایام تعطیل میں چندہ فراہمی برائے مدرسہ کا کام انجام دیں گے، تو یہ بھی اُن کے معاملۂ اِجارہ کا ایک جزء ہے؛ لہٰذا اِس صورت میں اُنہیں ایامِ تعطیل کے علاوہ مزید اُجرت اور تنخواہ لینے کا شرعاً استحقاق نہ ہوگا۔

مستفاد: إذا استأجر رجلاً ليعمل له عملاً اليوم إلى الليل بدرهم صباغة أو خبزًا أو غير ذٰلک، فالإجارة فاسدة في قول أبي حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ، وفي قولهما يجوز استحساناً ويكون العقد على العمل دون اليوم حتى إذا فرغ منه نصف النهار فله الأجر كاملاً. (الفتاوىٰ الهندية، الباب السادس / ومما يتصل بهٰذا الفصل إذا جمع في عقد الإجارة بين الوقف والعمل ٤٢٣/٤)

ب:- اور اگر مدرسین پر چھٹی کے اَیام میں چندہ کی فراہمی لازمی نہیں ہے؛ بلکہ اُن کا کام صرف تدریس کا ہے، تو محض تدریس پر عقدِ اجارہ کی وجہ سے وہ اَیامِ تعطیل کی تنخواہ کے مستحق ہیں، اور اگر وہ اُن ایام میں مدرسہ کا کوئی اور کام کریں تو اُس کی اُجرت انہیں الگ سے مطالبہ کرنے کا حق شرعاً حاصل ہوگا۔

وهل يأخذ أيام البطالة كعيد ورمضان لم أره وينبغي إلحاقه ببطالة القاضي، واختلفوا فيها والأصح أنه يأخذ؛ لأنها للاستراحة أشباه من قاعدة العادة محكمة (الدر المختار) وتحته في الشامي: فحيث كانت البطالة معروفة في يوم الثلاثاء والجمعة وفي رمضان والعيدين يحل الأخذ. (الدر المختار مع الشامي / مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة ٣٧٢/٤ بيروت، ٥٦٧/٦-٥٦٨ زكريا)

وتؤيده هٰذه القاعدة: كل محبوس لمنفعة غيره تلزمه نفقته. (شامي، كتاب

الطلاق / باب النفقة، مطلب في نفقة المملوك ٥٧٢/٤ كراچی، ٣٧٦/٥ زکریا)

اور رہ گیا مدرسہ کے ضابطہ کا مسئلہ، تو وہ حسبِ تحریر سوال مطلق ہے، اِس حکم میں سارے ہی ملازمینِ مدرسہ خواہ مدرس ہوں یا شعبۂ نظم سے متعلق ہوں داخل ہیں، بلا کسی وجہ سے اس مطلق میں سے مدرسین کو خارج کرنا منتظمین کیلئے درست نہیں ہے؛ بلکہ ناانصافی اور حق تلفی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۱/۲/۱۳ھ

علی گڈھ یونیورسٹی میں ائمہ، مؤذنین اور ملازمین کے لئے تعطیلات کے ضابطے؟

سوال (۵۵۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: علی گڈھ مسلم یونیورسٹی مشہور ومعروف تعلیمی اِدارہ ہے، اس کا نظام حکومتِ وقت کے قوانین کے مطابق علی گڈھ میں چل رہا ہے، یہ یونیورسٹی منظور شدہ قوانین کے مطابق اپنے تدریسی اور غیر تدریسی عملہ کو سال بھر میں مختلف ناموں سے کچھ چھٹیاں دیتی ہے، مثلاً اتفاقی رخصت، رعایتی رخصت، میڈیکل چھٹی اور مختلف تیوہاروں کے موقع پر چھٹیاں اور ہفتہ میں ایک دن چھٹی جس کے لئے اتوار کا دن مقرر ہے؛ لیکن جن ملازمین کو اتوار کے دن چھٹی نہیں دی جاسکتی اُنہیں کسی دوسرے دن چھٹی دی جاتی ہے، اس چھٹی کا مقصد یہ ہے کہ ہفتہ میں چھ دن کام کرنے کے بعد لوگوں کو ایک دن اپنی خانگی ضرورت پوری کرنے کا موقع ملے، اس یونیورسٹی کا ایک حصہ شعبۂ دینیات بھی ہے، جس میں معلمین حضرات طلبہ کو حدیث، تفسیر، فقہ اور دیگر علومِ اسلامی کا درس دیتے ہیں، اور اسی شعبہ سے وابستہ یہاں کی مساجد کا انتظام بھی ہے، جن میں نماز پنج گانہ باجماعت ادا کی جاتی ہے، اور مساجد سے متعلق خدمات ائمہ ومؤذنین حضرات انجام دیتے ہیں، اس طریقہ پر کہ کوئی امام چھٹی پر جاتا ہے تو مؤذن نیابت کرتا ہے، اور اگر کوئی مؤذن چھٹی پر جاتا ہے تو امام ہی مؤذن کی خدمت انجام دیتا ہے، مسجد کا کوئی کام نہیں رکتا ہے، شعبۂ دینیات کے معلمین اور مساجد کے ائمہ ومؤذنین

کی خدمات خالص مذہبی نوعیت کی ہیں؛ لیکن اِن خدمات کو انجام دینے والے انسان ہیں، اور انسانی ضروریات اُن کے ساتھ بھی لگی ہوئی ہیں، اس لئے چھٹیوں کی ضرورت اُن حضرات کو بھی پیش آتی ہے؛ لہٰذا اگر یونیورسٹی مندرجہ بالا چھٹیاں ان حضرات کو اس طرح دے کہ مساجد میں نماز باجماعت ہوتی رہے اور مساجد سے متعلق دیگر اُمور بھی انجام پاتے رہیں اور یہ حضرات انہیں قبول فرماکر استفادہ کریں، تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ جواز وعدمِ جواز کا حکم شعبۂ دینیات کے معلمین اور مساجد کے ائمہ اور مؤذنین سب کے لئے یکساں ہے یا جدا جدا؟ اس کی وضاحت فرمادیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یونیورسٹی کے ضابطہ کے مطابق ائمہ ومؤذنین اِسی طرح شعبۂ دینیات کے دیگر ملازمین کا چھٹیوں سے فائدہ اٹھانا اور زمانہ تعطیل کی ضابطہ کے مطابق تنخواہ لینا شرعاً درست اور جائز ہے، اس میں کوئی مضائقہ اور شرعی قباحت نہیں ہے۔

وینبغي إلحاقه ببطالة القاضي، واختلفوا فیها، والأصح أنه یأخذ؛ لأنها للاستراحة. وفي الشامي بحثًا: فحیث کانت البطالة معروفة في یوم الثلاثاء والجمعة وفي رمضان والعیدین یحل الأخذ. (شامي، کتاب الوقف / مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظیفة في یوم البطالة ۳۷۲/٤ کراچی، ٥٦٧/٦-٥٦٨ زکریا)

ومنها البطالة في المدارس کأیام الأعیاد ویوم عاشوراء وشهر رمضان في درس الفقه، لم أرها صریحةً في کلامهم، والمسئلة علی وجهین: فإن کانت مشروطةً لم یسقط من المعلوم شيءٌ، وإلا فینبغي أن یلحق ببطالة القاضي، وقد اختلفوا في أخذ القاضي ما رُتِّب له ...... في یوم بطالته، فقال في المحیط: إنه یأخذ في یوم البطالة. (شرح الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد / القاعدة السادسة ۲۷۲/۱ إدارة القرآن کراچی، وکذا في الدر المختار، کتاب الوقف / مطلب في استحقاق القاضي والمدرس

الوظيفة في يوم البطالة ٣٧٢/٤ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۴/۱۱/۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تعطیلِ کلاں کی تنخواہ کے لئے چندہ کرنے کی شرط لگانا؟

سوال (۵۶۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں ضلع بجنور یوپی کے ایسے مدرسہ میں پڑھاتا تھا جہاں نو ماہ کی تنخواہ تو من جانب مدرسہ مل جاتی تھی، مگر شعبان، رمضان اور شوال تین ماہ کی تنخواہ خود چندہ کرکے وصول کرتا تھا، مدرسہ ہٰذا کا قانون یہ تھا کہ چندہ کرنے پر تین ماہ کی تنخواہ ملتی اور چندہ نہ کرنے پر تنخواہ نہیں ملتی تھی، خود مجھے بھی ایک سال تنخواہ نہیں ملی تھی، حسبِ سابق اِمسال بھی میں ۲۸ / رمضان تک مدرسہ کا کام کرتا رہا، اور عید سے قبل گھر جانے سے قبل مہتمم سے میں نے ملاقات بھی کی، عید کے بعد ۱۵ / شوال مدرسہ آنے کا ارادہ تھا، اَچانک میں دوسرا مدرسہ چلا گیا، ادھر مہتمم کو معلوم بھی ہوگیا، اُنہوں نے دوسرا مدرس رکھ لیا، ایک دن بھی تعلیم کا نقصان نہیں ہوا۔

اَب سوال یہ ہے کہ تعطیل کلاں یعنی شعبان رمضان اور شوال (جس میں ہم مدرسہ کا چندہ ۲۸ / رمضان تک کرتے رہے) کی تنخواہ کا استحقاق شرعاً مجھے ملتا ہے یا نہیں؟ مہتمم شعبان رمضان کی بھی تنخواہ دینا نہیں چاہتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسبِ تحریر سوال جب کہ مدرسہ مذکورہ کا عرف ہی یہ ہے کہ وہاں تین ماہ کی تنخواہ چندہ کرنے پر ملتی ہے اور آپ نے چندہ کی محنت بھی کی ہے، تو حسبِ ضابطہ آپ تنخواہ کے مستحق ہیں، اِس مدت کی تنخواہ روکنے کا مہتمم مدرسہ کو حق نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۴/۱۴۳)

عن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحًا حرّم حلالاً

أو أحلّ حـرامًا، والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالاً أو أحل حرامًا.

(سنن الترمذي، أبواب الأحكام / باب ما ذكر عن النبي صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس ۱/ ۲۵۱)

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۳/۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رخصتِ کلاں سے ماقبل اور مابعد بیمار ہونے پر رخصتِ کلاں کوسلب کرنا؟

سوال (۵۶۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص مدرسہ کا مستقل قدیم ملازم ہے، مدرسہ میں ہونے والی عام تعطیل کا حق دار ہے، اَچانک وہ ملازم عام تعطیل کے ماقبل و مابعد میں بیمار ہوگیا، یا اس کو ایسی صورت ومجبوری پیش آئی کہ اُس نے ماقبل و مابعد میں رخصت لے لی، اَب مدرسہ میں یہ ضابطہ بنا ہوا ہے کہ تعطیلِ عام کے ماقبل و مابعد میں اگر کامل یوم کی رخصت ہوگی، تو عام تعطیل کی رخصت سلب ہو جائے گی، تو کیا شریعت کی روشنی میں یہ قانون درست ہے یا نہیں؟ نیز مستقل مدرس و ملازم کو بوقتِ تقرر عام تعطیل کا استحقاق دے دیا، اور پھر اس ضابطہ کے تحت اس کو سلب کرلیا، تو یہ سلب کرنا از روئے شرع کیا حکم رکھتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مدرسہ میں مذکورہ ضابطہ پہلے سے موجود ہے کہ رخصتِ کلاں سے ماقبل ومابعد لگاتار رخصت لینے سے تعطیلِ کلاں سلب ہوجائے گی، تو اِس ضابطہ پرعمل کرتے ہوئے مسئولہ صورت میں سلبِ رخصت شرعاً درست ہے، اور یہ کہنا کہ یہاں رخصت دے کر بعد میں اُسے سلب کیا جارہا ہے درست نہیں؛ کیوں کہ مذکورہ ضابطہ کے اعتبار سے اس خاص صورت میں رخصت کا سرے سے کوئی استحقاق ہی نہیں ہے۔

أما لو شرط شرطًا تبع كحضور الدرس أيامًا معلومةً في كل جمعةٍ فلا

يستحق المعلوم إلا من باشر خصوصًا، إذا قال من غاب عن الدرس قطع معلومه فيجب اتباعه. (شامي / مطلب في الغيبة التي يستحق بها العزل عن الوظيفة وما لا يستحق ٤١٩/٤ كراچی، ٦٣١/٦ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۴/۲/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایامِ تعطیل میں حاضر رہ کر بعد میں اس حقِ رخصت کو استعمال کرنا؟

سوال (۵٦۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے گاؤں کے مدرسہ میں باہر کے اساتذہ پڑھاتے ہیں، جو ایک ماہ کے بعد تین چار دن کے لئے گھر جاتے ہیں، ناظم صاحب اُن کی اس رخصت کی تنخواہ کاٹ لیتے ہیں، جب کہ اساتذہ کا کہنا ہے کہ ہم تین جمعہ کی حاضری دیتے ہیں، اس کی رخصت ایک ساتھ ملنی چاہئے، جمعہ کو مدرسہ کی تعلیم موقوف رہتی ہے، اساتذہ موجود رہتے ہیں، ہر جمعہ کو گھر جانا دشوار ہے، اس صورت میں ناظم مدرسہ اور اساتذہ کیا کریں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چھٹی کے ایام جب ختم ہوجائیں اور صاحبِ حق اس کو استعمال میں نہ لائیں اور مدرسہ میں ہی رکے رہیں اور بعد میں اس حق کا استعمال کرنا چاہیں تو نہیں کرسکتے، اگر اس حق کا استعمال بعد میں کریں گے تو وہ غیر حاضری شمار ہوگی اور ناظم مدرسہ کو تنخواہ سے وضع کرنے کا پورا حق ہوگا۔ (مستفاد از: احسن الفتاویٰ ۷/۲۸۳، کفایت المفتی ۷/۱۸۸، امداد الفتاویٰ ۳/۳۴۹)

لا يحل له أخذ الأجر عن يوم لم يدرس فيه مطلقًا، سواءٌ قدر له أجر كل يوم أو لا. (شامي / مطلب: في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة ٣٧٢/٤ كراچی، ٥٦٨/٦ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲٦/۱۱/۲۳ھ

مدرسہ میں رخصت وضع کرنے کا حق

سوال (۵۶۳):-کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بہت سے مدارس میں اَساتذہ وملازمین کے لئے یہ قانون بنا ہوا ہے کہ عام تعطیل (مثلاً جمعہ وعیدین، امتحانات وغیرہ) کے ماقبل و مابعد اگر کامل رخصت ہے، تو یہ ایامِ تعطیل رخصت میں شامل ہوجائیں گے، اگر متعینہ رخصتیں باقی ہیں تو رخصت میں شمار ہوکر سلب ہو جائیں گی، ورنہ تنخواہ وضع کرلی جائے گی، جب کہ بوقتِ تقرر یہ معاہدہ ہوا کہ آپ کو ملازمت کے دوران رخصت بیماری واتفاقی کے علاوہ یہ رخصتیں ملیں گی۔

اَب جواب طلب امر یہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں اس قانون کی کیا حیثیت ہے؟ چوں کہ ایک طرف بوقتِ تقرر اس کا مستحق بنایا گیا، اور دوسری طرف یہ ضابطہ بنا کر اِس حق کو سلب کر لیا گیا اور ماقبل ومابعد کی رخصت مدرسہ کے ملازم نے بدرجہ مجبوری لی ہے، کیا اِس صورت میں ملازم مدرسہ کی مجبوری کا خیال ضروری ہے یا اس ضابطہ کو باقی رکھنا ضروری ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بوقتِ تقرر مذکورہ ضابطہ سے ملازم کو مطلع کردیا گیا تھا یا ملازم کو اس کا علم ہوگیا تھا اور اس پر اُس نے کوئی اعتراض نہیں کیا، اور نہ اس کی وجہ سے ملازمت ترک کی، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے ضابطے کو قبول کرلیا؛ لہٰذا اَز روئے حدیث ”المسلمون علی شروطهم“ کے تحت ضابطہ کی تعمیل جائز ہے؛ البتہ اگر ذمہ دارانِ مدرسہ کسی مجبوری کے تحت خاص حالات میں کسی ملازم کو رعایت دے دیں، تو اِس کی بھی گنجائش ہے، یہ اُن کی طرف سے تبرع ہوگا، بشرطیکہ مجلسِ شوریٰ نے اُن کو اِس طرح کی رعایت دینے کا اختیار دے رکھا ہو۔

عن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحًا حرّم حلالاً أوأحلّ حرامًا، والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالاً أو أحل حرامًا. (سنن الترمذي،

أبو اب الأحكام / باب ما ذكر عن النبي صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس ۱/ ۲۵۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/ ۲/ ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرس کا بیماری کے اَیام کی تنخواہ لینا؟

سوال (۵۶۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک اسلامی مدرسہ کا مدرس بیمار ہے اور دو ماہ مکمل صاحبِ فراش رہا، بالکل مدرسہ نہیں آیا، اس کی تنخواہ مدرسہ پر واجب ہوگی یا نہیں؟ جب کہ مدرسہ سے بیماری کی صرف ۱۵/ یوم کی رخصت کا دستور ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں دستور مدرسہ کے مطابق وہ بیمار مدرس صرف ۱۵/ یوم کی تنخواہ ہی مدرسہ سے لے سکتا ہے، بقیہ ایامِ علالت کی تنخواہ کا حق دار نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۳۴۷)

غاب المتفقة شهرًا أو شهرين يحرم عليه أخذ المرسوم بلا خلاف إن كان مشاهرة. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الوقف / الباب الرابع عشر في المتفرقات ۲/ ٤٨٤)

المعروف بالعرف كالمشروط شرطًا. (قواعد الفقه ۱۲۵)

اور اگر خاص حالات میں مدرسہ کا کچھ رعایت کرنے کا دستور ہو تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/ ۷/ ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ سے ایامِ حج کی تنخواہ لینا؟

سوال (۵۶۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ایک مدرسہ کے ذمہ دار استاذ جن کو ناظم کی حیثیت حاصل ہے، جو تعلیمی، انتظامی اور تربیتی اُمور میں اَوقاتِ مدرسہ کے علاوہ اپنے خارجی اوقات بھی مفادِ مدرسہ میں گذارتے ہیں، اپنے فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے گئے اور سفر کے علاوہ چار پانچ یوم مزید ملاقات وغیرہ کی وجہ سے ۴۵ / یوم تقریباً ہوگئے، ان ایام کی تنخواہ لی جائے یا نہیں؟ اِسی طرح اگر حج بدل کریں تو اس صورت میں کیا کریں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج کی رخصت کے بارے میں اگر مدرسہ کا پہلے سے کوئی ضابطہ ہو تو اس کے مطابق عمل کیا جائے، اگر ضابطہ مقرر نہ ہو تو کسی ذمہ دار مدرسہ سے ضابطہ معلوم کر کے اس کو عمل میں لایا جائے؛ تاہم چوں کہ سفر حج ضروریاتِ مدرسہ میں شامل نہیں ہے، اس لئے ان ایام کی تنخواہ ضابطہ کے بغیر مدرسہ سے لینی درست نہیں ہے، حج بدل کا بھی یہی حکم ہے۔

منها البطالة في المدارس كأيام الأعياد ويوم عاشوراء وشهر رمضان في درس الفقه، لم أرها صريحةً في كلامهم، والمسألة على وجهين: فإن كانت مشروطةً لم يسقط من المعلوم شيءٌ. (الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد / القاعدة السادسة ۲۷۲/۱ زكريا)

وفي غير فرض الحج وصلة الرحم أما فيهما فلا يستحق العزل والمعلوم. (شامي ٦/٦٣١ زكريا، فتاوى محموديه ١٤/١٤٥) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱ / ۲ / ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حج بدل کو جانے والے مدرس کی تنخواہ مدرسہ پر ہے یا بھیجنے والے پر؟

سوال (۵٦٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک مدرسہ کا مدرس ہے، اگر کوئی اہلِ شہر یا کسی اور شہر والا زید کو حج بدل کے لئے بھیجے، تو زید کی تنخواہ مدرسہ پر واجب ہوگی یا حج بدل کو بھیجنے والے پر؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عام ضابطہ کے مطابق جتنی اتفاقیہ رخصتیں مدرسہ کی طرف سے ملتی ہوں وہ مدرسہ سے لے لی جائیں، اور زائد رخصتوں کا بار مدرسہ پر نہ ڈالیں، اور حج بدل کرانے والے نے اگر پہلے سے طے کر رکھا ہے کہ وہ رخصت کی تنخواہ بھی دے گا، تو اس سے تنخواہ کے مطالبہ کا حق ہے ورنہ اسے تنخواہ دینے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

كذا استفيد من عبارة البحر عن الإسبيجابي: لا يجوز الاستيجار على الحج، فلو دفع إليه الأجر فحج يجوز عن الميت، وله من الأجر مقدار نفقة الطريق، ويرد الفضل على الورثة إلا إذا تبرع به الورثة أو أوصى الميت بأن الفضل للحاج. (شامي / مطلب في الاستيجار على الحج ٦٠١/٢ كراچی، ١٨/٤-١٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۷/۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اہلِ مدرسہ کا استاذ کو تصحیح کے لئے بھیجنا اور اُن ایام کی تنخواہ کا حکم

سوال (٥٦٧): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید حافظ ہے نیز ایک معروف مدرسہ یعنی مدرسہ شاہی مرادآباد سے شعبۂ قرأت سے فارغ بھی ہے، ایک علاقائی مدرسہ میں بسلسلہ تدریس بوقت گفتگو تقرری زید کا امتحان لیا اور پڑھانے کی اِجازت بھی مل گئی اور تقریباً سات ماہ درس وتدریس میں لگا رہا؛ لیکن ذمہ داران مدرسہ نے بطرز گانوڑی نورانی قاعدہ پڑھانے کے لئے کہا، اور پھر گانوڑی بھیج دیا جو تقریباً ڈیڑھ ماہ وہاں رہ کر تدریب کے طور پڑھا، اَب اس ڈیڑھ ماہ کی تنخواہ زید کو منجاب مدرسہ دی جائے یا نہ دی جائے، جب کہ مدرسہ ابھی ابتدائی دو سال کے مراحل میں ہے، نیز اس کے علاوہ معروف وغیر معروف مدرسہ میں اس طرح کے واقعات میں مدرس کو تنخواہ منجاب مدرسہ دی گئی ہے۔

نوٹ: - ذمہ دارانِ مدرسہ نے کئی مرتبہ اسی مدرسہ کے ایک استاذ سے پڑھنے کے لئے کہا؛ مگر زید نے کچھ مصلحت کی بنا پر مدرسہ کے استاذ سے نہ پڑھ کر گانوڑی جانے کے لئے تیار

ہوئے اور مدرسہ والوں نے بھیج دیا، شرعاً کیا حکم ہے جواب سے مطلع فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسبِ تحریر سوال زید کے تدریس میں لگ جانے کے بعد چوں کہ مدرسہ والوں نے اسے تصحیح اور تدریب کے لئے بھیجا ہے؛ اس لئے زید مدتِ تصحیح ڈیڑھ ماہ کی تنخواہ لینے کا حق دار ہے؛ اس لئے زید کو تنخواہ دے دینی چاہئے۔

الأجير الخاص يستحق الأجرة إذا كان في مدة الإجارة حاضرًا للعمل ، ولا يشترط عمله بالفعل. (شرح المجلة ۲۳۹/۱ رقم المادة: ٤٢٥)

إنما تعتبر العادة إذا اطردت أو غلبت – المعروف عرفًا كالمشروط شرطًا. (شرح المجلة لسليم رستم باز ۳۷/۱ رقم المادة: ٤١ – ٤٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۷/۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اُستاذ کا اپنی جگہ دوسرے کو عارضی مدرس بنا کر رخصت پر جانا؟

سوال (۵٦۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید مدرسہ میں بچوں کو قرآنِ کریم پڑھاتا ہے، رخصتِ علالت اور اتفاقی ختم ہوگئی، ایک ضرورت کی بنا پر پندرہ روز کے لئے باہر چلا گیا، اور مدرسہ کے بچوں کو پڑھانے کے لئے اپنے حافظ بھائی کو رکھ دیا، معمول کے مطابق تعلیم ہوتی رہی، سبق کا ناغہ نہیں ہوا، اس صورت میں زید کی غیر حاضری کا خیال کرکے مشاہرہ کاٹا جائے گا یا نہیں؟ پوری تنخواہ کا وہ مستحق ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اس مدرسہ کا قانون اپنی جگہ دوسرے شخص کو رکھنے کی اجازت دیتا ہے، تو مسئولہ صورت میں مدرس مکمل تنخواہ کا مستحق ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۲۸۵/۷)

النائب لا يستحق شيئًا من الوقف؛ لأن الاستحقاق بالتقرير ولم يوجد ويستحق الأصيل الكل، وإن عمل أكثر السنة. (شامي / مطلب مهم في الاستنابة في

الوظائف ٤/ ٤٢٠ کراچی، ٦/ ٦٣١ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۲/۱/۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ کے دن کی تنخواہ کاٹنا؟

سوال (۵۶۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مدرس کو پندرہ سو روپئے پر پڑھانے کے لئے رکھا اور مستقل رہتا ہے، ناظم مدرسہ اُس کی جمعہ کی تنخواہ بھی کاٹ لیتا ہے، کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ابتداء ہی میں معاملہ کرتے وقت یہ بات صراحۃً طے ہوگئی تھی کہ جمعہ کے دن کی تنخواہ کاٹی جائے گی تو یہ تنخواہ کاٹنا درست ہے؛ لیکن اگر شروع میں صراحۃً یہ طے نہیں ہوا تھا تو مدارس کے عرف پر مدار رکھتے ہوئے جمعہ کے دن کی تنخواہ کاٹنا جائز نہ ہوگا، اور پوری تنخواہ ادا کرنی ضروری ہوگی۔

أما لو قال: يعطى المدرس كل يوم كذا فينبغي أن يعطى ليوم البطالة المتعارفة بقرينة ما ذكره في مقابله من البناء على العرف، فحيث كانت البطالة معروفة في يوم الثلاثاء والجمعة، وفي رمضان والعيدين يحل الأخذ، وكذا لو بطل في يوم غير معتاد لتحرير درس إلا إذا نص الواقف على تقييد الدفع باليوم الذي يدرس فيه كما قلنا. (شامي / مطلب: في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة ٤/ ٣٧٢ کراچی، ٦/ ٥٦٨ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱۱/۲۳ھ

مہتمم کا مدرسہ سے تنخواہ لینا؟

سوال (۵۷۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: زید ایک مدرسہ کا مہتمم ہے، تو اُس کو مدرسہ سے تنخواہ لینا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کے مہتمم کو مدرسہ سے تنخواہ لینا جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۵/۵۵۷ ڈابھیل) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۲/۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ناظم مدرسہ کا صرف رمضان میں چندہ کر کے تنخواہ لینا؟

سوال (۱۷۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک مدرسہ کا ناظم ہے، صرف رمضان میں چندہ کرتا ہے، مدرسہ سے بارہ ماہ تنخواہ معقول ملتی ہے، مدرسہ میں روزانہ حاضر بھی نہیں ہوتا، ہفتہ میں کبھی دو کبھی ایک دن ایک دو گھنٹے کے لئے حاضر ہوتا ہے، اس کے علاوہ اپنی کھیتی باڑی اور کام میں وقت گزارتا ہے؛ یہاں تک کہ مدرسین کی تنخواہ، مطبخ اور رسید بک وغیرہ کا حساب وکتاب بھی ایک مدرس رجسٹر میں درج کرتا ہے، ناظم مدرسہ کی تنخواہ قبض الوصول میں بھی نہیں درج ہوتی، مدرسہ کا فنڈ رمضان سے کئی ماہ قبل ختم ہوجاتا ہے؛ لیکن وہ رمضان کے علاوہ مدرسہ کے لئے سفر نہیں کرتے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ناظم مدرسہ کے لئے صرف رمضان میں چندہ کر کے تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ جواب سے نوازیں عین کرم ہوگا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارس اور دینی اِداروں کا نظام مشاورتی انداز میں چلانا چاہئے اور منتظمہ کمیٹی یا مجلسِ شوریٰ کو آپس میں مشورہ سے مہتمم اور مدرسین کی ذمہ داریاں تقسیم کردینی چاہئیں۔ اور تنخواہ، رخصت وغیرہ کے ایسے قواعد بنانے چاہئے جو سب پر نافذ ہوں، اور پھر سب کو ان قواعد کے مطابق عمل کرنا چاہئے؛ تاکہ کسی شکایت کا موقع نہ رہے، اور مہتمم کو چاہئے کہ وہ خود سب سے زیادہ ضابطوں کی پابندی کرے؛ تاکہ نظام صحیح قائم رہ سکے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۶/۲۴۵)

عن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده رضي اللّٰه عنه أن رسو ل اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحًا حرّم حلالاً أوأحلّ حرامًا، والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالاً أو أحل حرامًا.

(سنن الترمذي، أبواب الأحكام / باب ما ذكر عن لنبي صلى اللّٰه عليه وسلم في الصلح بين الناس ٢٥١/١)

يعتبر ويراعىٰ كل ما اشترط العاقدان في تعديل الأجرة وتأجيلها، ولا يرد على ذٰلک إن شرط التعديل مخالفٌ لمقضى العقد، وفيه نفع ظاهرٌ للمؤجر؛ لأن قبول المتسأجر بتعديل البدل اسقاطٌ لما استحب من المساوات التي اقتضاها العقد وهي حقه، فيمكنه إسقاطها كإسقاط البائع حقه بتعديل الثمن، أذا أجله عن المشتري وكاسقاط المشتري حقه في وقت سلامة المبيع، إذا قبل المبيع بكل عيوبه مع أن العقد يقضي سلامة المبيع، وقبض الثمن قبل قبض المبيع. (شرح المجلة ٢٦٤/١-٢٦٥ رقم المادة: ٤٧٣ مكتبة إتحاد ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۹/۱۱/۱۴۲۶ھ

مدرسہ میں صرف ایک گھنٹہ پڑھا کر پورے مہینہ کی تنخواہ لینا؟

سوال (۵۷۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) مدرسہ کا کوئی استاذ مدرسہ میں حاضری دے کر صرف ایک گھنٹہ پڑھاتا ہے، حالاں کہ اس کے گھنٹے چار پانچ ہیں، اور باقی اَوقات جلسہ کرتے پھرتا ہے، پھر پورے دن کی تنخواہ لیتا ہے، تو کیا یہ تنخواہ لینا درست ہے؟ مدرسہ کے قانون کے مطابق اس استاذ کا دس بجے سے تین بجے تک حاضر رہنا ضروری ہے؛ اس لئے کہ مدرسہ کا اوقاتِ تعلیم دس بجے سے تین بجے تک ہے۔

(۲) مذکورہ استاذ جلسہ کر کے جو ہدیہ لیتا ہے وہ سب درست ہے یا نہیں؟ اور وہ ہدیہ اسی کا حق ہوگا یا مدرسہ کا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ میں صرف ایک گھنٹہ پڑھانا اور بقیہ اَوقات میں غیر حاضر رہنے کے باوجود پورے مہینہ کی تنخواہ لینا خیانت ہے، اور اہلِ مدرسہ کو حق ہے کہ غیر حاضری کی تنخواہ وضع کرلیں۔

من غاب عن الدس قطع معلو مه فيجب اتباعه. (شامي / مطلب في الغيبة التي يستحق بها العزل عن الوظيفة وما لا يستحق ٦٣١/٦ زكريا)

الأجير الخاص يستحق الأجرة إذا كان في مدة الإجارة حاضرًا للعمل ...... غير أنه يشترط أن يتمكن من العمل، فلو سلّم نفسه ولم يتمكن منه لعذرٍ كالمطر والمرض فلا أجر له، ولكن ليس له أن يمنع عن العمل. وإذا امتنع لا يستحق الأجرة. (شرح المجلة لسليم رستم باز / كتاب الإجارة ٢٣٩/١ رقم المادة: ٤٢٥ مكتبة إتحاد ديوبند)

بخلاف غيرهما من أيام الأسبوع، حيث لا يحل له أخذ الأجر عن يومٍ لم يدرس فيه مطلقًا، سواء قدّر له أجر كل يوم أولا. (رد المحتار، كتاب الوقف / مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة ٣٧٢/٤ كراچی، وكذا في البحر الرائق / كتاب الوقف ٥٦٨/٦ زكريا)

(۲) صورتِ مسئولہ میں ہدیہ تو استاذ ہی کا حق ہے؛ لیکن مدرسہ سے استحقاق سے زائد تنخواہ کی رقم اسے لینا درست نہیں۔

وإن أهدى إليهم تحببًا وتوددًا لعلمهم وصلاحهم فالأولى القبول. (شامي / مطلب في حكم الهدية للمفتي ٥٠/٨ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۳/۵/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تنخواہ دار مفتی کا عاملہ کی مقررہ فیس سے زائد لینا؟

سوال (۵۷۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: کسی مدرسہ کا مختلف شعبہ جات میں سے دار الافتاء ایک شعبہ ہے، یہ حقیقت میں عوام کی ضروریات اور ان کی اشاعت اور خدمت ہے، کچھ دنوں کے بعد مدرسہ کی مجلسِ عاملہ نے کتابت کے خرچ کے بارے میں ۲۵ یا ۵۰/روپئے فیس مقرر کی تھی؛ لیکن دیکھا یہ جاتا ہے کہ مدرسہ کے تنخواہ دار مفتیوں نے اپنے اسباق کی ذمہ داری لیتے ہوئے اسی وقت میں فتویٰ لکھ کر مجلسِ عاملہ کی مقرر فیس کے خلاف ۲۰۰ یا ۴۰۰/روپئے لیتے ہیں، پھر فتویٰ کی فیس لے کر مدرسہ کے قانون کے اعتبار سے مدرسہ کی رسید کٹوانا چاہتے ہیں، اور وہ موصولہ روپئے اپنی تنخواہ میں بغیر رسید کے لیتے ہیں، مفتی صاحب خود لے لیں اور رسید کٹوا کر مدرسہ کے فنڈ میں جمع نہ کریں، تو شرعی حکم کیا ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں باضابطہ تنخواہ دار مفتیوں کا مجلسِ عاملہ کی مقررہ فیس سے زائد رقم لے کر مدرسہ کے قانون کے خلاف اپنی تنخواہ لے لینا جائز نہیں۔

لأن أخذ الأجرة على بيان الحكم الشرعي لا يحل عندنا، وإنما يحل على الكتابة؛ لأنها غير واجبة عليه. (شامي / مطلب في حكم الهدية للمفتي ۸/ ۵۰ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۵/۳/ ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ سے تنخواہ لے کر مسجد میں پڑھانا؟

سوال (۵۷۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: معلم کا مدرسہ سے تنخواہ لے کر مسجد میں بیٹھ کر طلبہ کو پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد میں بیٹھ کر دینی تعلیم دینا درست ہے، اور چوں کہ مدرسہ سے نفسِ تعلیم پر مشاہرہ لیا جاتا ہے، اِس لئے مدرسہ کے نظام کے تابع ہو کر معلم جہاں بھی

پڑھائے وہ اس مشاہرہ کا مستحق ہوگا؛ البتہ بلاضرورت ایسا نہ کرنا چاہئے۔

ولو جلس المعلم في المسجد و الوراق يكتب؛ فإن كان المعلم يعلم للحسبة والوراق يكتب لنفسه فلا بأس به؛ لأنه قربة، وإن كان بالأجرة يكره إلا أن يقع لهما الضرورة. (الفتاوىٰ الهندية / الباب الخامس في آداب المسجد الخ ۳۲۱/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۱/۱۲/۲۷ھ

رمضان میں مستعفی ہونے والے کو مہتمم کا شعبان کی تنخواہ سے محروم کرنا؟

سوال (۵۷۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید عرصہ تین سال سے ایک دینی اِدارہ کا ملازم ہے، رمضان المبارک کے مہینہ میں مدرسہ سے استعفیٰ دے دیتا ہے، تو کیا ایسی صورت میں رمضان سے قبل شعبان کے مہینہ کی تنخواہ کا وہ مستحق نہیں ہوگا۔ واضح رہے کہ اِس ادارہ میں ابتداء شعبان ہی سے سالانہ تعطیل ہوجاتی ہے، مہتمم مدرسہ کا کہنا ہے آپ نے پہلے سے کوئی اطلاع دئے بغیر استعفیٰ دیا ہے، جس سے مدرسہ کی فراہمی کو نقصان پہنچا، اس لئے آپ کو شعبان کے مہینہ کی تنخواہ نہیں مل سکتی۔ زید کا کہنا یہ ہے کہ میں نے چھٹیوں کے دنوں میں استعفیٰ دیا ہے اور فراہمی مجھ پر لازم نہیں تھی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا کہنا صحیح ہے یا مہتمم کا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ مسئلہ کے بارے میں مدرسہ کے مقرر کردہ ضابطہ کے مطابق عمل کیا جائے، اگر شعبان ورمضان میں استعفیٰ دینے کے باوجود تنخواہ کے استحقاق کا ضابطہ ہوتو ایسا مستعفی مدرس تنخواہ کا مستحق ہوگا ورنہ نہیں، اور اگر مدرسہ میں کوئی ضابطہ نہیں ہے تو دیگر مدارس کے تعامل کے مطابق استحقاق تنخواہ اسی وقت ہوگا جب کہ وہ ملازم تعطیل کلاں کے بعد مدرسہ میں حاضر بھی ہو، تعطیل کے درمیان استعفیٰ کی صورت میں استحقاق نہ ہوگا۔

الغرض مسئلہ کا مدار عرف وتعامل پر ہے، جیسا عرف ہو ویسے عمل کرلیا جائے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۳۴۸، فتاویٰ محمودیہ ۱۲/ ۲۲۶ قدیم زکریا دیوبند)

إنما تعتبر العادة إذا أطردت أو غلبت – المعروف عرفًا كالمشروط شرطًا. (شرح المجلة لسليم رستم باز ۳۷/۱ رقم المادة: ۴۱-۴۳ اتحاد بك ڈپو ديوبند، الأشباه والنظائر / القاعدة الخامسة في الفن الأول ۲۷۱-۲۷۸ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/ ۳/ ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پرائمری اسکول میں سرکاری فنڈ کے لئے مدرسین کی تنخواہ کاٹنا؟

سوال (۵۷۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں ضلع پریشد کی پرائمری اسکول میں ایک معلم کی حیثیت سے کام کررہا ہوں، نوکری کے دوران ہم پر حکومت کی جانب سے ضلع پریشد فنڈ کھولنے کو ضروری قرار دیا جاتا ہے، اس فنڈ کے کھاتے میں ہم کو اپنی تنخواہ کا چھ فیصد حصہ جمع کرانا پڑتا ہے، اس جمع ہونے والی رقم پر حکومت سود بھی دیتی ہے، جوکہ ہمارے فنڈ کے کھاتے پر جمع ہوجاتا ہے۔ اسی طرح ہم اپنی مرضی سے چھ فیصد سے زائد رقم بھی جمع کرتے ہیں، اس طرح جو بھی رقم سال بھر میں جمع ہوتی ہے، اس پر سود اور ایک سال سے پہلے جتنی رقم جمع ہے، جس میں پچھلا سود بھی ہوتا ہے، سب کو ملاکر پھر سود دیتی ہے، یعنی سود مرکب کی شکل ہوجاتی ہے، اس جمع شدہ رقم کا ایک تہائی حصہ ضرورت پڑنے پر حکومت سے حاصل کیا سکتا ہے، جو دو طریقہ سے حاصل ہوتا ہے:

(۱) جتنا روپیہ آپ حکومت سے حاصل کررہے ہیں، وہ بطور قرض لیا جائے، اور قسط وار دوبارہ اپنے کھاتے پر جمع کردیا جائے۔

(۲) جتنا روپیہ لے رہے ہیں، وہ واپس نہ کیا جائے۔

اِسی طرح جب حکومت کوئی کمیشن مقرر کرتی ہے، تو اس دوران تنخواہ میں اضافہ ہوتا ہے،

اس میں حکومت کچھ رقم ادا کرتی ہے، اور کچھ کھاتے میں جمع کر دیتی ہے؛ لہٰذا ایسی تمام رقم پر زکوٰۃ کا کیا حکم ہے، سود کی رقم کا کیا حکم ہے؟ ایسی تمام صورتوں میں زکوٰۃ کا حساب کس طرح کیا جائے گا؟ چھ فیصد یا اس سے زائد رقم جو ہر مہینہ فنڈ میں جمع کی جاتی ہے، اس پر زکوٰۃ دی جائے گی، یا تمام رقم جس میں سود کی رقم بھی ہوتی ہے، اس پر زکوٰۃ دی جائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اِس فنڈ سے جو چھ فیصد آپ کا لازماً تنخواہ سے کٹتا ہے، اس پر جو مزید رقم ملے گی، یہ سب سرکاری انعام ہے، اس پر سر دست زکوٰۃ واجب نہیں؛ البتہ جو رقم ماہانہ جمع کرنے کی آپ نے اپنی مرضی سے منظوری دی ہے، اس میں زکوٰۃ کا حکم جاری ہوگا، اور اس پر جو زائد رقم ملے گی وہ سود ہی ہے؛ لہٰذا سود کی اس رقم کو بغیر ثواب کی نیت کے فقراء میں تقسیم کرنا لازم ہے۔

لا تجب ما لم يقبض نصاباً، ويحول الحول بعد القبض عليه. (البحر الرائق ۲/۳۶۳)

من ملك بملك خبيث ولم يمكنه الرد إلى المالك فسبيله التصدق على الفقراء. (معارف السنن ۱/۳٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۷/۲/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرس کی تنخواہ سے فنڈ کے نام پر رقم وضع کر کے ضرورت پر اُس کے حوالے کرنا؟

سوال (۵۷۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عربی مدارس میں مدرس کی تنخواہ سے کچھ رقم فنڈ کے نام پر وضع کر کے اپنی ہی رقم مدرسہ کی طرف سے ملانا جائز ہے یا نہیں؟ خیال رہے کہ مدرس کی کسی فوری ضرورت پر تقاضہ کرنے کی صورت میں وہ رقم اُس کے حوالہ کر دی جاتی ہے، یا مدرسہ سے جاتے وقت فنڈ کی کٹی ہوئی رقم اور جو اس میں شامل کی گئی ہے، اُسے دے دی جاتی ہے، ایسا کرنے میں اہل مدرسہ کسی شرعی قباحت میں

مبتلا تو نہیں ہوں گے؟ یا سرے سے مدرسہ کی رقم سے فنڈ دینے کی اِجازت ہی نہیں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: عربی مدارس میں مدرس کی تنخواہ سے کچھ رقم فنڈ کے نام پر جو واجبی اور لازمی طور پر وضع کرلی جاتی ہے، اور پھر مدرس کے مدرسہ سے علیحدگی یا مدرس کے انتقال پر وضع شدہ رقم اِضافہ کے ساتھ دی جاتی ہے، اس کا لین دین شرعاً درست ہے، اور یہ اِضافہ سود کے دائرہ میں داخل نہیں ہے؛ بلکہ یہ مدرس وملازم کے ساتھ بشکل انعام اِدارہ کی طرف سے امداد وتعاون ہے، جس کا لین دین آپس میں شرعاً درست ہے؛ لہٰذا اِس عمل سے مدرسہ کسی شرعی قباحت میں بھی مبتلا نہ ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۴۸، ایضاح المسائل ۱۶۳، فتاویٰ رحیمیہ ۵/۱۴۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۴/۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرس کی تنخواہ سے خوراک کی رقم وضع کرنا اور ایصالِ ثواب وصدقہ کا کھانا کھانا؟

سوال (۵۷۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) زید ایک مدرسہ میں باتنخواہ مدرس ہے، من جانب مدرسہ اُس کے طعام کا بھی نظم ہے، اور خوراکی کے نام پر کچھ رقم وضع کرلی جاتی ہے، مدرسہ میں صدقہ کے نام پر راشن، بکرا یا ایصالِ ثواب کا کھانا وغیرہ آتا ہے، تو کیا اِس صدقہ اور اِیصالِ ثواب کا کھانا صاحبِ نصاب یا غیر صاحبِ نصاب کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ کیا مسئلہ ہے؟

(۲) زید کی جملہ تنخواہ میں سے خوراکی کی رقم دفتر میں وضع کرلی جاتی ہے، کیا یہ وضع کرنا صحیح ہے؟ یا زید کی ملکیت میں دے کر پھر وہی رقم واپس لینا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: (۱) مسئولہ صورت میں چوں کہ مدرس کی طرف سے

خوراکی کی رقم وضع کرنے کے بعد اُس کے نام پر طعام جاری کیا جاتا ہے، اس لئے مدرسہ سے بالعوض طعام حاصل کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن مدرسہ میں جو کھانا صدقہ کے نام پر آتا ہے، تو مدرسہ کے ملازمین اُس کے مستحق نہیں ہیں، اگر ملازمین کو صدقہ کا کھانا کھلا دیا جائے، تو کھانے کے بقدر رقم مدرسہ کی طرف سے صدقہ کی مد میں جمع کرنی ضروری ہوگی، اور اَحوط اور بہتر شکل یہ ہے کہ مطبخ میں جو بھی رقم صرف ہو یا جو بھی کھانا آئے، اس کی پیشگی تملیک کرالی جائے؛ تاکہ کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۲/۲۲)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکًا (الدر المختار) **فلا یکفي فیها الإطعام إلا بطریق التملیک.** (الدر المختار مع الشامي ۳/ ۲۹۱ زکریا)

(۲) زید کی جملہ تنخواہ میں سے دفتر ہی میں خوراکی کی رقم وضع کر لینا درست ہے۔

إذا انعقد بیعًا بالتعاطي وقت الأخذ مع دفع الثمن قبله، فکذا إذا تأخر دفع الثمن بالأولی. (شامي ۷/ ۳۱ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۸/۴/ ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کے مستحق طلبہ سے تملیک کراکر زکوٰۃ کی رقم تنخواہ میں دینا؟

سوال (۵۷۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے محلّہ میں ایک مدرسہ امداد سے چل رہا ہے، جس میں صرف ایک مدرس پڑھا رہے تھے، پھر بچوں کی تعداد بڑھی جس کی وجہ سے مدرسہ کی عمارت اور مدرسین کو بڑھایا گیا، اس کے بعد بچوں کی تعداد اور بڑھی جس کی وجہ سے عمارت دوسری جگہ اسی محلّہ میں بڑھا دی گئی، بچوں کی تعداد کو دیکھتے ہوئے مدرسین کو اور بڑھایا گیا، اس وقت مدرسین کی تعداد سات ہے، اور اس مدرسہ میں باہر کے لڑکوں کی تعداد سات ہے، محلّہ والے صرف دو مدرسین کی تنخواہ امداد سے دے سکتے ہیں، اور دے رہے ہیں، جس کی اُنہوں نے ممبر سازی کر رکھی ہے، باقی مدرسین کی تنخواہ دیگر لوگوں کی امداد

زکوٰۃ چرم قربانی وغیرہ میں تملیک کرکے یعنی کسی غریب کو دے کر زکوٰۃ وغیرہ کی رقم دے دی جاتی ہے، پھر وہ اپنی طرف سے مدرسہ کو دیتا ہے،اس کے بعد یہ رقم باقی مدرسین اور باہر کے طلبہ جن میں بعض کے والدین مال دار بھی ہیں، دی جاتی ہے،اور مدرسہ کے دوسرے کاموں میں بھی خرچ ہوتی ہے، یہ جائز ہے یا ناجائز؟ اگر ایسا نہ کیا جائے تو مدرسہ میں دو مدرس سے زیادہ نہیں رہ سکتے ،بعض لوگ اِس کو ناجائز کہتے ہیں، اوران کا کہنا یہ ہے کہ مدرسہ میں صرف ایک یا دو پڑھانے والے رکھو، کیاان کی وجہ سے ایسا ہی کیا جائے ،اگر ایسا کیا جائے تو بستی کے بچے آوارہ ہو جائیں گے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورتِ مسئولہ میں چوں کہ زکوٰۃ کے مستحق طلبہ کی ایک معتد بہ تعداد مدرسہ میں موجود رہتی ہے، اور زکوٰۃ وغیرہ کی رقم وصول کئے بغیر ان طلبہ اور دیگر طلبہ کی رہائش اور تعلیمی ضرورت بحالات موجودہ پوری نہیں ہوسکتی؛ لہٰذا مجبوراً اور ضرورت کی بنا پر بقدر ضرورت روپیہ تملیک کرکے تنخواہ وغیرہ جیسی ضروریات میں لگانے کی شرعاً گنجائش ہے؛ تاہم کوشش برابر کی جاتی رہے کہ مدرسہ کے پاس امداد کا فنڈ اتنا ہوجائے کہ اسے اپنی ضرورت کے لئے کسی حیلہ کی ضرورت نہ ہو۔

والاحتيال للهروب عن الحرام والتباعد عن الوقوع في الأثام لا بأس به؛ بل هو مندوبٌ إليه. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري ۱۰۸/۱۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۵/۹/۱۷ھ

چندہ کی رقم کو تملیک کرکے بطور تنخواہ استعمال کرنا؟

سوال (۵۸۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک مدرسہ میں ملازم ہے، جو مدرس کی حیثیت رکھتا ہے، اور شعبہ تحفیظ القرآن کا خادم ہے، رمضان المبارک یا دیگر ماہ میں چندہ وصول کرکے لاتا ہے، اور اکثر رقم زکوٰۃ ہی کی ہوتی ہے،

اگر وہ رقم مہتمم کو دی جاتی ہے، تو وہ سب رقم لے کر مدرسہ کے کسی مصارف میں خرچ کردیتے ہیں، جب کہ مدرسہ قرض دار رہے، اور مہتمم صاحب مدرسین کو پورے پورے سال تنخواہ نہیں دے پاتے، تو مدرسین مجبور ولاچار ہوتے ہیں، پورے سال روزی روٹی کا بہت اہم مسئلہ اُن کے سامنے ہے، اور مدرسین کو بازار سے قرض اشیاءِ خوردنی بھی نہیں مل پاتی، تو کیا وہ رقم جو چندہ میں وصول کی ہے اُس کو خود تملیک کرا کر اپنی تنخواہ بھی وضع کرلے یا پھر مہتمم صاحب کو وہ رقم دینا ضروری ہے؟ یا مہتمم صاحب تملیک کی اجازت دے دیں تو کافی ہے؟ نیز تملیک کا شرعی طریقہ کیا ہے؟ اگر چندہ کی رقم امداد میں آتی ہے تو اپنی تنخواہ میں وضع کر کے اپنے صرفہ میں لے آئے تو درست ہے یا نہیں؟ یا پھر وہ رقم بھی مہتمم صاحب کو دینا ضروری ہے؟ از راہِ شرع مفصل مدلل جواب سے نوازا جائے۔

نوٹ :- ادارہ کے مہتمم صاحب دل کے بہت سخت ہیں، کسی پر بھی رحم اور ترس کا برتاؤ نہیں کرتے، مدرسین کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ اختیار کرتے ہیں، ظلم کی انتہاء ہو چکی ہے، طلبہ کا وظیفہ برابر ہر ماہ ادا کیا جاتا ہے، اور نظام مطبخ بھی صحیح طور پر چلایا جارہا ہے، مدرسین کے علاوہ کسی کو کوئی پریشانی نہیں۔ مدرسین صاحبان رمضان شریف میں چندہ وصول کر کے تملیک خود کرا لیتے ہیں اور اپنے خرچہ اور صرفہ میں لاتے ہیں، تو کیا ایسی صورت میں زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟ مدرسین کا یہ طریقہ از راہِ شرع جائز ہے یا نہیں؟

ایسی صورت اس لئے پیش آتی ہے کہ مدرسین کو پورے سال تنخواہ نہیں مل پاتی اور مدرسین کے ساتھ ظلم ہونے کی وجہ سے اگر مدرسین کی اُصول کردہ رقم مہتمم کو دی جاتی ہے، تو وہ بہت پریشان کرتے ہیں، مدرسین کو دوبارہ ملنے کی امید نہیں رہتی۔ تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ میں آمدہ رقوم کی تملیک کا اختیار صرف مہتمم ہی کو حاصل ہے، سفراء یا اساتذہ کو انفرادی طور پر یہ حق نہیں ہے کہ وہ خود ہی تملیک کر کے اپنی تنخواہوں میں خرچ کرلیں؛ اس لئے کہ تملیک صرف ضرورت کے وقت ہوتی ہے اور ضرورت ہے یا نہیں، اس بارے

میں مہتمم ہی فیصلہ کرسکتا ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے مدرسین کے لئے چندہ کی رقومات براہِ راست یا تملیک کرکے اپنے استعمال میں لانا بالکل درست نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ خلیلیہ ۱/۳۲۵)

اور مہتمم صاحب اگر ملازمین کا حق ادا نہیں کرتے، تو ایسے مدرسہ کو چھوڑ کر کسی ایسے مدرسہ میں خدمت انجام دی جائے، جہاں کے ذمہ داران اپنے عملہ کی پوری رعایت رکھتے ہوں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۸/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا مدرسہ سے پنشن دی جاسکتی ہے؟

سوال (۵۸۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک اِدارہ کا نگراں اور ذمہ دار رہا، اور ایک عرصۂ دراز تک فی سبیل اللہ ادارہ کی خدمت انجام دیتا رہا، اور ادارہ کے دستور کے مطابق وظائف ملتے رہے، دستور وظائف یہ ہے کہ خدامِ ادارہ فی سبیل اللہ خدمت ادارہ انجام دیں، اگر ادارہ میں آمدنی ہوگی تو وظائف ملیں گے، ورنہ ادارہ پر کوئی ذمہ داری نہ ہوگی، اَب زید اپنے ضعف اور پیرانہ سالی کی بناپر خدمتِ ادارہ سے معذور ہو چکا ہے، اور خدمت ادارہ انجام نہیں دے سکتا؛ لیکن بشری تقاضا اور زندگی کی ضروریات کے پیش نظر زید کو ہر وقت مال کی ضرورت پیش آتی ہے، کوئی کام زید تجارت وغیرہ کا نہیں کرسکتا کہ طاقت وہمت نہیں، تو آیا ایسی صورت میں ہر ماہ بطور انعام بنام پنشن ادارہ زید کا کچھ تعاون کرسکتا ہے؟ اور ادارہ کی خدمت کے صلہ میں حالتِ عذر میں کچھ دے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر ادارہ ایسے لوگوں کا بطور انعام تعاون کرے تو شرعاً کچھ خرابی تو نہیں آئی، جو بھی حکم شریعتِ مطہرہ کا ہو، اُس سے آگاہ کرنے کی درخواست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں بہتر یہ ہے کہ اِدارہ میں باقاعدہ پنشن دینے کا ضابطہ بنالیا جائے؛ تاکہ چندہ دہندگان کو بھی علم ہو جائے کہ ہمارے چندہ کے

مصارف میں یہ مد بھی شامل ہے، تو پھر سبک دوش ضرورت مند ملازمین کے لئے ماہ بماہ پنشن کا اِجراء بلاشبہ جائز ہوگا۔

العادة محكمة. (الأشباه والنظائر، القاعدة السادسة من الفن الأول ٢٦٨ زكريا)

على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامي، كتاب الوقف / مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة والعرف يصلح مخصصًا ٦٦٥/٦ زكريا، ٤٤٥/٤ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳؍۷؍۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سابق مہتمم اور اُس کے خاندانی افراد کے لئے مدرسہ سے وظیفہ طے کرنا؟

سوال (۵۸۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بکر ایک عالم دین تھا اس نے اپنی زندگی میں ایک مدرسہ قائم کیا، اور لگ بھگ بیس سال دین کی خدمت کرتا رہا، مدرسہ چندہ فراہمی کرکے جگہ خرید کر تعمیر کیا اور تاحیات مدرسہ کے بانی ومہتمم رہا، اچانک حکم خداوندی آپہنچا، زید اور اس کا بیٹا عمر دونوں ایک حادثہ میں شکار ہوکر خدا سے جاملے، ان کے بعد ذی ہوش مند شوری کے پانچ افراد نے دونوں مرحوموں کی بیواؤں کے لئے مدرسہ کے فنڈ سے تین تین ہزار روپئے کی ماہانہ تنخواہ طے کردی، اور ایک نااہل بچہ بھی زید کا تھا، اس کی بھی تین ہزار روپئے تنخواہ طے کردی، آیا اس زکوٰۃ وصدقات کے فنڈ سے اس طرح تنخواہیں طے کرنا اور بغیر کچھ کئے اس طرح تنخواہ لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں بالتفصیل وضاحت فرماکر قوم کی اصلاح فرمائیں، یا ان شخصی اداروں کا حکم کچھ علیحدہ ہے، اس کی بھی وضاحت فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کے ذمہ دار حضرات چندہ دہندگان اور طلبہ کی طرف سے وکیل ہوتے ہیں؛ لہٰذا اُن پر لازم ہے کہ پوری دیانت داری کے ساتھ چندہ کی رقومات

مدرسہ سے متعلق اُمور میں صرف کریں، اُن رقومات کو مدرسہ سے غیر متعلق کسی شخص کی ذاتی ضرورت میں صرف کرنا درست نہ ہوگا؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں مدرسہ کے سابق مہتمم اور ان کے افراد خاندان کے لئے مدرسہ کے فنڈ سے تین تین ہزار روپئے تنخواہ طے کرنا جائز اور درست نہیں ہے، مذکورہ افراد خاندان اگر واقعی ضرورت مند ہیں تو اُن کے تعاون کے لئے الگ سے انتظام ہونا چاہئے، مدرسہ کے فنڈ پر ان کا بوجھ نہ ڈالا جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۵/۴۷۱-۴۷۲ ڈابھیل، کفایت المفتی ۴/۲۵۵)

الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل وقد أمره بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره. (شامي / مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء ۳/۱۸۹ زكريا)

ولو اشترى بغلته ثوبًا ودفعه إلى المساكين يضمن ما نقد من مال الوقف لوقوع الشراء له. (الفتاویٰ الهندية ۲/٤١٨، البحر الرائق ٥/٢٤٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۶/۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کے اَوقات میں گھر جاکر چاشت کی نماز پڑھنا؟

سوال (۵۸۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) احقر ایک مدرسہ میں درجہ حفظ کا مدرس ہے، دورانِ تعلیم میں نے مہتمم صاحب سے اِجازت لی کہ میں روزانہ گھر جاکر چاشت کی نماز پڑھ لیا کروں؛ کیوں کہ مدرسہ کے بالکل سامنے ہی گھر ہے، اور مہتمم صاحب نے اجازت دے دی ہے، چناں چہ اب میں روزانہ گھر جاکر بحمد للہ چاشت کی نماز پڑھ لیتا ہوں، تقریباً تین ماہ سے اللہ نے اس کی توفیق دے رکھی ہے، مگر ہمارے کچھ احباب جو عالم بھی ہیں اور مفتی بھی ہیں، کہہ رہے ہیں کہ تمہارا یہ فعل حرام ہے، اب جواب طلب امر یہ ہے کہ کیا مہتمم صاحب کو اس طرح کی اجازت دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر مہتمم صاحب کو اجازت دینا جائز ہے، تو کیا اس طرح اجازت کے باوجود میرا یہ فعل حرام ہے؟

(۲) اگر حرام ہے، تو کیا اتنے اوقات کو جوڑ کر اس کی تنخواہ کٹوا دینے سے اس کی تلافی

ہوجائے گی؟ اور اگر مہتمم نہ کاٹے تو میں کیا کروں؟ اگر مہتمم صاحب نہ کاٹیں تو کیا وہ گنہگار ہوں گے؟ کیا مجھے اس فعل سے رک جانا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مدرسہ کا عرف وتعامل ایسا ہے کہ کسی ملازم کا ذاتی ضرورت سے کچھ دیر کے لئے کہیں جانے کا اختیار رہتا ہے، تو ایسی صورت میں مذکورہ مدرس کا مہتمم صاحب کی اِجازت سے گھر جاکر چاشت کی نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ مدرسہ کے ماحول میں اُسے برا نہ سمجھا جاتا ہو۔

ویشترط في صحة الإجارة رضی العاقدین. (شرح المجلة لسلیم رستم باز / الفصل الثالث في شروط صحة الإجارة ۲۵٤/۱ رقم المادة: ٤٤٨)

وأما شرائط الصحة، فمنها رضی المتعاقدین. (الفتاویٰ الهندیة ٤۱۱/٤)

وما لم ینص علیه حمل علی العرف. (شامي ۱۷٦/۵ کراچی)

المعروف عرفًا کالمشروط شرطًا. (شرح المجلة لسلیم رستم باز ۳۷/۱ رقم المادة: ٤۳-٤۱ اتحاد بك ڈپو دیوبند، الأشباه والنظائر / القاعدة الخامسة في الفن الأول ۲۷۱-۲۷۸ زکریا)

(۲) اگر اوقات ملازمت میں سے گھر جاکر نماز پڑھنے کے بقدر آپ تنخواہ کٹوادیں، تو یہ ورع وتقویٰ کی بات ہوگی، از روئے فتویٰ ضروری نہیں ہے۔

قال العلامة ابن عابدین: إمام یترک الإمامة لزیارة أقربائه في الرساتیق أسبوعًا أو نحوہ أو لمصیبة أو لاستراحة لا بأس به، ومثله عفو في العادة والشرع. (شامي / مطلب فیما إذا قبض المعلوم وغاب قبل تمام السنة ٤۱۹/٤ کراچی، وکذا في الأشباه والنظائر ۱۲۹/۱ إدارة القرآن کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲/۲/۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تبلیغی جماعت یا حج پر جانے کیلئے رخصت کے دنوں کی تنخواہ لینا؟

سوال (۵۸۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک مسجد کا اِمام ہے اور وہ چالیس روز یا چار ماہ جماعت میں رہا ہے، یا حج بیت اللہ کا سفر کررہا ہے، تو زید کے لئے اُن اَیام کی تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ نیز تنخواہ نہ دینے کی صورت میں مطالبہ کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ اور نائب اِمام مقرر کرنے کی صورت میں تنخواہ کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ آیا امام پر یا متولیانِ مسجد پر؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اِس سلسلہ میں مسجد کی کمیٹی کو اختیار حاصل ہے کہ اگر وہ چاہے تو اُن اَیامِ رخصت کی تنخواہ مقررہ اِمام زید کو دے سکتی ہے، یا اِس بارے میں کوئی ضابطہ بنا سکتی ہے، اور اِس ضابطہ کے مطابق تنخواہ اور رخصتوں کا استحقاق اِمام کو حاصل ہوگا۔

أما لو شرط شرطًا تبع كحضور الدر أيامًا معلومة في كل جمعة فلا يستحق المعلوم، إلا من باشر خصوصًا، إذا قال: من غاب عن الدرس قطع معلومه، فيجب اتباعه. (شامي ٦٣١/٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۲/۱۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سفراء اور چندہ کے اَحکام

حضور ﷺ اور صحابۂ کرام اور اسلاف کے چندہ کا طریقہ

سوال (۵۸۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اسلافِ کرام رحمہم اللہ کا چندہ فراہم کرنے کا کیا طریقہ تھا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں چندہ کا طریقہ یہی تھا کہ لوگوں سے اجتماعی یا انفرادی طور پر تعاون کی اپیل کی جاتی تھی، اور لوگ اپنی مرضی سے کبھی نقدی ادا کرتے تھے اور کبھی سامان کی شکل میں تعاون کرتے تھے، جب کہ اسلامی حکومت میں اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ حکومت کی طرف سے مقرر کردہ نمائندے علاقوں میں جاجا کر وصول کیا کرتے تھے، اس کی تفصیلات کتبِ فقہ وحدیث میں موجود ہے۔

عن أبي بردة بن أبي موسیٰ عن أبيه رضي اللّٰه عنه قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا جاءه السائل أو طُلبت إليه حاجةٌ، قال: اشفعوا توجروا، ويقضي اللّٰه على لسان نبيه صلى اللّٰه عليه وسلم ما شاء. (صحيح البخاري، كتاب الزكاة / باب التحريض على الصدقة والشفاعة فيها ص: ٣٤١ رقم: ١٤٣٢ دار الفكر بيروت)

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه قال: أصيب رجل في عهد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في ثمار ابتاعها فكثر دينه، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: تصدقوا عليه فتصدق الناس عليه، فلم يبلغ ذٰلک وفاء دينه، فقال

رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لغرمائه: خذوا ما وجدتم ولیس لکم إلا ذٰلک.

(سنن الترمذي / من تحل له الصدقة من الغارمین ۱۴۱/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۱/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دینی ضرورت کیلئے چندہ کرنا اور فاسقوں سے میل جول کرنا؟

سوال (۵۸۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج جب کہ چندہ کرنے میں دین اور اپنی عزت دونوں کو گنوانا پڑتا ہے، نیز بہت سے فاسقوں سے میل جول بھی رکھنا پڑتا ہے، تو کیا اِن حالات میں دین کا کام کرنا درست ہے، یا کنارہ کشی اختیار کی جائے؟ جب کہ کنارہ کشی میں دین کے ضیاع کا یقین ہو، اور اگر درست نہیں ہے تو فقہاء کے اس کلیہ کا مطلب بیان کیا جائے کہ ''جب دو ضرر ہو تو ہلکے ضرر کو برداشت کرنا چاہئے''؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دینی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے چندہ کرنا ایک ضروری کام ہے، اگر سب لوگ اس سے کنارہ کشی کرلیں تو دین کا کام کیسے چلے گا؛ اس لئے ضرورت کے وقت چندہ کے کام سے پہلو تہی مناسب نہیں، اور رہ گیا فاسقوں سے میل جول کا معاملہ تو ان سے ایسا تعلق منع ہے، جس سے ان کے فسق کی تائید ہوتی ہو، اور اگر صرف دینی ضرورت لے کر ان کے پاس جایا جائے، اور اُن کے کسی برے عمل کی تائید کسی طرح نہ کی جائے اور نہ خوش آمد اور تملق ہو کہ اہلِ دین کی وقعت اُن کے دل سے نکل جائے، تو اِس طرح اُن کے پاس آنے جانے میں کوئی حرج نہیں۔

الضرورات تبیح المحظورات. (الأشباه والنظائر / القاعدة الخامسة ۲۵۱ زکریا)

عن عبد اللّٰه ابن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: لما وقعت بنوا إسرائیل في المعاصي نهتهم علماؤهم، فلم ینتهوا

فجالسوهم في مجالسهم وآكلوهم وشاربوهم، فضرب الله قلوب بعضهم ببعض فلعنهم على لسان داؤد وعيسى بن مريم ذٰلک بما عصوا وكانوا يعتدون الخ. (مشكاة المصابيح / الفصل الثاني ٤٣٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۵/۷/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چندہ دہندگان کے ناموں کو مائک پر نشر کرنا اور محلّہ وار جلسے کرنا؟

سوال (۵۸۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض اہلِ بستی مدرسہ کے بہی خواں حضرات اس بات پر زور دیتے ہیں کہ چندہ دینے والوں کے نام مائک پر بولے جائیں؛ تاکہ چندہ زیادہ سے زیادہ ہوجائے اور مدرسہ ترقی کرے؛ بلکہ بعض بھائیوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اگر نام بول کر چندہ کیا جائے، تو ہم سب سے زیادہ چندہ دے سکتے ہیں۔

محلّہ وار جلسوں کا انعقاد جو صرف مدرسہ کے چندہ کے لئے کیا جائے کیسا ہے؟ جس کی صورت یہ ہے مدرسہ کے بچوں سے تلاوت یا نعت سنوادی اور معاونین حضرات کے مائک پر نام بول دیئے جائیں، جس میں ایک دوسرے بڑھ کر حصہ لیں سکیں؟ مذکورہ بالا سوالات کے حکم شرعی سے نوازا جائے۔ فقط والسلام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر نام لینے سے مقصد یہ ہو کہ دوسرے لوگوں کو ترغیب ہوگی، تو مائک پر چندہ دہندگان کا اعلان کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن اس میں مبالغہ آمیز الفاظ ہرگز نہ استعمال کئے جائیں، اور جہاں ناموری اور دکھاوے کا اندیشہ ہو، وہاں نام نہ لینا ہی بہتر ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَفِيْ ذٰلِکَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾ [التطفيف: ٢٦]

وقال اللّٰه تعالىٰ: ﴿إِنْ تُبْدُوْا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّاهِيَ وَإِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ. [البقرة، جزء آيت: ۲۷۱]

وقال تبارك وتعالىٰ: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهُ رِيَاءَ النَّاسِ﴾ [البقرة، جزء آيت: ٢٦٤]

فالمن والأذى والرياء تكشف عن النية في الآخرة، فتبطل الصدقة. (تفسير القرطبي ٣١٢/٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۴/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چندہ کے لئے مدرسہ اور طلبہ کا فوٹو تصدیق نامہ پر لگانا؟

سوال (۵۸۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض لوگ محصلین کے ساتھ یہ شرط لگاتے ہیں کہ آپ اپنی فوٹو تصدیق نامہ کے ساتھ چسپا کریں، نہیں تو میں چندہ نہ دوں گا، نیز بچوں کا فوٹو بھی لائیں، تو کیا اس ضرورت کی وجہ سے فوٹو کھچوایا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سفراء کے لئے تصدیق نامہ میں فوٹو لگانا پہچان کے لئے ضروری ہے، اِس لئے اس کی شرعاً گنجائش ہے؛ البتہ چندہ کے لئے مدرسہ کے بچوں کا فوٹو ایسی ضرورت میں داخل نہیں؛ لہٰذا اِس مقصد کے لئے بچوں کا فوٹو نہ لیا جائے۔

الضرورات تبيح المحظورات. (الأشباه والنظائر / القاعدة الخامسة ٢٥١ زكريا)

ما أبيح للضرورة يتقدر بقدرها. (الأشباه والنظائر ٢٥٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۷/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کا چندہ طلب کرنے کیلئے طلبہ کی تعداد بڑھا چڑھا کر لکھنا؟

سوال (۵۸۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک مدرسہ کا ملازم ہے جہاں تدریسی عمل کے ساتھ ساتھ سارے دفتری اُمور بھی انجام دینے پڑتے ہیں، اُس میں یہ بھی شامل ہے کہ جب کوئی چندہ کرنے کے لئے باہر بھیجا جاتا ہے، تو تحریری طور پر مدرسہ کی اندورنی تفصیل دے کر بھیجا جاتا ہے، جس میں طلبہ کی تعداد بڑھا چڑھا کر لکھا جاتا ہے، مثلاً طلبہ دار الاقامہ کی صحیح تعداد ۱۵ ہے؛ مگر مہتمم کے حکم سے زید کو یہ تعداد پچاس لکھنی پڑتی ہے، مقامی طلبہ کی صحیح تعداد اگر ۹۰ ہے تو زید کو یہ تعداد ۲۰۰ لکھنی پڑتی ہے، کیا طلبہ کی جھوٹی تعداد لکھنے سے زید بھی گنہگار ہوتا ہے، کیا زید کو مدرسہ چھوڑ دینا بہتر ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلبہ کی اصل تعداد چھپا کر اِضافہ کر کے لکھنا اور شائع کرنا دھوکہ دہی اور جھوٹ ہے، اس گناہ میں لکھوانے والے اور لکھنے والے دونوں شریک ہیں، زید کو چاہئے کہ یا تو جھوٹ لکھنے سے انکار کردے اور اگر اُسے پر مجبور کیا جائے، تو خدمت سے معذرت کردے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدۃ، جزء آیت:۲]

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: إن الکذب فجور، وإن الفجور یھدي إلی النار، وإن العبد لیتحری الکذب حتی یکتب کذابًا. (صحیح مسلم ۳۲۶/۲)

عن أبي ھریرۃ رضي اللّٰہ عنہ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مرَّ علی صبرۃٍ من طعام فأدخل یدہ فیھا فنالت أصابعہ بللاً فقال: یا صاحب الطعام ما ھٰذا؟ قال: أصابتہ السماء یا رسول اللّٰہ! قال: أفلا جعلتہ فوق الطعام حتی یراہ الناس، ثم قال: من غش فلیس منا. (سنن الترمذي / باب ما جاء في کراھیۃ الغش في البیوع ۲۴۵/۱، سنن أبي داؤد / باب النھي عن الغش ۴۸۹/۲، صحیح مسلم ۷۰/۱ ۹، الترھیب والترغیب

مکمل ٤٠٠ رقم: ٢٧٤٠ بيت الأفكار الدولية) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۶/۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جھوٹی حاضری لگا کر پورے مہینہ کا وظیفہ لینا؟

سوال (۵۹۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حکومت %2500 روپئے ماہانہ ٹریننگ کے خرچ کے طور پر دیتی ہے، جو لڑکوں کو ایک سال میں بارہ مہینے کا چیک ملتا ہے یہ =/2500 زید کے لئے جائز ہے یا ناجائز؟ کیوں کہ وہ مہینے میں ۵ یا ۶/ دن اسکول گیا۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جھوٹی حاضری لگا کر مذکورہ وظیفہ لینا قطعاً ناجائز ہے، صرف جتنے دن حاضری ہوئی ہے اس کا وظیفہ لے سکتا ہے، اس سے زیادہ کا نہیں۔

أما لو شرط شرطًا تبع كحضور الدرس أيامًا معلومة في كل جمعة فلا يستحق المعلومة إلا من باشر، خصوصًا إذا قال: من غاب عن الدرس قطع معلومه، فيجب اتباعه. (شامي / مطلب في الغيبة التي يستحق بها عن الوظيفة ٦٣١/٦ زكريا)

بخلاف غيرهما من أيام الأسبوع حيث لايحل له أخذ الأجر عن يوم لم يدرس فيه مطلقًا، سواء قدر له أجر كل يوم أولاً. (شامي / مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة ٥٦٨/٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۴/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دوگنا چندہ حاصل کرنے کے لئے جھوٹ بولنا؟

سوال (۵۹۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: غیرعوام الناس کے چندوں سے چلنے والے وہ چھوٹے بڑے مدارس جو رمضان میں چندہ کی بڑھوتری کی خاطر جھوٹ بولتے ہیں، پچاس طلباء ہیں تو سو بتلاتے ہیں، دس مدرس ہیں تو بیس بتلاتے ہیں، اوراس طرح کبھی کبھی دھوکہ دے کر جھوٹ بول کر زکوٰۃ وصول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر ہم سچ بولتے ہیں تو چندہ کم ملتا ہے اور مدرسہ کا سالانہ خرچ چلانا مشکل ہوجاتا ہے، اور مصلحتاً جھوٹ بولنے سے چندہ دوگنا ہو جاتا ہے اور سالانہ خرچ بآسانی پورا ہوجاتا ہے، کیا اس طرح جھوٹ بول کر کے مدرسہ چلانا جائز ہے؟ کیا مصلحتاً جھوٹ بولنا جائز ہے؟ اِس طرح کے مدارس کو زکوٰۃ کی رقم دینا صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض دوگنا چندہ حاصل کرنے کے لئے جھوٹ بولنا حرام ہے؛ کیوں کہ سچ بول کر بھی اس مقصد کو حاصل کیا جاسکتا ہے، اوراس طرح جھوٹ فراڈ کر کے مدرسہ چلانا جائز نہیں ہے، اور یقین کے ساتھ اگر یہ معلوم ہوجائے کہ وہ زکوٰۃ کو صحیح مصرف میں استعمال کرتے ہیں، تو زکوٰۃ دینا صحیح ہے، اور جھوٹ بولنے کا گناہ وہ اُن کے اپنے سر پر ہوگا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ﴾ [آل عمران، جزء آیت: ٦١]

عن عبد اللّٰه بن عمرو رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أربع من كن فيه كان منافقًا خالصًا، ومن كانت فيه خَلَّة منهن كانت فيه خلةٌ من نفاقٍ حتى يدعها: إذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا وعد أخلف، وإذا خاصم فجر. (صحيح مسلم، كتاب الإيمان / باب بيان خصال المنافق ٥٦/١ رقم: ١٠٦-٥٨ بيت الأفكار الدولية، صحيح البخاري ١٠/١ رقم: ٣٤)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: آية المنافق ثلاثٌ: إذا حدث كذَب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان. (صحيح مسلم، كتاب الإيمان / باب بيان خصال المنافق ٥٦/١ رقم: ١٠٧-٥٩ بيت الأفكار الدولية، صحيح البخاري، كتاب الأدب / باب قول اللّٰه تعالىٰ رقم: ٦٠٩٥ دار الفكر بيروت)

عن ابن عمر رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا كذَب العبد تباعد عنه الملك ميلاً من نتن ما جاء به. (سنن الترمذي، أبواب البر والصلة / باب ما جاء في الصدق والكذب ۱۸/۲)

عن عبد الله رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن الصدق يهدي إلى البر وإن البر يهدي إلى الجنة، وإن الرجل ليصدق حتى صِدِّيقًا، وإن الكذب يهدي إلى الفجور، وإن الفجور يهدي إلى النار، وإن الرجل ليكذب حتى يُكتبُ عند الله كذَّابًا. (صحيح البخاري، كتاب الأدب / باب قول الله تعالىٰ رقم: ٦٠٩٤ دار الفكر بيروت، صحيح مسلم رقم: ٢٦٠٧ بيت الأفكار الدولية، سنن أبي داؤد ٦٨١/٢ رقم: ٤٩٨٩، المسند للإمام أحمد ٣٩٣/١، سنن الترمذي ١٨/٢، مشكاة المصابيح ٤١٢/٢ رقم: ٤٨٢٤)

كل مقصود محمود يمكن التوصل إليه بالصدق والكذب جميعًا، فالكذب فيه حرام. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / فصل في البيع ٦١٢/٩ زكريا)

عين الكذب حرام. (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة / فصل في البيع ٤٢٧/٦ كراچي، الدر المنتقىٰ مع المجمع الأنهر، كتاب الكراهية / فصل في المتفرقات ٢٢١/٤ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۵/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کے غلط اَحوال بتا کر زکوٰۃ کا چندہ وصول کرنا؟

سوال (۵۹۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض مدرسہ والے ایسے مدرسہ کے لئے رمضان میں زکوٰۃ وفطرہ کا چندہ کرتے ہیں کہ اُن کے مدرسہ میں دارالاقامہ نہیں ہے، صرف پرائمری کی تعلیم ہوتی ہے، اُن مدرسوں سے جو سفراء چندہ کرنے جاتے ہیں، اُن سے اگر کوئی تحقیق کرتا ہے کہ آپ کے مدرسہ میں زکوٰۃ کی رقم لگتی ہے یا

نہیں؟ یا آپ کے مدرسہ میں کتنے بچے دارالاقامہ میں ہیں؟ تو یہ سفراء حضرات جھوٹ بول کر زکوٰۃ کی رقم وصول کر لیتے ہیں، ایسی صورت میں دینے والوں کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں، اور سفراء حضرات کے لئے ایسا کرنا شریعت کی نظر میں کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جھوٹ بول کر بلا استحقاق چندہ کی رقم حاصل کرنا قطعاً ناجائز ہے، ایسے لوگوں کو زکوٰۃ کا مستحق سمجھ کر دینے والوں کے ذمہ سے زکوٰۃ کی ادائیگی کا فریضہ ساقط ہوجائے گا؛ لیکن لینے والوں کی ذمہ داری باقی رہے گی کہ وہ اُسے صحیح مصرف تک پہنچائیں، اگر صحیح مصرف میں وہ رقم خرچ نہیں کی تو عنداللہ ماخوذ ہوں گے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ......، ثم قال: من غش فليس منا. (سنن الترمذي / باب ما جاء في كراهية الغش في البيوع ۲۴۵/۱، سنن أبي داؤد ۴۸۹/۲، صحيح مسلم ۹۷۰/۱، الترهيب والترغيب مكمل ۴۰۰ رقم: ۲۷۴۰ بيت الأفكار الدولية)

واعلم أن المدفوع إليه لو كان جالسًا في صف الفقراء يصنع صنعهم، أو كان عليه زيهم، أو سأله فأعطاه كانت هٰذه الأسباب بمنزلة التحري، وكذا في المبسوط حتى لو ظهر غناه لم يعد. (شامي / مطلب في الحوائج الأصلية ۳۰۲/۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۸/۱/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چوری کے مال سے چندہ لینا؟

سوال (۵۹۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: غیر ممالک میں کام کرنے والے اکثر لوگ بتاتے ہیں کہ دوکانوں اور گھریلو کام کرنے والے لوگ کفیل کی عدمِ واقفیت میں چوری ضرور کرتے ہیں اور اگر ایسا نہ کریں تو صرف تنخواہ میں دوچار سالوں میں گھر آکر بلڈنگیں نہ کھڑی ہوسکیں۔ اور یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ کمپنیوں میں کام

کرنے والے اس حساب سے ترقی نہیں کرتے، اکثر لوگوں نے چوری کرنا قبول بھی کیا اور کہا بھی کہ کفیل اتنا زیادہ تنگ کرتے ہیں کہ بدلہ لینے اور وطن چھوڑ کر غیر ممالک آنے کی پاداش میں یہ ضروری ہوجاتا ہے، کیا ایسے حضرات سے مسجدوں اور مدارس وغیرہ میں چندہ لینا درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر ممالک میں جو لوگ کفیل کی عدمِ واقفیت میں چوری کرتے ہیں، جیسا کہ بعض نے اسے قبول بھی کیا ہے، تو اگر وہ اسی حرام آمدنی سے چندہ دیتے ہیں تو اُن سے چندہ لینا درست نہیں ہے، اور اگر مالِ حلال سے چندہ دیتے ہیں تو چندہ لینا درست ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من اشترى سرِقةً، وهو يعلم أنها سرِقةٌ فقد اشترک في عارها وإثمها. (شعب الإيمان للبيهقي رقم: ٥٥٠٠، الترغيب والترهيب مكمل، كتاب البيوع / الترغيب في طلب الحلال والأكل منه الخ رقم: ٢٦٨٤ بيت الأفكار الدولية)

ولو كان الخبيث نصابًا لايلزمه الزكاة؛ لأن الكل واجب التصدق عليه فلا يفيد إيجاب التصدق ببعضه. (شامي، كتاب الزكاة / مطلب: فيما لو صادر السلطان رجلاً فنوى بذٰلك أداء الزكاة إليه ٢١٨/٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۲۶/۲/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سود خوروں سے چندہ لے کر اُن کے لئے دعا کرنا؟

سوال (۵۹۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سود خوروں سے چندہ لے کر دعا کرنا کہ اللہ تجھے مزید مال عطا فرمائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس کی آمدنی اکثر سود پر مشتمل ہو اس سے چندہ لینا ہی

جائز نہیں، ایسے شخص کے لئے ہدایت کی دعا کرنا چاہئے نہ کہ حرام مال میں اضافہ کی۔

رجل دفع إلى فقير من المال الحرام شيئًا يرجو به الثواب يكفر، ولو علم الفقير بذٰلک فدعاله و امن المعطي كفرًا جميعًا. (شامي / مطلب: في التصدق من المال الحرام ۲۱۹/۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۵/۳/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فرضی نام سے رسید بک چھاپ کر چندہ کرنا؟

سوال (۵۹۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی علاقہ کا چندہ کرنے والا رسید بک فرضی نام سے کسی مدرسہ اور مسجد کے لئے چھاپ دے اور وصول کرے، تو ایسے سفیر کی وصول کی ہوئی رقم پکڑی جائے، تو اس رقم کو کہاں دینا چاہئے؟ جب کہ فرضی مدرسہ اور مسجد کا وجود ہی نہیں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فرضی نام سے چندہ جمع کرنا بہت بڑا افراڈ اور ناجائز عمل ہے، اگر اس طرح کی جمع شدہ رقم پکڑی جائے، تو اگر ممکن ہو تو چندہ دہندگان کو لوٹا دینی چاہئے، اور اگر ممکن نہ ہو تو ذمہ داران کے مشورہ سے مدرسہ کے لئے حاصل شدہ رقم کسی معتبر مدرسہ میں اور مسجد کیلئے حاصل شدہ رقم کسی ضرورت مند مسجد میں صرف کردی جائے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۱۴/۱۳۱)

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ......، ثم قال: من غش فليس منا. (سنن الترمذي / باب ما جاء في كراهية الغش في البيوع ۲۴۵/۱، سنن أبي داؤد ۴۸۹/۲، صحيح مسلم ۹۷۰/۱، الترهيب والترغيب مكمل، كتاب البيوع وغيرها / الترهيب من الغش والترغيب في النصيحة في البيع وغيره ۴۰۰ رقم: ۲۷۴۰ بيت الأفكار الدولية) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/۱۱/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جعلی رسید بنواکرمدرسہ کے نام سے چندہ کرکے اپنے استعمال میں لانا؟

سوال (۵۹۶):-کیا فرماتے ہیں علماءدین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے پاس ذاتی مکان تھا اُس کو اُنہوں نے خریدا تھا، ایک طویل مدت تک اُس میں رہتے رہے، اِس کے بعد اُنہوں نے ایک دوسرے گاؤں میں زمین خرید کر مکان بنوالیا، اور سابق مکان سے ترکِ وطن کر کے مع اہل وعیال نئی جگہ منتقل ہوگئے، اِس کے بعد اُنہوں نے پرانے مکان کو منہدم کر کے اُس پر ایک مدرسہ تعمیر کرنا شروع کردیا، اور باقاعدہ رسید چھپواکر چندہ کرنا شروع کیا، اور ہر کس وناکس سے یہ کہتے رہے کہ یہ زمین میں نے مدرسہ کے لئے وقف کردی ہے، اُن کے قول وفعل پر اعتبار کرتے ہوئے مسلمانوں نے مدرسہ کی تعمیر میں بھرپور حصہ لیا، چندسال قبل ایک دوسری زمین اسی مدرسہ کے قریب اُنہوں نے خریدی، رفتہ رفتہ لوگوں کو معلوم ہوا کہ نئی زمین اپنے نام کرلی ہے، تو لوگوں کو فکر ہوئی، آخر جب پہلی زمین مدرسہ کے نام وقف کی ہے، تو پھر اپنے نام لینے کی کیا وجہ ہے؟

تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ مدرسہ کی زمین بھی وقف نہیں کی ہے، صرف وقف کا پروپیگنڈہ ہی ہے، سرکاری کاغذات میں وہ اُن کا زرخرید ذاتی مکان ہی درج ہے، پھر مزید تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ مدرسہ کی جملہ آمدنی سب اُنہیں کے قبضہ میں ہے، کہاں اور کس کے پاس ہے اللہ جانے؟ ہاں اُن کے اور اُن کے بیٹے کے نام سے کئی بینکوں میں کھاتے کھلے ہوئے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ کرنا ہے کہ اَب ہم لوگ کیا کریں؟ ایک دینی مدرسہ سمجھ کر ہم سب اور جملہ مسلمان تعاون کررہے ہیں، اور دوسری زمین کا اپنے نام سے لینا اور مدرسہ کی رقوم کو اپنے تصرف میں رکھنا، اور دیگر قرائن یہ بتلاتے ہیں کہ موصوف سب کچھ اپنا ذاتی کام کررہے ہیں۔ کیا ایسے مدرسہ کا تعاون کرنا جائز ہے؟ کیا موصوف کا اِس انداز سے کام کرنا صحیح ہے؟ حسنِ اتفاق سے اُن کے دو ہی صاحب زادے بھی ہیں، کل اُن کے مرنے کے بعد قانوناً وہ مکان (مدرسہ) دونوں کے نام منتقل ہوجائے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تک حساب وکتاب صاف نہ ہو، ایسے مدرسہ کا تعاون نہ کیا جائے، زید کو اللہ سے ڈرنا چاہئے مدرسہ کے نام پر رقومات حاصل کرکے اُنہیں ذاتی استعمال میں خرچ کرنا ہرگز جائز نہیں، آخرت میں اِس کے نتائج نہایت سنگین ہوں گے۔

عن خولة الأنصارية رضي اللّٰه عنها قالت: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: إن رجالاً يتخضون في مال اللّٰه بغير حق فلهم النار يوم القيامة.

(صحيح البخاري، كذا في مشكاة المصابيح / باب قسمة الغنائم والغلول فيه ٣٤٩/٢)

عن يزيد بن خالد الجهني رضي اللّٰه عنه أن رجلاً من أصحاب النبي صلى اللّٰه عليه وسلم توفي يوم خيبر، فذكروا ذٰلك لرسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، فقال: صلوا على صاحبكم، فتغيرت وجوهُ الناس لذٰلك، فقال: إن صاحبكم غلّ في سبيل اللّٰه، ففتَّشْنا متاعه فوجدنا خَرَزًا من خرز يهود لا يساوي درهمين. رواه مالك وأبو داؤد والنسائي. (سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد / باب في تعظيم الغلول رقم: ٢٧١٠ دار الفكر بيروت، سنن ابن ماجة، كتاب الجهاد / باب الغلول رقم: ٢٨٤٨ دار الفكر بيروت، الموطأ لإمام مالك / كتاب الجهاد ٤٥٨/٢ رقم: ٢٣، سنن النسائي، كتاب الجنائز / باب الصلاة على من عليه دين رقم: ١٩٥٨ دار الفكر بيروت، مشكاة المصابيح، كتاب الجهاد / باب قسمة الغنائم، الفصل الثاني ٣٥٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۰/۲/۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چھوٹے مدرسہ والوں کا جبراً چندہ وصول کرنا اور پیشگی چرمِ قربانی کی رسید کاٹنا؟

سوال (۵۹۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ہمارے علاقہ میں چھوٹے چھوٹے گاؤں، دیہاتوں اور قصبات جیسا کہ اَفضل گڑھ جیسی جگہ مسجدوں میں مدرسے قائم ہیں، زیادہ تر اہتمام بغیر پڑھے لکھے لوگوں کے سپرد کر رکھا ہے، جو حساب وکتاب بھی نہیں لکھ سکتے، اور نہ ہی سمجھ اور سمجھا سکتے ہیں، پڑھانے والے اور چندہ کرنے والے ناظم وغیرہ نے کمیٹی بنا کر رکھ لیا ہے، اُن میں سے بہت سے پڑھانے والے مسئلہ ومسائل سے ناواقف ہیں، اور کچھ بچے باہر گاؤں اور گرام سے لاکر رکھ لئے ہیں، جن کو دینی اور دنیوی تعلیم پڑھانی شروع کر رکھی ہے، ناظم اور مدرسین رمضان کے مہینہ میں گاؤں، دیہاتوں اور قصبات وغیرہ میں جاجا کر نقد غلہ اور اُدھار روپیوں کی پیشگی رسیدات چھ چھ مہینہ کی کاٹ دیتے ہیں، اور جبراً غلہ اور روپیوں کی تعداد اپنی مرضی سے لکھ دیتے ہیں، اور دینے والا پوچھتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ جب بھی تم دے سکو دے دینا؛ کیوں کہ وہ کچھ قصبہ کے باثر آدمیوں کو اپنے ہمراہ لے جاتے ہیں، اَب بقرعید کی قربانی کی کھالوں وغیرہ کی بھی پیشگی گھوم پھر کر قربانی کرنے والوں کے نام کھال جبراً لکھ لیتے ہیں، اور جب کئی مدرسے والے یکجا جمع ہوجاتے ہیں، تو اپنے اپنے اِدارے کے واسطے کھال جبراً لوگوں سے چھین کر لے جاتے ہیں، اور قربانی کرنے والے کئی کئی لوگ ہوتے ہیں، اپنے وعدہ کر لیتے ہیں، تو وہ بھی وعدہ پورا نہیں کر پاتے، تو اس طریقہ سے چندہ کرنا شرعاً جائز ہے؟ اور جو اس روپیہ کا حلالہ کر رہے ہیں کہ پہلے اس سے طے کر لیتے ہیں کہ روپئے واپس تم اپنی طرف سے مدرسہ کو دے دینا، کیا اس صورت سے مدرسہ چلانا جائز ہے یا حلالہ وغیرہ جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جبراً چندہ وصول کرنا جائز نہیں ہے، اور جن بڑے مدارس کے لئے تملیک کا حیلہ جائز ہے، وہاں پہلے سے واپسی کی شرط لگانے سے تملیک ہی صحیح نہیں ہوئی؛ اِس لئے بلاشرط فقیر پر روپئے خرچ کر دینا چاہئے، اَب اگر وہ بخوشی دے دے تو حیلہ درست ہوسکتا ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم:

...... كـل الـمسـلـم على المسلم حرام دمه وعرضه وماله. (صحيح مسلم، كتاب البر والـصـلة والآداب / بـاب تـحريم ظلم المسلم وخذله الخ ۳۱۷/۲ رقم: ۲۵٦٤ بيت الأفكار الدولية، سنن الترمذي رقم: ۱۹۲۷، الترغيب والترهيب مكمل ص: ۵۹۵ رقم: ٤۲۸٤ بيت الأفكار الدولية)

عـن أبي حميد الساعدي رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قـال: لا يـحـل (لـمسـلـم) أن يأخذ مال أخيه بغير حق، وذٰلک لما حرم اللّٰه مال الـمسلم على المسلم. وفي رواية: لا يحل للرجل أن يأخذ عصا أخيه بغير طيب نفسه. (الـمسـنـد لـلإمـام أحـمـد ۷۲/۵، شعب الإيمان للبيهقي ۳۸۷/٤ رقم: ۵٤۹۲، مجمع الزوائد ۱۷۱/٤-۱۷۲ دار الكتب العلمية بيروت)

لا يـجـوز التصرف في مال غيره بلا إذنه ولا ولايته. (الـدر المختار مع الشامي، كتاب الغصب / مطلب فيما يجوز من التصرف بمال الغير ۲۹۱/۹ زكريا)

هـو فـقـيـر: وهو من له أدنى شيء الخ، يصرف المزكى إلى كلهم، أو إلىٰ بـعـضـهـم، ولـو واحدا من أي صنف كان. (الـدر الـمـخـتـار مـع الشـامي / بـاب المصرف ۲۹۲/۳-۲۹۳ بيروت)

ويشتـرط أن يـكـون الصرف تمليكًا ...... والحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء. (شامي ۲۹۳/۳- ۲۹۱ زكريا)

يصرف إلى كلهم أو بعضهم تمليكًا. (شامي ۲۹۱/۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۳/۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فی خریدار کمیشن بڑھانے پر سفیر مقرر کرنا؟

سوال (۵۹۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دارالعلوم اسلامیہ محمودنگر کنتھاریہ ضلع بھروچ کی طرف سے ایک دینی گجراتی ماہنامہ ’’دارالعلوم‘‘

کے نام سے نکلتا ہے، اس کا زرتعاون (لوازم) وصول کرنے کے لئے سفیروں کو اُجرت پر رکھا جاتا ہے۔ حسبِ ذیل ضرورتوں کی بناء پر اس کو ماہانہ تنخواہ پر رکھنے کے بجائے کام پر اُجرت کے حساب سے رکھا جاتا ہے، اُجرت کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ ایک گاہک بنائیں گے، تو اسی حساب سے اُجرت ملے گی۔

ماہانہ تنخواہ پر سفراء مقرر کرنے میں یہ خدشہ رہتا ہے کہ شاید پوری توجہ ومحنت کے ساتھ کام نہ کریں اور بعد میں یہ عذر کریں کہ ہم نے تو پوری محنت کی؛ لیکن کوئی گاہک ہی نہیں بنتا ہے یا بہت کم بنتے ہیں اور یہ معلوم کرنا دشوار رہتا ہے کہ اُنہوں نے پوری ایمان داری کے ساتھ کام کیا ہے یا نہیں؟ اِس لئے اطمینان کی یہی صورت ہے کہ ہر گاہک کے مقابلہ میں اُجرت معین کردی جائے، تو آیا شریعتِ مطہرہ میں یہ جائز ہے یا نہیں؟

نیز ایک دشواری ماہانہ تنخواہ مقرر کرنے میں یہ بھی ہے کہ اِس صورت میں سفیر کا خرچہ ادارہ کے ذمہ رہتا ہے، اور کرایہ وکھانے پینے میں اتنا خرچ بتلاتے ہیں جو آمدنی کے نصف حصہ تک ہوجاتا ہے، اور فی گاہک کمیشن مقرر کرنے میں یہ سب خرچے اِدارہ کے ذمہ نہیں رہتے ہیں؛ بلکہ سفیر کو اپنی جیب سے کرنے پڑتے ہیں۔

سفیر بھی اسی بات کو پسند کرتے ہیں کہ تنخواہ کے بجائے کمیشن پر لوازم وصول کیا جائے؛ تاکہ زیادہ سے زیادہ گاہک بناکر زیادہ سے زیادہ اُجرت وصول کی جائے اور اِدارہ کے حق میں بھی یہی مفید معلوم ہوتا ہے کہ ماہانہ تنخواہ کے بجائے کمیشن پر سفیر مقرر کئے جائیں؛ تاکہ خرچ سے بھی بچا جائے، اور کام کے بارے میں بھی اطمینان ہوجائے کہ جتنے گاہک بنائیں گے اتنی ہی اُجرت دینی پڑے گی، تو آیا اس طور پر سفراء کو مقرر کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں ذکر کردہ سفیر کی حیثیت دلال کی ہے، پس اگر اُجرت معلوم ہو تو یہ معاملہ جائز ہے، اور جتنی ممبر سازی کرے گا اُس پر متعینہ اُجرت لینے کا وہ مستحق ہوگا۔

إجارة السمسار والمنادي ...... ومالا يقدر فيه الوقت ولا العمل تجوز لما كان للناس به حاجة ويطيب الأجر المأخوذ. (شامي، كتاب الإجارة / باب الإجارة الفاسدة ٦/٤٧ كراچی، ٩/٦٤ زكريا)

وفي الدر: ولايستحق المشترک الأجر حتى يعمل كالقصار ونحوه كفتال وحمام ودلال وملاح. (الدر المختار / باب ضمان الأجير ٦/٦٤ كراچی، ٩/٨٨ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۱/۱۱/۶ھ

کمیشن پر چندہ کرنا؟

سوال (۵۹۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سفراء حضرات جو مدارس کے لئے فراہمی مالیات کے اُمور کو انجام دیتے ہیں، اگر تنخواہ پر خدمت لی جائے تو دیانت کے ساتھ خدمات انجام نہ دینے کی وجہ سے یا خدمات زائد لینے کی وجہ سے بجائے تنخواہ کے کمیشن پر خدمات لیتے ہیں، نیز خدمات کی زیادتی یا دوسری جگہ سے روک کر اپنی جگہ پر کام کرنے کے لئے ۴۰-۵۰-۶۰ / فیصد تک دیتے ہیں، ذمہ دار مدرسہ (مہتمم صاحب) تو بخوشی دیتے ہیں، اور سفراء کی کارکردگی کو قبولیت کا درجہ دیتے ہوئے انعام سے بھی مزید نوازتے ہیں اور عوام اس کو غلط سمجھ کر اعتراض کرتے ہیں۔

تو دریافت یہ کرنا ہے کہ ذمہ دار مدرسہ کا کمیشن پر خدمت لینا یا حضراتِ سفراء کا کمیشن پر خدمت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز فی صد کمیشن کتنا دے سکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو سفراء باقاعدہ مدرسہ کے تنخواہ دار ملازم ہیں اُن کو حسنِ کارکردگی کی بنیاد پر تنخواہ سے زائد متعینہ اِضافی رقم دینے کی گنجائش ہے اور یہ انعام کے درجہ

میں ہوگا، جو مدرسہ کے امدادی فنڈ سے دیا جائے گا نہ کہ زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کی رقم سے، اور جو سفراء مدرسہ کے ملازم نہیں ہیں؛ بلکہ محض کمیشن پر کام کرتے ہیں تو اجارۂ فاسدہ کے ہونے کی بنا پر اس معاملہ کی قطعاً اجازت نہیں، اور نہ اس طرح چندہ کرنا جائز ہے۔

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن استيجار الأجير يعني حتى يبين له أجره. (السنن الكبرىٰ للبيهقي / باب لا تجوز الإجارة حتى تكون معلومة ۳۹/۹ رقم: ۱۱۸۵۵)

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: نهى عن عسب الفحل، زاد عبيد الله وعن قفيز الطحان. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ۵۵٤/۵ دار الكتب العلمية بيروت، ۷۱۷/۵ دار الحديث القاهرة)

الإجارة هي بيع منفعة معلومة بأجرةٍ معلومةٍ. (البحر الرائق ۲/۸ زكريا)

لأنها استئجار ببعض ما يخرج من عمله فتكون بمعناه، وقد نهى عنه رسول الله صلى الله عليه وسلم، وهو أن يستأجر رجلا ليطحن له كذا من الحنطة بقفيز من دقيقها. (شامي / كتاب المزارعة ۳۹۸/۹ زكريا، ۲۷۵/٦ كراچی)

ولا يصح حتى تكون المنافع معلومةً والأجرة معلومة. (الهداية / كتاب الإجارات ۲۹۳/۳، امداد الفتاویٰ ٤۰/۲)

لو هلك المال في يد العامل سقط حقه وأجزى عن الزكاة. (الفتاویٰ التاتارخانية ۱۹۹/۳ رقم: ٤۱۲٤ زكريا، الفتاوى الهندية ۱۸۸/۱، أحسن الفتاوى ٤٦۷/٦)

وشرطها: كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلىٰ المنازعة. (الدر المختار مع الشامي / كتاب الإجارة ۷/۹ زكريا، ۵/٦ كراچی، الفتاویٰ الهندية ۱۰۹/۳)

ولو دفع غزلا لآخر لينسجه له بنصفه أي بنصف الغزل، أو استاجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه أو ثورًا ليطحن بره ببعض دقيقه فسدت في الكل؛ لأنه استأجره

بجزء من عمله. (الدر المختار مع الشامي ۷۸/۹-۷۹ زکریا، ۵۶/٦-۵۷ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/٦/۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کل وقتی اور جز وقتی سفراء کا مدرسہ سے کمیشن لینا اور اُن کا حق الخدمت متعین کرنا؟

سوال (٦۰۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دار العلوم مؤمن پورہ ناگپور وسط ہند کا ایک مشہور دینی ادارہ ہے، اس کے کار سفارت پر جو سفراء متعین ہیں ان کی ہمیشہ دو قسمیں رہی ہیں: (۱) کل وقتی سفرا۔ (۲) جز وقتی سفراء، اِن دونوں قسم کے سفرا کا حق خدمت بھی علاحدہ علاحدہ دیا ہے۔

(۲) کل وقتی سفرا غیر مدرس ہیں، یہ صرف سفارت کا کام ہی انجام دیتے ہیں، اُن کی خدمت کے صلے میں دار العلوم انہیں اسکیل کے مطابق مقررہ تنخواہ دیا کرتا ہے۔

(۳) جز وقتی سفراء کا تعلق دار العلوم کے تدریسی عملہ سے ہے، انہیں درس وتدریس کا معاوضہ اسکیل کے مطابق دیا جاتا ہے، اس کے علاوہ سفارت کی خدمت کے عوض انہیں چھ سو روپئے ماہانہ اور کل وصولی پر ۵/ فیصد انعام علاحدہ دیا جاتا ہے، جس جز وقتی سفیر کی وصولی دو ہزار روپئے ماہانہ سے کم ہوتی ہے، اس کے حق خدمت میں ۵/ فیصد رقم وضع کی جاتی ہے۔

(۴) جب کل وقتی مدرسین وملازمین کی درخواست پر مارچ ۲۰۰٦ء میں کمیٹی نے تنخواہوں پر نظر ثانی کرنے کا کام شروع کیا، تو دار العلوم کے جز وقتی سفراء نے جو عالم وحافظ ہیں، اور دار العلوم کے کل وقتی مدرس بھی ہیں، ۲۳/ مارچ ۲۰۰٦ء کو کمیٹی کو ایک درخواست دی جس میں اُنہوں نے ماہانہ تنخواہ ۱۲۰۰ روپئے، رمضان المبارک کے مہینے کی دوہری (ڈبل) تنخواہ اور کل وصولی پر ۱۵/ فیصد انعام کا مطالبہ کیا، یہ صورتِ حال کمیٹی کے نزدیک تشویش ناک تھی۔ (جز وقتی سفراء کی یہ درخواست اس استفتاء کے ساتھ منسلک ہے) ان کے اس رویے سے کمیٹی کو یہ اندازہ ہوا کہ کہیں دار العلوم کا

مالیاتی اعتبار سے نقصان نہ ہو؛ لہٰذا کمیٹی نے اپنی میٹنگ منعقدہ ۷/جون ۲۰۰۶ء میں دارالعلوم کے کل وقتی اور جز وقتی سفراء کے تعلق سے ان کی تنخواہ، معاوضہ اور انعام کے پرانے قاعدے کو منسوخ کرکے اُن کی وصولی کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک نیا اسلوب بنایا ہے، جو اس استفتاء کے ساتھ منسلک ہے۔

جواب طلب امر یہ ہے:

الف:- کیا جز وقتی سفراء کا مطالبہ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں جائز ہے؟

ب:- اگر جائز نہیں ہے، تو کمیٹی ایسے جز وقتی سفراء کے متعلق کیا فیصلہ کرے؟

ج:- دارالعلوم کی مجلسِ منتظمہ نے سفراء کی وصولی کی روشنی میں جو نیا اُسلوب بنایا ہے، کیا وہ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں قابلِ نفاذ ہے؟

د:- اگر قابلِ نفاذ نہیں ہے تو سفراء کے حقِ خدمت کا کس طرح تعین کیا جائے؛ تاکہ مدرسہ شریعت کی گرفت میں نہ آسکے، ازراہ کرم ہماری رہنمائی فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: الف،ب:- جو اساتذہ دارالعلوم کے باقاعدہ ملازم ہیں، اگر وہ اپنی تنخواہ میں اضافہ یا رمضان المبارک (جو عام مدارس کے عرف میں رخصت کا زمانہ ہوتا ہے) میں کام کرنے پر ڈبل تنخواہ اور مالیہ کی فراہمی میں حسنِ کارکردگی پر انعام کا مطالبہ کریں، تو اس کی گنجائش ہے؛ البتہ انتظامیہ ان کے کل مطالبہ کو بعینہٖ تسلیم کرنے کی پابند نہیں؛ بلکہ وہ مدرسہ کے بجٹ کو دیکھ کر اضافہ اور انعام کی مقدار حسبِ گنجائش طے کرنے کی مجاز ہے۔

وإن كانت الزيادة أجر المثل، فالمختار قبولها. (شامي / كتاب الإجارة ۹/۰ ۳ زكريا)

ج،د:- جو اساتذہ اور ملازمین مدرسہ کے تنخواہ دار خادم ہیں، اُن کے حق میں مذکورہ حقِ خدمت یا انعام دینے کا نظام تو درست ہے؛ لیکن جو لوگ مدرسہ میں باقاعدہ تنخواہ دار نہ ہوں، اُن کے لئے بطور تنخواہ مالیہ کے فراہمی پر مذکورہ تناسب سے حقِ خدمت دینا اجارۂ فاسدہ ہونے کی بنا پر ناجائز ہے، بہتر یہ ہے کہ سفراء کو باقاعدہ تنخواہ پر ملازم رکھا جائے، پھر اُن کو حسنِ کارکردگی پر حسبِ

سہولت کچھ انعام دے دیا جائے، معتبر مدارس میں یہی طریقہ رائج ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۷/۲۷۶، فتاویٰ محمودیہ ۲۷۴/۴، فتاویٰ احیاء العلوم ۳۳۴/۱)

ولا يصح حتى تكون المنافع معلومة، الأجرة معلومة. (الهداية ۲۹۳/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۶/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تنخواہ دار ملازم کو فی صد کے اعتبار سے الاؤنس دینا؟

سوال (۶۰۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک مدرسہ کا مدرس یا ملازم ہے، وہ مدرسہ کا چندہ کرتا ہے، اُسے فیصد کے اعتبار سے الاؤنس دیا جاتا ہے اور سفر خرچ بھی، جب کہ تنخواہ بھی پوری ملتی ہے نیز یہ کہ دار العلوم کا کیا طریقۂ عمل ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تنخواہ دار ملازم اگر چندہ کا پورا پیسہ لاکر مدرسہ کے فنڈ میں جمع کردے اور پھر مدرسہ حسنِ کارکردگی کی بنیاد پر امدادی فنڈ سے بطور حوصلہ افزائی کوئی متعین رقم اس ملازم کو دے تو اس کی گنجائش ہے، یہ کمیشن پر چندہ کے حکم میں نہیں ہے، دار العلوم دیوبند میں بھی تنخواہ دار سفراء کے لئے انعام کی یہ صورت رائج ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۶۲۴/۱۶ ڈابھیل، ایضاح المسائل ۱۲۲، چند اہم عصری مسائل ۲۸۸)

وشرطها: كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة. (الدر المختار مع الشامي / كتاب الإجارة ۷/۹ زكريا، ۶/۵ كراچی، الفتاویٰ الهندية ۱۰۹/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۶/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کے باتنخواہ ملازم کوبطورِ انعام کمیشن دینا؟

سوال (۶۰۲): - کیافرماتے ہیں علماءدین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ عربیہ بستان العلوم موضع یوپی ضلع سنت کبیر نگر کا ۸۰ر سالہ قدیمی ادارہ ہے، فی الحال ۲۱ کی تعداد پر مشتمل عملہ کی خدمات حاصل ہیں، ضروریات تکمیل کا دارومدار عوامی چندے پر ہے، جو مہتمم وحضرات اساتذہ ہی وصول کرتے ہیں، وصول یابیاں مدرسہ میں جمع ہونے کے بعد بغیر کسی قاعدہ وضابطہ کے محصلین کو کارکردگی وانعامی رقوم کے نام سے کچھ مندرجہ ذیل طریقوں پر دیا جاتا ہے:

(۱) یہ لین دین بنام کارکردگی وانعامی رقوم مدرسہ ہٰذا کے کسی قاعدہ وضابطہ کے بغیر جاری ہے۔

(۲) پہلے یہ لین دین ۲۵ فیصد تک پھر بعد میں ۱۰ر فیصد اور اب صدر شوریٰ کا کہنا ہے کہ فیصد کی تعیین کے بغیر ہوتا ہے۔

(۳) لین دین میں بظاہر دورخ ہیں: ایک بمبئ کے محصلین کے لئے ایک ملک کے مختلف مقامات کے محصلین کے لئے۔

(۴) دورخ پر ہونے کی وجہ سے بمبئ والوں کے لئے ۱۰ر فیصد سے کم، مختلف مقامات والوں کے لئے ۱۰ر فیصد تک موازنہ پایا جاتا ہے، مثلاً بمبئ کے سفراء میں بطور خاص مہتمم صاحب کو 80000 پر 6000، اسی طرح بمبئ کے سفراء میں کسی محصل کو 1,50,000 پر 6000ر روپئے کارگردگی وانعامی رقم۔

بمبئ کے علاوہ دیگراور محصل کو 29000 پر 2200 روپئے کا کارکردگی وانعام رقم۔

بمبئ کے علاوہ دیگراور محصل کو 6000 پر 600ر روپئے کا کارکردگی وانعام رقم۔

بمبئ کے علاوہ دیگراور محصل کو 450 پر 40ر روپئے کا کارکردگی وانعام رقم۔

تمثیلی طور پر چندے محدودے درج کردئے گئے؛ لیکن عمومی طور سے حضرات اساتذہ کو حسبِ روایات سابقہ ۱۰ر فیصد تک انعام کی امید تھی، اس طرح نہ تو وصولنے کا معیار متعین نہ ہی انعام متعین نہ ہی کوئی قاعدہ اور ضابطہ اسی وجہ سے اساتذہ میں چہ میگوئیاں ہیں۔

یہ واضح رہے کہ صدر شوری مذکورہ بالا کسی طرح کے لین دین کے حق میں نہیں؛ بلکہ ناجائز قرار دیتے ہیں، کچھ اسی طرح ہٹ کر کے خیالات نائب صدر کے بھی ہیں؛ لیکن جب استاذ نے معارف القرآن ۴/۳۹۹ دکھلایا تو خاموشی کے علاوہ کوئی جواب نہیں ملا، مہتمم صاحب اُجرتِ قرآن کے جواز پر قیاس کرکے ''کارکردگی'' نام دیتے ہیں، صدر شوریٰ ناجائز کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک ضروری امر یہ بھی ہے کہ گذشتہ سالوں میں بلاچوں وچرا مہتمم صاحب نے محصلین کو کارکردگی بانٹے ہیں، اور امسال بانٹنے کے وقت ایک قریبی مکتب بشکل ادارہ کا ایک فتویٰ مادر علمی دارالعلوم دیوبند اپنے خیال وقیاس کی تائید اور دوسرے معترضین کا ناطقہ بند کرنے کے لئے دکھلانے لگے وہ ''فتویٰ'' بھی اسی استفتار کے ساتھ منسلک ہے، اَب مہتمم صدر شوریٰ نائب صدر شوریٰ کے یہ خیالات ہیں، جب کہ تقسیم کارکردگی کے لئے منظوری صدر نائب صدر کی بھی ہے؛ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے:

(۱) کیا بغیر کسی قاعدہ اور ضابطہ کے یہ تجویز برائے لین دین جائز ہے یا ناجائز؟

(۲) اس پر اب تک عمل پیرا ہو کر جن اساتذہ نے پہلے لیا ہے، ان سب لین دین میں شریک لوگوں کا شرعاً کیا حکم ہے؟

(۳) کیا ان تمام لین دین کے ذمہ دار، مہتمم صاحب ہوں گے یا بادل ناخواستہ ہی سہی صدر شوریٰ ہوں گے یا اساتذہ بھی؟

(۴) اور کیا اس لین دین کا نام ''کارکردگی وانعامی رقوم'' رکھا جاسکتا ہے، جب کہ تمثیل طور پر سوال میں درج کم سے کم وصولی والے محصل کو یا کسی بھی محصل کو زیادہ سے زیادہ ۱۰/فی صد تک کے علاوہ مزید انتظامیہ اور بھی دینے پر راضی نہیں ہے، حالاں کہ انعامی رقوم نصف اُصولی تک کی بھی گنجائش ہے، قطع نظر اس کے کہ حلال وحرام ہے یا نہیں؟

(۵) کمیشن اور ''کارکردگی'' کی تعریف کیا ہے؟

(٦) اگر سوال کے مطابق کمیشن کا نام اور حقیقت کا جارہی ہو، تو کیا پھر تبدیل نام، حقیقت

کے بعد کارکردگی وانعامی رقوم سمجھا جائے گا؟ مہتمم صاحب کی نظر میں چوں کہ کارکردگی ہے اور اسی لئے فتویٰ بھی دکھایا ہے، ورنہ عدم جواز کی صورت میں کون محنت کرے گا۔

(۷) کسی بھی مدرسہ (ادارے) کا بالکلیہ قانون کسی بھی ادارے کے لئے من کل الوجوہ بہرنوع دلیل بن سکتا ہے؟ تفصیل مطلوب ہے۔

(۸) سوال میں درج کیفیت اور تمثیل کارکردگیاں کون سے خانے میں آئیں گی؟ کمیشن یا کارکردگری وانعامی رقوم؟

(۹) سوال و تمثیل کو اُجرت قرآن پر قیاس صحیح ہے یا زبردستی؟

(۱۰) اگر انعامی رقوم یا کارکردگی کے لئے کوئی ضابطہ بن بھی جائے تو زکوٰۃ وفطرے کی رقوم بغیر حیلۂ تملیک یا حیلہ کے بعد بھی مہتمم وصدر وغیرہ اس طرح تصرف کا حق ہے یا نہیں؟ جب کہ عوام الناس باہمی تقسیم کے لئے نہیں دیتی ہے؟

بسط و تفصیل کے ساتھ مدلل ومبرہن اور منقح وتسلی بخش جواب مطلوب ہے۔

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص مدرسہ کا باتنخواہ ملازم ہو، وہ اگر مدرسہ کے لئے مالی فراہمی کا کام کرے، اور اہل مدرسہ اس کو حسن کارکردگی پر کچھ رقم بطور انعام دیں، تو شرعاً اس کی گنجائش ہے، اَب یہ انعام کتنا ہو اور کس حساب سے ہو؟ اس کا مکمل اختیار مہتمم اور کمیٹی کو ہے، بس یہ خیال رہے کہ وصول شدہ رقم کے نصف سے زائد نہ ہو؛ تاہم ان کے لئے بہتر ہے کہ اِس بارے میں کوئی ضابطہ بنالیں جو سب پر یکساں طور پر لاگو ہو؛ تاکہ انتظامیہ اور اساتذہ میں بداعتمادی نہ ہو اور اگر مدرسہ کے لئے جو لوگ اس طرح مالی فراہمی کریں کہ وہ باتنخواہ ملازم نہ ہوں؛ بلکہ چندہ سے حاصل کردہ کمیشن ہی کو وہ بطور اجرت لیں، تو یہ درست نہیں؛ اس لئے کہ اولاً یہ اُجرت مجہول ہے یہ پتہ نہیں کہ کتنا اور کس قدر چندہ ہوگا؟ دوسرے یہ کہ مدارس کے سفراء مطلقاً اسلامی حکومت کے سرکاری عاملین کے درجہ میں نہیں ہیں؛ بلکہ صرف بعض معاملات میں اُن کے مشابہ ہیں۔ (مستفاد از:

امداد المفتیین ۶۱۴ کراچی، احسن الفتاویٰ ۲۸۴/۷، معارف القرآن ۳۹۹/۴، ایضاح النوادر ۵۳/۲-۵۶)

لا یزاد علی نصف ما قبضه. (شامي / باب المصرف ۳۴۰/۲ کراچی)

وشرطها کون الأجرة والمنفعة معلومتین. (شامي ۵۱۶ کراچی، ۹۰/۷ زکریا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۵/۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

باتنخواہ ملازمین کا دس بیس فی صد کمیشن لینا؟

سوال (۶۰۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے مدرسوں کے اندر جو مدرسین حضرات رمضان المبارک وغیرہ کے مہینوں میں چندہ کرتے ہیں، اُن کو اس کے عوض جو فیصد دیا جاتا ہے دس یا بیس فیصد وغیرہ، تو ہمارے مدرسین کا اس کو لینا اور استعمال کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کے باقاعدہ تنخواہ دار ملازمین و مدرسین اگر رمضان المبارک میں چندہ کے لئے جائیں اور جو رقم چندہ میں ملے، وہ سب مدرسہ کے فنڈ میں جمع کردیں اور پھر مدرسہ امدادی فنڈ سے اُن کو دس بیس فیصد وغیرہ کے حساب سے حسنِ کارکردگی پر کچھ انعام دے، تو اس کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۳۱۰/۱۵، جامع الفتاویٰ ۳۳۷/۳، فتاویٰ محمودیہ ۴۰۲/۱۳ قدیم زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۱۴۳۳/۷/۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَنجمنوں کے لئے چندہ کرنے والے طلبہ کا فیصدی لینا؟

سوال (۶۰۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: مدارسِ اسلامیہ میں جو ضلعی انجمنیں قائم ہیں، ذمہ دارانِ انجمن کی جانب سے انجمن کے لئے چندہ کرنے والوں کو فی صد یا فی ہزار کے حساب سے کچھ متعین رقمیں بنام انعام دیتے ہیں، جو اکثر انجمنوں میں رائج ہے، اور یہ رقمیں صرف بمد امداد ہوتی ہیں، اِس کا شرعی حکم کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انجمنوں کے لئے چندہ کرنے والے طلبہ انجمنوں کے باقاعدہ ملازم نہیں ہوتے، اس لئے ان کے واسطے فیصد یا فی ہزار کے اعتبار سے چندہ کی رقم سے کچھ لینا جائز نہیں ہے، یہ اجارۂ فاسدہ ہے، اگرچہ سارا چندہ امدادی ہی پیسہ کا ہو، پھر بھی یہی حکم ہے، اُن پر لازم ہے کہ وہ تمام جمع شدہ رقم انجمن کے فنڈ میں جمع کریں، اور پائی پائی کا حساب رکھیں اور اس رقم کو مصارف کے علاوہ کہیں بھی خرچ نہ کریں۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۵۶)

وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة. (الدر المختار مع الشامي ۹/۷ زكريا)

تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد، فكل ما أفسد البيع يفسدها كجهالة ماجورٍ، أو أجرة أو مدة أو عمل. (الدر المختار مع لشامي ۹/٦٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۲/۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

با تنخواہ ملازمین کی حوصلہ افزائی کیلئے مالیہ فراہمی پر اِنعام دینا؟

سوال (۲۰۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ کے لئے فراہمی مالیات کے سلسلہ میں حضرات مدرسین کو مختلف مواقع پر سفر کرنا پڑتا ہے، سفر کی صعوبتیں اور لوگوں کی ترش باتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں، اِس لئے بہت سارے مدرسین اپنے آپ کو بچاتے ہیں اور ظاہر سی بات ہے، مدرسہ کا سارا نظام چندے ہی پر موقوف ہے، کچھ ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جو مہتمم اور ناظم صاحب کے زور لگانے پر سفر تو کرلیتے ہیں؛ لیکن

مدرسہ کے لئے جیسی محنت کرنی چاہئے نہیں کرتے، اس طرح کی مختلف صورتِ حال سے ہر مدرسہ والوں کو سابقہ پڑتا ہے، انہی وجوہات کی بنا پر خود دارالعلوم دیوبند کے اندر بھی سنا ہے کہ سفراء کے لئے کچھ فیصد بطور کمیشن چندہ طے کردیا گیا ہے۔

اَب آنجناب سے گذارش ہے کہ ان وجوہات کی بنا پر کیا شریعت اجازت دیتی ہے کہ چندہ میں جانے والے مدرسین اور سفراء کے لئے کوئی فیصد طے کردیں؛ تاکہ مدرسہ کا بھی فائدہ زیادہ سے زیادہ ہو اور جو حضرات محنت کررہے ہیں اُن کو بھی اس کا فائدہ مل جائے، بعض حضرات جو مدرسہ کے ذمہ دار ہیں وہ کمیشن تو نہیں کہتے؛ لیکن اُصولاً ایک بات تقریباً طے ہوتی ہے اور اس کو انعام کہہ کر کے اساتذہ کو دے دیا جاتا ہے، اور اگر بغیر طے کئے ہوئے مہتمم صاحب اپنی صواب دید پر حضرات مدرسین کو کچھ رقم بطور انعام کے دیں، تو کیا مہتمم کو اس کا اختیار ہے کہ جس کو جو چاہے مدرسہ کی رقم دے دے؟ جب کہ اس شکل میں بدگمانی اور انتشار کا بھی خدشہ ہے؟ اِس صورتِ حال کے پیشِ نظر مدرسہ والوں کو کیا کرنا چاہئے؟ اُمید ہے جواب سے مطلع فرمائیں گے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلاتنخواہ محض کمیشن پر کسی کو چندہ کے لئے بھیجنا اور اس پر کمیشن لینا اور دینا جائز نہیں۔

ولا یصح حتی تکون المنافع معلومةً والأجرة معلومة. (الهداية / كتاب الإجارات ۲۹۳/۳، امداد الفتاویٰ ۴۰/۲)

البتہ جو شخص مدرسہ کا باقاعدہ تنخواہ دار ملازم ہو، اُس کو حسنِ کارکردگی کی بنیاد پر امدادی رقم سے مقررہ انعام (جو حسبِ ضابطہ کم وبیش بھی ہوسکتا ہے) دینا شرعاً درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۹/۲۵ ۱۷ میرٹھ، ایضاح النوادر ۲/۵۵)

بہتر ہے کہ شوریٰ میں اس سلسلہ میں کوئی اُصول بنالیا جائے اور مہتمم اُس اُصول کے مطابق مستحقین کو انعام دیا کرے؛ تاکہ کسی کو اعتراض کا موقع نہ ہو اور کام کرنے والوں کی بھی حوصلہ افزائی ہو۔

عن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحًا حرّم حلالاً أوأحلّ حرامًا، والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالاً أو أحل حرامًا.

(سنن الترمذي، أبواب الأحكام / باب ما ذكر عن النبي صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس ۲۵۱/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۵/۶/۳ھ

بلا معاوضہ مدرسے کی فراہمی کا کام کرنے والے کو اہلِ مدرسہ کا کچھ انعام دینا؟

سوال (۶۰۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر مدرسہ کا کوئی خیرخواہ کافی دلچسپی وتعاون مدرسہ کا تعارف اور فراہمی مالیہ کا کام کرتا رہتا ہے، تو کیا مدرسہ کے ذمہ دار حضرات اُن کی محنت وتعاون کی وجہ سے اُن کو حوصلہ افزائی یا انعام کے طور پر یا اِس لئے کہ وہ آئندہ فراہمی مالیہ میں مزید دل چسپی لیں گے، جو مدرسہ کے لئے مفید ہوگا، تو ایسے حالات میں کچھ رقم بغیر کوئی فیصد طے کئے کبھی دے دیں اور کبھی نہ بھی دیں، تو کیا یہ جائز ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص بلا معاوضہ کے مدرسہ کے لئے خدمت کررہا ہے، تو یہ اس کی طرف سے تبرع ہے، اس پر وہ مدرسہ والوں سے کسی انعام کا مطالبہ نہیں کرسکتا، اَب اگر اس کی مالی فراہمی پر مدرسہ والے اسے اپنی طرف سے کچھ انعام دینا شروع کردیں گے، تو یہ بھی فی المآل کمیشن کی شکل ہوجائے گی جو جائز نہیں ہے؛ اس لئے بہتر یہ ہے کہ اُسے باقاعدہ مدرسہ کا ملازم شرائط کے ساتھ بنالیا جائے۔

الإجارة هي تمليك نفع بعوض. (شامي / كتاب الإجارة ۹/۴ زكريا)

المستفاد: والصدقة كالهبة؛ لأنه تبرع كالهبة ...... ولا رجوع في الصدقة؛ لأن المقصود هو الثواب وقد حصل. (الهداية / باب ما يصح رجوعه وما لا يصح ۲۹۳/۳)

المستفاد: والصدقة كالهبة بجامع التبرع ...... ولا رجوع فيها ولو على غني؛ لأن المقصود فيها الثواب لا العوض. (شامي / فصل في مسائل متفرقة ۵۱۹/۸ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۲/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سالانہ رقوم کی مقدار چند مہینہ میں پوری کرنے پر بقیہ مہینوں کی تنخواہ کا حکم؟

سوال (۶۰۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی محصل اپنی سالانہ رقوم کی متعین مقدار چند ماہ میں پورا کردے، تو اُس کو بقیہ ماہ بغیر محنت کیے گھر بیٹھے تنخواہ لینی درست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس محصل کی ماہانہ تنخواہ مقرر ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مدرسہ اُس سے اُس وقت میں عمل کا مطالبہ کرتا ہے، اور رقم کی تحدید محض اندازہ اور تخمینہ کے لئے ہوتی ہے؛ لہٰذا ایسے محصل کو چند ماہ میں رقم پوری کرکے بغیر کام کیے گھر بیٹھے تنخواہ حاصل کرنا جائز نہیں۔

وإذا وقعت على وقت معلوم، فتجب الأجرة بمضي الوقت الخ. (النتف في الفتاویٰ / كتاب الإجاره ۳۳۸، مطبوعه پاکستان بحواله: حاشية فتاویٰ محموديه ۵۳۰/۱۵ ڈابھیل)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۵/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سفیر کا صرف مخصوص اَیام میں چندہ کرکے پورے سال کی تنخواہ لینا؟

سوال (۶۰۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مقررہ سفیر جوکہ مدرسہ میں چندہ کرنے کے لئے مدرسہ کا تنخواہ دار ملازم ہے، اور صرف موقع بموقع مثلاً رمضان کے موقع پر یا گیہوں کی کٹائی کے موقع پر چندہ کرے اور باقی ایام خالی گھر بیٹھا رہے، تو ایسی صورت میں اس کے لئے مدرسہ سے تنخواہ وصول کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہمارے مدارس میں عام طور پر عرف یہی ہے کہ باقاعدہ تنخواہ دار سفیر سال بھر ہر مہینہ مدرسہ کے لئے سفارت کا کام کرتا ہے، اور اسی پر اسے ماہانہ تنخواہ دی جاتی ہے؛ لہٰذا اِس عرف کے رہتے ہوئے کسی شخص کا گھر بیٹھ کر مدرسہ سے تنخواہ لینا اور صرف خاص ایام میں مدرسہ کے لئے کام کرنا درست نہ ہوگا۔

الأجرة إنما تكون في مقابلة العمل. (شامي، كتاب النكاح / باب المهر، مطلب أنفق على معتدة الغير ٣٠٧/٤ زكريا)

لو عقدت الإجارة في أول الشهر لسنة تعتبر اثني عشر شهرًا. (شرح المجلة ٢٧٣/١ رقم المادة: ٤٩٢)

هٰذا ظاهر فيما إذا قدر لكل يوم درس فيه مبلغًا، أما لو قال يعطي المدرس كل يوم كذا فينبغي أن يعطي ليوم البطالة المتعارفة بقرينة ما ذكره في مقابله من البناء على العرف، فحيث كانت البطالة معروفة في يوم الثلاثاء والجمعة في رمضان والعيدين يحل الأخذ، وكذا لو بطل في يوم غير معتاد لتحرير درس إلا إذا نص الواقف على تقييد الدفع باليوم الذي يدرس فيه. (شامي / مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة ٥٦٨/٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۳/۶/۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خارجی اَوقات میں چندہ کرنے کی اُجرت؟

سوال (۶۰۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ فیض العلوم ضلع سیتا پور چند سالوں سے ترقی کی راہ پر گامزن ہے، اس وقت کچھ مسائل درپیش ہیں، اُمید ہے کہ حضرت والا توجہ فرما کر جلد حل فرما دیں گے۔

ایک عالم دین ممبئی کے ایک مدرسہ میں مدرس ہیں؛ لیکن ہمارے مدرسہ کے نہایت ہی خیرخواہ ہیں، وہ اپنے خارجی اَوقات میں اپنے احباب اور وہاں کے اہلِ خیر حضرات سے ہمارے مدرسہ کا فراہمی مالیہ کا کام بڑی توجہ اور دلچسپی سے کرتے رہتے ہیں، اَب اُن کی طرف سے مطالبہ ہے کہ میں اپنے خارجی اَوقات میں کافی محنت اور جستجو سے آپ کے مدرسہ کا مالیہ فراہم کرتا ہوں، آپ ہمیں ہماری محنت پر تنخواہ متعین کیجئے یا انعام طے کیجئے۔ تو دریافت یہ کرنا ہے کہ اُن کے لئے ذمہ دارانِ مدرسہ متفقہ طور پر اگر کوئی ضابطہ بنائیں، مثلاً اُن کی تنخواہ متعین ہوجائے اور فراہمی پر کچھ فیصد کا ضابطہ بنالیا جائے، تو کیا یہ جائز ہوگا؟ اور اگر جائز ہے تو تنخواہ ایام کارکردگی کی دی جائے یا پورے ماہ کی، یہ خوب واضح رہے کہ وہ فراہمی کا کام یا لوگوں کو متوجہ کرنے کا کام اپنے مدرسہ کے اوقاتِ تدریس کے علاوہ میں کرتے ہیں یا تعطیلات میں کرتے ہیں، شرعی حکم تحریر فرمائیں، یا آپ کی نظر میں کوئی دوسری جواز کی شکل ہو تو تحریر فرمائیں، مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں مذکورہ عالم صاحب کی تنخواہ متعین کی جاسکتی ہے، بشرطیکہ اُن کے کام کے اَوقات متعین کردئے جائیں، مثلاً مہینہ میں یا ہفتہ میں اتنے گھنٹے فراہمی کا کام کرنا ہے، اور آمدنی پر کمیشن متعین کرنا جائز نہیں یہ اجارۂ فاسدہ ہے؛ لیکن اگر وہ تنخواہ دار شخص فراہم کردہ ساری رقم اولاً مدرسہ کے فنڈ میں جمع کردے اور پھر مدرسہ خالص امدادی فنڈ سے حوصلہ افزائی کے طور پر اُس کو کچھ انعام دے تو اس کی گنجائش ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۵/ ۵۶۹ ڈابھیل، ایضاح النوادر ۲/ ۵۵)

وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين، ويعلم النفع ببيان المدة كالسكنى والزراعة مدة كذا. (شامي / كتاب الإجارة ۹/ ۷-۸ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۲/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دورانِ ملازمت دوسرے مدرسہ کا چندہ کرنا؟

سوال (۶۱۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: احقر جامعہ میں سفارت کا کام کرتا ہے اور چھٹی میں دوسرے مدرسہ کا بھی کام کرتا ہے، اور مدرسہ والوں کو جو سمجھ میں آتا ہے بغیر طے کئے کچھ رقم عنایت کردیتے ہیں، تو اِس رقم کا لینا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص کسی مدرسہ میں سفارت کے لئے باقاعدہ ملازم ہو، اس کے لئے مدرسہ والوں کی صراحۃً اجازت کے بغیر دوسرے مدرسہ کا چندہ کرنا قطعاً جائز نہیں؛ کیوں کہ مدارس کے عرف میں اس کو خیانت سمجھا جاتا ہے، اسی طرح دوسرے مدرسہ والوں سے معاوضہ لینا بھی اجارۂ فاسدہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۷۶۷)

وآجر المدة بأن استأجره للرعي شهرًا حيث يكون مشتركًا إلا إذا شرط أن لا يخدم غيره ولا يرعى لغيره، فيكون خاصًا، وليس للخاص أن يعمل لغيره الخ. (شامي ۹/ ۹۵-۹۶ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۶/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سفراء کا مدرسہ کے چندہ میں سے پیسہ بچاکر اپنے پاس رکھنا؟

سوال (۶۱۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: چند عالم زید، عمر اور بکر مدرسہ شمس العلوم کاشی پور کا چندہ کرتے ہیں، چندہ کرنے کے بعد اُن

حضرات نے کچھ تو چندہ ادا کر دیا ہے اور کچھ اپنے پاس ہی روک لیا ہے، ذمہ دارانِ مدرسہ کے بار بار اصرار وتقاضہ کے باوجود مدرسہ ہٰذا کی بقایا چندہ کی رقم آج تک جمع نہیں کی ہے، جب کہ یہ بقایا رقم اُن کے پاس کئی سالوں سے ہے، ایسی صورتِ حال میں مذکورہ حضرات سے مدرسہ کی بقایا رقم وصول کرنے کی شریعتِ مطہرہ کے اندر کوئی شکل ہے یا نہیں؟ نیز وہ بقایا رقم ادا نہیں کر رہے ہیں، تو کیا وہ ذمہ دارانِ مدرسہ اُن کے خلاف عدالتی قانونی کارروائی کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض ذمہ داران کا خیال ہے کہ عدالتی قانونی کارروائی کرنے سے علماء کرام اور مدرسہ کی بدنامی ہوگی، اِس لئے قانونی کارروائی نہ کی جائے؛ لہٰذا تفصیل سے جواب مطلوب ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برتقدیرِ صحتِ واقعہ مذکورہ افراد کا مدرسہ کی رقومات میں خیانت کا معاملہ کرنا انتہائی قابلِ مذمت ہے، مدرسہ اپنی رقم کو حاصل کرنے کے لئے ہر مؤثر طریقہ اپنانے کا مختار ہے، اگر عدالتی چارہ جوئی کے علاوہ کوئی شکل رقم واپسی کی نہ رہے، تو عدالت سے مدد لی جاسکتی ہے؛ تاہم ذمہ دارانِ مدرسہ اپنے گرد وپیش کے مصالح پیشِ نظر رکھ کر مؤثر کارروائی کریں، اور بااَثر افراد کو بیچ میں ڈال کر مدرسہ کے نقصان کی تلافی کی صورت نکالیں۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ [آل عمران، جزء آیت: ١٦١]

عن الفضل بن عبيد اللّٰه بن أبي رافع قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا صلى العصر ربما ذهب إلى بني عبد الأشهل فيتحدث حتى ينحدر للمغرب، قال: فقال أبو رافع: فبينا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم مسرعًا إلى المغرب إذ مر بالبقيع، فقال: "أف لک" مرتين، فكبر في ذرعي وتأخرت، وظننت أنه يريدني، فقال: "ما لک أمش" قال: قلت أحدثت حدثًا يا رسول اللّٰه! قال: وما ذاک؟ قلت: أففت بي، قال: لا؛ ولكن هٰذا قبر فلان بعثته ساعيًا على بني فلان، فغل

نمرة فلدرع الآن مثلها من نار. (المسند للإمام أحمد بن حنبل ٤٦٦/١٨ رقم: ٢٧٠٧٠ دار الحديث القاهرة)

عن عبد اللّٰه قال: من بنى في أرض قوم بغير إذنهم فله نقضه، وإن بنى بإذنهم فله قيمته. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب العارية / باب من بنى أو غرس في أرض غيره ٤٨٤/٨ رقم: ١١٦٨٣-١١٦٨٦، ١٦٨/٦ رقم: ١١٤٨٨ دار الحديث القاهرة)

لأن أمور المسلمين محمولة على الصلاح والسداد ما أمكن. (بدائع الصنائع ٥٢/٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۲/۵/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کا چندہ کر کے آئندہ ادا کرنے کی نیت سے اپنے استعمال میں لانا؟

سوال (۶۱۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک دینی مدرسہ کا طالبِ علم ہے، اُس نے کسی دینی اِدارہ کے لئے چندہ کیا، جس میں مدزکوٰۃ بھی شامل ہے، جب زید کے پاس ایک بڑی رقم جمع ہوگئی، تو زید نے اس رقم کو اپنے ذاتی استعمال میں لے لیا، اس نیت کے ساتھ کہ آئندہ میں انتظام کر کے ادا کروں گا، معلوم ہو کہ زید سید ہے۔ اَب جب کہ اس واقعہ کو چھ سال گذر چکے ہیں اور زید کے نصابی تعلیم سے فراغت میں تین سال باقی ہیں، اور تعلیم میں مشغولی کی وجہ سے کوئی شکل بظاہر اداءِ رقم کی نظر نہیں آتی، تو کیا زید اپنی تعلیم سے فراغت کے بعد اس مذکورہ رقم کی ادائیگی کرسکتا ہے؟ کیا شریعت کی رو سے زید کا ایسا کرنا درست ہے؟ کیا زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ادا ہوگئی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے اِدارہ کے لئے چندہ کر کے اس کو مدرسہ میں جمع نہ کر کے اپنے استعمال میں لاکر انتہائی خیانت کا معاملہ کیا ہے، جس کی وجہ سے زید خائن ہونے کے

ساتھ ساتھ اس رقم کا ضامن بھی ہوگیا، اب زید کے ذمہ دو کام لازم ہیں: (۱) خیانت کے گناہ سے توبہ (۲) اس رقم کا پورا پورا تاوان ادا کرنا، اور جب تک زید تاوان ادا نہیں کرتا، اس وقت تک سخت ترین گنہگار رہوگا، اور زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ کی ادائیگی بھی اس وقت تک موقوف رہے گی، جس کا بار بھی اس کے ذمہ ہوگا؛ لہٰذا تعلیم کے ختم کا انتظار کئے بغیر زید کو رقم کی ادائیگی کردینی چاہئے، چاہے کسی سے قرض لینا پڑے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِیْ اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهُ، وَلَا تَكْتُمُوْا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَاِنَّهُ اٰثِمٌ قَلْبُهُ، وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ﴾

[البقرة، جزء آیت: ۲۸۳]

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: خرجنا مع النبي صلى اللّٰه عليه وسلم إلى خيبر، ففتح اللّٰه علينا فلم نغنم ذهبًا ولا ورقًا غنمنا المتاع والطعام والثياب، ثم انطلقنا إلى الوادي ومع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عبدٌ له وهبه له رجل من جُذام يُدعى رفاعةَ بن زيد من بني الضُّبيب، فلما نزلنا الواديَ قام عبدُ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يحلُّ رحله فرُمي بسهمٍ، فكان فيه حتفه، فقلنا هنيئًا له الشهادة يا رسول اللّٰه! قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كلا والذي نفس محمد بيده إن الشملة لتلتهب عليه نارًا أخذها من الغنائم يوم خيبرَ لم تصبها المقاسم، قال: ففزع الناسُ فجاء رجل بشِراكٍ أو شراكين، فقال: يا رسول اللّٰه! أصبتُ يوم خيبر، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: شراک من نار أو شراكان من نارٍ. (صحيح مسلم ۷٤/۱)

عن ابن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: القتل في سبيل اللّٰه يُكفر الذنوب كلها إلا الأمانة، قال: يُؤتَى بالعبد يوم القيامة، وإن قتل في سبيل اللّٰه، فيقال: أدِّ أمانتک، فيقول: أي رب كيف؟ وقد ذهبت الدنيا، فيقال: انطلقوا به إلى

الهـاوية، فيُـنـطـلقُ به إلى الهاوية، وتمثَّلُ له أمانته كهيئتها يوم دُفعتُ إليه، فيراها فيعـرفهـا، فيهـوي فـي أثـرهـا حتى يُدركَها، فيحملُها على منكبيه حتى إذا ظنَّ أنه خـارجٌ، قلـتُ عـن منكبيه، فهو يهوي في أثرها أبد الآبدين، ثم قال: الصلاة أمانة، والوضوء أمانة، والوزن أمانة، والكيل أمانة، وأشياء عدَّدها، وأشد ذٰلک الودائع ، قـال يعـنـي زاذان: فـأتيت البراء بن عازب فقلت: ألا ترى إلى ما قال ابن مسعود؟ قـال: كذا، قال: صدق. أما سمعت اللّٰهَ يقول: ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا﴾ [الـنسـاء، جـزءآيت: ٥٨] (شعب الإيمان للبيهقي رقم: ٥٢٦٦، بحواله: الترغيب والترهيب مكمل، كتاب الأدب وغيره / الترغيب في إنجاز لوعد والأمانة الخ ص: ٦٢٧ رقم: ٤٥٣١ بيت الأفكار الدولية)

ولا يـخرج عن العهدة بـالـعزل؛ بـل بالأداء إلى الفقراء، فلو ضاعت لا تسقط عنه الزكاة. (شـامي، كتاب الزكاة / مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءاً ١٨٩/٣ زكريا، البحر الرائق ٢١١/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۲/۶/۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

محصلین کا کئی ماہ کی رُکی ہوئی تنخواہ چندہ میں سے وصول کرنا؟

سوال (۶۱۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض محصلین جن کی تنخواہیں کئی ماہ کی باقی رہتی ہیں وہ چندہ کی رقم سے محسوب کرکے ادا کرتے ہیں، اور بعض ذاتی کام میں لے لیتے ہیں، اور پھر اپنی تنخواہ میں کٹاتے رہتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محصلین پر لازم ہے کہ وہ اولاً کل حاصل کردہ رقم مدرسہ کے فنڈ میں جمع کرائیں، اُس کے بعد اپنی تنخواہ کا مطالبہ کریں، جمع کرائے بغیر بالا بالا چندہ کے مخلوط

روپئے سے اپنی تنخواہیں وصول کرنا یا اس رقم کو اپنے ذاتی کام میں خرچ کرنا جائز نہیں؛ بلکہ بددیانتی اور خیانت ہے، اور ذمہ دارانِ مدارس پر لازم ہے کہ وہ ملازمین کی تنخواہوں کی ادائیگی کی فکر رکھیں۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوْا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا﴾ [النساء، جزء آیت: ۵۸]

وفي الهندية: وأما حكمها فوجوب الحفظ على المودع، وصيرورة المال أمانة في يده، ووجوب أداءه عند طلب مالكه، والوديعة لا تودع ولا تعار ولا تؤاجر ولا ترهن، وإن فعل شيئًا منها ضمن. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الوديعة / الباب الأول في تفسير الإيداع والوديعة وركنها ٣٣٨/٤)

الوديعة أمانة في يد الوديع، فإذا هلكت بلا تعد منه وبدون صنعه وتقصيره في الحفظ لايضمن، ولكن إذا كان الإيداع بأجرة، فهلكت أو ضاعت بسبب يمكن التحرز عنه لزم المستودع ضمانها. (شرح المجلة لسليم رستم باز ٤٣١/١ رقم المادة: ٧٧٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۹/۵/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چندہ کی رقومات سے اساتذۂ کرام کے مکانات بنانا؟

سوال (۶۱۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے مدرسہ کے اساتذۂ کرام مع اہلِ خانہ سکونت کے لئے مدرسہ کی چھت پر مکانات کی تعمیر کا اِرادہ ہے، کیا شریعت اس کی اِجازت دیتی ہے یا نہیں؟ نیز یہ بھی واضح فرمادیں کہ درس گاہوں کی چھت پر ان مکانات کی تعمیر کا جو حکم ہوگا، کیا مطبخ کی چھت پر تعمیر کا بھی وہی حکم ہے؟ یا دونوں میں فرق ہے؟ نیز مذکورہ مکانات کی تعمیر مدرسہ کے چندہ کی رقم سے کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اَساتذہ کے لئے اہلِ خانہ کے ساتھ رہائش کا انتظام

بھی مدرسہ کی ضرورت میں سے ہے، اس لئے اِس مقصد سے مدرسہ کی حدود میں مدرسہ کی زمین پر اِمدادی رقومات سے مکانات کی تعمیر شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، اوران کی تعمیر درس گاہوں کی چھت پر ہو یا اور کسی جگہ پر ہو، سب کا حکم یکساں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱/۵۲۶، ۱۴/۱۶۸)

لـو بنى فوقه بيتًا للإمام لايضر؛ لأنه من المصالح. (الدر المختار ۵۴۸/۶ زكريا، البحر الرائق ۴۲۱/۵ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۷/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بندھے نوٹ لاکر دینے کے وعدہ پر چندہ دہندہ کا سفیر سے کھلے پیسے لے کر فرار ہوجانا؟

سوال (۶۱۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مدرسہ نے زید کو فراہمی مالیہ کے لئے ممبئی بھیجا، دورانِ سفر ایک اجنبی شخص سے ملاقات ہوئی، اُس نے سلام کے بعد اپنا تعارف کرایا، اور اس نے یہ ظاہر کیا کہ وہ ایک صاحبِ نصاب دین دار اور مخیّر آدمی ہیں، اور یہ کہا کہ میں مدرسہ کا تعاون کرنا چاہتا ہوں، اس سلسلہ میں آپ میرے ساتھ میری رہائش پر چلیں، زید چوں کہ مالیہ کے سلسلہ میں نکلا تھا، اس کے ساتھ چل دیا، اپنی رہائش گاہ کا جو پتہ بتایا تھا، اس کے قریب ہی ایک جگہ بیٹھا دیا، اور یہ کہا کہ میں ابھی رقم لے کر آتا ہوں، تھوڑی دیر کے بعد وہی شخص آیا، اور اس نے یہ کہا کہ اس وقت گھر میں تالا پڑا ہے، والدہ نہیں قریب میں واقع بہن کے مکان میں گئی ہیں، میں ابھی چابی لے کر آتا ہوں، تھوڑی دیر کے بعد وہی شخص آیا اور کہنے لگا کہ بہن نے یہ رقم فطرہ کی مد میں دی ہے، اس کی رسید بنادیں، زید نے رسید بنا کر وہ رقم وصول کرلی، پھر یہ کہنے لگا کہ مولانا صاحب کچھ ٹوٹے پیسے دے دیں، بہن کو عید کے موقع کے لئے کچھ تحفہ دینا ہے، اور میں ابھی یہ رقم اور مدرسہ کے تعاون والی رقم بڑے نوٹ کی شکل میں دے دوں گا، زید نے جتنے چھوٹے نوٹ تھے وہ دے دیئے، اور چلتے ہوئے اس نے یہ بھی کہا

کہ بہن نے کہا تھا سات سو روپئے مدز کوٰۃ کی بھی رقم ہے رسید بنا دیں، میں ابھی تھوڑی دیر کے بعد ساری رقمیں بڑے نوٹوں کی شکل میں دے دوں گا، یہ کہہ کر وہ شخص چلا گیا، کافی انتظار کے بعد بھی واپس نہیں ہوا، تو کیا ان رقموں کا واپس کرنا ضروری ہے، اس سلسلہ میں شرعی حکم کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اگر چہ آپ کو دھوکہ دیا گیا؛ لیکن اس دھوکہ کی پاداش میں جو نقصان ہوا، اس کو مدرسہ کے فنڈ سے پورا نہیں کیا جاسکتا، یہ نقصان خود آپ کو برداشت کرنا ہوگا۔

وإن حفظها بغیر هم ضمن. (الدر المختار مع الشامي ٤٥٦/٨ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۱/۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سفیر کا چندہ وصول کر کے دوسرے مدرسہ یا محلّہ کے غرباء پر خرچ کرنا؟

سوال (٦١٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا مدرسہ کا سفیر جو مدرسہ کا ملازم بھی ہے اور فراہمی مالیہ کے لئے سفر کرتا ہے، اس کو یہ حق حاصل ہے کہ اس مدرسہ کے نام پر وصول کیا ہوا چندہ کسی دوسرے مدرسہ کو یا غرباء فقراء کو دیدے؟ یا اپنے مصرف میں استعمال کرے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کا سفیر جس مدرسہ کی فراہمی مالیہ کے لئے سفر پر گیا ہے، اس کو ہرگز یہ حق نہیں ہے کہ وہ حاصل کردہ چندہ کو کسی دوسرے مدرسہ یا غرباء پر خرچ کرے، یا اپنے ذاتی استعمال میں لائے، اگر وہ ایسا کرے گا تو شرعاً خائن شمار ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲۲۴/۱۲، ۱۱۲/۱۶، ۹۰/۱۷، فتاویٰ رحیمیہ ۱۶۴/۵)

ولا یجوز نقله ونقل ماله إلی مسجد آخر، سواء کانوا یصلون فیه أولا،

وهو الفتویٰ. (شامي / مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره ٥٤٨/٦ زكريا)

وعامل فيعطى بقدر عمله ما يكفي وأعوانه بالوسط، وتحته في الشامي: فيحرم أن يتبع شهوته في المأكل والمشرب؛ لأنه إسراف محض. (شامي / باب المصرف ٢٨٦/٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۷/۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَمین نے اَمانت کا پیسہ دوسرے مدرسہ کی ضروریات میں صرف کردیا؟

سوال (۷۱۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ کے سفیر نے مدرسہ کے نام پر رقم وصول کی، وصول کردہ رقم کسی کے پاس جمع کردی؛ تاکہ وہ شخص مدرسہ کو بھیج دے، کیا اس شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ بجائے اس مدرسہ کے کسی اور مدرسہ کو یا غرباء کو دیدے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس شخص کے پاس مدرسہ کی اَمانت جمع کی گئی ہے، اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کسی دوسرے مدرسہ یا ضرورت مند کو مذکورہ رقم دے، ورنہ وہ خیانت کرنے والا شمار ہوگا۔ اُس پر لازم ہے کہ جس مدرسہ کے نام پر رقم وصول کی ہے وہیں لاکر جمع کرے۔

وأما بيان حكم العقد فحكمه لزوم الحفظ للمالک؛ لأن الايداع من جانب المالک استحفاظ، ومن جانب المودع التزام الحفظ، وهو من أهل الالتزام فيلزمه - إلى قوله - وأما بيان حال الوديعة فحالها أنها في يد المودع أمانة؛ لأن المودع مؤتمن، فكانت الوديعة أمانة في يده، ويتعلق بكونها أمانة أحكام - إلى قوله - ومنها: ترک الحفظ للمالک بأن خالفه في الوديعة بأن

كانت الوديعة ثوبا فلبسه – إلى قوله – ومنها الاتلاف حقيقة، أو معنىً وهو إعجاز المالک عن الانتفاع بالوديعة؛ لأن إتلاف مال الغير بغير إذنه سبب لوجوب الضمان. (بدائع الصنائع ٥/٨ ٣٠-٣١٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۷/۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سفیر پر جعل اور خیانت کا الزام لگا کر رسید بک اور پیسہ چھیننا؟

سوال (۲۱۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے شہر اورنگ آباد مہاراشٹر میں ایک صاحب نے اپنی خودساختہ غیر معقول کسوٹی پر مدارس اور مساجد کے سفراء کو بوگس قرار دے کر اور اُن پر دباؤ ڈال کر اُن کی وصول کی ہوئی رقم اور رسید بک چھین لئے، اور اپنے مکان میں رکھ دیا، جن سفراء کے ساتھ یہ ناگوار واقعہ پیش آیا، انہوں نے کہا کہ آپ کو ہم پر اعتماد نہیں تو براہِ راست مہتمم یا ناظم مدرسہ سے رابطہ قائم کرکے اپنے شکوک وشبہات کو دور کریں، اور غصب کی ہوئی رقم اور رسیدات کو متعلقہ مدرسہ کو خود وہاں پہنچ کر دیں، یا کسی کے ذریعہ بھیج دیں۔ اب استفتاء یہ ہے کہ رقم اور رسید بک چھین کر اپنے گھر میں رکھنے والے صاحب مذکورہ دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت اختیار نہیں کرتے، تو ایسی صورت میں رقم اور رسید بک اپنے پاس رکھنا شرعی نقطہ نظر سے کہاں تک درست ہے؟ جب کہ اس بات کا قوی احتمال ہے کہ اس شخص کے انتقال کے بعد اُس کے وارثین تقسیم کرلیں گے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلا کسی دلیل کے کسی سفیر کو جعلی قرار دینا اور اُس پر خیانت کا الزام لگانا قطعاً جائز نہیں ہے، نیز اِس طرح کا الزام لگا کر رقم اور رسید بک قبضہ میں کرلینا بھی ناجائز عمل ہے، ایسے شخص پر لازم ہے کہ وہ ضبط کردہ رقم اور رسید بکیں فوری طور پر متعلقہ مدرسہ میں داخل کرائے، اگر یہ رقم داخل نہیں کی گئی تو وہ عند اللہ مؤاخذہ دار رہے گا۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: المسلم أخو المسلم، لا يظلمه ولا يخذله ولا يحقره، التقوىٰ هٰهنا، يشير إلى صدره ثلاث مرات، بحسب امرئ من الشرّ أن يحقر أخاه المسلم، كل المسلم على المسلم حرام، دمه وماله وعرضه. (صحيح مسلم ٣١٧/٢، وكذا في السنن الكبرىٰ للبيهقي ١٥٣/٦ رقم: ١١٤٩٦ دار الكتب العلمية بيروت)

عن سمرة بن جندب رضي الله عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: على اليد ما أخذت حتى تؤدى. (مشكاة المصابيح ٢٥٥/١، السنن الكبرىٰ للبيهقي / باب رد المغصوب ١٥٨/٦ رقم: ١١٥١٩ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/۱۱/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَلیکشن میں اُمیدوار سے مسجد یا مدرسہ کے لئے چندہ لینا؟

سوال (۶۱۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید اَلیکشن میں کھڑا ہونا چاہتا ہے، وہ گاؤں والوں سے کہتا ہے کہ تم لوگ مجھے الیکشن میں کامیاب بنادو، میں مسجد یا مدرسہ کو اتنے لاکھ روپئے دوں گا، چاہے یہ رقم مجھ سے پہلے لے لو، زید وہ رقم مثلاً چار پانچ لاکھ روپئے گاؤں والوں کے حوالہ کرتا ہے، گاؤں والے وہ رقم حامد کے پاس الیکشن تک کے لئے جمع کرتے ہیں۔

مسئلہ دریافت یہ کرنا ہے کہ زید کی دی ہوئی رقم مسجد یا مدرسہ میں استعمال ہوسکتی ہے یا نہیں؟ نیز وہ رقم حامد کے پاس رکھی گئی ہے، حامد کو وہ رقم اپنے پاس رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ووٹ دینے کے عوض مسجد کے لئے اُمیدوار سے باقاعدہ رقم لینا شرعاً درست نہیں ہے، اور اس میں دیگر مفاسد بھی پائے جاتے ہیں؛ اِس لئے کہ جو

اُمیدوار رقم خرچ کرے گا وہ کامیاب ہونے کے بعد اپنے روپئے کے بل بوتے پر مسجد کے معاملات میں خواہ مخواہ دخل دینے کی جسارت کرے گا، جو ایک مستقل فتنہ ہے؛ لہٰذا اِس طرح کی رقومات مسجد و مدرسہ کے لئے نہیں لینی چاہئے، ہاں اگر بعد میں کوئی خوشی سے بنیت ثواب مسجد کا تعاون کرے تو اُس میں حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱/۵۰۸، امداد المفتیین ۸۹۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۷/۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چندہ کا پیسہ چوری ہوگیا؟

سوال (۶۲۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں ایک مدرسہ کا مدرس ہوں اور ہر سال ماہِ رمضان المبارک میں بغرضِ فراہمی سرمایہ کے لئے اِدارہ کی جانب سے سفر پر جاتا رہتا ہوں، مگر اس دفعہ جب سفر سے واپسی پر آرہا تھا، تو میرے ساتھ ایک حادثہ ہوگیا جو درج ذیل ہے: وہ یہ کہ میں ٹیکسی کے ذریعہ ''اوبرا'' سے ''چوپن'' آیا، پھر ''چوپن'' سے بذریعہ بس ''راورٹس گنج'' اُترنے کا ارادہ تھا، بس میں کافی بھیڑ تھی، سیٹ نہ ملنے کی وجہ سے میں کھڑا تھا، یکایک ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے کپڑے کا جھٹکا میرے منہ کی جانب دیا اور فوراً میری آنکھ سے کافی پانی نکلنے لگا، آنکھ ملتے ملتے میں اسی جگہ بیٹھ گیا، پھر کھڑا ہوگیا، پھر فوراً ہی میرے سر میں شدید درد ہونے لگا، یہاں تک کہ ہوش وحواس کھو بیٹھا، کچھ دیر بعد جب ہوش درست ہوئے تو پیسہ کی طرف میرا دھیان گیا، مگر پیسہ میرے پاس سے غائب تھا، اب ''راورٹس گنج'' کون اترتا ہے؟ سیدھے بنارس آیا اور وہاں سے سیدھے مدرسہ کے ناظم اعلیٰ کے پاس آکر پوری تفصیل بیان کردی، روپیہ میرے پاس وہی تھا جو میں نے وصول کیا تھا، اَب اس امر میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ مدلل ومفصل بیان فرمائیں۔

نیز جو رقم ادارہ کے لئے وصول ہوئی تھی وہ میرے پاس سے غائب ہوگئی ہے، اس رقم کو ادارہ لینے کا حق دار ہے یا نہیں؟ یا انتظامیہ کمیٹی وہ رقم وصول کرے، تو ایسا کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں مدرسہ کی وصول شدہ رقم جو آپ کے پاس سے بلا تعدی ضائع ہوگئی ہے، اُس کا ضمان آپ پر لازم نہیں ہے، اور نہ اہل مدرسہ آپ سے اس کا مطالبہ کرنے کے حق دار ہیں۔

وإن سرقت الوديعة عند المودع ولم يسرق معها مال اٰخر للمودع لم يضمن عندنا. (الفتاویٰ الهندية ٣٤٦/٤)

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: ليس على المستعير غير المغلّ ضمان، ولا على المستودع غير المغلّ ضمان. (سنن الدارقطني / كتاب البيوع ٣٦/٣ رقم: ٢٩٣٩)

عن جابر رضي اللّٰه عنه أن أبابكر الصديق رضي اللّٰه عنه قضىٰ في وديعة كانت في جراب، فضاعت من خرق الجراب، أن لا ضمان فيها. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الوديعة / باب لا ضمان على مؤتمن ٤١٣/٩ رقم: ١٢٩٦٧)

البتہ جو رقم زکوٰۃ وصول کی تھی اس کی ادائیگی میں تامل ہے، حضرت تھانویؒ کے فتاویٰ سے مسئولہ صورت میں عدم ادائیگی کا حکم معلوم ہوتا ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۲؍۴۰-۵۶) اِس لئے اگر ممکن ہو تو بہتر یہ ہے کہ چندہ دہندگان کو اُن کی رقم کی گمشدگی کی اطلاع دے دیں؛ تاکہ وہ زکوٰۃ دوبارہ ادا کریں۔ جب کہ بعض مفتیان کے نزدیک ضیاع کے باوجود چندہ دہندگان کی زکوٰۃ ادا مانی جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۲؍۱۲؍۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چندہ کی رقم سفیر سے ضائع ہوگئی

سوال (۶۲۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید مدرسہ کے چندہ کے لئے گیا تھا، سفر میں رقم نکل چکی تھی، زید نے جب دیکھا تو چندہ کی رقم

نہیں تھی، زید کی جب واپسی ہوئی تو مدرسہ حاضر ہونے پر ذمہ دار حضرات کو بتایا تو زید پر یقین نہیں کررہے تھے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ زید کی تنخواہ کی کچھ رقم مدرسہ میں رکھی ہے، ناظم صاحب کا کہنا ہے کہ آپ کی تنخواہ میں سے مدرسہ کی رقم کٹتی رہے گی ، اِس بات پر زید نے کچھ بھی جواب نہیں دیا، زید غریب ہے کوئی دوسری آمدنی نہیں ہے، اس مسئلہ پر غور فرمائیں کیا یہ رقم تنخواہ میں سے کٹنی چاہئے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بلاتعدی زکوٰۃ کی رقم سفیر سے ضائع ہوئی ہے تو اُس پر شرعاً کوئی ضمان لازم نہیں ہے، اِس رقم کو تنخواہ سے کاٹنے کی اِجازت نہیں، مہتمم کو اِس بنیاد پر تنخواہ میں کٹوتی نہ کرنی چاہئے۔

إذا ضاعت الأمانة في يد المودع بغير صنعه لا يضمن. (بدائع الصنائع / كتاب الوديعة ٢١١/٦ كراچی، شرح المجلة، الكتاب السادس في الأمانات / الباب الأول ٢٦/١ ٤ رقم المادة: ٧٦٨ إتحاد بك ڈپو ديوبند)

والمتاع أمانة في يده؛ فإن هلک لم يضمن شيئاً. (الهداية ٣٩٢/٣، الفتاوىٰ الهندية ٣٤٦/٤، الجوهرة النيرة ٣٥/٢)

اور سفیر کے قبضہ میں آکر ضیاع کے باوجود معطین کی زکوٰۃ ادا مانی جائے گی؛ کیوں کہ انتظامیہ معطین اور طلبہ دونوں کی وکیل سمجھی جاتی ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۵۲/۲)

إن الوكيل متصرف بطريق النيابة عن المؤكل وتصرف النائب تصرف المنوب عنه. (بدائع الصنائع / كتاب الوكالة ٣٣/٦ كراچی، الهداية / كتاب الوكالة ١٧٩/٣)

إن المقبوض في يد الوكيل بجهة التوكيل بالبيع والشراء وقبض الدين والعين وقضاء الدين أمانة بمنزلة الوديعة. (بدائع الصنائع / كتاب الوكالة ٣٤/٦، المحيط البرهاني، كتاب الوكالة / الفصل الثالث والعشرون في الوكالة ١٧٧/١٥ المجلس العلمي ڈابهيل)

الزكاة هي تمليك خرج الإباحة فلو أطعم يتيمًا ناويًا به الزكاة لا تجزيه إلا إذا دفع إليه المطعوم كما لو كساه بشرط أن يعقل القبض. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الزاة ۲۷/۲ كراچی، البحر الرائق / كتاب الزكاة ۲۰۱/۲، سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر / كتاب الزكاة ۲۸٤/۱ دار الكتب العلمية بيروت)

قوله خرج الإباحة: أي فلا تكفي فيها فيها، قوله إذا دفع الخ: بقيدهما إذا لم يكن أبوه غنيًا؛ لأنه يعد غنيًا لغنى أبيه ومنه علم أنه لا يشترط في المدفوع إليه البلوغ؛ بل ولا العلقل؛ لأن تمليك الصبي صحيح؛ لكن إن لم يكن عاقلاً؛ فإنه يقبض عنه وليه أو أبوه أو من يعوله قريبًا أو اجنبًا أو الملتقط، وإن كان عاقلاً فقبض من ذكر، وكذا قبضه بنفسه. (طحطاوي على الدر المختار / كتاب الزكاة ۳۸۸/۱ دار المعرفة بيروت، البحر الرائق / كتاب الزكاة ۲۰۱/۲ كوئٹه) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۱۱/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جیب سے مدرسے کی رقم چوری ہوگئی

سوال (۶۲۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے مدرسے کے ایک سفیر صاحب سے سفر کے دوران اُن کا موبائل گم ہوگیا، وہ گم شدہ موبائل کی رقم مدرسے سے مطالبہ کرتے ہیں، نیز ان کے ذریعہ نکالی گئی رقم یعنی جیب کتروں کی چوری کی گئی رقم کی معافی چاہتے ہیں، بیان شافی سے نوازا جائے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موبائل چوں کہ سفیر صاحب کا ذاتی تھا اس لئے گم شدہ موبائل کی رقم کا مطالبہ مدرسے سے نہیں کیا جاسکتا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴۷۰/۱۵ ڈابھیل)

البتہ مدرسہ کے چودہ سو روپئے جو اُن کی جیب میں تھے رہ گئے، اگر وہ مدرسہ کے بینک

کھاتے میں منتقل کرنے کا موقع نہ مل سکنے کی بنیاد پر جیب میں رہ گئے، اور سفیر کی طرف سے تعدی کے بغیر ضائع ہوگئے، اور اُن کی حفاظت میں سفیر صاحب سے کوئی قصور نہ ہوا، تو اگر ذمہ دارانِ مدرسہ کو سفیر صاحب کے بیان پر اطمینان ہو، تو ایسی صورت میں اس رقم کا ضمان سفیر پر نہ آئے گا۔ (کفایت المفتی ۱۲۸/۸)

إن الضمانات في الذمة لا تجب إلا بأحد الأمرين إما بأخذ أو بشرط، فإذا عدما لم تجب. (قواعد الفقه ص: ۱۵ بحواله: فتاویٰ محمودیه ۱۵/ ۴۷۰ ڈابھیل)

من أخذ مال غيره لا على وجه إذن الشرع فقد أكله بالباطل. (تفسير القرطبي ۳۳۸/۲ بيروت)

الوديعة أمانة في يد الوديع، فإذا هلكت بلا تعد منه وبدون صنعه وتقصيره في الحفظ لايضمن، ولكن إذا كان الإيداع بأجرة، فهلكت أو ضاعت بسبب يمكن التحرز عنه لزم المستودع ضمانها. (شرح المجلة لسليم رستم باز ۴۳۱/۱ رقم المادة: ۷۷۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۷/۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کا موبائل سفیر سے غائب ہونے پر ضمان واجب ہوگا؟

سوال (۶۲۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک صاحب مدرسہ کی فراہمی میں تھے بار بار کال آنے کی وجہ سے آٹو پر سواری کی حالت میں موبائل ہاتھ پر رکھ لیا؛ تاکہ آواز سنائی دے سکے، آٹو سے اترتے وقت وہ موبائل ہاتھ سے گر گیا اور پتہ نہیں چلا، جب بعد میں موبائل جیب میں نہیں ملا تو یاد آیا کہ آٹو سے اترتے ہوئے گر گیا، ابتداءً دوسرے موبائل سے دیکھا گیا تو دو مرتبہ گھنٹی بجی، اور تیسری مرتبہ آواز بند ہوگئی، اور اس طرح حصول یابی نہیں ہوسکی، جب کہ وہ موبائل مدرسہ کی ملک تھی، کیا سفیر صاحب کو اس کا

تاوان دینا ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں موبائل مدرسہ کی طرف سے اَمانت تھا، جو سفیر صاحب کی غفلت کی وجہ سے غائب ہوا ہے؛ لہٰذا اُس کا ضمان سفیر صاحب پر واجب ہوگا، مدرسہ اُس کا ذمہ دار نہ ہوگا۔

و لو قال: وضعتها بين يدي و قمت نسيتها فضاعت يضمن. (بزازية ٦/٢٠٠)

مودع قال: وضعت الوديعة بين يدي ثم قمت فنسيتها فضاعت كان ضامنًا. (خانية على هامش الهندية ٣/٣٧٧ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۷/۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کی آمدنی اور مصارف

مدرسہ کی رقومات کو کس طرح خرچ کیا جائے؟

سوال (۶۱۲۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ کے اندر جو چندہ کا مال آتا ہے، اُس کا مالک کس کو بنایا جائے؟ اور خرچ کا طریقہ کیسے اختیار کیا جائے؟ بغیر مالک بنائے اور بغیر کوئی تدبیر کے اس مال کو خرچ کرنا درست ہے یا نہیں؟ نیز تدبیر کی صورت بھی متعین کی جائے اور آپ کے یہاں تدبیر کی کیا صورت اختیار کی جاتی ہے، اس کو بھی بتادیا جائے، اور بندہ کی اس معاملہ میں رہنمائی فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ میں جو رقومات آتی ہیں، اُن میں سے امدادی رقومات کو مدرسہ کے ذمہ داران حسبِ ضرورت مدرسہ کی کسی بھی مد میں لگا سکتے ہیں؛ لیکن جو زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ کی رقومات ہیں، اُنہیں تعمیر یا تنخواہ وغیرہ میں براہِ راست خرچ کرنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ انہیں زکوٰۃ کے مصارف ہی میں خرچ کرنا ضروری ہے، مثلاً نادار بچوں کے لئے کھانے اور وظیفہ کا نظم وغیرہ۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْعَامِلِيْنَ﴾ [التوبة، جزء آيت: ٦٠]

ويشترط أن يكون الصرف تمليكًا، لا يصرف إلى بناء مسجد كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد، وكل مالا تمليك فيه. (شامي / باب المصرف ٢٩١/٣ زكريا)

الزكاة تمليك جزء مال عينه الشارع من مسلم فقير. (شامي / كتاب الزكاة ۱۷۱/۳-۱۷۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۶/ ۱۴۳۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کے نام پر وصول کیا ہوا چندہ کس جگہ خرچ کیا جائے؟

سوال (۶۲۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: چند حضرات نے ایک محلّہ میں مدرسہ قائم کرنے کے لئے عید کے دن عیدگاہ میں چندہ کیا، بعد میں کچھ اسباب ایسے بنے کہ وہ مدرسہ قائم نہیں ہوسکا، اور نہ ہی آئندہ امید ہے۔ اِس جمع شدہ رقم کا کیا کیا جائے؟ کیا اس کو غریب مسلمانوں کی امداد میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اِس رقم کو کسی قریبی مستحق تعاون مدرسہ میں وہاں کے ذمہ دار علماء اور باأثر حضرات کی موجودگی میں دے دیا جائے، اور بہتر ہے کہ عام اعلان کردیا جائے کہ جمع شدہ رقم فلاں جگہ صرف کی جارہی ہے؛ تاکہ بعد میں کوئی فتنہ نہ ہو۔

يصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجدٍ أو رباطٍ أو بئرٍ. (الدر المختار ۵۴۹/۶ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۱۱/۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طلبہ کے نام پر آئی ہوئی رقم کو دوسرے مصرف میں استعمال کرنا؟

سوال (۶۲۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایسی رقم جو سرکار کی طرف سے صرف طلبہ کے وظیفہ کے طور پر آتی ہے، کیا ذمہ داران کے لئے جائز ہے کہ وہ اس رقم کو طلبہ کو دینے کے بجائے کسی اور مصرف میں خرچ کریں؟ اور طلبہ کے

مطالبہ پر ان کو گالیاں دیں، اور ڈرا دھمکا کر اس رقم کے مطالبہ سے باز رکھنے کی کوشش کریں؟ یا نابالغ طلبہ کی رسید بنادیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اہلِ مدارس اس رقم کو طلبہ پر خرچ کرنے میں سرکار کی طرف سے وکیل ہیں، وہ اس رقم کو طلبہ کے وظائف کے علاوہ کسی اور مصرف میں خرچ کرنے کے مجاز نہیں ہیں، یہ پوری رقم انہیں طلبہ تک پہنچانی لازم ہے، اس رقم میں کٹوتی کرنا اور کم رقم دے کر زیادہ پر دستخط لینا یہ سب اُمور ناجائز اور لائقِ مذمت ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لتؤدن الحقوق إلى أهلها ...... الخ. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الغصب / باب تحريم الغصب الخ ١٥٥/٦ دار الكتب العلمية بيروت، ١٧٤/٦ رقم: ١١٥٠٥ دار الحديث القاهرة)

عن عبد اللّٰه بن السائب عن أبيه عن جده رضي اللّٰه عنه أنه سمع النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: لا يأخذ أحدكم متاع أخيه ...... الخ. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الغصب / باب تحريم الغصب ١٥٤/٦ دار الكتب العلمية بيروت، ١٧٢/٦ رقم: ١١٤٩٩ دار الحديث القاهرة) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۸/۹/۱۴۱۷ھ

غیر مصرف میں خرچ کیا ہوا پیسہ مدرسہ کو واپس دلانا کارِثواب ہے

سوال (۶۲۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی مدرسہ کے مدرسین نے مدرسہ کا روپیہ ناجائز صرف کیا اور کوئی شخص مدرسین سے یا اُن کے ہم نواؤں سے خوشامد، منت سماجت کرکے مدرسہ کو روپیہ واپس کرادے اور مدرسین باحیثیت ہیں روپیہ واپس کر سکتے ہیں، آیا کوشش کرنے والا شخص مستحق ثواب ہے یا نہیں اور کوشش کرے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کی رقومات واپس دلانے والا شخص مستحق ثواب ہوگا، اسے حتی الامکان اِس معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدۃ، جزء آیت: ۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۳/۷/۱۴۱۱ھ

مسجد ومدرسہ کی کسی چیز سے ذاتی فائدہ اٹھانا؟

سوال (۶۲۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسجد ومدرسہ کی کسی چیز سے اپنا ذاتی طور پر فائدہ اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد یا مدرسہ کی کسی بھی چیز سے بلا استحقاق اپنا ذاتی فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر استحقاق ہو، مثلاً امام کی تنخواہ کے ساتھ یہ طے کیا گیا ہو کہ وہ مسجد کے کمرے میں رہے گا، اور مسجد کی بجلی اور پانی استعمال کرے گا، تو ایسی صورت میں امام کے لئے اِن چیزوں سے انتفاع جائز ہے۔

متولی المسجد لیس له أن یحمل سراج المسجد إلی بیته. (الفتاویٰ الهندیة ۲/۴۶۲)

ویبدأ من غلته بعمارته ثم ما هو أقرب لعمارته، کإمام مسجد ومدرس مدرسة یعطون بقدر کفایتهم، ثم السراج والبساط کذلک إلی آخر المصالح.

(الدر المختار، کتاب الوقف / مطلب: یبدأ من غلة الوقف بعمارته ۶/۵۵۹-۵۶۰ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۴/۸/۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کا پیسہ مدرس کے ذاتی مقدمہ میں خرچ کرنا؟

سوال (٦٢٩): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں بستی میں ایک دینی مدرسہ ہے، مدرسہ کے متعلق بستی میں دو پارٹی ہیں، ایک مدرسہ کی مخالف دوسری موافق، مخالف پارٹی آئے دن مدرسینِ مدرسہ کو پریشان کرتی رہتی ہے؛ تاکہ پریشان ہوکر مدرسہ چھوڑ دیں، مدرسہ کی ترقی ختم ہو اور اقتدار ہمارے ہاتھ میں آئے، اِسی طرح کئی سال گذر گئے، اتفاقی بات ایک مدرس کے والد صاحب سے مخالف پارٹی کے ایک شخص کا گھریلو معاملہ میں ایک جگہ پر جھگڑا ہو جاتا ہے، اور یہ جھگڑا کافی پرانا ہے، مدرسہ کا مدرس بننے سے پہلے ہی سے چلا آرہا ہے، اس مرتبہ مخالف پارٹی نے مل کر جھگڑے کو بہت طول دیا، یہاں تک کہ مدرس صاحب کے پیچھے قتل کیس کا جھوٹا مقدمہ بھی لگایا، یہ اس وجہ سے کہ مدرسین پریشان ہوں اور مدرسہ چھوڑ دیں۔

قابلِ سوال بات یہ ہے کہ اس مقدمہ میں مدرسین نے مدرسہ ہٰذا کا روپیہ لگایا ہے، جب کہ جھگڑا مدرس بننے سے پہلے سے چلا آرہا ہے، مدرسین فرماتے ہیں کہ اُنہوں نے مجھے نکالنے کی وجہ سے قتل کا مقدمہ لگایا ہے، آیا اُن کا یہ کہنا اور مدرسہ کا روپیہ صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ جھگڑا اُن کا ذاتی تھا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال کے مندرجات اگر صحیح اور مبنی برحقیقت ہیں تو مدرسین مذکور کا اپنے ذاتی قضیہ میں مدرسہ کا روپیہ خرچ کرنا شرعاً درست نہیں ہے، وہ روپیہ مدرسہ کو لوٹانا لازم ہے، کمیٹی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ مدرسہ کا پیسہ غیر مصرف میں صرف کرے۔

الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء؟ قيل: لا يصرف وإنه صحيح، ولكن يشتري به مستغلاً للمسجد، كذا في المحيط. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الوقف / الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني ٤٦٣/٢ زكريا، وكذا في الفتاویٰ

التاتارخانية، كتاب الوقف / مسائل وقف المسجد، قيم المسجد ٥/ ٨٦١ إدارة القرآن كراچی)

وإذا أراد أن يصرف شيئًا من ذٰلک إلى إمام المسجد أو إلى مؤذن المسجد، فليس له ذٰلک، إلا إن كان الواقف شَرَط ذٰلک في الوقف، كذا في الذخيرة.

(الفتاوىٰ الهندية، كتاب الوقف / الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني ٢/ ٤٦٣ زكريا)

والصواب أن المراد من العشر أجر المثل، حتى لو زاد على أجر مثله رد الزائد كما هو مقرر معلوم. (شامي، كتاب الوقف / مطلب: المراد من العشر للمتولي أجر المثل ٤/ ٤٣٦ كراچی، ٦/ ٦٥٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۷/۱۴۱۱ھ

حکومت سے ملی ہوئی رقم کو عمارت اور تنخواہ میں صرف کرنا؟

سوال (٦٣٠): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مدرسہ میں تعلیم ابتداء سے ناظرہ، حفظ، اردو ہندی اور پرائمری تک ہے، اس مدرسہ میں دوسرے ممالک یا ہندوستان گورنمنٹ کی طرف سے عمارت ودیگر دست کاری کے لئے مثلاً کپڑا بنائی، کپڑا کڑھائی، دستاویزیں، پینٹنگ طلبہ کو سکھانا شرط ہے، اِس شعبہ کو قائم کرکے روپیوں کا لینا اور مدرسین وملازمین وعمارت پر صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: حکومت سے ملی ہوئی اِمدادی رقم عطیہ ہے، اُسے اِدارہ کی ہر ضرورت میں خرچ کیا جاسکتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ٦/ ۲۴۷)

لیکن اِس کا اطمینان کرلیا جائے کہ اس سرکاری امداد سے مدرسہ کی خودمختاری اور آزادی پر کوئی آنچ نہ آئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۷/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کی آمدنی سے نیچے مارکیٹ اور اوپر مدرسہ قائم کرنا؟

سوال (۶۳۱):-کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: محلّہ اَصالت پورہ ڈیر والی مسجد کے آگے کے حصہ میں پانچ دوکانیں اَب سے تقریباً بیس سال پہلے چندہ کرکے تعمیر کی گئیں، اور یہ کہہ کر لوگوں سے چندہ کیا تھا کہ دوکانیں نیچے بنائیں گے اور اُس کے اوپر دینی تعلیم کا مدرسہ بنائیں گے، دوکانوں کی آمدنی مدرسہ میں صرف ہوگی، دوکانیں بنانے کے بعد ایک عدد کمرہ مدرسہ بھی تعمیر ہوا، اور کچھ مدت کے بعد اس میں دینی تعلیم شروع ہوگئی اور برابر چل رہی ہے، اور اس مدرسہ کا خرچ بھی وعدہ کے مطابق دوکانوں کی آمدنی سے چل رہا ہے، مدرسہ کو ابھی شہید کرایا تھا کہ اُس کو بڑا کرکے بنایا جائے؛ کیوں کہ اَب بچے زیادہ تعداد میں آتے ہیں۔ اَب کچھ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اس مدرسہ کی جگہ پر مارکیٹ یعنی دوکانیں بنادی جائیں؛ تاکہ آمدنی بڑھ جائے اور اس مارکیٹ کے اوپر مدرسہ بنایا جائے، اس مسئلہ کا قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں مدرسہ کی آمدنی سے مذکورہ دوکانوں کے اوپر مارکیٹ اور اُس کے بالائی حصہ پر مدرسہ تعمیر کرنا شرعاً درست ہے اور حسبِ سابق پرانی دوکانوں اور نئی تعمیر کی جانے والی مارکیٹ سے حاصل شدہ آمدنی مدرسہ میں صرف کی جائے گی۔

(مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۷۰۲ زکریا)

وسئل الخجندي عن قيّم المسجد يبيح فناء المسجد ليتّجر القوم، هل له هٰذه الإباحة؟ فقال: إذا كان فيه مصلحة للمسجد، فلا بأس به إن شاء اللّٰه تعالىٰ. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب الخامس في آداب المسجد ۵/۳۲۰ زكريا)

قال في الخلاصة: وهٰذا دليل على أن المسجد إذا احتاج إلى نفقة، تؤاجر قطعةٌ منه بقدر ما ينفق عليه الخ. (البحر الرائق / كتاب الوقف ۵/۳۳۹ زكريا)

في الـدر الـمختار: والمتولي بناءه وغرسه للوقف، وفي الشامي: وإنما يـحل للمتولي الإذن فيما يزيد الوقف به خيرًا. (شـامي، كتاب الوقف / مطلب: إنما يحل للمتولي الإذن فيما يزيد الوقف به خيرًا ٤/٤٥٤ كراچی، ٦/٦٧٨-٦٧٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۰/۱۲/۲۷ھ

چندہ کا پیسہ ناحق کارروائی کو رکوانے میں خرچ کرنا؟

سوال (۲۳۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ عربیہ قادر العلوم مونڈھا ائمہ جب سے قائم ہوا ہے، اُس وقت سے آج تک علماء حضرات کے تحت چل رہا ہے، جس کو تقریباً پچاس سال کا عرصہ گذر چکا ہے، اور اَب تک پورا گاؤں اس پر متفق رہا ہے؛ لیکن اِس وقت مدرسہ کے قریب کے کچھ حضرات نے مدرسہ کو نقصان پہنچانا شروع کر دیا ہے کہ مدرسہ کی یہ اراضی قبرستان کی ہے، کچھ حضرات نے اس میں مکانات بنالئے اور کچھ حضرات نے اس قبرستان کی جگہ میں راستہ بنالیا ہے، اور مدرسہ کو اس کا معاوضہ پورا نہیں دیا، اور قبرستان کی اس اراضی میں کوڑا وغیرہ بھی خوب ڈالتے ہیں، اور مزید جگہ بھی قبرستان کی لینے کی فکر میں ہیں، ان خطرات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اہلِ مدرسہ نے اِس مدرسہ کو اور پورے قبرستان کی اراضی کو وقف بورڈ لکھنؤ سے رجسٹرڈ کرادیا ہے، اَب وہ حضرات اس مدرسہ کا دوسرا رجسٹریشن نام بدل کر مرادآباد سے اپنے نام کرانا چاہتے ہیں، جس سے کہ مدرسہ اور قبرستان کو سخت نقصان کا خطرہ ہے؛ لہٰذا اہلِ مدرسہ اس کارروائی کو رکوانے میں مدرسہ کا روپیہ خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اِمداد وعطیات کے پیسہ سے ناحق کارروائی کو رکوانے کی اِجازت ہے، مدرسہ میں آمدہ زکوٰۃ اور چرمِ قربانی کا پیسہ اس مصرف میں خرچ کرنا درست نہ ہوگا۔

ولا يجوز أن يبني بالزكاة المسجد. (الفتاویٰ الهندية، کتاب الزکاۃ / باب مصارف

الزكاة ١٨٨/١ زكريا، الدر المختار مع الشامي / كتاب الزكاة ٢٩١/٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۷/۲/۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کی رقم کو قرضِ حسنہ کہہ کر خرچ کرنا؟

سوال (۶۳۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کسی نظامیہ مدرسہ کا سکریٹری ہے، مدرسہ کی جو بھی رقم ہوتی ہے وہ اُس کے واسطہ سے مدرسہ کے اِکاؤنٹ میں جمع ہوتی ہے؛ لیکن بغیر عوام الناس کے مشورہ کے سکریٹری اپنے ذاتی کام میں مدرسہ کی جمع شدہ رقم کو قرضِ حسنہ کہہ کر خرچ کر لیتا ہے، تو کیا اَز روئے شرع ایسا قرض لینا مدرسہ سے یا بغیر رائے عامہ حاصل کئے اپنے ذاتی کام میں مدرسہ کی رقم خرچ کر لینا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کی رقم سے خود بخود قرض لینا اور اُسے اپنے ذاتی استعمال میں لانا خیانت اور ناجائز ہے؛ البتہ اگر اپنے ملازمین کو قرض دینے کے متعلق مدرسہ کا کوئی ضابطہ مقرر ہو اور چندہ دہندگان کی طرف سے اس کی صراحتاً یا دلالۃً اجازت ہو، تو ضابطہ کی حد تک اِجازت ہوسکتی ہے، اس سے زیادہ لینا درست نہیں ہے۔

وأما حكمها فوجوب الحفظ على المودع وصيرورة المال أمانة في يده ووجوب أدائه عند طلب مالكه، كذا في الشمني والوديعة لا تودع ولا تعار ولا تؤاجر ولا ترهن، وإن فعل شيئًا منها ضمن. (الفتاوىٰ الهندية / الباب الأول من كتاب الوديعة ٣٣٨/٤ زكريا، البحر الرائق / كتاب الوديعة ٢٧٥/٧)

ولو أنفق المودع بعض الوديعة ضمن قدر ما أنفق. (الفتاوىٰ الهندية الباب الأول من كتاب الوديعة ٣٤٨/٤ زكريا، بدائع الصنائع / كتاب الوديعة ٢١٣/٦ كراچی، مجمع الأنهر / كتاب

الودیعة ٤٧٣/٣ دار الکتب العلمیة بیروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۷/۱۱/۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کا پیسہ بینک کے کھاتے میں جمع کرنا؟

سوال (۶۳۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ جامعہ خیر العلوم حفظ القرآن اَدگاؤں علاقہ مہاراشٹر میں واقع ہے، اور ساری دنیا جانتی ہے کہ علاقہ ہٰذا کی حکومت دینی مدارس کے لئے سخت گیر ہے، روز بروز نئے فتنے اور اِنکواریاں چلتی رہتی ہیں، اور بارہا جواب دہی کے لئے پریشانیاں اٹھانی پڑتی ہیں؛ لہٰذا آنجناب سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہر سال کے مطابق اِمسال بھی تقریباً ۷ یا ۸/لاکھ روپئے چندہ جمع ہے، اور چند اَحباب کا جبراً یہ کہنا ہے کہ اِس پوری رقم کو بینک کے کھاتہ اِکاؤنٹ میں لازماً جمع کریں جس سے خطرہ اس بات کا ہے کہ حکومت بلاوجہ انکوائری اور تحقیق کر کے ٹیکس اور دھارمیک کو مدرسہ کی رقومات پر عائد کرنا چاہتی ہے، علاقہ اس کے دوسرے فتنے اور پریشانیوں کا سبب بن رہا ہے۔

تو اس سلسلہ میں یہ بات واضح فرمائیں کہ کیا مکمل رقم اِکاؤنٹ پر جمع کردی جائے یا ضرورت کے مطابق جمع کر کے بوقتِ ضرورت نکالی جائے اور بقیہ رقم الگ رکھی جائے، اِداروں کے لئے کیا روش اختیار کرنی چاہئے؟ ویسے ہر سال کا حساب وکتاب چارمٹی کمشنر کو بذریعہ سی اے (چارٹر اِکاؤنٹس) پہنچا دیا جاتا ہے؛ لہٰذا برائے مہربانی فوراً مکمل تفصیل بھیج دیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اہلِ مدرسہ اگر ضروری خیال کریں تو بینک کے غیر سودی کھاتے میں رقم جمع کرادیں؛ تاکہ حفاظت کا اطمینان ہوجائے اور اپنا حساب وکتاب صاف رکھیں، بظاہر محض بینک میں رقم جمع کرنا حکومت کی دخل اندازی کا ذریعہ نہیں ہے۔

الحاجة تنزل منزلة الضرورة، عامةً کانت أو خاصةً، ولهٰذا جوزت

الإجـارة على خلاف القياس للحاجة. (الأشباه والنظائر / القاعدة الخامسة، الفن الأول ۹۳ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۵/۲/۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر داخل یا خارجی بچوں کے نام پر حکومت سے چاول لینا؟

سـوال (۶۳۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جن علاقوں میں پرائمری اسکول کے بچوں کو حکومت کی طرف سے مہینے میں ایک مرتبہ چاول ملتے ہیں، بچوں کی ایک متعینہ مقدار میں حاضری ضروری ہوتی ہے، غیر حاضری کی صورت میں حکومت سے چاول بند ہوجاتے ہیں، اَب اسکول کے ذمہ دار حضرات بچوں کی تعداد مع حاضری کے حکومت کے حوالہ کرکے ان سے چاول وصول کرتے ہیں اور پورے بچے حاضر نہیں ہوتے، جس کی بناء پر چاول بچ جاتے ہیں اور اسکول والے اُس کو اپنے استعمال میں لاتے ہیں، تو مندرجہ اُمور کا حکم کیا ہے؟ (۱) ازروئے شرع اسکول والوں کا یہ فعل کیا حکم رکھتا ہے؟ (۲) اس چاول کا مصرف کیا ہے؟ (۳) غرباء وفقراء پر تقسیم کئے جاسکتے ہیں؟ شریعت کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو بچے مدرسہ میں داخل ہیں؛ لیکن کسی دن اتفاق سے غیر حاضر ہوجائیں، تو اُن کی حاضری لگانا اگرچہ جھوٹ اور ناجائز ہے؛ لیکن اُن بچوں کا سرکاری امداد سے استحقاق ختم نہیں ہوتا؛ لیکن جو بچے مدرسہ میں داخل ہی نہ ہوں یا شروع میں داخل ہوں، مگر بعد میں چھوڑ کر چلے جائیں، تو ایسے بچوں کی حاضری لگاکر چاول لینا یہ دھوکہ اور ناجائز ہے؛ لہٰذا جہاں تک ممکن ہو یہ چاول حکومت کو لوٹادے، اور اگر لوٹانا مشکل ہو تو فقراء کے درمیان تقسیم کرنے کی گنجائش ہے، اپنے ذاتی استعمال میں لانا درست نہ ہوگا۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من غش فليس منا، انتهى الحديث، قال الترمذي: والعمل على هذا عند أهل العلم

كرهوا الغش، وقالوا: الغش حرام. (سنن الترمذي ٢٤٥/١)

ولكن إن أخذه من غير عقد ولم يملكه يجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالک. (بذل المجهود / باب فرض الوضوء ۳۵۹/۱ رقم: ۵۹) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۴/۷/۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

صاحبِ ثروت لوگوں کا مدرسہ والوں سے رقم دینے کا وعدہ کر کے ٹال مٹول کرنا؟

سوال (۶۳۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل جو مروج ہے مساجد ومدارس کے درس گاہوں کے لئے جو بڑے ادارے ہیں، اُن کے اوپر اہلِ خیر حضرات وعوام الناس اعتماد کر کے تعمیری کام کے لئے کثیر رقم ان بڑے بڑے اِدارے میں جمع کرا دیتے ہیں، اور اُن ادارے والوں کے پاس میں جو تعمیر کی امداد کے لئے جاتے ہیں، تو یہ کہہ کر فائل جمع کرتے ہیں اور کہتے ہیں، مدرسہ کے ضروری کاغذات کرائیں اور تعمیری کام کے لئے تخمینہ بھی بتائیں، مثلاً دو درس گاہوں کے لئے آٹھ لاکھ روپئے کا بجٹ بنا کر فائل جمع کرتے ہیں، بعدہ آٹھ لاکھ کی منظوری دیتے ہیں، اور جب اُن کے پاس منظور شدہ رقم کے لئے جاتے ہیں، تو اولاً ٹال مٹول کر کے واپس کر دیتے ہیں، ہنوز بجٹ نہیں ہے، اور جب زیادہ تقاضہ کرتے ہیں تو منظور شدہ رقم میں سے صرف ایک لاکھ روپئے دے کر یہ کہہ کر واپس کر دیتے ہیں کہ آپ تعمیری کام کسی اہلِ خیر حضرات سے بطور قرض لے کر کرائیں، بعد میں آپ کو منظور شدہ رقم ادا کر دی جائے گی، مگر کام پورا ہونے کے بعد جب منظور شدہ رقم کا تقاضہ کرتے ہیں، تو یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ آپ لیٹ آئیں ہیں، اس لئے آپ کی منظور شدہ رقم کہیں دوسری جگہوں میں صرف کر دی گئی، آیا یہ رقم جو ہمارے مدرسہ کے لئے منظور ہوئی تھی، کیا دیگر جگہوں پر صرف کرنے کا کوئی شرعی جواز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جو معاملہ اٹھایا گیا ہے اُس میں عموماً کوتاہی دونوں طرف سے ہوئی ہے، جہاں ایک طرف مذکورہ اِدارے کے ذمہ داران وعدہ کرکے اُسے پورا نہیں کر پاتے، وہیں دوسری جانب تعمیر کے خواہاں لوگ اُن پر اِس قدر دباؤ اور اصرار کرتے ہیں کہ اُنہیں خواہی نخواہی وعدہ کرنا ہی پڑتا ہے، اور جب تک وعدہ نہ کریں، یہ لوگ اُن پر ایسے مسلط ہوجاتے ہیں کہ ہٹنے کا نام نہیں لیتے؛ لہٰذا دونوں جانب اصلاح کی ضرورت ہے، تعمیر کے خواہاں حضرات کو چاہئے کہ وہ اپنے ضروری کاغذات ادارے میں جمع کردیں اور بے جا اصرار نہ کریں۔ اور اِدارے والوں کو چاہئے کہ آمدہ رقم کے اعتبار سے ہی تعمیرات کی منظوری دیں، اور تعمیرات کی بذاتِ خود نگرانی کرائیں، اور جو وعدہ کیا ہے اُسے یقیناً پورا کریں۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ [المائدۃ، جزء آیت: ۱]

عن أنس بن مالک رضي اللّٰہ عنه قال: قلما خطبنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم إلا قال: لا إیمان لمن لا أمانة له ولا دین لمن لا عهد له. (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان / الفصل الثاني ١٥/١، رواه لبيهقي في شعب الإيمان ٧٨/٨ رقم: ٤٣٥٤، مسند أحمد ١٥٤/٣، الترغيب والترهيب مكمل ص: ٦٢٩ رقم: ٤٥٤٦ بيت الأفكار لدولية، المعجم الكبير رقم: ١٠٥٥٢) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۰/۷/۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

محاسب کا تحویل سے زائد رقومات کو چندہ کی رسید بنا کر مدرسہ میں جمع کرنا؟

سوال (۲۳۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک دینی ادارہ کا محاسب ہے، اس کے چیک کردہ حسابات کی جانچ میں کچھ رسیدات کی رقم غیر مندرجہ ملی، جس کی وجہ سے حساب کا مطالبہ زید سے کیا گیا، زید کچھ کہتا ہے کہ کچھ رقم تحویل

سے زائد تھی، جس کو میں نے اِدارہ میں جمع کردیا ہے، اور بطور ثبوت کے ایک رسید پیش کرتا ہے، جس پر وہ رقم درج ہے، جو زید کے ذمہ واجب ہوتی ہے، اور معطی کی جگہ زید کا نام درج ہے؛ البتہ مد کی جگہ صرف لفظ چندہ لکھا ہوا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ اس طرح چندہ کے نام سے زید کے رسید کٹوا دینے سے اور رقم جمع کرنے سے وہ حسابات کم نکلنے والی رقم ادا ہوجائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کے فنڈ میں اکثر رقوم چوں کہ چندہ ہی کے ذریعہ آتی ہیں، اس لئے محاسب زید کا تحویل سے زائد رقم چندہ کے عنوان سے رسید کٹا کر مدرسہ میں جمع کردینے کی صورت میں اس رقم کا ضمان زید پر نہ ہوگا؛ بلکہ وہ اس کی ادائیگی سے بری الذمہ ہوجائے گا۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: لا ضمان علی مؤتمن. (سنن الدار قطني ۳/۳٦ رقم: ۲۹۳۸)

عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده رضي اللّٰہ عنه عن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: لیس علی المستعیر غیر المغل ضمان، ولا علی المستودع غیر المغل ضمان. (سنن الدار قطني ۳/۳٦ رقم: ۲۹۳۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۱/۵/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کے سرمایہ میں خیانت کرنا اور ناجائز قبضہ جمانا؟

سوال (۲۳۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں ایک قدیم اِدارہ تقریباً ۴۰ر سال سے قائم ہے، جو تعلیمی وتعمیری اعتبار سے پھلا پھولا ہے، اِس اِدارے کے بانی ومہتمم صاحب سال گذشتہ انتقال کرگئے، بانی مدرسہ نے اپنے دورِ اہتمام میں اِسی ادارے کی ایک شاخ مدرسۃ البنات کے نام سے ۲۰۰٦ء میں اصحابِ خیر کے تعاون سے کشادہ زمین خرید کر چند کمرے مع برآمدہ تیار کرائے، ۲۰۰۷ء میں سیاسی وسماجی حضرات

کے علاوہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے بدست اُس کا تعلیمی افتتاح ہوا، مگر سوئے اتفاق ایک سال کے بعد اُن کے صاحب زادوں نے تعلیمی سلسلہ ختم کر کے اُس کو رہائش میں تبدیل کر لیا۔

واضح رہے کہ اس اَمانت مدرسہ کو مہتمم صاحب نے اپنے دونوں بیٹوں کے نام بیع نامہ کرا دیا تھا، چوں کہ مدرسہ میں وہ مختار کل تھے، اور مدرسہ کے مالی مسئلہ میں وہ زیادہ محتاط بھی نہیں تھے، اُن کے دونوں بیٹے اس قدیم مدرسہ میں ۱۵/سالوں سے مدرس تھے، جو تعلیم وتربیت سے نابلد اور عیاری ومکاری میں بے نظیر تھے، ۲۰۰۸ء کے قریب بانی مدرسہ پیرانہ سالی وضعفِ دماغ وبصر سے معذور ہو گئے، اور مدرسہ کی ذمہ داری اُن دونوں ناخلف بیٹوں پر آ گئی، چند سالوں میں اُنہوں نے اس مدرسہ میں خوب خیانتیں کیں، دونوں ہاتھوں سے مدرسہ کے مالی وسائل کو لوٹا، کئی سال کا چندہ مدرسہ میں جمع نہیں کیا، اور مدرسہ قریب الختم ہو گیا۔ انہیں سالوں میں اُن غاصب وخائن بیٹوں نے مرکزی سرکار کی اسکیم کے تحت دو ہندی استادوں کی تنخواہ جاری کرالی۔ ۲۰۰۶ء تا ۲۰۱۱ء مختلف ناموں سے فرضی کاغذات جمع کر کے تقریباً ۴/لاکھ روپئے کی رقم ہڑپ کر لی گئی، اور یہ دونوں بیٹے مدرسہ کی زکوٰۃ وواجبات کی رقومات سے تنخواہیں مدرسہ سے وصول کرتے رہے، اَب یہ اِدارہ بند ہونے کے قریب ہوا، تو اُن کو اپنی روزی روٹی کا خیال آیا، اُنہوں نے بستی اور محلّہ کے لوگوں کو سخت مخالف دیکھ کر اس علاقہ کے معروف عالم دین جو مدرسہ کی مجلسِ شوریٰ کے صدر بھی ہیں، اگر چہ اُن کو اپنے صدر ہونے کا ابھی قریب ہی میں علم ہوا ہے، بار بار یہ دونوں بھائی اُن کے یہاں جا کر باہر سے ایک صاحب کو مدرسہ میں بلا کر انتظام اُن کے حوالہ کرنے کو کہتے رہے، چناں چہ اُن دونوں کی طلب پر ۴/اپریل ۲۰۱۱ء کو انہوں نے ایک درجن سے زیادہ لوگوں کو بشمول صدر مجلس بانی مدرسہ اور دونوں بیٹے اس طرح پندرہ لوگوں کی موجودگی میں مدرسہ کا نظام اُن کے بلائے گئے، ایک شخص کے حوالہ کر دیا گیا، مختصر تحریر پر دستخط کرالئے گئے، اسی مجلس میں صدر مجلس شوریٰ نے بانی مدرسہ اور دونوں بیٹوں سے معلوم کیا کہ ''مدرسۃ البنات'' کی عمارت جس پر آپ دونوں قابض ہیں، یہ آپ نے اپنے پیسے سے بنائی ہے یا قوم کے پیسے سے بنائی ہے؟ بانی مدرسہ اور دونوں بیٹوں نے کہا کہ یہ قوم کے پیسوں

سے بنائی گئی ہے، ہم دونوں ایک مہینہ میں اس عمارت کو خالی کر دیں گے، اس وقت یہ ملکیت پچاس لاکھ روپئے کے قریب ہے، اور اُن دونوں کے نام بھی ہے، چند دن کے بعد اُن دونوں نے مدرسہ کو خالی کرنے سے انکار کر دیا اور ایک بھائی مدرسہ سے علیحدہ ہو گئے، اور اپنا قبضہ اس مدرسہ پر باقی رکھنے کے لئے اس ناخلف بیٹے نے مئی ۲۰۱۳ء کو کیرانہ میں ایک جھوٹا مقدمہ ناظم مدرسہ پر دائر کیا، جس میں یہ کہا گیا کہ یہ مکان ہم نے محنت و مزدوری کر کے بنایا ہے اور یہ شخص اِن دو بدمعاشوں کے ذریعہ میرے مکان پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں، افسوس یہ ہے کہ تین سال سے مدرسہ سے علیحدہ ہونے کے باوجود یہ شخص ممبئی اور پونہ وغیرہ میں رمضان اور غیر رمضان میں لاکھوں روپئے مدرسہ کا چندہ کر رہا ہے۔

(۲) بانیٔ مدرسہ کے دوسرے بیٹے جو اس مدرسہ میں ہندی کے ماسٹر اقلیتی بہبود دفتر کے تنخواہ دار ملازم ہیں، اُن کی معافی کے بعد اِس امید پر مدرسہ میں رکھ لیا گیا تھا کہ یہ امانت داری کے ساتھ مدرسہ میں کام کریں گے، مگر افسوس صد افسوس کہ اس بد بخت نے مدرسہ پر قبضہ کرنے کے لئے ایسے منصوبے استعمال کئے کہ تاریخ شاید اس دجالی فتنہ کو کبھی معاف نہ کرے، ۴ اپریل ۲۰۱۱ء کو تبدیلیٔ انتظام کے بعد ماسٹر صاحب نے مدرسہ کے بہت سے اہم کاغذات مدرسہ کے لیٹر پیڈ، مدرسۃ البنات کی رسیدات، مدرسہ کی مہریں اور تین سال کی سات رسیدات احقر کے حوالے کی ہیں، ان سات رسیدات میں تقریباً دو لاکھ روپئے سے زائد کی رقم بنتی ہے، ان مستعمل رسیدات کو دیتے ہوئے ماسٹر صاحب نے کہا کہ اس کی رقم میں والد صاحب کو ادا کر چکا ہوں، والد صاحب سے معلوم کرنے پر انہوں نے کہا کہ اَب تک اس شخص نے کوئی رقم مدرسہ میں جمع نہیں کرائی اور مدرسہ کے لیٹر پیڈ پر غیر ملکوں سے میرے نام پر چندہ منگا لیا ہے، اِن سب چیزوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اُنہوں نے عہد کیا تھا کہ میں ایسا نہیں کروں گا۔ رمضان شریف میں اُس کو دہلی چندے کے سلسلہ میں بھیج دیا گیا اور ۸۰/ ہزار روپئے کی رقم لا کر اُنہوں نے مدرسہ میں جمع نہیں کی، اور اپنی تنخواہ سابقہ ۲۸/ ماہ کا مطالبہ کر ڈالا، ایک سال گذرنے کے بعد درمیان میں ایک صاحب کو ڈال کر بہت مشکل سے رقم مدرسہ میں جمع کی گئی۔ مگر انتقام جوش نے اُس کو اندھا کر دیا، اور انہوں نے سمجھ لیا کہ

اَب انہیں فرار کی آزادی حاصل نہ ہوگی، تو انہوں نے ایک ۷۰؍سالہ ڈاکٹر جو داڑھی مونچھ صاف کیئے رہتے ہیں اور لباسِ یہود میں نظر آتے ہیں، جن کی زندگی کا اکثر حصہ عیاری مکاری اور خیالاتِ فاسدہ میں مودودی اور قادیانیت کے قریب ہے، اُس کی گود میں بیٹھ کر منظّم طور پر مدرسہ پر قبضہ کرنے کے لئے سب سے پہلے مدرسہ دینیہ کا بینک کھاتہ جو ناظم مدرسہ کے نام تھا، بڑی چالاکی کے ساتھ مدرسہ کا لیٹر پیڈ، مہر اور والد مرحوم کے دستخط اور مجلسِ شوری کی جھوٹی تجویز دکھا کر بینک سے اپنے نام کرالیا، اسی طرح محمد ارشد نامی آدمی کے بی اے کے کاغذات اقلیتی بہبود دفتر میں جمع کرا کر ۲۷؍ہزار روپئے کی رقم ہڑپ کرلی، سالِ گزشتہ مدرسہ کا تالا توڑ کر مدرسہ کا اہم ریکارڈ چرالیا گیا، جس میں احقر کے ضروری کاغذات، اُن کاغذات میں احقر کا پاسپورٹ جس کی مدت ۲۰۰۴ء میں ختم ہوچکی تھی، وہ اُن ماسٹر صاحب کے ہاتھ آ گیا، اور اُنہوں نے اس پاسپورٹ کو ڈاکٹر کے حوالے کردیا، ڈاکٹر نے اپنے ایک رفیق سے دھمکی دے کر کہایا تو وہ مدرسہ میں ہمیں ممبر رکھلیں ورنہ ہم اس کی زندگی تباہ کردیں گے۔

اِسی درمیان اُن دونوں نے ہندی میں ایک اشتہار نکالا، جس میں اُنہوں نے مجھے پاکستانی جاسوس، دہشت گردوں سے تعلق اور جعلی کرنسی جیسے الزام لگائے تھے، اور اس ختم شدہ پاسپورٹ کو اُنہوں نے بستی کے کچھ اہم لوگوں کو دکھایا اور چند دن کے بعد یہ دجالی ٹولہ پوری بے غیرتی کے ساتھ سامنے آ گیا اور انہوں نے مئی ۲۰۱۳ء میں سات عدد درخواستیں مرکزی وزیر داخلہ، ڈی جی پی لکھنؤ، آئی جی میرٹھ، ڈی آئی جی سہارن پور، ڈی ایم سہارن پور، ڈی ایم شاملی اور خفیہ محکمہ کے اعلی افسران کے نام فرضی پتوں اور ناموں سے بھیجیں، جس کی باریک بینی سے جانچ کرائم برانچ سے کی گئی۔ حق تعالیٰ کے بے انتہاء فضل وکرم سے اِس دجالی ٹولہ کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے؛ لیکن یہ دجالی ٹولہ برابر اپنے مشن میں لگا رہا، ابھی پانچ ماہ کا عرصہ اس تحقیق وتفتیش میں گذرا تھا کہ گذشتہ رمضان سے پہلے پھر تقریبا آٹھ درخواستیں پھر مختلف محکموں کو بھیجی گئیں، جس میں پاکستان کے بڑے بڑے مطلوب دہشت گردوں کے ساتھ اور ٹریننگ کیمپوں کے ساتھ جوڑ دیا گیا اور ستم

بالائے ستم یہ کہ اس وقت کی معروف عالمی شخصیت حضرت مولا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ العالی کا نام بھی درخواست میں شامل تھا؛ لیکن حق تعالی کے بے انتہاء فضل وکرم سے اس دجالی ٹولہ کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے۔

پھر دسمبر ۲۰۱۳ء میں اسی ماسٹر نے اپنے مربئ اعظم، دجالِ وقت، معلم الابلیس .... سے ساز باز کر کے مدرسہ دینیہ کی فرضی مجلسِ شوریٰ بنا کر رجسٹریشن آفس سہارن پور میں پوری فائل جمع کرادی گئی، اس قدر خوبیوں کا حامل ڈاکٹر مدرسہ کا ناظم اعلیٰ اور دیگر فساق وفجار کو مدرسہ کا ممبر ہونا دکھایا گیا، نیز محمد قاسم لوہاروی، مولانا محمد وصی اللہ خان المعروف آرزو میاں جلال آبادی تقریبا ۲۰ر سال سے اس مدرسہ کی مجلسِ شوری کے صدر ہیں۔ہم دونوں کے جھوٹے بیان حلفی مع فوٹو دستخط رجسٹریشن آفس میں استعفیٰ نامہ کی شکل میں لگادئے گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اَبھی چند دن پہلے حقِ اطلاعات قانون کے تحت ایس ایس پی شاملی کے یہاں سے وہ رپورٹ جو تھانہ بھون انسپکٹر کے ذریعہ دسمبر میں ہوئی تھی، احقر کو موصول ہوئی، جس میں واضح طور پر لکھا گیا کہ جھوٹے شکایتی خطوط ماسٹر ہاشم دے رہا ہے، اور دوسری بات واضح طور پر یہ تھی کہ یہ تمام جھوٹے الزامات بے بنیاد اور غلط پائے گئے، اس ماسٹر نے یہ بھی کہا کہ مدرسہ ہماری ذاتی ملکیت ہے کسی کا کوئی دخل نہیں، خدا کا شکر ہے کہ یہ بدبخت ٹولہ اپنے ناپاک اِرادوں میں ابھی تک کامیاب نہیں ہوسکا۔

(۱) کیا مسلمان کی زندگی کو تباہ کرنا اور ایسے سنگین الزامات لگانا اور پوری قوم مسلم اور مدارسِ دینیہ کو بدنام کرنے والے یہ ظالم اور فتنہ پرور لوگ کسی سزا کے مستحق ہیں؟

(۲) ایسے عناصر کو شرعی اعتبار سے مدرسہ کا ذمہ دار یا کسی بھی عہدے پر رکھنا شرعاً کیسا ہے؟

(۳) ایسے مواقع پر دین دار طبقہ کا خاموشی اختیار کئے رہنا وہ بھی عند اللہ اور عند الناس جواب دہ ہوں گے یا نہیں؟ جوابات شریعت کی روشنی میں تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدارسِ دینیہ قوم کی اَمانت ہیں اور مدارس کے منقولہ یا

غیر منقولہ سرمایہ میں کسی قسم کی خیانت کرنا بہت بڑا جرم اور سخت ترین گناہ ہے، اگر سوال میں ذکر کردہ حالات واقعہ کے مطابق ہیں، تو جن افراد نے بھی مدرسہ کی رقومات یا جائدادوں میں خیانت کا ارتکاب کیا ہے اور اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے کسی بھی بے قصور مسلمان پر تہمت لگائی ہے، یہ سب قابلِ مذمت ہیں، ملت کے ذمہ دار افراد کی ذمہ داری یہ ہے کہ ایسے خائنوں سے ملی اداروں کو محفوظ رکھنے کی کوشش کریں۔

قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ: ﴿وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ [آل عمران، جزء آیت: ١٦١]

ومعنى يُغَلُّ عند جمهور أهل العلم أي ليس لأحد أن يَغُلَّه أي يخونه في الغنيمة، فالآية في معنى نهي الناس عن الغلول في الغنائم، والتوعد عليه ......؛ لأن الخيانة معه أشد وقعًا وأعظم وزرا، قوله تعالىٰ: ﴿يَأْتِ بِمَا غَلَّ﴾ أي يأتي به حاملاً له على ظهره ورقبته، معذبًا بحمله وثقله، ومرعوبًا بصوته، ومُوَبَّخًا بإظهار خيانته على رؤوس الأشهاد على ما يأتي، وهٰذا الفضيحة التي يوقعها اللّٰه تعالىٰ بالغالّ نظير الفضيحة التي توقع بالغادر الثالثة، والغلول كبيرة من الكبائر بدليل هٰذه الآية. (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، الجزء الرابع ٢٤٠/٢-٢٤٣ دار الفكر بيروت، ٢٥٦/٢ طبعة ملونة)

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: ليس على خائن ولا منتهب ولا مختلس قطع. (سنن الترمذي، أبواب الحدود / باب ما جاء في الخائن والمختلس والمنتهب ٢٦٩/١)

عن عمر رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من وجدتموه غل في سبيل اللّٰه فأحرقوا متاعه. (سنن الترمذي، أبواب الحدود / باب ما جاء في الغالّ ما يصنع به ٢٧٠/١)

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه قال: قلما خطبنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه

وسلم إلا قال: لا إيمان لمن لا أمانة له ولا دين لمن لا عهد له. (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان / الفصل الثاني ۱۵/۱، رواه البيهقي في شعب الإيمان ۷۸/۸ رقم: ٤٣٥٤، مسند أحمد ١٥٤/٣، الترغيب والترهيب مكمل ص: ٦٢٩ رقم: ٤٥٤٦ بيت الأفكار الدولية، المعجم الكبير رقم: ١٠٥٥٢)

إذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه ...... هو بإجماع الفقهاء ...... من قوله عليه السلام: تصدق بأصلها لا يباع ولا يورث ولا يوهب. (فتح القدير / كتاب الوقف ٢٢٠/٦ دار الفكر بيروت، ٢٠٤/٦ زكريا)

فإذا تم ولزم لايملك ولا يعار ولا يرهن. (تنوير الأبصار) وفي الشامي: قوله لايملك: أي لايكون مملوكًا لصاحبه ولا يملك أي لايقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه. (شامي، كتاب الوقف / قبيل مطلب في شرط واقف الكتب أن لا تعار إلا برهنٍ ٥٣٩/٦ زكريا، ٣٥٢/٤ كراچی)

عن ابن عمر وأبي هريرة رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من حمل علينا السلاح فليس منا. (صحيح البخاري) وزاد مسلم: ومن غشنا فليس منا. (مشكاة المصابيح / باب لا يضمن من الجنايات، الفصل الأول ٣٠٥)

عن أبي بكر الصديق رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ملعون من ضار مؤمنا أو مكر به. (مشكاة المصابيح / باب ما ينهى عنه من التهاجر ٤٢٨)

وينزع وجوبًا لو غير مأمون أو عاجزًا، أو ظهر به فسق. (تنوير الأبصار مع الدر المختار / كتاب الوقف ٣٨٠/٤ دار الفكر بيروت)

الثالث إذا ظهرت خيانته؛ فإن القاضي يعزله وينصب أمينًا. (البحر الرائق / كتاب الوقف ٣٩١/٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۷/۱۴۳۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَربابِ مدارس کاصدقہ کا گوشت کم داموں میں فروخت کرنا؟

سوال (۶۳۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بہت سے مدرسہ والے باوجود صدقہ کا مصرف ہونے کے صدقہ کا گوشت بقر قصاب کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں، جب کہ بکرے کا گوشت بازار میں ۸۰/روپئے یا ۷۰/ستر روپئے کلو ہے، اور مدرسے والے صدقہ کے گوشت کو بہت سستے داموں بیس یا تیس روپئے میں بیچ دیتے ہیں، جب کہ کٹڑے کا گوشت بھی ۴۰/روپئے کلو فروخت ہورہا ہے، اور یہ بھی نہیں کہ بکرے کا گوشت مدرسہ کے خرچ سے کم ہو؛ بلکہ لوگ پورے پورے بکرے کا گوشت بھیج دیتے ہیں، پھر بھی مدرسہ کے ذمہ داران بکرے کا گوشت بیچتے ہیں، تو کیا ایسا کرنا درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صدقہ کے طور پر جو گوشت مدرسہ میں بھیجا جائے وہ مدرسہ کے طلبہ ہی پر خرچ کرنا چاہئے، اگر طلبہ کی ضرورت سے زائد ہو اور بیچنا ناگزیر ہو، تو اُسے مناسب قیمت میں بیچنا ضروری ہے، اور اُس سے حاصل شدہ قیمت طلبہ کے مصرف ہی میں لگائی جائے گی، اُس گوشت کو بقر قصاب کے ہاتھ سستی قیمت میں بیچنا مدرسہ والوں کے لئے جائز نہیں، جتنی کم قیمت میں وہ بیچیں گے، اُس کے وہ خود عنداللہ ذمہ دار ہوں گے۔

بأن صدقة الوقف كالنفل؛ لأنه متبرع بتصدقه بالوقف إذ لا إيقاف واجب، وكان نشاء الغلط وجوب دفعها على الناظر، وبذلك لم تصر صدقة واجبة على المالك؛ بل غاية الأمر أنه وجوب اتباع شرط الواقف على الناظر.

(البحر الرائق ۲۴۷/۲ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۴/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فدیہ کی رقم طلبہ کے درمیان تقسیم کرنے میں اگر مقدار میں کمی بیشی ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال (۶۴۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں فدیہ کی بڑی رقم موصول ہوتی ہے، جس میں نماز روزہ کا فدیہ ہوتا ہے، بعض مرتبہ بیرونِ ملک سے فدیہ کی رقم موصول ہوتی ہے، اور کوئی تفصیل نہیں ہوتی ہے کہ روزہ کا فدیہ ہے یا نماز کا؟ مذکورہ رقم خورا کی فیس میں وصول کرنے کی بہتر صورت کیا ہوگی؟ ہم زکوٰۃ وصدقہ کی رقم میں سے طلبہ کو دو ہزار دے دیتے ہیں، جسے وہ کھانے وغیرہ کی فیس میں جمع کرادیتے ہیں، فدیہ کی رقم میں اِس طرح تملیک کرانے میں کہ دو ہزار روپئے ہر طالب علم کو دے دیں کہ وہ اپنے کھانے وغیرہ مصارف میں دفتر میں جمع کرادے، اِس طرح ایک طالب علم کو متعدد فدیہ دینا ہوتا ہے، اور نماز کے فدیہ میں اگر ہم دو ہزار روپئے مستحق کو تملیک کراکے جمع کرتے ہیں، تو متعدد فدیے ایک آدمی کو دینا ہوتا ہے، اور اس میں صدقہ فطر کی مقدار میں کمی بیشی ہوتی ہے، فتاویٰ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک نماز کا فدیہ (خرچہ) پورا دینا چاہئے، اُس میں کمی درست نہیں۔ ایسے موقع پر فدیہ کی تملیک کرانے کی کون سی صورت بہتر ہوگی؟ ہمارے یہاں داخلہ فارم میں تحریر ہے کہ طالب علم ذمہ دار ادارہ کو اپنا وکیل بناتا ہے کہ وہ اُس کے مصارف میں صرف کرے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مہتمم مدرسہ مستحق طلبہ کی طرف سے حکما قبضہ کا وکیل ہوتا ہے؛ لہٰذا مدرسہ کے فنڈ میں فدیہ یا صدقات کی رقم آتے ہی معطی کا ذمہ فارغ ہوجاتا ہے۔ بریں بنا اگر اس رقم کو طلبہ کے درمیان تقسیم کرنے میں بالفرض فدیہ کی مقدار میں کمی بیشی ہوجائے، تو بھی کوئی حرج کی بات نہیں، اور بیک وقت متعدد فدیوں کی رقم ایک فقیر کو دینا بہرحال جائز ہے، اس سے تمام فدیہ دہندگان کا فدیہ ادا ہوجاتا ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۱۰/۱۷۷، ۹/۵۱۴ ڈابھیل، فتاویٰ خلیلیہ

۱/ ۸۰، جواہر الفقہ ۴/ ۳۸۷، ایضاح النوادر ۲/ ۵۰)

وأما حكمها (أي حكم الوكالة) فمنه قيام الوكيل مقام المؤكل فيما وكّله به. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الوكالة / الباب الأول في بيان معناها شرعًا الخ ۳/ ٥٦٦)

والوكيل بالتقاضي يكون وكيلاً بالقبض في ظاهر الجواب. (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الهندية ۳/ ۱۲)

ويجوز إعطاء فدية صلوات وصيام أيام ونحوها لواحد من الفقراء جملة.

(مراقي الفلاح على الطحطاوي ٤۳۹ - ٤٤٠ المكتبة الأشرفية ديوبند)

ولو دفع جملة إلى فقير واحدٍ جاز. (الفتاوىٰ التاتارخانية ۱/ ۷۷۱، الدر المختار مع الشامي ۲/ ٥۳٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۶/ ۸/ ۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ میں مشتبہ آمدنی کا مال لگانا

مدرسہ کی جائیداد بینک کو کرایہ پر دے کر آمدنی مدرسہ میں لگانا؟

سوال (۶۴۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ کی جائیداد کو بینک والوں کے لئے کرایہ پر دینا اور اس کرایہ کو مدرسہ میں صرف کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ یا اپنی ذاتی جائیداد کو بینک والوں کے لئے کرایہ پر دینا اور اس کرایہ کو اپنے اوپر خرچ کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟ ساتھ ساتھ یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ آج کل بینک میں صرف سودی کاروبار ۷۰رفیصد تک ہوتا ہے، علاوہ اِس کے بینکوں میں زیورات اور اہم کاغذات کی حفاظت اور رفاہی کام بھی ہوتا ہے، اور آج کل بہت ہی اہم ہے کہ کاروباری سلسلہ میں باہر ممالک سے جن کی بھی تجارت ہے، ان سب کے لئے بینک ایک ناگزیر ضرورت ہے؛ بلکہ کاروبار کا ایک جز ہوگیا ہے، بغیر بینک کے تجارت باہر ممالک سے بالکل ہی ناممکن ہے، بائع اور مشتری کے مابین کاغذات کا تبادلہ اور اُن دونوں کے بیچ خرید وفروخت کے لئے بینک ہی حکم کا درجہ رکھتا ہے، اِن سب کے علاوہ اور بھی بہت کام ایسے ہیں جو بغیر سود کے بینک سے ہوتے ہین، کیا اِن حالات میں بھی بینک کا وہی حکم ہے جو پہلے بتایا جاتا تھا کہ اس کے لئے عمارت وغیرہ کرایہ پر دینا مکروہ ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کی یا اپنی جائیداد بینک کو کرایہ پر دینا مکروہ لغیرہ ہے؛ لیکن اس سے جو بھی آمدنی کرایہ پر دینے والے کو ہوگی وہ حلال ہوگی؛ اِس لئے کہ سودی کاروبار میں اس کا براہِ راست کوئی دخل نہیں ہے، یہی حکم موجودہ دور میں بھی ہے؛ تاہم حتی الامکان بینک کو اپنی عمارت کرایہ پر دینے میں احتیاط کرنی چاہئے۔ (جواہر الفقہ ۴۵۶/۲، احسن الفتاویٰ ۵۴۶/۶)

وجاز إجارة بيت بسواد الكوفة ...... ليتخذ بيت نار أو كنيسةً أو بيعةً، وقالا: لا ينبغي ذٰلک؛ لأنه إعانة على المعصية. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء وغيره ۵۶۲/۹-۵۶۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۴/۲/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سرکاری پل کے سامان سے ٹھیکے دار کا مدرسہ بنانا؟

سوال (۶۴۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ کے قریب ایک نہر ہے، اُس نہر پر ایک پل بنانے کے لئے سرکار کی طرف سے آرڈر آ گیا، اس پل کے ہندو ٹھیکے دار سے مہتمم مدرسہ نے مدرسہ کا ایک کمرہ بنانے کی درخواست کی، تو اُس نے اپنی طرف سے بنانے کا وعدہ کرلیا، پھر پل کے ساز وسامان جب جب آتے ہیں، تو اس میں سے تھوڑا تھوڑا کر کے مدرسہ کو دیتا ہے، حالاں کہ پل کے بنانے میں اس سامان کو بھی شامل کیا جاتا ہے جو مدرسہ میں دیا گیا ہے، کیا صورتِ مسئولہ میں مدرسہ کا کمرہ بنانا درست ہے یا نہیں؟ نیز صورت مسئولہ میں ہندو ٹھیکے دار کے بجائے مسلمان ٹھیکے دار ہو تو کیسا ہے؟ اگر صورت مسئولہ جائز نہیں ہے تو جائز کی کوئی صورت نکالی جاسکتی ہے یا نہیں؟ رہنمائی کیجئے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ہندو ٹھیکے دار اپنی ذاتی رقم سے مدرسہ کا کمرہ بنوائے تو اس کی تو اِجازت ہے؛ لیکن مسئولہ صورت میں اس ٹھیکے دار نے مدرسہ کے کمرہ میں جو سامان لگایا ہے اُس کی قیمت سرکار سے وصول کی ہے، یہ ہرگز جائز نہیں ہے؛ بلکہ کھلا ہوا دھوکہ ہے، اگر حکومت کو یہ بات معلوم ہوجائے تو وہ اس ٹھیکے دار کے خلاف سخت کارروائی کرے گی؛ لہٰذا مدرسہ والوں کو اِس معاملہ پر قطعاً راضی نہیں ہونا چاہئے، جان بوجھ کر دھوکہ کے مال سے کمرہ بنوانا قطعاً حرام ہے، اِس کے جواز کی کوئی شکل نہیں ہے۔

قـال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا﴾
[النساء، جزء آیت: ٥٨]

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ﴾ [الأنفال، جزء آیت: ٥٨]

عن أبي جحيفة عن أبيه رضي الله عنه قال: آخى النبي صلى الله عليه وسلم بين سلمان وأبي الدرداء، ...... فقال له سلمان: ...... فأعط كل ذي حق حقه.
(صحيح البخاري، كتاب الأدب / باب صنع الطعام والتكلف للضيف ٢٦٤/١ رقم: ٦١٣٩ دار الفكر بيروت)

عن عبد الله رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من غشنا فليس منا والمكر والخداع في النار. (المعجم الكبير للطبراني ١٣٨/١٠ رقم: ١٠٢٣٤)

ومصرف الجزية والخراج ومال التغلبي وهديتهم للإمام، مصالحنا كسدّ ثغور وبناء قنطرة وجسر، وكفاية العلماء الخ، قوله كفاية العلماء: هم أصحاب التفسير والحديث والظاهر أن المراد بهم من يعلم العلوم الشرعية فيشمل الصرف والنحو وغيرهما. (شامي، كتاب الجهاد / مطلب في مصارف بيت المال ٢١٧/٤ کراچی، البحر الرائق، كتاب السير / فصل في الجزية ١١٧/٥ کوئٹہ، تبيين الحقائق، كتاب السير / فصل في الجزية ٣٨٣/٣ إمدادية ملتان)

ولو قال الذمي: يسرج به بيت المقدس أو يجعل في مرمة بيت المقدس جاز. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الوقف / الباب الأول، مطلب في وقف الذمي ٣٥٣/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۶/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مشترکہ تالاب کی نیلامی کی رقم شرکاء کی مرضی کے بغیر مدرسہ میں دینا؟

سوال (۶۴۳): - کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں پچاس آدمیوں کاایک مشترکہ تالاب ہے، اورشرکاء میں یتیم مسکین اورغرباء بھی ہیں، اس کی ہرسال نیلامی ہوتی ہے، چند بڑے لوگوں نے نیلامی میں بچی ہوئی رقم میں سے تمام شرکاء سے

اِجازت حاصل کئے بغیر ۱۵؍ ہزار روپئے مہتمم کے کہنے پر دے دیا، اور پتہ چلنے کے بعد بعض شرکاء کی طرف سے ناراضگی کا اظہار کیا۔ تو سوال یہ ہے کہ صورتِ مسئولہ میں نیلام کرکے بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ اور بعض شرکاء کی ناراضگی کو جانتے ہوئے مدرسہ کے کام میں اس روپئے کا استعمال درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مشترکہ تالاب کی کل رقم مسئولہ صورت میں مدرسہ کو دینی قطعاً جائز نہیں اور نہ مدرسہ والوں کو معلوم ہونے کے باوجود ایسی رقم کا لینا درست ہے، نابالغ اور یتیم شرکاء کا حصہ تو ان کی اِجازت سے بھی کارِ خیر میں نہیں لگ سکتا، ان کے علاوہ دیگر شرکاء کی واقعی رضامندی ضروری ہے، جو حسبِ تحریر سوال مسئولہ صورت میں نہیں پائی گئی؛ اِس لئے یہ رقم مدرسہ میں ہرگز نہ لگائی جائے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَأْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتَامٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَأْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا. [النساء، جزء آیت: ۱۰]

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: ألا لا تظلموا! ألا لا یحل مال امرء إلا بطیب نفس منه. (مشکاة المصابیح / باب الغصب والعاریة، الفصل الثاني ۲۵۵، مرقاة المفاتیح / باب الغصب والعاریة، الفصل الثاني ۱۱۸/٦ المکتبة الأشرفیة دیوبند، المسند للإمام أحمد بن حنبل ۷۲/٥، شعب الإیمان للبیهقي ۳۸۷/٤ رقم: ٥٤۹۲ دار الکتب العلمیة بیروت)

ولا یجوز لأحدهما أن یتصرف في نصیب الآخر إلا بأمره، وکل واحد منهما کالأجنبي في نصیب صاحبه الخ. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الشرکة / الباب الأول في بیان أنواع الشرکة ۳۰۱/۲ کوئٹه، مجمع الأنهر، کتاب الشرکة ٥٤۳/۲ دار الکتب العلمیة بیروت، الهدایة / کتاب الشرکة ٦۲٤/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۰/۶/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سرکاری اِسکول کے مطبخ سے بچا ہوا کھانا استعمال کرنا؟

سوال (۶۴۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک اسکول جس میں بیرونی مسلم غیر مسلم لڑکے لڑکیاں پڑھتے ہیں، جو سرکاری ہے اور پڑھنے والوں سے بھی سالانہ مکمل قیام وطعام کا خرچ جمع کرایا جاتا ہے؛ اس لئے مطبخ ہے، مطبخ کا ناظم مسلمان ہے، جس کی نگرانی میں مسلم وغیر مسلم کھانا بناتے ہیں، اس کھانے میں سے زائد کھانا یعنی جواُن طلبہ سے بچ کر مطبخ میں رہ جاتا ہے، لاکر غریب یا صاحبِ حیثیت لوگ بھی رزق کے طور پر کھا سکتے ہیں یا نہیں؛ کیوں کہ وہ پھینک دیتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اگر اسکول کی انتظامیہ اس کھانے کو منتظم مطبخ وغیرہ کے لئے استعمال کی اِجازت دے دے، تو منتظم مطبخ اور اُس کے ساتھی اس بچے ہوئے کھانے کو استعمال کر سکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲۸۶/۱۵، امداد الفتاویٰ ۱۴۶/۴)

والحيلة أن يتصدق على فقير ثم يأمره بعد ذٰلک (بفعل هٰذه الأشياء).

(الدر المختار مع الشامي، كتاب الزكاة / باب المصرف ۳۴۵/۲ كراچی، سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الزكاة / باب المصرف ۳۲۹ دار الكتب العلمية بيروت، البحر الرائق، كتاب الزكاة / باب المصرف ۲۴۳/۲ كوئٹه) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۱۱/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر مسلم کا مدرسہ میں دان کرنا؟

سوال (۶۴۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص غیر مسلم آڑتی ہے، لوگوں کا مال آتا رہتا ہے، اس میں اکثر وبیشتر سیمپل ہوتا ہے اور وہ سیمپل اکٹھا ہوتا رہتا ہے، غیر مسلم اُس کو فروخت کر کے اُس کا روپیہ بخوشی دان کرنا چاہتا ہے،

کیا وہ دان کا روپیہ مدرسہ کی عمارت میں لگ سکتا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آئندہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو غیر مسلم کا دیا ہوا مذکورہ چندہ مدرسہ کے لئے قبول کیا جا سکتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۸۸)

اعلم أن وصايا الذمي ثلاثة أقسام: الأول جائز بالاتفاق، وهو: ما إذا أوصىٰ بما هو قربةٌ عندنا وعنده، كما إذا أوصى بأن يسرج في بيت المقدس ...... سواء كان لقوم معينين أو لا. والثاني باطل بالاتفاق، وهو: ما إذا أوصى بما ليس قربة عندنا وعندهم، كما إذا أوصى للمغنيات والنائحات، أو بما هو قربة عندنا فقط كالحج وبناء المسجد للمسلمين، إلا أن يكون لقوم بأعيانهم فيصح تمليكًا.

والثالث مختلف فيه، وهو: ما إذا أوصى بما هو قربة عندهم، كبناء الكنيسة لغير معينين، فيجوز عنده لا عندهما، وإن لمعنيين جاز إجماعًا. وحاصله أن وصيته لمعينين يجوز في الكل على أنه تمليك له. وما ذكره من الجُنة من إسراج المساجد ونحوه على الطريقة المشهورة بالالتزام، فيفعلون به ما شاء وا؛ لأنه ملكهم، والوصية إنما صحت باعتبار التمليك. زيلعي ملخصًا.

(شامي، كتاب الوصايا / فصل في وصايا الذمي وغيره ٦/ ٦٩٦ كراچی، الهداية، كتاب الوصايا / باب وصية الذمي ٤/ ٦٨٥ المكتبة الإمدادية ملتان، وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوصايا / باب وصية الذمي ٤/ ٤٥١ المكتبة الغفارية كوئٹه) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۵/۲/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ ومسجد کے مصارف کو باہم استعمال کرنا

مدرسہ کا روپیہ مسجد میں لگنے کیلئے معطین کی اِجازت شرط ہے؟

سوال (۶۴۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مدرسہ جو مختلف ممبران کے چندہ کی آمدنی سے چل رہا ہے، اوراس کا چندہ مدرسہ کے نام پر چھپی ہوئی رسید بک پر کیا جارہا ہے، اگراس روپئے کو کسی وقت ضرورت پڑنے پر مسجد میں خرچ کیا جائے، تواس میں کوئی قباحت تو نہیں؟ اس مسئلہ کو حدیث وقرآن کی روشنی مین مدلل جواب سے آگاہ کریں؛ اس لئے کہ یہ رقم ظاہر ہے کہ کچھ ممبران زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہوں گے اوراس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کی رقم مسجد میں خرچ کرنے کی اِجازت نہیں ہے، اگر خرچ کی جائے تو نفلی عطیات دینے والوں کی صراحۃً یا دلالۃً اِجازت ضروری ہے، اورزکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کی رقومات تو کسی بھی طرح مسجد میں صرف نہیں کی جاسکتیں، بے محل صرف کرنے پر ذمہ دارانِ مدرسہ زکوٰۃ کی رقم کے ضامن ہوں گے اورعند اللہ جواب دہ ہوں گے۔

ولا یجوز أن یبنی بالزکاۃ المسجد الخ. (الفتاویٰ الہندیۃ ۱۸۸/۱)

علی أنہم صرحوا بأن مراعاۃ غرض الواقفین واجبۃ. (شامي، کتاب الوقف / مطلب: مراعاۃ غرض الواقفین واجبۃ والعرف یصلح مخصصًا ۶۶۵/۶ زکریا، ۴۴۵/۴ کراچی)

إذا ذکر للوقف مصرفًا، لا بد أن یکون فیہم تنصیص علی الحاجۃ حقیقۃ. (رد المحتار، کتاب الوقف / مطلب: متی ذکر للوقف مصرفًا لا بد أن یکون الخ ۳۶۵/۴ دار الفکر بیروت)

وهنـا الـوكيـل إنـمـا يستفيد التصرف من المؤكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره. (شامي / كتاب الزكاة ٢٦٩/٢ دار الفكر بيروت)

وإذا أراد أن يصـرف شيـئًـا مـن ذٰلک إلـى إمـام الـمسجد أو إلى مؤذن الـمسـجـد فليس له ذٰلک، إلا إن كان الواقف شرط ذٰلک في الوقف، كذا في الذخيرة. (الفتاویٰ الهندية / الباب الحادي عشر في المسجد ٤٦٣/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۱/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کی رقم مسجد میں لگانا؟

سوال (۶۴۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا مدرسہ کی رقم سے محلّہ کی مسجد کے لئے چٹائی، لوٹا، مائک وغیرہ لیا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کی رقم محلّہ کی مسجد میں لگانی درست نہیں ہے؛ البتہ اگر کوئی مسجد مدرسہ کے تابع ہو تو اُس میں مدرسہ کی رقم صرف کرنا درست ہے۔

شـرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه. (شـامي، كتاب الوقف / مطلب ما خالف شرطَ الواقف فهو مخالف للنص والحكم الخ ٤٩٥/٤ کراچی، ٧٣٥/٦ زكريا، كفايت المفتى ٩٩/٧)

عـلى أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامي، كتاب الوقف / مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة والعرف يصلح مخصصًا ٦٦٥/٦ زكريا، ٤٤٥/٤ کراچی)

أجـمعت الأمة أن من شروط الواقفين ما هو صحيح معتبر يعمل به. (البحر الـرائق / كتاب الوقف ٤١١/٥ زكريا، وكذا في تبيين الحقائق / كتاب الوقف ٢٦٩/٤ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۷/۱۰/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسجد کی رقم مدرسہ کی ضرورت میں خرچ کرنا؟

سوال (۶۴۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسجد کی رقم کو مدرسہ کی ضرورت میں خرچ کرنا، نیز جب مدرسہ میں رقم آجائے تو مسجد کی رقم پوری کردینا، شرعاً یہ فعل کیسا ہے؟ اُمید کہ جواب دے کر ممنون ومشکور فرمائیں گے، نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک مد کی رقم دوسری مد میں بلاضرورت استعمال نہیں کرنی چاہئے، اور اگر شدید ضرورت کے وقت استعمال کرلی جائے تو جلد از جلد اُس کی واپسی کی فکر کریں۔

أما المال الموقوف علی المسجد الجامع إن لم تکن للمسجد حاجة للحال، فللقاضي أن یصرف في ذٰلک؛ لکن علی وجه القرض فیکون دینًا في مال الفيء. (الفتاویٰ الهندیة ۲/ ٤٦٤)

ولایجوز نقله ونقل ماله إلی مسجد آخر، سواء کانوا یصلون فیه أولا.

(شامي، کتاب الآبق / مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیره ٦/ ٥٤٨ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۲۸/۱۱/۱۴۲۵ھ

مسجد کی رقم مدرسہ میں یا مدرسہ کی مسجد میں بطور قرض دینا؟

سوال (۶۴۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا مسجد کی رقم مدرسہ میں اور مدرسہ کی رقم مسجد میں قرض کے طور پر استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہتر تو یہ ہے کہ مسجد اور مدرسہ (جب کہ اُن کا نظام الگ الگ ہو) کی رقومات بالکل الگ الگ رکھی جائیں؛ البتہ اگر کبھی سخت ضرورت پیش آجائے اور رقم واپس وصول ہونے پر اعتماد ہو، تو ایک دوسرے مد میں قرض لینے کی بھی گنجائش ہے۔

وعلى الإمام أن يجعل لكل نوع من هٰذه الأنواع بيتًا ليخصه ولا يخلط بعضه ببعض؛ لأن لكل نوع حكمًا يختص به، فإن لم يكن في بعضها شيء، فللإمام أن يستقرض عليه من النوع الآخر، ويصرفه إلى أهل ذٰلک، ثم إذا حصل من ذٰلک النوع شيء رده في المستقرض منه. (تبيين الحقائق، كتاب السير / باب العشر والخراج والجزية ۱۷۱/٤ دار الكتب العلمية بيروت، وكذا في البحر الرائق، كتاب السير / باب العشر والخراج والجزية ۲۰۰/٥-۲۰۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۹/۳/۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسجد کی جگہ مدرسہ اور مدرسہ کی جگہ میں مسجد بنانا؟

سوال (٦٥٠): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گاؤں سکٹھونگلہ میں ایک چھوٹی مسجد ہے اور اسی کے ایک طرف کافی جگہ مدرسہ کی ہے، جس میں تقریباً پچاس بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں، یہ سب بچے محلّہ ہی کے ہیں۔ اَب ضرورت ہے کہ مسجد بڑھائی جائے؛ کیوں کہ مسجد میں ممبر بھی نہیں ہے، اگر ممبر کی جگہ بنائی جائے تو مسجد بہت چھوٹی ہوجائے گی، مسجد اور مدرسہ کے چاروں طرف عام راستے ہیں۔ مسئلہ معلوم یہ کرنا ہے کہ مسجد مدرسہ کی جگہ بنائی جاسکتی ہے؟ اور مسجد کی جگہ میں مدرسہ بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس جگہ پہلے سے مسجد بنی ہوئی ہے، اُسے مدرسہ میں تبدیل نہیں کیا جاسکتا ہے؛ البتہ اگر مسجد میں توسیع کی ضرورت ہو تو ذمہ داران کے مشورہ اور رضا مندی سے مدرسہ کی زمین میں سے ضرورت کے مطابق حصہ مسجد میں شامل کرکے اُس کی توسیع کردی جائے۔ (احسن الفتاویٰ ٦/٦ ٤٥، فتاویٰ محمودیہ ۴٦٦/۲، کفایت المفتی ۱۲۹/۳، آپ کے مسائل اور اُن کا حل ۱۳٦/۲)

وأما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع. (الدر المختار مع الشامي، كتاب

الوقف / مطلب في أحكام المسجد ٥٤٨/٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۶/۱۱/۲۲ھ

ایک مدرسہ کی ضرورت سے زائد پیسہ دوسرے مدرسہ کو دینا؟

سوال (۶۵۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ کا ضرورت سے زائد بچا ہوا پیسہ دوسرے مدرسہ کو دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی مدرسہ کا زائد پیسہ دوسرے مستقل مدرسہ کو دینا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ دونوں کا نظام الگ الگ ہے، اور چندہ دہندگان نے اپنی رقومات دوسری جگہ لگانے کی اجازت نہیں دے رکھی ہے؛ البتہ دوسرا مدرسہ اگر پہلے مدرسہ کی شاخ ہو اور دونوں کا انتظام مربوط ہو، تو اس کا پیسہ ماتحت مدرسہ میں لگانے کی اجازت ہے؛ اس لئے کہ اس صورت میں یہ دوسرا مدرسہ پہلے مدرسہ کے ایک شعبہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۴۷۳/۱۵ ڈابھیل)

قال الخير الرملي: ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين، أحدهما: للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر وهي واقعة الفتوىٰ. (رد المحتار، كتاب الوقف / مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه ٣٦١/٤ كراچی، ٥٥١/٦ زكريا)

وأما إذا اختلف الواقف أو اتحد الواقف واختلف الجهة بأن بنى مدرسةً ومسجدًا وعيّن لكل وقفًا: فضل من غلة أحدهما لا يبدل شرط الواقف ...... وقد علم منه أنه لا يجوز لمتولي الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر. (البحر الرائق / كتاب الوقف ٣٦٢/٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۳/۴/۱۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک مدرسہ کی اینٹ دوسرے میں لگانا؟

سوال (۶۵۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص مدرسہ، دعوت وتبلیغ اور بیعت وارشاد کی ذمہ داریاں ایک ساتھ نبھائے اور اہل ضلع وملک عقیدت رکھیں اور مریدین کی بھی بڑی تعداد ہو، اور خورد وبرد یعنی پچاس ہزار اینٹ مدرسہ سے لے جاکر گھر یا کسی دوسرے مدرسہ میں لگادیں، اور رسیدوں سے چندہ کرکے رسید بکیں کمیٹی کو سپرد نہ کریں، تحریری گڑبڑ پکڑے جانا ایک ادارہ سے تین ہزار روپئے ماہانہ تنخواہ لینا، چندہ دوسرے مدرسہ کی بکوں سے کرنا جہاں پر طلبہ بھی نہ ہوں، اور تین لاکھ کی مالیت بیٹے کے نام کرادینا، جو اِن خلافِ شرع اُمور میں ملوث ہوں۔

تو کیا عالم صاحب کو عوام نظر انداز کردیں اور تعظیم علماء کے تحت اُن کے افعال کو مکمل طور سے چھپالیں اور وہ اپنا کام علی الاعلان جاری رکھیں، یا عوام افشاء واعلان کریں یا مخفی کوشش کریں، کیا لازم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک مدرسہ کی اینٹ دوسرے مدرسہ یا اپنے ذاتی گھر میں لگانا اور رسیدوں سے چندہ کرکے اُس کا حساب نہ دینا اور غیر کی ملکیت اپنے بیٹے کے نام کرنا ناجائز اور حرام ہے، جو شخص بھی اِن اُمور میں ملوث ہو اُس کی اصلاح کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔

(فتاویٰ محمودیہ ۱۲/۲۱۳ قدیم زکریا)

لأنـه لـو أنـفـق عـلى نفسه فقد استحكم ما ارتكبه من الفعل الحرام. (بذل المجهود ۱/۱٤۸ قديم سهارنفور)

لا يـجـوز لـمتولي الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر. (البحر الرائق / كتاب الوقف ٥/٣٦٢ زكريا)

لا يـجوز التصرف في مال غيره الخ؛ لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف

فيه بوصف الاختصاص . (شامي، كتاب البيوع / مطلب في تعريف المال والملك الخ ٤/٢ ٥٠ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہٗ ۱۴۲۴/۲/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کے موٹر کا پانی محلّہ کی مسجد میں صرف کرنا

سوال (۶۵۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: وہ پانی کا موٹر جومن جانب مدرسہ ہو، کیا اُس کا پانی محلّہ کی مسجد میں صرف ہوسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو موٹر مدرسہ کی رقم سے خریدا گیا ہے، اُس کا پانی اہلِ مدرسہ ہی کی ضروریات میں خرچ ہونا چاہئے، ہاں اگر کسی شخص نے موٹر چندہ میں دیا ہے اور اُس کی نیت یہ ہے کہ سبھی پاکی حاصل کرنے والے اِس سے فائدہ اٹھائیں، تو اُس کا پانی مسجد میں بھی پہنچایا جاسکتا ہے۔

على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامي، كتاب الوقف / مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة والعرف يصلح مخصصًا ٦/٦٦٥ زكريا، ٤/٤٤٥ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہٗ ۱۴۱۷/۱۰/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کے جنریٹر کا کنکشن محلّہ کی مسجد میں دینا

سوال (۶۵۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ کی رقم سے جو جنریٹر آیا ہو، کیا اس کا کنکشن محلّہ کی مسجد میں دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس جگہ مسجد اور مدرسہ کا نظام الگ الگ ہو، اور مدرسہ

میں دی جانے والی رقم کا منشاء صرف مدرسہ ہی کی ضروریات میں خرچ کرنا ہو، تو وہاں اگر مدرسہ کی رقم سے جنریٹر خریدا گیا ہے تو اُس کی روشنی مسجد میں مفت استعمال نہ کی جائے؛ بلکہ مسجد کی طرف سے اس روشنی پر کچھ کرایہ مقرر کردینا چاہئے؛ تاکہ چندہ دہندگان کے مقصد کی خلاف ورزی نہ ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۴/۶۴۹ ڈابھیل)

شرط الواقف کنص الشارع أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به. (الدر المختار، کتاب الوقف / مطلب في قولهم شرط الواقف کنص الشارع، ومطلب: بیان مفهوم المخالفة ٤/٤٣٣-٤٣٤ کراچی، ٦/٦٤٩ زکریا، وکذا في الأشباه والنظائر، کتاب الوقف / الفن الثاني، الفوائد: ١/٣٠٥ إدارة القرآن کراچی، تنقیح الفتاویٰ الحامدیة ١/١٢٦ المکتبة المیمنیة مصر)

وهنا الوکیل إنما یستفید التصرف من المؤکل، وقد أمره بالدفع إلی فلان، فلا یملک الدفع إلی غیره. (رد المحتار / کتاب الزکاة ٢/٢٦٩ کراچی)

بعث شمعًا في شهر رمضان إلی مسجد فاحترق، وبقي منه ثلثه أو دونه، لیس للإمام ولا للمؤذن أن یأخذ بغیر إذن الدافع. ولو کان العرف في ذٰلک الموضع أن الإمام والمؤذن یأخذه من غیر صریح الإذن في ذٰلک فله ذٰلک الخ. (البحر الرائق، کتاب الوقف / فصل في أحکام المساجد ٥/٤١٩ زکریا)

ولا تجوز إجارة الوقف إلا بأجر المثل. (الفتاویٰ الهندیة / الباب الخامس من کتاب الوقف ٢/٤١٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۷/۱۰/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کا ۵؍ ہزار کا درخت ۱۰۰؍ روپئے میں فروخت کرکے آمدنی مسجد میں استعمال کرنا؟

سوال (۶۵۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: مدرسہ اور مسجد بالکل قریب ہے، صرف درمیان میں ایک دیوار ہے، مدرسہ اور مسجد کی کمیٹی بھی الگ الگ ہے۔ میرا سوال یہ ہے کہ مدرسہ میں ایک درخت تھا، مسجد کی کمیٹی نے اُس درخت کو کاٹ لیا، کاٹنے کے بعد دونوں کمیٹی نے جھگڑا کیا، اِس کے بعد مدرسہ کے مہتمم نے ۵ ہزار روپئے کا درخت ایک سو روپئے میں بیچ دیا، یعنی ۵ ہزار روپئے کا درخت ایک سو روپئے میں دینا اور اس درخت کو مسجد میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ قوم کی اَمانت ہے، مہتمم مدرسہ کے لئے جائز نہیں ہے کہ مدرسہ کے درخت یا کسی اور چیز کو عام قیمت سے کم پر بیچے، جس میں غبن فاحش ہو؛ اس لئے مدرسہ کے ذمہ داران حضرات اور محلّہ کے بااثر لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اس بیع کو فسخ کریں یا مناسب قیمت وصول کریں۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۱۲/۲۲۱)

وذكر الخصاف أن الواقف أيضًا إذا آجر بالأقل مما لا يتغابن الناس فيه لم تجز ويبطلها القاضي. (شامي، كتاب الوقف / مطلب: إذا آجر المتولي بغبن فاحشن كان خيانة ٤/٦ ٦١ زكريا)

ولا تجوز إجارة الوقف إلا بأجر المثل. (الفتاویٰ الهندية / الباب الخامس من كتاب الوقف ٢/ ٤١٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۱/۳/۲۰ھ

مسجد کی ضرورت کے پیشِ نظر مدرسہ کے لئے خرید کردہ حصہ مسجد میں شامل کرنا؟

سوال (۶۵۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: محلّہ اسلام نگر کالاگڑھ ضلع بجنور میں ایک چھوٹی مسجد ہے، اور اسی سے متصل ایک مکتب چل

رہا ہے، ذمہ دار حضرات نے راستہ سے متصل مسجد کی دوسری سمت میں مدرسہ کے لئے جگہ خریدی تھی، اور اَب مسجد تنگ ہونے اور جمعہ وعیدین میں لوگوں کو پریشانی کا سامنا کرنے کی وجہ سے ذمہ دار حضرات یہ چاہتے ہیں کہ اس مدرسہ کی جگہ کو مسجد میں شامل کر کے اس کو کشادہ کرلیں اور اسی میں کچھ دوکانیں بھی بنالیں، جو مسجد کی آمدنی کا ذریعہ ہو، اور مسجد و مدرسہ کے ذمہ دار بھی ایک ہی ہیں۔ تو کیا اس مدرسہ کی جگہ کو مسجد میں شامل کر کے مسجد کی توسیع کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور مسجد کے فنڈ کو اس کی تعمیر میں لگایا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ مسجد و مدرسہ ایک ہی منتظمہ کمیٹی کے زیر انتظام ہے، تو مسئولہ صورت میں مسجد کی ضرورت کے پیشِ نظر مدرسہ کے لئے خرید کردہ حصہ مسجد میں شامل کیا جاسکتا ہے، اور اس میں دوکانیں بنانے کے بجائے مدرسہ کی ہی مختصر عمارت بنوادی جائے؛ تاکہ مدرسہ کی ضرورت بھی پوری ہوسکے، مسجد کی توسیع میں مسجد کا روپیہ لگایا جاسکتا ہے اور مدرسہ کی تعمیر کے لئے اسی عنوان سے چندہ کرلیا جائے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۱۳۵، فتاویٰ رحیمیہ ۲/۱۸۷)

وفي شرح الملتقى: يصرف وقفها لأقرب مجانس لها. (شامي، كتاب الآبق / مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره ٦/٥٤٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۵/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مشترکہ جائیداد میں مدرسہ قائم ہوجانے کے بعد ایک شریک کا اُس میں مسجد بنانا؟

سوال (۶۵۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ’’مدرسہ مدینۃ العلوم‘‘ ایک تعمیر شدہ آراضی میں آٹھ سال سے قائم ہے، اس آراضی کا بیع نامہ چار بھائیوں کے نام ہیں، بکر، عبداللہ، لیاقت، امیر حسن، پانچواں بھائی مختار ہے، مختار نے اپنے

بھائی لیاقت کا حصہ ۴۰؍ ہزار روپئے میں خرید لیا، اور خریدنے کے بعد گواہان: شرافت علی، محمد حنیف، الیاس انجم، اقبال احمد وغیرہ کی موجودگی میں بذاتِ خود تالا کھول کر اور یہ کہہ کر کہ میں مدرسہ کو دے رہا ہوں، چابی انتظامیہ کے حوالہ کردی، اَب مدرسہ کا قیام عمل میں آیا، جب مدرسہ چل پڑا ،اُس وقت مختار کے بھائی بکر، عبداللہ بھی زندہ تھے، اُنہوں نے اپنی زندگی میں مدرسہ چلنے سے اعتراض بھی نہیں کیا، معلوم ہوا کہ وہ بھی مدرسہ چلنے سے رضامند تھے، ایک بھائی امیر حسن جو ایک حصہ کا مالک ہے، وہ یہ چاہتا ہے کہ اس جگہ مسجد قائم ہو، یہ جگہ مسجد کے لئے دی ہے، کل زمین ۲۵۵؍ گز ہے، صورتِ مذکورہ میں کتنی جگہ میں مسجد قائم ہو اور کتنی جگہ میں مدرسہ قائم ہو، یا ایک حصہ کے مالک کو اس کی قیمت دی جاسکتی ہے؛ تاکہ اس رقم کو دیگر مسجد میں صرف کردیں یا نہیں؟ اس مسجد کی جگہ میں مدرسہ قائم ہوسکتا ہے یا نہیں؟

اِس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ مدرسہ بند کردیا گیا ہے، جس میں مقامی طلبہ کے علاوہ بیرونی طلبہ بھی زیرِ تعلیم تھے، مکمل اخراجات مدرسہ برداشت کرتا تھا، اور مدرسہ کی ملکیت میں کوئی آراضی بھی نہیں ہے، اس صورت میں مدرسہ بند کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں امیر حسن صرف اپنے حصہ والی جگہ میں مسجد قائم کرنے کا مجاز ہے، اور جو حصہ اس کے دیگر بھائیوں نے مدرسہ کے نام دیا ہے وہ مدرسہ ہی کا ہے، اُسے زبردستی مسجد قرار نہیں دیا جاسکتا اور اس حصہ میں قائم مدرسہ کو بدستور جاری رکھنا چاہئے، اُسے بند کرنے کا حق کسی کو نہیں۔

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة لسليم رستم باز / الفصل الأول في بعض قواعد في أحكام الأملاك ۱/ ٦٥٤ رقم المادة: ۱۹۲)

شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به.

(الدر المختار، كتاب الوقف / مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، ومطلب: بيان مفهوم المخالفة

٤٣٣/٤-٤٣٤ كراچی، ٦٤٩/٦ زكريا، وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف / الفن الثاني، الفوائد: ٣٠٥/١ إدارة القرآن كراچی، تنقيح الفتاویٰ الحامدية ١٢٦/١ المكتبة الميمنية مصر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۶/۵/۲٦ھ

نیچے مدرسہ اور اوپر مسجد بنانا؟

سوال (٦٥٨): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے اپنے مرحوم والد کی طرف سے مدرسہ کو زمین دی اور اس نیت سے دی کہ مدرسہ نیچے بنایا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ تبلیغ کا کام بھی چلتا رہے، اِسی نیت سے اوپر مسجد بنانے کا عزم کیا گیا اور اس زمین میں ایک شخص نے فاؤنڈیشن بنانے کے لئے ۸۰/ہزار روپئے دئے، اور اُس کی بھی یہی نیت تھی کہ نیچے مدرسہ اور اوپر مسجد بنائی جائے؛ لیکن بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ مسجد نیچے بنائی جائے اور اوپر مدرسہ۔

جواب طلب امر یہ ہے کہ آیا مدرسہ اوپر اور مسجد نیچے بنائی جائے، یا پھر زمین دینے والے اور فاؤنڈیشن کی رقم دینے والے کی نیت کے مطابق نیچے مدرسہ اور اوپر مسجد بنائی جائے؟ اس مسئلہ میں ہماری رہنمائی فرمائیں

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: واقف کی نیت جب شروع سے یہ تھی کہ نیچے مدرسہ بنایا جائے اور اوپر مسجد، اور تعمیری مد میں چندہ دینے والے کا ارادہ بھی یہی تھا، تو اُسی کے مطابق اس جگہ پر تعمیر ہونی چاہئے، اور ایسی صورت میں مدرسہ والا حصہ شرعی اعتبار سے مسجد نہیں قرار دیا جائے گا۔

شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به.

(الدر المختار، كتاب الوقف / مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، ومطلب: بيان مفهوم المخالفة ٤٣٣/٤-٤٣٤ كراچی، ٦٤٩/٦ زكريا، وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف / الفن الثاني، الفوائد:

۳۰۵/۱ إدارة القرآن کراچی، تنقیح الفتاویٰ الحامدیة ۱۲٦/۱ المکتبة المیمنیة مصر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۵/۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کا درخت اور زمین مسجد میں استعمال کرنا؟

سوال (۲۵۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ کا درخت مسجد میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور مدرسہ کی زمین مسجد میں داخل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر داخل ہوگئی تو کیا کرنا ہے؟ دونوں کی کمیٹی بھی الگ الگ ہے، اور زمین وقف کرنے والا بھی الگ الگ ہیں، یہاں کے لوگ فرماتے ہیں کہ مسجد اور مدرسہ ایک چیز ہے اس میں کوئی خرابی نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک وقف کا سامان یا جائیداد دوسرے وقف میں لگانے کی اِجازت نہیں ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں مدرسہ کا جو درخت یا زمین مسجد میں شامل کی گئی، اُس کا مدرسہ کو واپس کرنا لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۲/۱۸۷)

وإن اختلف أحدهما بأن بنی رجلان مسجدین أو رجل مسجدًا ومدرسةً، ووقف علیهما أوقافًا، لا یجوز له ذٰلک. (الدر المختار، کتاب الوقف / مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه ۱/٦ ۵۵ زکریا)

وقد علم منه أنه لا یجوز لمتولي الشیخونیة بالقاهرة صرف أحد الوقفین للآخر. (البحر الرائق / کتاب الوقف ۳٦۲/۵ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۳/۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چک بندی میں نئے مدرسہ کے نام پر چھوڑی گئی زمین کو تقسیم کرنا؟

سوال (۲٦۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ہمارے گاؤں میں دو مدرسے ہیں، ابھی گاؤں میں چک بندی ہوئی ہے جس میں ایک صاحب نے دوڑ بھاگ کر کے کچھ زمین قبرستان کے نام سے اور کچھ زمین نیا مدرسہ بنانے کے لئے چھوڑوائی ہے، اوراس طرح زمین پورے گاؤں کے مصالح کے لئے چھوڑ دی جاتی ہے، اِس لئے بعض کی رائے یہ ہے کہ وہ زمین دونوں مدرسوں میں دے دی جائے، نیا مدرسہ نہ کھولا جائے۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ ہم نے چھوڑ وائی ہے، اِس لئے ہمارے ہی مدرسہ میں دی جائے، ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟ نیز قبرستان کے نام سے چھوڑی گئی زمین کو کیا مدرسہ میں دینا جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو زمین حکومت کی طرف سے چک بندی میں جس مقصد کے لئے چھوڑی گئی ہے، اُسے اُسی مصرف میں استعمال کیا جائے گا، مثلاً جو زمین قبرستان کے لئے ہے، وہ صرف تدفین کے لئے استعمال ہوگی اور جو زمین نئے مدرسے کے لئے چھوڑی گئی ہے، وہ نئے مدرسہ ہی کے لئے کام میں لائی جائے گی، اس میں ردو بدل درست نہ ہوگا۔

شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به.

(الدر المختار، كتاب الوقف / مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، ومطلب: بيان مفهوم المخالفة ٤٣٣/٤-٤٣٤ كراچی، ٦٤٩/٦ زكريا، وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف / الفن الثاني، الفوائد: ٣٠٥/١ إدارة القرآن كراچی، تنقيح الفتاویٰ الحامدية ١٢٦/١ المكتبة الميمنية مصر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۵/۱۱/۲۹ھ

مسجد مدرسہ کی ایک کمیٹی اور اُس کا طریقۂ کار؟

سوال (٦٦١): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں مدرسہ دار الرحمت مسجد مغلوں والی میں بچوں کو دونوں وقت پڑھاتا ہوں، اور تاج محل بلڈنگ کے سامنے جو مسجد ہے اُس میں نماز پڑھاتا ہوں، تھوڑے فاصلے پر پاس ہی میں ایک نئی

آبادی ہے، وہاں مسورہ خاتون زوجہ منشی عوض خاں مرحوم (والدہ نسیم خاں وخلیل خاں) کا ایک کھیت ہے، اس میں سے مسورہ خاتون نے ۲۵۰ ر میٹر زمین مسجد کے لئے دی اور کئی ہزار روپئے بھی دئے، اور اُن کے لڑکے نسیم خاں ہر ماہ امام کی تنخواہ میں سو روپئے بھی دیتے ہیں اور ہر موقع پر مسجد کے کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، مسجد کا چارج چھ یا سات سال اور لوگوں کے ذمہ رہا، پہلے چھنگے صاحب، پھر خلیفہ صاحب، پھر ممبر شفیق احمد صاحب کے ذمہ، اور ہم نے اپنے مقتدیوں کو جوڑ کر کوشش کر کے زمین خرید کر ایک مدرسہ تعلیم القرآن مسجد کے پیچھے قائم کیا، اور تین سو نو میٹر زمین مسجد کے آگے خریدی ہے، مدرسہ کی کمیٹی میں زیادہ تر ہم نے اپنے مقتدیوں کو لیا ہے، صدر، خزانچی، ممبران سب ہمارے مقتدی حضرات ہی ہیں، جس حلقہ میں مدرسہ ہے اُن لوگوں میں سے چند لوگوں کو جو صحیح العقائد ہیں، مدرسہ کی کمیٹی میں شامل کر لیا ہے۔

یکم ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ کو ممبر شفیق احمد، حافظ چھدہ اور کلن بھائی، مسورہ خاتون اور نسیم خاں نے مسجد اور مدرسہ کا متولی و مہتمم احقر کو بنا دیا۔ اور مسورہ خاتون جو مسجد کے اصل ذمہ دار ہیں اور کمیٹی کے لوگوں نے احقر کو پورا پورا اختیار دے دیا ہے۔

اَب میں عام لوگوں سے آزاد ہو کر صحیح شرعی اُصول کے مطابق علماء کرام سے مشورہ لے کر یا کمیٹی کے ذمہ دار دانشور لوگوں سے مشورہ کر کے کام کر رہا ہوں، جب مسجد مدرسہ کے تحت آ گئی تو جو کمیٹی مدرسہ کی تھی وہی کمیٹی مسجد کی ہو گئی، اور مدرسہ مسجد کے پیچھے ہے، ہم نے دیکھا کہ برسات کے موقع پر رات میں مسجد میں آنے جانے کے لئے طلبہ اور اساتذہ کو پریشانی ہوتی ہے، تو ہم نے کمیٹی کے ذمہ دار لوگوں اور نسیم خاں سے مشورہ کر کے مدرسہ میں سے مسجد میں آنے جانے کے لئے بائیں طرف کے ایک کونے میں دروازہ کھول دیا ہے، اور برسات کے موسم میں مسجد کے چاروں طرف پانی بھر جاتا ہے؛ اس لئے عام نمازی لوگوں کو بھی مدرسہ میں ہو کر ہی جانے میں آسانی ہوتی ہے؟

(۱) تو یہ کمیٹی مسجد اور مدرسہ کی درست ہے یا نہیں؟

(۲) ہمارے مشورہ کا یہ طریقۂ کار صحیح ہے یا نہیں؟

(۳) دروازہ کھولنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسبِ تحریرِ سوال، مدرسہ ومسجد کی مذکورہ کمیٹی بنانا اور باہم مشورہ سے کام کرنا شرعاً درست ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ [الشوری، جزء آیت: ۳۸]

عن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده رضي اللّٰه عنه أن رسو ل اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحًا حرّم حلالاً أوأحلّ حرامًا، والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالاً أو أحل حرامًا.

(سنن الترمذي، أبواب الأحكام / باب ما ذكر عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في الصلح بين الناس ۲۵۱/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱۱/۲۳ھ

مدرسۃ البنات اور اُسکے شرعی اَحکام

مدرسۃ البنات کی شرائط اور دورِ نبوی میں اُس کا ثبوت؟

سوال (٦٦٢): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے شہر کے لوگوں کی نیز ہماری بہت دنوں سے تمنا ہے کہ شہر کے اندر ایک لڑکیوں کا مدرسہ کھول کر تعلیم کے ساتھ ساتھ قیام وطعام کا نظم بھی ہو (لڑکوں کے مدرسہ کی طرح) تو کیا اِس طرح کا مدرسہ قائم کرنے کی گنجائش ہے؟ اگر ہے تو کیا اِس کی مثال دورِ نبوت یا ماضی قریب وبعید میں مل سکتی ہے؟ اگر گنجائش نہیں ہے تو پھر جو اِس طرح کے مدارس رائج ہیں، اُن کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتوں کا اپنے محارم یا دیگر جانکار عورتوں سے دینی معلومات حاصل کرنے کا سلسلہ تو شروع ہی سے رہا ہے؛ لیکن موجودہ دور کی طرح مدرسۃ البنات کی نظیر دورِ اول میں نہیں ملتی، اور لڑکیوں کا محارم کے بغیر کسی جگہ اِجتماع عموماً فتنہ کا سبب بنتا ہے؛ اِس لئے اِس طرح کے اِقامتی مدارس کے قیام کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاسکتی؛ تاہم جو مدارس قائم ہوچکے ہیں اُن میں درج ذیل شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری اور لازم ہے:

(۱) پردہ کا مکمل اہتمام ہو، آمد ورفت یا اِقامت کے دوران کوئی بھی سیانی بچی جس کی عمر فقہاء نے ۹-۱۰/ برس لکھی ہے، بے پردہ نہ پائی جائے۔

(۲) ملازمین حتیٰ کہ چپراسی، دربان یا ڈرائیور کسی سے طالبہ کا قطعاً کوئی رابطہ نہ ہو، اور اس کی سخت نگرانی کی جائے۔

(۳) مدرسہ میں پڑھانے والی صرف اُستانیاں ہوں، کسی بھی مرد اُستاذ (جوان یا بوڑھے)

کو ہرگز مدرس نہ رکھا جائے، خواہ وہ کتنا ہی پاک باز اور صالح کیوں نہ ہو؛ اِس لئے کہ شیطان کے اثر سے حفاظت کی کوئی ضمانت نہیں دے سکتا۔

(۴) مدرسہ کا نصاب معتبر علماء کے ذریعہ تجویز کرایا جائے، یہ نہ ہو کہ جیسا جی میں آیا کتابیں متعین کرلیں اور تعلیم شروع کردی۔

(۵) ہر لڑکی کو عالمہ فاضلہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ ضروری دینی معلومات اور روز مرہ کی ضرورت کا علم سب کو سکھایا جائے۔ اور جو لڑکیاں ذہین، باکردار اور سلیم الطبع ہوں، آگے کی تعلیم صرف ایسی ہی لڑکیوں کو دی جائے۔

(۶) تعلیم کے ساتھ تربیت اور اُمور خانہ داری کی مشق پر بھرپور توجہ دی جائے۔

(۷) منتظمین اپنی محارم عورتوں کے ذریعہ نظام چلائیں، ایسا نہ ہو کہ مرد منتظم بالکل اَجنبی ہو اور خواتین اُستانیوں اور ذمہ داروں میں کوئی اس کا محرم نہ ہو، ایسی صورت میں سخت فتنہ کا اندیشہ ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۲/۳۵، فتاویٰ رحیمیہ ۹/۴۵، احسن الفتاویٰ ۸/۵۹، بہشتی زیور ۱/۸۷، اشرف الجواب ۲/۱۹۷، اصلاحِ انقلاب ۱/۲۶۸-۳۷۳، اصلاح الیتامی ۴۰۴، التبلیغ وعظ: کساء النساء ۲/۶۲، بحوالہ اسلامی حکومت و دستور مملکت ۳۳۰-۳۳۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۸/۵/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسۃ البنات کا قائم کرنا کیسا ہے؟

سوال (۶۶۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری مستورات کی دینی تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے ہماری پوری معاشرت بگڑ گئی ہے، اِس لئے ہم کچھ لوگ چاہتے ہیں کہ مندرجہ ذیل اُمور کا لحاظ رکھتے ہوئے مثلاً اُن کے لئے دارالاقامہ ہو، پردہ کا پورا پورا اہتمام ہو، نیز اُن کی تعلیم وتربیت دینے والی مستورات ہی ہوں، تو لڑکیوں کے لئے مدرسۃ البنات قائم کرنا کیسا ہے؟ بعض حضرات اِس کی مخالفت کرتے ہیں، تو مدرسۃ البنات کا قائم کرنا از روئے شریعت درست ہے یا نہیں؟ جب کہ اُس میں بالغہ ونابالغہ سب لڑکیاں پڑھیں گی؟

شریعت میں مزید کچھ شرائط ہوں تو اُنہیں بھی واضح فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتوں کو دینی تعلیم دینے کے لئے ایسے مدارس قائم کرنا جن میں پردے کا مکمل انتظام ہو، لباس اسلامی ہو اور وہاں بچیوں کے رہنے اور گھروں سے آنے جانے میں دینی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، بلاشبہ جائز ہے اور معاشرہ کی ایک اہم ضرورت ہے، اِس طرح کے اِداروں کے منتظمین کا بھی تقویٰ، طہارت اور اخلاص جیسی صفات سے متصف ہونا ضروری ہے؛ تاکہ آئندہ مفاسد اور فتنوں پر بندش رہے۔ کفایت المفتی میں ہے:

جملۃ الامر ایں کہ مدارسِ صبیات مختصہ بصبیات باشد واجتماع وحضور وآمد ورفت اِیشاں بمدارس بطورے منضبط کردہ شود کہ احتمال تطرق فساد باقی نماند۔ (کفایت المفتی ۲/۶۰ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۹/۱۱/۱۴۱۴ھ

مدرسۃ البنات اور نسواں کالج کا حکم؟

سوال (۶۶۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل تعلیم نسواں کی طرف عوام وخواص کا رجحان بہت تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے، اس کی بابت مندرجہ ذیل باتیں معلوم کرنی ہیں، امید ہے کہ جواب مدلل سے نوازیں گے؟

دینی ودنیاوی دونوں صنف کی تعلیم کے لئے نسواں کالج اور نسواں عربی ادارے جاری ہیں، مزید اور کھلتے چلے جارہے ہیں، اور بعض جگہ مدرسہ اور اسکول کی بسیں چلتی ہیں، جس کے ڈرائیور اور کنڈیکٹر مرد ہی ہوتے ہیں، اور گاڑیوں پر بٹھا کر ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں تک سیر کراتے ہوئے پھر اسکول تک پہنچاتے ہیں۔ بعض مدرسوں میں عربی کی تعلیم ہوتی ہے اور بچیوں کے قیام وطعام کا بھی نظم رہتا ہے، دور دراز کی بالغہ اور نابالغہ بچیاں بلاکسی محرم کے یہاں پر رہتی ہیں، اور اکثر وبیشتر نسواں مدرسوں کے ذمہ دار مرد ہی ہوتے ہے، اور مسائلِ شرعیہ سے ناواقف بھی ہوتے ہیں، اور اِس کے علاوہ آزاد قسم کے ہوتے ہیں، الا ماشاء اللہ کوئی دین دار اور صالح ہو؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتوں کی تعلیم کا مسئلہ نہایت نازک ہے، اِس پرفتن دور میں لڑکیوں کا گھروں سے باہر نکلنا ہی بے راہ روی کا باعث ہے، اس لئے سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ گھروں میں رہ کر ہی اُن کی تعلیم کا نظم کرنا چاہئے، اگر گھر میں رہ کر تعلیم نہ ہوسکے تو دوسرا درجہ یہ ہے کہ محلّہ محلّہ اُن کی تعلیم کے لئے پردہ کے معقول انتظام کے ساتھ مکاتب و مدارس ہونے چاہئیں؛ تاکہ اُنہیں گھر سے دور نہ جانا پڑے اور گھر والے بآسانی اُن کی نگرانی کرسکیں، اگر قومی لاپرواہی کے سبب محلّہ وار مکاتب وغیرہ بھی نہ ہوں تو بھی عورتوں کی دنیوی اعلیٰ تعلیم اور ڈگریاں حاصل کرنے کی غرض سے ''نسواں کالج'' کا قیام شریعت کی نظر میں غیر ضروری ہے، اور ایسے کالجوں میں پائی جانے والی معاشرتی خرابیوں اور بے حیائیوں کے سبب اِس طرح کے اداروں کو قائم کرنے سے منع کیا جائے گا؛ لیکن اگر لڑکیوں کی دینی تعلیم کے لئے اعلیٰ تعلیمی مدارس اِس مقصد سے قائم کئے جائیں؛ تاکہ مسلمان بچیاں عصری تعلیم گاہوں میں جانے کے بجائے شریعت اور پردہ کی پابند ہوکر دین سیکھیں اور اِس کے بعد اپنے گھروں کا ماحول دینی بنائیں، تو اِس مقصد سے خواتین کے دینی مدارس کا قیام نہ صرف جائز؛ بلکہ مستحسن ہوگا، اور اس مدرسہ کے ذمہ داروں پر یہ نازک ذمہ داری عائد ہوگی کہ وہ پورے حزم واحتیاط اور انتہائی سوجھ بوجھ کے ساتھ شریعت کے دائرہ میں رہ کر اِس ادارہ کو چلائیں، پردہ کا مکمل انتظام ہو، معلمات خود دین دار اور پابند شریعت ہوں، لڑکیوں کے ساتھ کسی بھی طرح مردوں کا اختلاط نہ ہو، وغیرہ وغیرہ۔

بچیوں کا نامحرم ڈرائیور اور کنڈکٹر کے ساتھ بس میں بیٹھ کر مدرسہ آنا بھی فتنہ سے خالی نہیں ہے؛ اس لئے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ساری بچیاں اتر جاتی ہیں اور ایک دو بچیاں بس میں اکیلی رہ جاتی ہیں اور نامحرموں سے تنہائی کی صورت ہوجاتی ہے، جو نہایت خطرناک ہے، اس لئے یا تو لڑکیوں کے محرم اپنے طور پر بچیوں کو مدرسہ لایا کریں، یا کم ازکم مدرسہ کی جانب سے کسی عمر دراز ثقہ عورت کو بس میں بٹھایا جائے، وہ بچیوں کو لایا اور لے جایا کرے، اِس طرح انشاء اللہ فتنہ کا خطرہ کم رہے گا۔

جونسوانی مدارس اِقامتی ہیں اور وہاں پردہ کا معقول نظم ہے اور ذمہ دار دیانت دار اور متقی ہیں اور اندرونی نگرانی معلمات اور عورتوں ہی کے ذمہ ہے، تو وہاں تعلیم کی غرض سے دور دراز کی بچیوں کے قیام کی بھی شرعاً اجازت ہے، ہاں اگر کسی وجہ سے فتنہ کا قوی اندیشہ ہو تو پھر وہاں بچیوں کے ٹھہرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۵/ ۲۶۷)

وفي الأشباه: الخلوة بالأجنبية حرام. (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء ۵۲۹/۹ زكريا، ۳٦۸/٦ كراچی)

وقال الشامي بحثًا: ويظهر أن مرادهم بالمرأة الثقة أن تكون عجوزًا لا يجامع مثلها مع كونها قادرةً على الدفع عنها وعن المطلقة فليتأمل. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء ۳٦۸/٦ كراچی، ۵۳۰/۹ زكريا)

وقيام المرأة في غير بيتها للتعليم يستأنى من قيام عمرة بنت عبد الرحمن عند أم المؤمنين سيدتنا عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها كما هو منقول في الإكمال في أسماء الرجال مع مشكوٰة المصابيح / فصل في التابعيات ٦١٢/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/ ۳/ ۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موجودہ زمانے میں مدارس البنات کا کیا حکم ہے؟

سوال (٦٦۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: موجودہ دور میں مدارسِ نسواں مختلف ناموں سے بکثرت کھل رہے ہیں، اور اُن کو قائم کرنے والے علماء اکثر مسلک دیوبندی سے تعلق رکھتے ہیں، جو بہت سے دلائل وفضائل اُن کے قیام وبقاء کے بیان کرتے ہیں، اُن میں اکثر طالبات قیام کے ساتھ یا بلا قیام کے جو داخل ہوتی ہیں وہ عاقلہ بالغہ یا مراہقہ ہوتی ہیں، پڑھانے والے ایسے مدارس میں اکثر عورتیں ہوتی ہیں، کہیں کہیں تمام درجات یا اُوپر کے درجات میں مرد علماء ہوتے ہیں؛ لیکن نظم واہتمام مردوں کا ہی رہتا ہے۔ اب

سوال یہ ہے کہ:

الف:- کیامدارس نسواں کا قیام اس پرفتن دور میں جائز ہے؟

ب:- عاقلہ بالغہ یا مراہقہ لڑکیوں کا گھر سے باہر دوسری بستی یا شہر میں یا اپنی ہی بستی یا شہر میں مدرسۃ البنات میں قیام یا بلا قیام کے ساتھ داخل ہوکر تعلیم حاصل کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

ج:- مسلم لڑکی کے لئے عالمہ بننے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

د:- عاقلہ بالغہ یا مراہقہ یا مشتہاۃ کا کسی عالم مرد سے پردہ یا بلا پردہ تعلیم حاصل کرنا اپنی آوازوں کو سنانا، یا اُن کی آواز سننا کیسا ہے؟

ہ:- مدرسۃ البنات کے ذمہ دار چندہ بھی وصول کرتے ہیں، اور طالبات سے فیس بھی لیتے ہیں، کیا اُن کے لئے جب فیس لیتے ہیں، تو چندہ وصول کرنا ایسے مدارس کے لئے جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آج کے دور میں بچیوں کی تعلیم کا مسئلہ بہت نازک ہے؛ کیوں کہ ایک طرف مسلمان ہونے کی حیثیت سے بقدرِ ضرورت دینی تعلیم ناگزیر ہے؛ لیکن دوسری جانب سماجی اور معاشرتی تقاضوں کی بناپر عصری تعلیم کی بھی ضرورت موجود ہے؛ کیوں کہ تعلیم کے بغیر بچیوں کے رشتہ ناطہ میں بڑی رکاوٹیں پیش آنے لگی ہیں، اور آج کل گھروں کا ماحول اِس طرح بن گیا ہے کہ وہاں رہتے ہوئے بچیوں کو تعلیم دینے کی کوئی صورت نہیں، نیز قریبی رشتہ داریوں میں بھیجنا بھی فتنہ سے خالی نہیں؛ اِس لئے حالاتِ زمانہ کے تقاضوں اور ضرورتوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اور گویا کہ ''أھون البلیتین'' کو اختیار کرتے ہوئے بچیوں کی تعلیم کے واسطے مدارسِ نسواں قائم کرنا بادلِ ناخواستہ گوارہ کرلیا گیا ہے؛ لیکن ایسے اداروں کے منتظمین پر دوہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اگر وہ شرعی حدود کی رعایت نہیں رکھیں گے، تو دنیاوآخرت ہر جگہ مؤاخذہ دار ہوں گے، ان مدارس میں پردہ کا مضبوط انتظام ہونا چاہئے، اور اُن میں پڑھانے والیاں صرف ایسی خواتین ہونی چاہئیں، جو علم وعمل سے متصف ہوں؛ تاکہ اُس کی دینی تربیت کا رنگ بچیوں میں

ظاہر ہوکر رہے، اور اُن مدارس میں مناسب فیس لینا بھی درست ہے، اور غریب بچیوں کی فیس کے لئے زکوٰۃ وصدقات کی رقم اَمانت ودیانت کے ساتھ لگانا بھی جائز ہے؛ لیکن زکوٰۃ کی رقم انتظامی اور تعمیری اُمور میں صرف کرنی درست نہیں۔

يحمل الضرر الخاص لأجل رفع الضرر العام. (الأشباه والنظائر ٣١٢ جديد)

لو كان أحدهما أعظم ضررًا من الآخر، فإن الأشد ينزل بالأخف. (الأشباه والنظائر ٣١٥ جديد)

الزكاة هو تمليك المال من فقير مسلم. (البحرالرائق ٢٠١/٢ كراچی)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكًا لا إباحةً، ولا يصرف إلى بناء نحو مسجدٍ، وتحته في الشامية: كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات. (شامي ٢٩١/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۶/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِقامتی جامعات اور اُن کا شرعی حکم

سوال (٦٦٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج معاشرہ میں سب سے بڑا بگاڑ عورتوں کی بداخلاقی اور شریعت سے بے راہ روی ہے، مرد حضرات کی دینی اصلاح کے لئے کئی مواقع میسر ہوجاتے ہیں، جمعہ کا بیان دینی جلسوں کی تقاریر وغیرہ اور بہت سارے مرد حضرات کی اِصلاح دعوت وتبلیغ کے چلوں سے بھی ہوجاتی ہے، مگر عورتوں کے لئے اُن مواقع کا تصور بھی نہیں ہے، اِس لئے بڑے بڑے شہروں میں لڑکیوں کے لئے قیام وطعام کے ساتھ مدارس قائم کئے ہیں، جن میں دور دراز سے آکر لڑکیاں تعلیم حاصل کرتی ہیں، جن کی کفالت مدرسہ خود کرتا ہے اور بعض لڑکیاں خود کفیل ہوتی ہیں، ازروئے شرع اس کا کیا حکم ہے، ذرا واضح کریں؟

نیز یہ بھی بتائیں کہ اگر کوئی ادارہ ایسا ہو جس میں داخلی انتظام پورے کا پورا مستورات ہی کا ہو اور خارجی انتظام مرد حضرات کا ہو، جو تقویٰ طہارت کے پابند ہوں، نیز صرف ان عورتوں یا لڑکیوں کا داخلہ لیا جائے، جو اسی شہر کی ہوں یا کم از کم نواحِ شہر کی ہوں، یا یوں کہا جائے کہ لڑکیاں شرعی مسافت طے کر کے نہ آئیں؛ بلکہ برقعوں سے آئیں، جہاں سے بغیر محرم کے بھی آ سکتی ہوں، اگر کوئی کام شرعی قیود کو ملحوظ رکھتے ہوئے شہری سطح میں قیام وطعام کے ساتھ ایسا مدرسہ قائم کرے، تو ازروئے شرع اِس کا کیا حکم ہے؟ حکم شرعی کو قرآن وحدیث سے مبرہن کر کے ہم لوگوں کو آگاہ کریں؛ تا کہ شرعی نقطہ سے اصلاحِ نسواں کی فکر کی جائے۔ عدمِ جواز کی صورت میں اُن طرق سے آگاہ کریں جن کے ذریعہ اصلاح نسواں آسان و کارگر ہو۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکیوں کی تعلیم کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے اہلِ خانہ سے تعلیم حاصل کریں، اگر اہلِ خانہ تعلیم سے بہرہ ور نہیں ہیں تو محلّہ میں قابل خاتون ہو تو اُس کے پاس جا کر ضروریات دین کا علم حاصل کریں۔ اور ایک مفید طریقہ یہ بھی ہے کہ محلّہ میں خالص بچیوں کا دینی مکتب قائم ہو، اُن میں پڑھانے والی استانیاں علم وعمل کی صفت سے مزین ہوں، محلّہ کی بچیاں مکمل پردے کے ساتھ وہاں جا کر پڑھ کر اپنے گھر واپس آجائیں، مکتب میں لڑکوں کے ساتھ اختلاط نہ ہو اور وہاں تربیت کا بھی معقول نظم ہو اور اخلاقی نگرانی کا مکمل بندوبست ہو، اور دورِ حاضر میں جو اِقامتی جامعات قائم ہیں اُن میں مندرجہ ذیل اُمور کی پابندیاں لازم اور ضروری ہیں:

(۱) پردہ کا مکمل انتظام ہو، حتیٰ کہ مراہقہ بھی بے پردہ نہ جائے۔

(۲) مرد ملازمین سے طالبات کا قطعاً کوئی رابطہ نہ ہو، اُس کی سخت نگرانی کی جائے۔

(۳) جامعہ میں پڑھانے والی صرف استانیاں ہوں، کسی بھی مرد کو ہرگز مدرس نہ رکھا جائے۔

(۴) جامعہ کا نصاب معتبر علماء کے ذریعہ تجویز کیا جائے۔

(۵) ضروری دینی معلومات اور روز مرہ کی ضرورت کا علم سب کو سکھایا جائے، ہر لڑکی کو عالمہ فاضلہ بنانے اور دورۂ حدیث پڑھانے کی ضرورت نہیں، اور بہتر یہ ہے کہ علماء کے مشورے سے ایسے اردو زبان یا مقامی مادری زبان میں ایسا مختصر نصاب تیار کیا جائے، جو ضروری دینی معلومات پر مشتمل ہو اور بچیاں بالغ ہونے سے پہلے پہلے پڑھ کر فارغ ہو جائیں۔

(۶) تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت اور اُمور خانہ داری کی مشق پر بھرپور توجہ دی جائے۔

(۷) منتظمین اپنی محارم عورتوں یا بیویوں کی ذریعہ نظام چلائیں، ایسا نہ ہو کہ منتظم مرد بالکل اجنبی ہو اور خواتین استانیوں اور ذمہ داروں میں کوئی اس کا محرم نہ ہو، ایسی صورت میں سخت فتنہ کا اندیشہ ہے، اگر اِن اُمور کی مکمل پابندی نہ ہو تو پھر لڑکیوں کے اِقامتی مدارس قائم کرنا اور چلانا قطعاً جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۲/۶۶-۶۷، دعوتِ فکر و عمل ۳۹۸-۴۰۶، المسائل المہمۃ فیما ابتلت بہ العامۃ ۳/۳۶۴)

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ. وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْ اَخَوَاتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التَّابِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرَاتِ النِّسَآءِ، وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [النور: ۳۰-۳۱]

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ [التحریم، جزء آیت: ٦]

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ﴾ [طه: ۱۳۲]

وقال اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ: ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ

الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِيْنَ الزَّكَاةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ﴾ [الأحزاب، جزء آیت: ۳۳]

عن أنس بن مالك رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: طلب العلم فريضة على كل مسلم. (سنن ابن ماجة، كتاب السنة / باب فضل العلماء والحث على طلب العلم ص: ٨٤ رقم: ٢٢٤ دار الفكر بيروت، مشكاة المصابيح ٣٤/١)

قال القاري: طلب العلم أي الشرعي، فريضة أي مفروض فرض عين على كل مسلم، أو كفاية، والتاء للمبالغة أي ومسلمة، كما في رواية. (مرقاة المفاتيح / كتاب العلم ٤٧٧/١ تحت رقم: ٢١٨ رشيدية، ٢٨٤/١ المكتبة الأشرفية ديوبند)

اعلم أن تعلم العلم يكون فرض عينٍ، وهو بقدر ما يحتاج لدينه. (الدر المختار) قال العلامي في فصوله: من فرائض الإسلام تعلم ما يحتاج إليه العبد في إقامة دينه وإخلاص عمله للّٰه تعالیٰ ومعاشرة عباده، وفرض على كل مكلف ومكلفة الخ. (شامي ١٢٥/١، ٤٢/١ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۲/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موجودہ دور میں مدرسۃ البنات میں طریقۂ تدریس کیسا ہو؟

سوال (۲٦۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: موجودہ دور میں جو لڑکیوں کی تعلیم کے اِدارے اور مدارس قائم ہیں، ان میں درس کا طریقۂ کار کیسا ہونا چاہئے؟ کیا سیانی جوان لڑکیوں کو بلا پردہ جوان مرد تعلیم دے سکتا ہے، جب کہ حضرت تھانویؒ نے اس طرح پڑھانے کو ناجائز لکھا ہے، عند الشریعۃ کہاں تک جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکیوں کے دینی مدارس میں پڑھانے والی اُستانیاں صرف عورتیں ہی ہونی چاہئیں، کسی بھی مرد کو بے پردہ یا پردہ کے ساتھ جوان لڑکیوں کو پڑھانا ناجائز

اور سخت فتنہ کا موجب ہے، جس کی قطعاً اجازت نہیں ہے، اگر کسی مدرسہ میں یہ سلسلہ جاری ہو تو فوری طور پر اِس کو بند کرنا لازم ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۸/۳۳، فتاویٰ محمودیہ ۱۵/۱۷۱-۲-۲۳۵-۵/۸۸)

البتہ کبھی کبھار کسی واعظ کا دُور پردہ میں بیٹھ کر وعظ کہنا ایسے فتنہ کا سبب نہیں ہے۔

قال اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ: ﴿وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰی وَاَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِيْنَ الزَّكَاةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ﴾ [الأحزاب، جزء آیت: ۳۳]

عن عبد اللّٰہ رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: المرأة عورة؛ فإذا خرجت استشرفها الشيطان. (سنن الترمذي، أبواب الطلاق واللعان / باب ما جاء في كراهية الدخول على المغيبات ۱/۲۲۲ رقم: ۱۱۷۳)

عن عائشة رضي اللّٰہ عنها قالت: لو أدرک رسول الله صلى الله عليه وسلم ما أحدث النساءُ لمنعهن المسجد كما مُنعت نساء بني إسرائيل. (صحيح البخاري، كتاب الأذان / بابٌ انتظار الناس قيام الإمام العالم ص: ۲۰۸ رقم: ۸۶۹ دار الفكر بيروت، صحيح مسلم، كتاب الصلاة / باب خروج النساء إلى المساجد ص: ۳۷۰ رقم: ٤٤٥ بيت الأفكار الدولية)

عن أم سلمة أنها كانت عند رسول الله صلى الله عليه وسلم وميمونة إذ أقبل ابن أم مكتوم فدخل عليه، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: احتجبا منه، فقلت يا رسول الله! أليس هو أعمىٰ لا يبصرنا؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم أفعميا وإن أنتما الستما تبصرانه. (مشكاة المصابيح ۲۶۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۴/۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسۃ البنات میں دورہ تک کی تعلیم کا نظم ضروری نہیں ہے

سوال (٦٦٨): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جامعۃ البنات جہاں پر دورۂ حدیث شریف تک کی تعلیم ہوتی ہے، لڑکیوں کے اُس میں

پڑھنے کے بعد اُن کے اندر ڈھٹائی اور بے حجابی پیدا ہوجاتی ہے، مارکیٹ میں جہاں چاہتی ہیں چلی جاتی ہیں، خرید وفروخت کرتی ہیں، آنکھیں لڑاتی ہیں، اِس سے قبل گھروں میں جو بہشتی زیور کی تعلیم ہوتی تھی وہ بہتر ہے یا جامعۃ البنات قائم کرکے تعلیم دینا بہتر ہے، مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کسی جگہ گھروں میں بہشتی زیور کی تعلیم کا بآسانی نظم ہوسکے، تو جامعۃ البنات کے مقابلہ میں یہی نظم قائم کرنا بہتر اور افضل ہے، اور اگر متعدد وجوہ سے گھروں میں بچیوں کی تعلیم کا نظم کرنا ممکن نہ ہو، تو بچیوں کی ضروری دینی تعلیم کے لئے تعلیمی اِدارے کے قیام کی گنجائش ہے؛ لیکن اُن میں پڑھانے والیاں سب عورتیں ہونی چاہئیں اور اُنہیں دورہ تک نصاب پڑھانے کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ چار پانچ سال میں ضروری دینی معلومات اور گھریلو اُمور میں مہارت پیدا کراکے سلسلۂ تعلیم مکمل کردینا چاہئے، ورنہ بڑے فتنہ کا اندیشہ ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۵۹/۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۵/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

لڑکوں کے مدرسہ میں مستورات کو معلّمہ بنانا؟

سوال (۲۶۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) کیا مدرسہ کے مہتمم جو عالم وفاضل ہیں، مدرسہ کے ملازمین ومدرسین میں مستورات کو معلّمہ بنا کر رکھنے کی اجازت ہے؟

(۲) کیا مدرسہ کے ناظم تعلیمات مجلس منتظمہ کو ہندی میڈم مدرسہ میں پڑھانے کا مشورہ دیں، تو ایسے ناظم تعلیمات دینی مدرسہ کی نظامت کے لائق ہیں؛ کیوں کہ دینی تعلیم کے علاوہ درسِ نظامیہ اُردو زبان ہی میں ہے؛ کیوں کہ ہمارے ملک کے علماء کی تقریر، تحریر، تصنیف سب عام طور سے اردو زبان میں ہے؟

(۳) ناظم صاحب اس مدرسہ کو ہائی اسکول بنانے کی کوشش میں ہیں، اِس وقت مدرسہ میں آٹھویں جماعت تک دنیاوی تعلیم جاری ہے، آٹھ نو مدرس کام کررہے ہیں، لڑکے اور لڑکیاں آٹھویں جماعت تک زیر تعلیم ہیں، لڑکیوں کے لئے علیحدہ کوئی مخصوص عمارت نہیں ہے، سب ایک ہی عمارت میں پڑھتے ہیں، ایک ہی انتظامیہ کے تحت سب کا ایک ہی صدر دفتر قائم ہے، نیز بیت الخلاء وپانی کا انتظام بھی ایک ہی ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) کسی مدرسہ میں مرد اساتذہ کے ساتھ لڑکوں کی تعلیم کے لئے عورتوں کو معلّمہ کی حیثیت سے مقرر کرنا شرعاً درست نہیں، اور سخت فتنہ کا باعث ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۳۸۹/۳ ڈابھیل)

عن عبد اللّٰہ رضي اللّٰہ عنہ عن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: المرأة عورة؛ فإذا خرجت استشرفها الشیطان. (سنن الترمذي، أبواب الرضاع والطلاق / باب ما جاء في کراهیة الدخول علی المغیبات ۲۲۲/۱ رقم: ۱۱۷۳)

وفي روایة: المرأة عورة مستورة. (نصب الرایة لأحادیث الهدایة ۲۹۸/۱ المکتبة المکیة جدة، وکذا في الفتاویٰ الحدیثیة / مطلب یکره تعلیم النساء الکتابة ۱۱۹)

قد وجدت هٰذا الحدیث في کشف الخفاء بهٰذا اللفظ: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن ربه عزوجل: النظرة سهم مسموم من سهام إبلیس، من ترکها من مخافتي أبدلته إیماناً یجد حلاوته في قلبه. (کشف الخفاء ۳۲۸/۲ حرف النون، بحواله: طبراني رقم الحدیث: ۲۸٦٤ دار إحیاء التراث العربي، وکذا في المستدرك للحاکم، کتاب الرقاق / النظرة سهم من سهام إبلیس مسمومة ۳۱٤/٤ دار الفکر بیروت، ۳٤۹/٤ رقم: ۷۸۷۵ دار الکتاب العلمیة بیروت، مجمع الزوائد، کتاب الأدب / باب غض البصر ٦۳/۸ دار الفکر بیروت، الدر المنثور للسیوطي / تحت قوله تعالیٰ: ﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ٤۱/٥ مؤسسة الرسالة الناشر محمد أمین دمج بیروت)

(۲) دنیاوی تعلیم مثلاً ہندی، انگریزی وغیرہ سیکھنا سکھانا بقدر ضرورت جائز ہے، اِس کے ساتھ ساتھ ایک مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنی دینی تعلیم مقدم رکھے اوراس کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دے، اس میں دنیا وآخرت کی بھلائی ہے۔ دنیاوی علوم سے عموماً لوگ دین سے بے تعلق ہوکر بددین ہوجاتے ہیں؛اس لئے کسی ناظم تعلیم کو جن کو دینی مدرسہ کی نظامت سپرد کی گئی ہو،اس طرح کا مشورہ دینا کہ پوری تعلیم ہندی میڈیم سے دی جائے درست نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۱/۴۵، فتاویٰ محمودیہ ۳/ ۳۸۸ ڈابھیل)

اعلم أن النهي عن تعليم النساء الكتابة لا ينافي طلب تعلمهن القرآن والعلوم والآداب؛ لأن في هٰذه مصالح عامة من غير خشية مفاسد تتولد عليها بخلاف الكتابة؛ فإنه وإن كان فيها مصالح إلا أن فيها خشية مفسد، ودرء المفاسد مقدم على جلب المصالح. (الفتاویٰ الحديثية / مطلب يكره تعليم النساء الكتابة ۱۱۹، وكذا في حجة الله البالغة ۳۳۲/۲ قديمی)

(۳) اگر زمین دینی مدرسہ کے لئے وقف ہے تو اس کو کسی دوسرے مصرف میں لانا جائز نہیں؛ لہٰذو وہ زمین اسکول کالج بنانے میں ہرگز استعمال نہ کی جائے، ورنہ سخت ترین گناہ ہوگا، جو لوگ ایسا کررہے ہیں، ان کو فوراً معزول کردینا بہتر ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۶/ ۴۲۲)

ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنىٰ والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوىٰ الخ. (رد المحتار، كتاب الوقف / مطلب في نقل أنقاض المسجد ۳۶۱/٤ كراچی، وكذا في البحر الرائق / كتاب الوقف ۳۶۲/٥ زكريا)

وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره. (رد المحتار / كتاب الزكاة ۲۶۹/۲ كراچی)

وينزع وجوبًا بزازيه أو الواقف فغيره بالأولىٰ غير مامون. (الدر المختار ۳۸۳/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/ ۵/ ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیاعورتیں لیڈی ڈاکٹر یا معلّمہ بن سکتی ہیں؟

سوال (٦٧٠): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیاعورتیں لیڈی ڈاکٹر یا نرس یا معلّمہ بن سکتی ہیں؟ اِسلامی نقطۂ نظر سے عورتیں کیا اِن مشاغل کو اختیار کر سکتی ہیں؟ یا پردہ میں رہ کر ہی انجام دینا ہوگا؟ یا ضرورۃً پردہ سے باہر بھی آسکتی ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ضرورت کی بناپر عورتوں کے لئے لیڈی ڈاکٹر، نرس یا معلّمہ بننا فی نفسہٖ جائز ہے؛ لیکن تعلیم کے دوران اور تعلیم کے بعد بہر حال شرعی حدود کی پابندی رکھنا ضروری ہے، اجنبی مردوں سے میل جول یا تنہائی یا بے پردگی جائز نہ ہوگی، اس لئے لیڈی ڈاکٹر صرف عورتوں کا علاج کرے اور نرس صرف مریض عورتوں کی خدمت پر مامور ہو اور معلّمہ صرف عورتوں کو پڑھائے، اگر اِس کے خلاف کرے گی تو گنہگار رہوگی۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۲/۳۴-۳۵-۳۶)

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْ اَخَوَاتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التَّابِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرَاتِ النِّسَآءِ، وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [النور: ٣١]

وقال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْاَلُوْهُنَّ مِنْ وَرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ﴾ [الأحزاب، جزء آیت: ٥٣]

قال القرطبي: ويدخل في ذٰلک جميع النساء بالمعنى، وبما تضمنته أصول الشريعة من أن المرأة كلها عورةٌ بدنها وصوتها، كما تقدم فلا يجوز

كشف ذٰلک إلا لحاجةٍ كالشهادة عليها. (تفسير القرطبي ٤ ٢٢٧/١ دار إحياء التراث العربي)

عن عبد اللّٰه رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: المرأة عورة؛ فإذا خرجت استشرفها الشيطان. (سنن الترمذي، أبواب الرضاع والطلاق / باب ما جاء في كراهية الدخول على المغيبات ٢٢٢/١ رقم: ١١٧٣)

وفي رواية: المرأة عورة مستورة. (نصب الراية لأحاديث الهداية ٢٩٨/١ المكتبة المكية جدة، وكذا في الفتاویٰ الحديثية / مطلب يكره تعليم النساء الكتابة ١١٩)

العينان زناهما النظر، والأذنان زناهما الاستماع، واللسان زناه النطق.

وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال لا لأنه عورة؛ بل لخوف الفتنة أي الفجور بها ...... والمعنى تمنع من الكشف، لخوف أن يرى الرجال وجهها فتقع الفتنة؛ لأنه مع الكشف قد يقع النظر إليها بشهوة، قال عليه الصلاة والسلام: التسبيح للرجال والتصفيق للنساء فلا يحسن أن يسمعها الرجل، وفي الكافي: ولا تلبي جهرًا؛ لأن صوتها عورة. (شامي، باب شروط الصلاة / مطلب في ستر العورة ٧٨/٢-٧٩ زكريا)

وفي الأشباه: الخلوة بالأجنبية حرام. (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء ٥٢٩/٩ زكريا، ٣٦٨/٦ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۴/۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مستورات کو فرائض وواجبات کے ساتھ مستحبات کی تعلیم دینا؟

سوال (۱۷۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں گھر پر ہفتہ میں ایک مرتبہ مستورات کی تعلیم ہوتی ہے، اُس میں ہم حضرت مفتی سلمان صاحب کی ''کتاب المسائل'' اور حضرت مفتی شبیر صاحب کی ''آسان دینی مسائل''

کتابوں سے آسان آسان نماز وغیرہ سے متعلق مسائل ایک پرچہ پر لکھ کر اپنی مستورہ کے ذریعہ وہ پرچہ مستورات کو سنوا دیتے ہیں، جس سے عورتیں اپنی نمازوں وغیرہ کی اصلاح کر رہی ہیں، جہاں نماز طہارت سفر وغیرہ کے فرائض واجبات بتاتے ہیں، وہیں پر مستحبات اور آداب بھی لکھ کر سنوا دیتے ہیں۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا ایسا کرنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟ اوپر کا لکھا ہوا مستحب بھی سنوا دیا، ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ مستورات کو مستحبات نہیں بتلانے چاہئیں، اور یہ درود شریف پڑھنا بھی نہیں بتلانا چاہئے، اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی فرمائیں، کیا عورتوں کو مستحبات نہ بتلائیں؟ جب کہ آپ کا ندائے شاہی تقریباً دس ہزار شائع ہو رہا ہے، کم از کم ایک ہزار عورتیں تو پڑھ رہی ہوں گی، اُس میں جہاں فرائض واجبات مکروہات وغیرہ ہوتے ہیں، وہیں پر مستحبات بھی ہوتے ہیں، تو کیا ہم عورتوں کو نماز کے مستحبات نہ بتلائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مستورات کو دینی تعلیم سے آگاہ کرنے کا سلسلہ بہت مبارک اور قابلِ تحسین ہے، اور انہیں واجبات وفرائض کے ساتھ مستحبات وآداب سے آگاہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اِس بارے میں اعتراض کی کوئی وجہ نہیں۔ (کفایت المفتی ۶۴/۲)

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه قال: قال النساء للنبي صلی اللّٰه عليه وسلم غلبنا عليك الرجالُ فاجعل لنا يومًا من نفسك، فوعدهن يومًا لقيهن فيه، فوعظهن وأمرهن. (صحيح البخاري، كتاب العلم / بابٌ هل يُجعل للنساء يومٌ على حدةٍ في العلم ص: ٤٦ رقم: ١٠١ دار الفكر بيروت، صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والآداب / باب فضل من يموت له ولدٌ فيحتسبه ص: ١٠٦٣ رقم: ٢٦٣٣ بيت الأفكار الدولية)

والأمر بالمعروف أيضًا تبع لما يؤمر به، فإن وجب فواجب، وإن ندب فمندوب. (مرقاة المفاتيح ٣٢٩/٩) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۱/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

کیا عالمہ بننے کے لئے حنفی مسائل سیکھنا کافی ہے؟

سوال (۶۷۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: لڑکی کے عالمہ کے لئے صرف حنفی مسائل کا سیکھنا کافی ہے، یا اُس کے لئے فقہی اختلاف کا جاننا بھی ضروری ہے؟ بالتفصیل جواب مرحمت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: برصغیر ہندو پاک میں دین پر عمل کرنے کے لئے صرف حنفی مسائل کا جاننا کافی ہے، دیگر فقہاء کے اقوال جاننے کی ضرورت نہیں ہے؛ البتہ علمی معلومات میں اضافہ کے لئے اگر اُنہیں پڑھ لیا جائے تو منع بھی نہیں ہے۔

واعلم أن تعلم العلم يكون فرض عين بقدر ما يحتاج لدينه – إلى قوله – وفرض على كل مكلف ومكلفة. (شامي ۱۲۱/۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۲/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طالبات کو پردے کے ساتھ پڑھانا، اور دورانِ درس اساتذہ سے سوال وجواب کرنا؟

سوال (۶۷۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ نسواں اور مدرسۃ البنات میں بالغ لڑکیوں کو معقول پردے کے ساتھ بالغ مرد کا تعلیم دینا کیسا ہے؟ دورانِ درس طالبات کا ''صوۃ العورۃ عورۃ'' کے باوجود استاذ سے درسی سوال وجواب کرنا کیسا ہے؟ شرم وحیا والے فقہی مسائل کی ایک مرد کے لئے غیر محرم طالبات کے سامنے پوری دل چسپی سے تشریح وتوضیح کرنا کیسا ہے؟ اگر فقہی مسائل کے سوالات کے جوابات عدمِ جواز یا کراہت میں ہے، تو بالغ طالبات کی تعلیم کا کیا طریقہ ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکیوں کے مدرسہ میں نامحرم مرد کا استاذ رکھنا بوڑھا ہو یا جوان، خواہ وہ کتنا ہی پاک باز اور صالح کیوں نہ ہو، درست نہیں ہے، اور جہاں یہ سلسلہ جاری ہو اُس کو فوری طور پر بند کرنا لازم ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵۹/۸ زکریا)

اور بالغ لڑکیوں کو تعلیم دینے کے لئے چند باتوں کا لحاظ لازم اور ضروری ہے:

(۱) پردہ کا مکمل اہتمام ہو، آمد ورفت یا اِقامت کے درمیان کوئی بچی سیانی بے پردہ نہ پائی جائے۔

(۲) مرد چپراسی اور دربان کسی سے طالبات کا کوئی آمنا سامنا نہ ہو۔

(۳) اَجنبی ڈرائیور کے ساتھ آمد ورفت نہ ہو؛ بلکہ محرم ڈرائیور کا ہونا لازم ہے۔

(۴) پڑھانے والی اُستانیاں ہوں، کسی مرد اُستاذ کو ہرگز مدرس نہ رکھا جائے، خواہ پردہ کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو؛ کیوں کہ یہ فتنہ سے خالی نہیں۔

(۵) منتظمین اپنی محارم عورتوں کے ذریعہ نظام چلائیں، ایسا نہ ہو کہ مرد منتظم بالکل اجنبی ہو، ایسی صورت میں سخت فتنہ کا اندیشہ ہے؛ لہٰذا صرف مذکورہ باتوں کی رعایت کرتے ہوئے مدرسۃ البنات میں بالغ لڑکیوں کو تعلیم دی جاسکتی ہے؟

وقال اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ: ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِيْنَ الزَّكَاةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ﴾ [الأحزاب، جزء آیت: ۳۳]

لما نزلت هٰذه الاية: ﴿يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ خرج نساء الأنصار كأن على رؤوسهم الغِربانُ من أكسية سودٍ يلبسنها. (سنن أبي داؤد ۵۶۷/۲، أحكام القرآن للرازي ۳۷۲/۳)

عن ابن عباس رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا يخلون رجل بإمرأة إلا مع ذي محرمٍ. (صحيح البخاري، كتاب النكاح / بابٌ لا يخلونَّ رجل

بامرأة إلا ذو محرم والدخول على المغيبة ص: ١٣٤٥ رقم: ٥٢٣٣ دار الفكر بيروت)

عن علي رضي الله عنه أنه كان عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: أيّ شيء خيرٌ للمرأة؟ فسكتوا، فلما رجعتُ، قلتُ لفاطمة: أي شيء خيرٌ للنساء؟ قالت: لا يرا هُنَّ الرجال. (نساء في ظل رسول الله ٣٣٦ دار الكتب العلمية بيروت، مجمع الزوائد رقم: ٧٣٢٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۲/۱/۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شرعی پردہ کے ساتھ نامحرم کو دینی تعلیم دینا؟

سوال (۶۷۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک دینی ادارہ کا مدرس ہے، اور اس میں بالغات بھی تعلیم حاصل کرنے آتی ہیں، زید اُن کو پڑھاتا اور لکھاتا ہے، وہاں کوئی عورت بھی نہیں، اور اگر ہے تو قرآنِ کریم غلط پڑھاتی ہیں اور مسائلِ ضروریہ غلط بتاتی ہیں، اَب اِن حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے زید کا اُن کو پڑھانا لکھانا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورتِ مسئولہ میں شرعی پردے کا لحاظ کرتے ہوئے اور لڑکیوں کے محرم مرد کی موجودگی میں زید کا لڑکیوں کو دینی تعلیم دینا درست ہے؛ لیکن بہتر یہی ہے کہ کوئی عورت ہی تعلیم کا فریضہ انجام دے۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا يخلون رجل بإمرأة إلا مع ذي محرمٍ. (صحيح البخاري، كتاب النكاح / بابٌ لا يخلونَّ رجل بامرأة إلا ذو محرم والدخول على المغيبة ص: ١٣٤٥ رقم: ٥٢٣٣ دار الفكر بيروت)

عن عائشة رضي الله عنها قالت: كان الركبان يمرون بنا ونحن محرمات مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، فإذا حاذوا بنا سدلت إحدانا جلبابها من

رأسها علـى وجهها، فإذا جاوزونا كشفناه. (سنن أبي داؤد، كتاب المناسك / باب في المحرمة تغطي وجهها ص: ٣٤٣ رقم: ١٨٣٣ دار الفكر بيروت، سنن ابن ماجة، كتاب المناسك / باب المحرمة تسدل الثوب على وجهها ص: ٦٧٨ رقم: ٢٩٣٥)

وفـي الأشباه: الخلوة بالأجنبية حرام......، أو كانت عجوزة شوهاء أو بحائل. (الدر لمختار، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء ٥٢٩/٩ زكريا، ٣٦٨/٦ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۷/۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِسکول کے اَساتذہ کا معلّمات کو دیکھنا اور بات چیت کرنا؟

سوال (۶۷۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی مدرسہ یا اسکول کے اساتذہ میں کچھ مرد اور کچھ عورتیں ہیں، اور یہ حضرات ایک دوسرے کے لئے غیر محرم ہیں، اور تعلیم کا نظام درست رکھنے کے لئے ایک دوسرے کو دیکھنا اور آپس میں بات کرنا ضروری ہے، مذکورہ صورتِ حال میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور کہاں تک گنجائش نکل سکتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نامحرم عورتوں سے بے پردہ بات چیت سخت فتنہ کا موجب ہے، اِس لئے شرعاً اِس کی اجازت نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْاَلُوْهُنَّ مِنْ وَرَآءِ حِجَابٍ﴾ [الأحزاب، جزء آیت: ۵۳]

وفـي الأشباه: الخلوة بالأجنبية حرام. (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء ٥٢٩/٩ زكريا، ٣٦٨/٦ كراچی)

ولا يكلم الأجنبية. (الدر المختار ٥٣٠/٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴/۱۱/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بچیوں کی تعلیم کے لئے مرد استاذ کا نظم؟

سوال (۶۷۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) حالاتِ حاضرہ کے پیشِ نظر موجودہ دور میں خصوصاً اپنے بچوں کے عقیدے اور اخلاقی حفاظت کے لئے اور بچوں کی صحیح تعلیم ہو سکے، اِس کے لئے گورنمنٹ سے پرائیویٹ اسکول منظور کرانے کی کوشش اور مطالبہ کرنے پر الحمدللہ پرائیویٹ اسکول ایک سے ساتویں کلاس تک منظور ہوگئی؛ تاکہ بچے خصوصاً طالبات اپنے دینی ماحول میں رہ کر بقدرِ ضرورت عصری تعلیم حاصل کرسکیں، بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ لڑکیوں کو موجودہ دور میں کم از کم ٹیلیفون، لائٹ بل اور گھریلو ضروریات اور جغرافیہ سے واقف ہونا ضروری ہے؛ لہٰذا یہ واقفیت اور معلومات کم از کم ساتویں کلاس کی تعلیم سے حاصل ہوسکتی ہے، نیز بعض لوگ جن پر عصری تعلیم کا زیادہ غلبہ ہے وہ لڑکی کے رشتہ اور منگنی کے وقت یہ سوال کرتے ہیں کہ اس کی تعلیم کہاں تک ہے؟

لہٰذا اِن سب باتوں کے پیشِ نظر کہاں تک عصری تعلیم کا دینا صحیح ہے؟ ہمارے مکاتب میں عموماً بچہ پانچ سال کی عمر میں داخل کیا جاتا ہے، جب کہ اسکول کا بھی یہی قانون ہے، اس حساب سے عموماً طالبات ناظرۂ قرآنِ کریم اور بہشتی زیور کی تکمیل کرکے بارہ ساڑھے بارہ سال کی عمر میں مدرسہ سے فراغت حاصل کرلیتی ہیں، اِسی طرح اِسی عمر تک سات دھورن (ساتویں کلاس) کی بھی تکمیل کرسکتی ہیں۔

اَب سوال یہ ہے کہ بچیاں اتنی عمر تک اپنے ماحول میں دین دار استاذ کے پاس دینی تعلیم حاصل کرسکتی ہیں یا نہیں؟ اگر کرسکتی ہیں تو کتنی عمر تک؟

(۲) بارہ ساڑھے بارہ سال کی عمر تک اپنے ماحول میں طالبات کا دنیوی اور عصری تعلیم کا لینا مسلمان ٹیچر اور استاذ کے پاس جن میں بعض دین دار باریش اور شرعی لباس کے ساتھ ہوں اور بعض بے ریش غیر شرعی لباس کے ساتھ ہوں، تو جائز ہے یا نہیں؟

(۳) اگر بڑی عمر کی طالبات (دس گیارہ بارہ سال) کا مرد ٹیچر کے پاس عصری تعلیم کا لینا

جائز نہیں ہے، تو کیا عورت استانی کے پاس عصری تعلیم حاصل کرنا جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) بہتر یہ ہے کہ بچیوں کی تعلیم دین دار استانیوں کے ذریعہ دینی چاہئے، خواہ بچیاں چھوٹی ہوں یا بڑی؛ البتہ اگر کسی جگہ استانیوں کا انتظام نہ ہو تو ۹-۱۰/ سال کی عمر تک دین دار استاذ کے پاس پڑھنے میں بھی شرعاً حرج نہیں ہے، اِس سے بڑی عمر کی بچیوں کو مرد استاذ سے پڑھوانے میں سخت فتنہ کا اندیشہ ہے؛ اِس لئے اس کی اجازت نہ ہوگی۔

(مستفاد: بہشتی زیور ۱/ ۸۵-۹۱، احسن الفتاویٰ ۸/ ٦۰، دعوتِ فکر وعمل ۳۹۹)

(۲) ۹-۱۰/ سال کی عمر تک مسلمان ٹیچر یا استاذ سے بچیوں کو پڑھوانا درست ہے، اس سے زیادہ عمر کی بچیوں کو اجنبی مرد سے نہیں پڑھوانا چاہئے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۲/ ۳۷)

(۳) گیارہ بارہ سال کی بچیاں پاک دامن استانی کے پاس دنیوی اور عصری تعلیم حاصل کرسکتی ہیں۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۱/ ۸۵-۹۱، کفایت المفتی ۲/ ۳۷) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۵/ ۴/ ۱۴۲٦ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جوان عورت کا معلم کے سامنے چہرہ کھول کر قرآن پڑھنا؟

سوال (٦۷۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کوئی مسلمان عورت جوان العمر کسی غیر محرم عالم دین سے چادر اوڑھ کر چہرہ کھول کر سامنے میز کے فاصلہ سے کرسی پر بیٹھ کر تفسیر، حدیث اور علومِ شرعیہ کا علم حاصل کرسکتی ہے یا نہیں؟ اور علومِ شرعیہ کی تشنگی دور کرنے کے لئے معلّمہ کا ملنا دشوار ہے، ایسی حالت میں کیا مسئلہ ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر محرم کے سامنے جوان عورت کا چہرہ کھولنا ہرگز جائز نہیں ہے، اگر پڑھانا ہے تو معلّمہ کا انتظام کیا جائے، ورنہ یہ صورت اختیار کی جائے کہ عورت پردہ

میں بیٹھی ہو، اور عورت کا محرم شوہر، باپ یا کوئی اور رشتہ دار عورت اور اُس کے استاذ کے درمیان واسطہ کے طور پر موجود ہو۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۱۰۳۱ کراچی)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يٰأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ [الأحزاب، جزء آیت: ۵۹]

وفي الأشباه: الخلوة بالأجنبية حرام. (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء ۵۲۹/۹ زكريا، ۳۶۸/۶ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۳/۸/۵ھ

بالغہ لڑکی کو مرد کا ٹیوشن پڑھانا؟

سوال (۶۷۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بالغ لڑکی کو قرآنِ کریم اسکول وغیرہ میں پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کسی لڑکی کو کوئی لڑکا اُس کے بچپن سے پڑھا رہا ہو اور دورانِ پڑھائی چھ سال کے بعد وہ لڑکی جسم کے اعتبار سے بالغ لگنے لگے یا پھر عمر کے اعتبار سے بالغ ہوجائے، تو کیا اَب آگے پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر اُس لڑکی کے ماں باپ سے گھریلو معاملات ہوگئے ہوں اور لڑکی کا ٹیوشن چھوڑنا ممکن نہ ہو، تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟ اور اگر استاذ کا ذریعہ معاش بھی اُسی لڑکی کا ٹیوشن ہو، تو استاذ کو کیا کرنا چاہئے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی چھوٹی غیر مشتہات بچی کو اجنبی مرد کا پڑھانا تو جائز ہے؛ لیکن جب بچی مشتہات ہوجائے یا بالغ ہو، تو کسی اَجنبی مرد کے لئے اُس کے پڑھانے کی اِجازت قطعاً جائز نہیں ہے، اگرچہ لڑکی کے ماں باپ سے بات طے ہوگئی ہو یا مرد کا ذریعۂ معاش اِس کے علاوہ کچھ نہ ہو، پھر بھی اَجنبی لڑکی کو پڑھانا شرعاً ممنوع ہے، اگر لڑکی کو پڑھانا ہی ہے تو اُس کو تعلیم دینے والی عورت ہی ہونی چاہئے، خواہ اسکول کی تعلیم ہو یا دینیات کی۔ (مستفاد: کفایت المفتی

۳۶/۲، فتاویٰ محمودیہ ۱۴/۳۹۷-۱۷۰/۱۴)

فلا يحل النظر للأجنبي من الأجنبية الحرة إلى سائر بدنها إلا الوجه والكفين لقوله تعالىٰ: ﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾ [النور، جزء آیت: ۳۰] (بدائع الصنائع ٤/٢٩٣ زكريا)

وفي الأشباه: الخلوة بالأجنبية حرام. (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء ٩/٥٢٩ زكريا، ٦/٣٦٨ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۳/۲/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورت کا نامحرم مرد سے قرآنِ کریم حفظ کرنا؟

سوال (۶۷۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں دو بچہ دار عورت ہوں، اِس وقت میری دلی خواہش یہ ہے کہ میں کسی مولانا سے براہِ راست قرآنِ کریم حفظ کروں، آیا میرے لئے کسی مولانا سے براہِ راست قرآنِ کریم حفظ کرنا مناسب ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ دور فتنہ وفساد کا ہے، اِس لئے کسی اَجنبی مرد سے آپ کا براہِ راست حفظ کرنا اور اُسے قرآنِ کریم سنانا مناسب نہیں ہے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ کسی عالمہ عورت سے حفظ کریں یا اپنے محرم شوہر بھائی وغیرہ کو سنا دیا کریں۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ''جب دو اجنبی مرد وعورت ایک جگہ خلوت میں ہوتے ہیں تو اُن میں کا تیسرا شیطان ہوتا ہے''۔ یعنی وہ دونوں کو برائی پر آمادہ کرتا رہتا ہے۔

عن عمر رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا يخلون رجل بامرأة إلا كان ثالثهما الشيطان. (سنن الترمذي، أبواب الرضاع / باب ما جاء في كراهية

الدخول علی المغیبات ۲۲۱/۱، مشکاۃ المصابیح ۲۶۹/۲)

وینظر من الأجنبیۃ ولو کافرۃً إلی وجهها وکفیها فقط للضرورۃِ الخ، فإن خاف الشهوۃ أو شک امتنع نظرہ إلیٰ وجهها فحل النظر مقیدٌ بعدم الشهوۃ وإلا فحرامٌ، وھٰذا في زمانهم، وأما في زماننا فمنع من الشابۃ. (الدر المختار مع الشامي، کتاب الحظر والإباحۃ / فصل في النظر والمس ۵۳۱/۹-۵۳۲ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۲/۷/۱۴۱۱ھ

لڑکیوں کی تعلیم کے لئے عصری اِدارے؟

سوال (۶۸۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: موجودہ دور میں طالبات کے لئے اگر بقدرِ ضرورت عصری تعلیم ضروری ہے، تو کہاں تک عصری تعلیم دینا جائز ہے، اور آسانی کی کیا صورت ہے؟

''مدرسۃ البنات'' کی طرح لڑکیوں کو ہائی اسکول میں سات دھورن (ساتویں کلاس) سے زیادہ عصری تعلیم دینا جس میں صرف لڑکیاں ہی تعلیم حاصل کرتی ہوں اور ٹیچر صرف معلمات عورتیں ہی ہوں، تو کیا ایسے ہائی اسکول میں آگے پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مکمل شرعی حدود اور پردہ کے ساتھ خالص لڑکیوں کے اسکول قائم کرنا، جن میں پڑھانے والی بھی عورتیں ہوں اور مردوں کا کسی صورت میں اختلاط نہ ہو درست ہے، اور اس طرح کے اداروں میں لڑکیوں کو عصری تعلیم دینے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۳۷/۲، دعوتِ فکر وعمل ۴۰۵)

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِاَزْوَاجِکَ وَبَنَاتِکَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ، ذٰلِکَ اَدْنٰیٓ اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ وَکَانَ اللّٰہُ

غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا﴾ [الأحزاب: ٥٩]

في هٰذه الآية دلالة علٰى أن المرأة الشابة مامورة بستر وجهها عن الأجنبيين وإظهار الستر والعفاف عند الخروج لئلا يطمع أهل الريب فيهن.

(أحكام القرآن للجصاص ۳/۳۷۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۴/۱۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِسکول کالج کی تعلیم کا حکم

سوال (۲۸۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عام طور پر مسلمان اپنے بچوں کو بجائے دینی تعلیم دلانے کے کالجوں اور اسکولوں میں پڑھاتے ہیں، از روئے شرع جملہ باتوں کی کیا حیثیت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اولاً اتنی دینی تعلیم بچوں کو دینا فرض ہے جس سے وہ اپنے فرائض نماز روزہ وغیرہ ادا کرسکیں۔

عن أنس بن مالك رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: طلب العلم فريضة على كل مسلم. (سنن ابن ماجة، كتاب السنة / باب فضل العلماء والحث على طلب العلم ص: ٢٠ رقم: ٢٢٤ دار الفكر بيروت، مشكاة المصابيح ١/٣٤)

اور اُس کے بعد شرعی صورت ولباس میں رہ کر دنیوی اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دینا مباح ہے، اور ملی اور قومی فائدے کی غرض سے ہو تو امر مستحسن ہے؛ لیکن شریعت کی پابندی بہرحال ضروری ہے، یعنی اسلامی تشخص کی حفاظت کے ساتھ دنیوی ترقیات حاصل کرنی چاہئیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۳/۱۸۱ ڈابھیل) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۷/۳/۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کسی دینی مدرسہ کو مخلوط تعلیم کے لئے استعمال کرنا؟

سوال (۲۸۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے شہر میں مسلمانوں نے ایک دینی ومذہبی تعلیم کے اغراض ومقاصد کے تحت مدرسہ قائم کیا، جس کی بنیاد خالص چرمِ قربانی، فطرہ اورزکوٰۃ وصدقات کی رقم سے ڈالی گئی، جو آج الحمدللہ کافی بڑی عمارت تقریباً دس کمروں پر مشتمل ہے، مدرسہ کی جانب سے ہر سال چندہ فراہمی کے لئے جو اعلان ہوتا ہے اور اشتہارات شائع ہوتے ہیں، وہ دینی تعلیم کے نام سے درجہ ناظرہ قرآن، درجہ حافظہ، درجہ قرأت، درجہ عربی وفارسی درجہ پنجم تک اردو و پرائمری اور دورۂ حدیث شریف تک کے اجراء کا ہوتا ہے، مگر مدرسہ میں دینی تعلیم برائے نام ہے، اور دنیاوی تعلیم پر توجہ زیادہ ہے، جس کی وجہ سے آج تک کوئی طالب علم اس مدرسہ میں پڑھ کر عالم فاضل نہ بن سکا، اور نہ ہی کوئی مولوی عالم فاضل سال دو سال مدرسہ میں مدرس رہ سکے، چند روز ایک مولوی صاحب نے عربی کی تعلیم جاری کی تھی وہ اراکین مدرسہ کی بے توجہی کی بنا پر ختم ہوگئی، اور جتنے طلبہ تھے وہ سب کے سب رخصت ہوگئے، اس وقت تقریباً دو سال سے مدرسہ میں کوئی مولوی عالم فاضل مدرس نہیں ہے، مدرسہ میں نہ درجہ حفظ ہے، نہ درجہ تجوید اور نہ عربی وفارسی کی تعلیم۔

تو کیا اس طرح دینی مدرسہ میں لڑکیوں اور لڑکوں کو دنیاوی تعلیم کے لئے مدرسہ کو استعمال کرنا جائز ہے؟ جب کہ مدرسہ کے مہتمم عالم فاضل ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکے اور لڑکیوں کی مخلوط تعلیم کے لئے جس پر پردہ کا کوئی لحاظ نہ ہو، کسی مدرسہ کو دینی یا دنیوی تعلیم کے لئے استعمال کرنا بالکل جائز نہیں، اس سے پرہیز بہت ضروری ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۴/۱۴۰ قدیم زکریا)

قال الإمام الشاہ ولي اللّٰہ: اعلم أنہ لما کان الرجال یھیّجھم النظر إلی النساء علی عشقھن والتوجہ بھن، ویفعل بالنساء مثل ذٰلک، وکان کثیرًا ما

يكون ذٰلك سببًا؛ لأن يبتغي قضاء الشهوة منهن على غير السنة الراشدة، كاتباع من هي في عصمة غيره، أو بلا نكاح، أو غير اعتبار كفاءة، والذي شوهد من هٰذا الباب يغني عما سطر في الدفاتر، اقتضت الحكمة أن يسد هٰذا الباب. (حجة الله البالغة ٣٢٨/٢ ذا العورات مكتبة حجاز ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۵/۱۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کالج اور یونیورسٹیوں میں لڑکے اور لڑکیوں کو مخلوط تعلیم دلانا؟

سوال (۶۸۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کے ترقی یافتہ سائنسی دور میں ہر فرد چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا، جوان ہو یا بوڑھا یا بچہ، جس ملک سے بھی تعلق رکھتا ہو، جہاں وہ دنیاوی نالج، انگیریزی تعلیم، مغربی تہذیب کا عاشق اور متوالا ہے، وہیں عورت بھی مرد کے شانہ بشانہ چلنا چاہتی ہے، خصوصاً انگریزی اور مغربی تہذیب سے متأثر اسلامی خواتین چاہتی ہیں کہ ہم بھی اِس میدان میں مرد کے کیوں پیچھے رہیں؟ مرد کی طرح ہمارا بھی حق ہے کہ ہم بھی کالجوں، اسکولوں، یونیورسٹیوں میں جائیں، ڈگریاں حاصل کریں اور اونچے عہدوں پر فائز ہوں۔

غرض عالمی سطح پر تعلیم نسواں کو سراہا جاتا ہے، عموماً ہر ملک ومذہب اور ہر فرد کا یہی نظریہ ہے کہ مردوں کی طرح عورتوں کو انگریزی تعلیم سکھلانی چاہئے، کالجوں میں جانے دینا چاہئے، اب وہ پرانا زمانہ نہ رہا، اَب موبائل اور انٹرنیٹ کا دور ہے اَب عورتوں کو بھی ہوشیار اور تعلیم یافتہ ہونا چاہئے؛ تاکہ ڈاکٹر، نرس، وکیل وغیرہ بن سکیں، اور ایسی ذہنیت صرف مغربی ملکوں اور ہمارے وی آئی پی حضرات، مال دار طبقہ تک ہی محدود نہیں؛ بلکہ ہمارے علماء حضرات، مدارس کے ذمہ داروں، دعوت کے ساتھیوں کا بھی اسی طرح کا میلان ہے، استدلالاً کہا جاتا ہے کہ ایک زمانہ میں ہمارے علماء واکابر مدارسِ اسلامیہ میں انگریزی تعلیم، عصری تعلیم، صنعت وحرفت کے قائل نہ تھے؛ لیکن یہ نظریہ

تقریباً آج تبدیل ہو چکا ہے (الا ماشاء اللہ) ٹھیک اِسی طرح عورتوں کی انگریزی تعلیم، کالجوں میں پڑھنے کے لئے جانے کی اِجازت کا مسئلہ ہے کہ پہلے عصری طور پر حاجت نہ تھی؛ اس لئے ہمارے اکابر انکار فرماتے تھے؛ لیکن اب زمانہ کو دیکھتے ہوئے بچیوں کو بھی کالجوں، ہائی اسکول اور یونیورسٹی میں داخل کرنا چاہئے، انگریزی تعلیم دلوانا چاہئے، ڈگریاں حاصل کروانا چاہئے وغیرہ۔

بریں بناء مرورِ زمانہ کی وجہ سے تعلیم نسواں کے مسئلہ پر تبدیلی لائی جائے، جس طرح عصری انگریزی تعلیم مدارس میں داخل ہوئی ہے کیا عورتوں کی تعلیم کا مسئلہ بھی اسی جنس کا ہے؟ خواتین کے لئے انگریزی تعلیم کی اجازت کی صورت میں صرف ہمارے اکابر، علماء، قدماء کے خلاف ہی نہیں ہو رہا ہے؛ بلکہ نص صریح کے خلاف بھی ہو رہا ہے، مثلاً: ﴿وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ. یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ. یَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ﴾ وغیرہ، مان لیا اگر انگریزی تعلیم کے لئے اجازت بھی دی جائے، تو کہاں تک؟ جب کہ بچی عموماً دسویں، بارہویں کلاس میں جانے کے بعد بالغ ہو جائے گی، تو کیا بالغ ہونے کے بعد بھی بچی کو اِجازت دی جاسکتی ہے، نیز انگریزی تعلیم کے لئے آگے بڑے درجوں میں تعلیم کے واسطے انفرادی خواتین کے لئے اسکول کم ہوتے ہیں؛ اِس لئے اونچے درجوں میں تعلیم کے واسطے مرد وعورت مخلوط تعلیم حاصل کرتے ہیں، تو کیا شرعی طور پر مخلوط تعلیم کے لئے اجازت دی جاسکتی ہے، جب کہ "قُلِ الْحَیَاءُ بِالْمُمَارَسَةِ" بےحیائی بے پردگی کی عفت وعصمت پر بھی سوالیہ نشان لگ سکتا ہے۔ وَاِثْمُهُمَا اَکْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا.

نیز ہمارے سرکاری اسکولوں، کالجوں میں نصابی تعلیم کیسی زہریلی بدعقیدگی والی ہے، وہ تو مشہور ہی ہے، جب ہمارا نوجوان اِس مغربی تہذیب اور انگریزی تعلیم سے متأثر ہوکر بددین بدعقیدہ ہوجاتا ہے، تو یہ تو صنفِ نازک ناقص العقل ہے۔

اَکابر کی نظر میں بچیوں کے مدارس، خواتین کی تبلیغی جماعت کا مسئلہ ہی مختلف فیہ ہے، تو یہ عورتوں کو دنیاوی تعلیم دینے کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟ سویت یونین کے ہیرو "میخائل گوریا جوف" نے بھی اس پر اظہار افسوس کیا ہے، یورپ کے معاشرہ سے جہاں اُنہوں نے عورتوں کی

تعلیم پر زور دیا، چند سالوں میں نتائج کا مشاہدہ ہوا کہ عورت ہاتھ سے نکل گئی، شوہر کی اِطاعت سے گریز کرنے لگی، آزادی کا شکار ہوگئی، اِن خطرناک نتائج کا مشاہدہ کرتے ہوئے شرعی نقطۂ نظر سے آگاہ فرمائیں۔

اگر اسکولوں میں جانے کی اجازت ہے تو کہاں تک؟ کس حالت میں؟ کس لباس میں؟ کس عمر تک؟ مخلوط یا غیر مخلوط؟ دار الاقامہ کے ساتھ یا گھر پر؟ وطن ہی میں یا دوسرے شہر میں؟ اگر منہی عنہ ہے، تو نہی لعینہٖ یا نہیں لغیرہ؟ معذرت چاہتا ہوں کلام طویل ہوگیا، ہوسکتا ہے اپنے دل کی بات کو قلم سے ظاہر نہ کرسکا ہوں، امید کہ تفصیلی جواب سے نوازیں گے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے کالج اور یورنیوسٹیوں میں جہاں لڑکےلڑکیوں کی مخلوط تعلیم کا نظم ہے، مسلمان لڑکیوں کو تعلیم دلانا قطعاً ناجائز اور سخت فتنہ کا باعث ہے، ایسی تعلیم جس سے لڑکیوں کی عفت وعصمت پر آنچ آئے، اُس کے مقابلہ میں جاہل رہنا بہتر ہے؛ البتہ شرعی حدود یعنی مکمل پردہ اور اجنبی مردوں سے اختلاط سے مکمل بچتے ہوئے اگر کوئی لڑکی عصری تعلیم حاصل کرے تو وہ مباح ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۱/۲۱، امداد الاحکام ۱/۲۱۵، کفایت المفتی ۲/۳۷، دعوت فکر وعمل ۴۰۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۵/۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

لڑکیوں کا عصری تعلیم کے باہر نکلنا؟

سوال (۶۸۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دورحاضر میں مسلمانان ہند میں عصری علوم کی تحصیل کی جانب شدید رجحان پایا جارہا ہے، ہر کوئی اپنی اولاد کو تعلیم یافتہ دیکھنا چاہتا ہے، اور اِس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے ہمہ وقت بخوشی تیار رہتا ہے، اور اِس حقیقت سے قطعاً انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اِس دور میں مسلمان

برادرانِ وطن کے مقابلہ میں بہت تھوڑے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ ڈگری کے مسلمان ڈاکٹر، انجینئر، سائنسداں اور دیگر حکومتی مناصب پر اُن کی موجودگی برائے نام ہے، بڑے بڑے مسلمانوں کے ہسپتالوں میں بھی اعلیٰ ڈگری کے سرجن وغیرہ عموماً غیر مسلم ہیں، اور وجہ یہی معلوم ہوئی کہ ہم میں اُن کی تعداد بہت کم ہے۔

اِسی طرح سیکڑوں میں ایک شاید و باید کیمسٹری، فیزکس یا پولوجی کا ماہر مل پائے، یہی حال انجینئرنگ کا ہے۔ غرض عصری علوم میں مسلمانوں کے پسماندہ ہونے کا انکار نہیں کیا جاسکتا، چناں چہ جسٹس سچر رپورٹ نے اس کی بھرپور تصدیق کردی؛ لہٰذا مختلف علاقوں میں تعلیمی تنظیمی اجلاس منعقد کئے جارہے ہیں اور مسلمانوں کو عصری علوم کی اَہمیت و اِفادیت اور دورِ حاضر میں اُس کی ضرورت کو بیان کیا جارہا ہے، اور اُس کی طرف رغبت دلائی جارہی ہے، بعض مخیّر حضرات بذاتِ خود اور مختلف ملی تنظیمیں مالی تعاون بھی پیش کررہی ہیں، اور رہنما کیمپ بھی منعقد کئے جارہے ہیں، اور طلباء کی مختلف فنون میں سے دلچسپیاں معلوم کرکے خاص فن کا انتخاب کیا جارہا ہے۔ الغرض متنوع اور مختلف الجہات کوششیں ہورہی ہیں، اور اس کی وجہ سے نمایاں فرق محسوس کیا جارہا ہے، چناں چہ HSC SSC، اور دیگر امتحانات میں مسلم طلباء کا معیار اور تعداد کافی بلند اور زیادہ ہوا ہے، اور اخبارات میں اس کی خوب تشہیر بھی ہورہی ہے، اور درحقیقت قوم مسلم کے حق میں یہ ایک فال نیک سمجھا جاتا ہے۔

بایں ہمہ جو چیز دینی حلقوں میں باعثِ تشویش ہے، اور بڑے شدومد کے ساتھ سوالات اٹھائے جارہے ہیں، وہ یہ ہے کہ لڑکیوں کے لئے عصری تعلیم موجودہ حالات میں کتنی صحیح ہے؟ شرعاً اِس کی اجازت ہے یا نہیں؟

وجہِ تشویش یہ ہے کہ عصری تعلیم کی تحصیل عصری تعلیم گاہوں میں جائے بغیر ہو نہیں سکتی، اور عصری تعلیم گاہیں جہاں اسلامی طرزِ تعلیم اور شرعی پابندیوں کا لحاظ کیا جاتا ہو، کھانے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہیں، ماضی کی چند دہائیوں سے تو مسلمانوں کی اس طرف توجہ ہوئی ہے، اور ابھی کچھ

درس گاہیں اس طرح کی نظر آ رہی ہیں ؛لیکن وہ تکمیل ضرورت کے لئے انتہائی ناکافی ہیں ۔

دوسری طرف لڑکیوں میں اس تعلیم کا ذوق سر چڑھ کر بول رہا ہے، اور ابھی چند سالوں سے تو مسلمان لڑکیاں ہی ٹاپ کر رہی ہیں ،یعنی لڑکوں سے لڑکیاں معیارِ تعلیم میں بہت آگے ہیں، یہ اور بات ہے کہ ملازمت وغیرہ میں مسلم لڑکیوں کا تناسب جلدی شادی یا گریجولیشن (پندرھویں) تک پڑھائی ختم کرنے کی وجہ سے بہت کم ہے؛ لیکن ابھی کچھ سالوں سے اس میں برابرِ اضافہ ہو رہا ہے، اور مسلم لڑکیاں ڈاکٹر ،انجینئر ، کالجوں میں پروفیسر وغیرہ مل رہی ہیں، اور اَب تو معاشرہ کا عام رجحان یہ ہوتا جارہا ہے کہ لڑکیوں کو ہی زیور تعلیم سے آراستہ ہو کر اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہئے ، ورنہ بسا اَوقات اس نفسا نفسی والے ماحول میں بے چاری لڑکیوں کو بڑی مصیبتیں جھیلنی پڑتی ہیں، اسی طرح مہنگائی کے اِس دور میں تنہا شوہر کی کمائی ضروریات کی تکمیل کے لئے ناکافی ہے،تو بیوی کی کمائی سے کافی مدد ملتی ہے، چناں چہ سچر رپورٹ میں مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کی ایک بڑی وجہ اُن کی معاشی پسماندگی کو قرار دیا گیا ہے۔

چناں چہ ہم خود اپنے گھرانوں میں اور اطراف میں، رشتہ داروں اور دوست واحباب میں دیکھتے ہیں کہ بچہ یا بچی ذہین اور محنتی سب کچھ ہے؛لیکن والدین کے پاس اتنی استطاعت نہیں ہے کہ آگے کی پڑھائی کا خرچ برداشت کر سکے، مجبوراً پڑھائی ختم کرنی پڑتی ہے، اور وہ بچہ جو پڑھ لکھ کر لائق وفائق بن سکتا تھا وہ سبزی فروش ،رکشا ڈرائیور یا ایسا کوئی چھوٹا موٹا کام کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، اور ظاہر ہے کہ جب اُس کی یہ حالت ہو گی تو وہ اپنے بچوں کو کیا تعلیم دے گا؟

نیز مال دار، مہذب وتعلیم یافتہ اور اچھے گھرانوں کے نوجوانوں میں تعلیم یافتہ لڑکیوں سے نکاح کرنے کا رجحان بھی عام ہوتا جارہا ہے، چناں چہ بے شمار ایسے نوجوان ڈاکٹر وغیرہ ہیں جو صرف نکاح میں اِس لئے تاخیر کر رہے ہیں کہ انہیں اُن کے معیار کی لڑکی نہیں مل رہی ہے ؛لہٰذا اَب عموماً والدین اپنی لڑکیوں کو تعلیم یافتہ بنارہے ہیں ؛ تاکہ اُن کی بچیوں کو اچھا رشتہ ملے ،اور وہ خوش حال زندگی گذار سکیں ۔

قرآنِ کریم کی آیات: (١) وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ (٢) وَإِذَا سَأَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَرَآءِ حِجَابٍ (٣) وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى. [الأحزاب]

اَحادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم: (١) المرأة عورة فإذا خرجت استشرفها الشيطان الخ. (سنن الترمذی، کتاب النکاح) (٢) إن المرأة تقبل في صورة شيطان وتدبر في صورة شيطان. (صحیح مسلم) (٣) ليس للنساء نصيب في الخروج إلا مضطر. (طبراني)

اور علماءِ اُمت کے اقوال سے تو اِس کی اجازت معلوم نہیں ہوتی کہ لڑکیاں عصری تعلیم کے حصول کے لئے مروج اسکولی وکالجی نظامِ تعلیم کی تکمیل کرے کہ اس میں یقیناً بہت مفاسدہ وخطرات ہیں، اور عیاں راچہ بیاں، اِس کی خرابیاں آنکھوں سے امت دیکھ رہی ہے؛ لیکن بہت سے فائدوں سے اُمت استفادہ بھی کر رہی ہے، جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا، چناں چہ جن دواخانوں اور ہسپتالوں میں مسلم لیڈیز ڈاکٹر ہیں، وہاں ہماری عورتوں کے لئے بڑی سہولت ہوگئی ہے، ورنہ عموماً مرد ڈاکٹروں کے پاس جانا پڑتا ہے، جو بڑا مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔

اِسی طرح جن اسکولوں اور کالجوں میں لڑکیاں پڑھتی ہیں وہاں اُن مسلم معلمات کو تعلیم کے لئے مقرر کیا جاتا ہے، اور لڑکیاں مرد اَساتذہ سے پڑھنے کی شناعت سے محفوظ رہتی ہیں وغیرہ وغیرہ، یہ چیز بھی ہمارے پیشِ نظر ہے کہ دنیوی عصری تعلیم عورتوں کے لئے سرے سے ضروری ہے ہی نہیں؛ بلکہ دینی ضروری معلومات اور بنیادی عقائد ومسائل کی جانکاری ''طلب العلم فريضةٌ على كل مسلمٍ" کی روشنی میں لازم ہے کہ اُن کے علم کے بغیر عمل کی تکمیل نہیں ہوسکتی جو ضروری ہے؛ کیوں کہ مسلمان کے عقیدہ وعمل کا درست ہونا اولین شئ ہے۔ کما هو مصرحٌ في كتب الفقه۔

لیکن موجودہ دور میں پانی سر سے اوپر جاچکا ہے اور عوام تو عوام خواص؛ بلکہ اہلِ علم اور بعض اہلِ تقویٰ کی بناتِ طیبات بھی اگرچہ شرعی پابندیوں کے ساتھ اسکولوں اور عصری تعلیم گاہوں میں جارہی ہیں، اور عفت وعصمت کی حفاظت کے ساتھ تعلیم حاصل کر رہی ہیں، اور خصوصاً اُن کے

اپنے بچوں کو اور دیگر خواتین کو بڑا فائدہ ہو رہا ہے، موجودہ حالات میں اس کو روکنا مشکل ہی نہیں؛ بلکہ قریب المحال ہے، اور اس سلسلہ میں سعی فضول اور لا حاصل، ہاں البتہ اُس کی اِصلاح کی تدابیر اختیار کی جاسکتی ہے، اور امید قوی ہے کہ اُمت کا بڑا طبقہ اس کو بسر وچشم قبول کرے گا؛ کیوں کہ مسلمان اپنی بچیوں کو اسلامی طرز اور شرعی پابندیوں کے ساتھ تعلیم دینے کو اولیت دیتا ہے، اور غیروں کے یہاں بدرجۂ مجبوری بچیاں جارہی ہیں اور اُس کی وجوہات پہلے بیان کی جاچکی ہیں۔

مذکورہ بالا اَحوالِ واقعی کے پیشِ نظر کچھ سوالات پیشِ خدمت ہیں:

(۱) عصری تعلیم کی تحصیل اور ڈاکٹر وپروفیسر ومعلّمات بننا اور دیگر ڈگریاں حاصل کرنا چوں کہ مسلمان لڑکیوں پر شرعاً ضروری نہیں ہیں؛ کیوں کہ یہ علومِ شرعیہ ضروریہ میں داخل نہیں ہیں، تو کیا اُن کی تحصیل کے لئے لڑکیوں کو اسکول، کالج وغیرہ میں جانا شرعاً جائز ہوگا؟

الف:- اگر تعلیم مخلوط نہ ہو، خالص بنات کے لئے داخلہ ہو اور پڑھانے کے لئے معلمات ہوں، اور مکمل اسلامی طرزِ تعلیم نہ ہو، مثلاً برقعہ بالغہ کے لئے لازم نہ ہو؛ بلکہ اختیار ہو تو کیا حکم ہوگا؟

ب:- اور اگر برقعہ وغیرہ شرعی اُمور کی پابندی ہو تو کیا حکم ہوگا؟ بہر دوصورت تعلیم گھر پر تو نہیں ہوسکتی، قریب یا دور اسکول، کالج جانا ہوگا، زیادہ دور نہ ہو تو پیدل چل کر، ورنہ رکشہ یا اسکول کی بس سے مسافت طے کی جائے گی؟ تو کیا حاجتِ غیر شرعیہ ضروریہ کے لئے خروج من البیت کی بناء پر ممنوع ہوگا؟ جیسا کہ حدیث میں: ''**المرأة إذا خرجت من بيتها استشرفها الشيطان**'' آیا ہے؟

(۲) اگر جواز کی کوئی صورت نکل سکتی ہے تو فبہا، ورنہ مسلم خواتین کے لئے بے شمار مسائل کھڑے ہوسکتے ہیں؛ کیوں کہ اگر وہ کوئی ہنر بھی سیکھنا چاہے، مثلاً خیاطی یا کڑھائی وغیرہ، تو گھر سے باہر تو کلاسس جوائنٹ کرنا ہوگا؛ کیوں کہ اب گھروں پر آ آ کر سکھانے کا رواج تقریباً ختم ہوچکا ہے، تو کیا یہ بھی ممنوع ہوگا؟

(۳) خواتین کے امراض کی تشخیص کے لئے مسلم لیڈی ماہر ڈاکٹر سرجن وغیرہ کی ضرورت

پیش آتی ہے، چناں چہ عورتوں کا ایکسرا کروانا ہو، یا سونو گرافی کروانا ہو، اسی طرح بچہ پیدا ہونے تک کے تمام مراحل اور دیگر بہت سی بیماریوں میں عورت ڈاکٹر کی ضرورت پیش آتی ہے، اَب جب موجودہ حالات میں یہ تعلیم کا حصول ہی ممنوع ہوگا، تو مسلمان لیڈی ڈاکٹر کیسے ملے گی؟ اور بعض حالات میں حضرات مفتیانِ کرام بھی فرماتے ہیں کہ ’’ماہر، حاذق، دین دار مسلم طبیب کی رائے پر فیصلہ ہوگا‘‘ اوراس صورت میں جب کہ دین داروں کے لئے یہ چیز ممنوع ہی ہوگی، تو دین دار ڈاکٹر کہاں سے لائی جائے گی؟ میں ہرگز یہ نہیں کہنا چاہتا کہ جو خواتین ڈاکٹر حضرات ہیں، وہ سب بے دین ہیں؛ لیکن یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اکثر دین دار نہیں ہیں، ورنہ پھر مسلمان مرد ڈاکٹر جو ماہر اور دین دار ہو، اس سے تشخیص کروا کر فیصلہ کروانا ہوگا، اور اس صورت میں عورت کے جسم، شرم گاہ وغیرہ کو محرم کے لئے دیکھنا لازم آئے گا، کیا یہ کہہ کر اس طریقہ کو ہی باقی رکھا جائے گا کہ حضرات فقہاء نے مجبوری کی حالت میں بعوضِ علاج مرد ڈاکٹروں کے لئے اس کی اجازت دی ہے؛ لہٰذا یہی چیز ہوتی رہے اور ہماری عورتیں تعلیم حاصل نہ کریں؟ یا یہ کہہ کر مسئلہ ہی ختم کردیا جائے کہ جب غیر مسلم لیڈی ڈاکٹر وغیرہ ملتے ہیں، تو مسلمان لیڈی ڈاکٹر کی ضرورت ہی نہیں؛ لہٰذا اَب ممنوعاتِ شرعیہ کے ارتکاب کی حاجت ہی نہ رہی، کیا ایسی کافرہ کا فیصلہ معتبر ہوگا؟

(۴) اِن تمام شرعی رکاوٹوں کے باوجود جو خواتین تعلیم حاصل کر کے پروفیسر، معلمات، ڈاکٹرس وغیرہ بن چکی ہیں، ظاہر ہے وہ اسکولوں میں معلّمہ کے فرائض انجام دینے کے لئے گھر سے نکلیں گی، اِسی طرح ڈاکٹر، اپنی ڈسپنسری یا ہسپتال جائیں گی، اِس صورت میں پھر اُن کو روکا جائے گا، اور یہ کہا جائے گا کہ تم گھر کی ملکہ ہو، تم پر فریضہ اکتساب لازم نہیں، شادی سے پہلے باپ اور شادی کے بعد شوہر پر نان ونفقہ کی ذمہ داری ہے، اِس لئے تمہارے لئے گھر سے باہر نکل کر پڑھانے کی اجازت نہیں ہے، اور نہ تم اپنی ڈسپنسری جاسکتی ہو اور نہ ہی کسی ہسپتال جانے کی اجازت ہے۔

(۵) جب یہ صورتِ حال ہوگی تو ظاہری بات ہے کہ اردو اسکولوں اور کالجوں میں خواتین معلمات نہیں ہوں گی تو مرد معلم ہوں گے، جن کے پاس پڑھنے کی شرعاً اجازت نہیں، تو کیا لڑکیوں

کے اسکولوں کو بند کر دیا جائے؟ یا پھر انگریزی مشن اسکولوں میں جولڑکیوں ہی کے لئے مختص ہوتی ہیں، جہاں پڑھانے والیاں خواتین ہوتی ہیں وہاں بھیجا جائے، اور پھر کیا گت بنے گی، وہ تو ظاہر ہے، آخر کیا صورت اختیار کی جائے؟

(۶) پھر علماء کرام اور ہمارے بڑے بزرگانِ دین اسلامی طرز تعلیم والی بچیوں کے افتتاح کے لئے کیوں جاتے ہیں؟ اور اپنی نیک خواہشات اورتمناؤں کا اظہار مکاتب میں کیوں کرتے ہیں؟

(۷) ہمارے اپنے اکابر علماء کی سرپرستی میں اس طرح کی نسوانی اسکول چل رہے ہیں، مثلاً دیوبند وغیرہ میں اِسی طرح بعض معتبر علماء نے بھی اسکول کھولے ہیں، مثلاً اکل کوا (مہارشٹر) میں B.U.M.S یونانی کالج لڑکیوں کے لئے ہے۔

بندہ مظفرنگر (یوپی) مدعو تھا، وہاں ایک معروف عالم دین نے لڑکیوں کی S.S.C تک تعلیم کے لئے اسکول کھول رکھی ہے، اورلڑکیاں بڑی تعداد میں آتی ہیں، رانچی (بہار) میں دینی ودنیوی دونوں تعلیم سے آراستہ بنات کے لئے اسکول علماء ندوہ کے زیرسرپرستی چل رہا ہے، اور وہاں کی تعلیم اورنظم سے متأثر ہوکر ہمارے اپنے بڑوں کے بڑے اچھے تأثرات ملے ہیں، خود ہمارے ممبئ واطراف میں اِس طرح کے اسکولوں کا جال اکابر کے مشورہ اورسرپرستی میں بڑے آب وتاب سے رواں دواں ہیں، اوراس میں دین داروں، حضرات علماء ومفتیان، ذمہ دارانِ تبلیغ وغیرہ کی بنات تعلیم حاصل کررہی ہیں؛ البتہ اتنا ضرور ہے کہ شرعی پابندیوں کا پورا لحاظ کیا جارہاہے، یہ تو مختلف صوبوں کی کچھ مثالیں تھیں، ورنہ اَب تو تقریباً پورے ملک میں اس طرح کی سرگرمیاں ہیں، تو ان حضرات کے پیشِ نظر اِباحت واجازت کی کون سی دلیل اوروجہ ہے؟ (عموماً حضرات علماء کے نام نہیں لکھے گئے ہیں)

(۸) سفر شرعی عورت کے لئے بغیر محرم کے جائز نہیں؛ لیکن اپنے علاقہ ہی میں سفر شرعی سے کافی کم مقدار اکیلے، تنہا جانے کی اجازت ہے؟ برائے مہربانی اُس کی مقدار بیان فرمائیں؟

الغرض آنحضرت سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ موجودہ دور کے اس اہم ترین مسئلہ کا شرعی

حکم بیان فرمائیں، اور اس سلسلہ میں اپنی رائے عالی سے نوازیں۔ فقط

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ نے لڑکیوں کی تعلیم کے بارے میں جو سوالات اٹھائے ہیں، وہ سب اَہم اور قابلِ توجہ ہیں، ایک طرف عورتوں کے متعلق شرعی حدود ہیں، دوسری طرف نئے زمانہ کے حالات، ضروریات اور نزاکتیں ہیں، جن سے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔ بریں بناء سوال نامہ کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد جو چند اُمور ذہن میں آتے ہیں، وہ درج کئے جارہے ہیں:

(۱) ایسے علوم جن میں انجام کار غیر مردوں سے اختلاط ناگزیر ہو، اور اُس سے بچنے کی کوئی شکل ہی نہ ہو، جیسے انجینئرنگ، ائیر ہوسٹس اور پائلٹ وغیرہ، تو ایسے علوم سیکھنے سے عورتوں کو مطلقاً منع کیا جائے گا۔

(۲) وہ علوم جو عورتوں کی معاشرتی زندگی کے لئے مفید ہیں، اور اُن میں غیر مردوں کے اختلاط سے بچنا ممکن ہے، جیسے کپڑا سینا، نقش ونگار بنانا وغیرہ، تو ایسی تعلیم حاصل کرنا شرعی حدود کی رعایت رکھتے ہوئے مطلقاً جائز ہے۔

(۳) ایسے علوم جن کا سیکھنا عورتوں کے لئے قومی اور معاشرتی ضرورت کے لئے ناگزیر ہے، مثلاً لیڈی ڈاکٹر بننا، یا معلّمہ بننا وغیرہ، تو مسلم معاشرہ میں کفایہ کے درجہ میں معتد بہ تعداد میں مسلم عورتوں کو ایسے علوم ضرور سیکھنے چاہئیں۔ اور اولاً پوری کوشش ہو کہ شرعی پردہ کے ماحول میں رہ کر اُنہیں سیکھا جائے، اور خالص لڑکیوں کے اِداروں میں ہی تعلیم حاصل کی جائے؛ لیکن اگر کسی وجہ سے یہ ممکن نہ ہو، تو ”أھون البلتیین“ کے اُصول پر مکمل حجاب کے ساتھ مخلوط اداروں میں تعلیم کو بھی برداشت کیا جاسکتا ہے؛ اِس لئے کہ تجربہ میں آمدہ واقعات کی روشنی میں ہمدرد لیڈی ڈاکٹروں، اور دین دار استانیوں کا وجود مسلم معاشرہ کی ایک ناگزیر ضرورت بن گیا ہے، اِس اہم

ضرورت کے حصول کے لئے عارضی طور پر نامناسب ماحول برداشت کیا جاسکتا ہے، اور بڑے نقصان سے بچنے کے لئے چھوٹے نقصان کا تحمل آسان ہے۔

(۴) گھر سے قریبی اداروں میں آنے جانے کے لئے فتنوں سے حفاظت کے ساتھ اکیلے یا چند لڑکیوں کا مل کر جانا بھی درست ہے؛ لیکن جب مسافت سفر کے بقدر سفر درپیش ہو، تو محرم یا شوہر کے بغیر عورت کا سفر کرنا مطلقاً ناجائز ہوگا، خواہ تعلیم کے لئے ہو یا کسی اور مقصد سے، عورت کے لئے اِس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

(۵) ڈاکٹری اور معلّمہ کی تعلیم مکمل کر لینے کے بعد جب یہ عورتیں اپنا کام شروع کریں، تو اَب لازم ہے کہ شرعی حدود کی مکمل رعایت رکھیں، مثلاً ڈاکٹر عورتیں اپنے یہاں کام کرنے کے لئے عورتیں ہی ملازم رکھیں۔ اِسی طرح مخلوط تعلیمی اِداروں میں اجنبی مردوں کے ساتھ سروس نہ کریں وغیرہ؛ کیوں کہ اِس مرحلہ پر شرعی حدود کی پابندی نہیں کی جائے گی، تو اُن عورتوں میں اور دوسری عورتوں میں کوئی امتیاز نہ رہے گا۔ بہر حال اِن تمام مسائل کا حل درج ذیل فقہی اُصول و جزئیات میں مضمر ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

من ابتلى ببليتين وهما متساويتان يأخذ بأيتهما شاء، وإن اختلفا يختار أهونهما؛ لأن مباشرة الحرام لا تجوز إلا للضرورة، ولا ضرورة في حق الزيادة.

(الأشباه والنظائر ۳۱۹ مكتبة فقيه الأمة، ۱۲۳/۱ پاکستان)

إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضررًا بإرتكاب أخفهما. (الأشباه والنظائر ۳۱۹ مكتبة فقيه الأمة، ۱۲۳/۱ پاکستان)

لو كان أحدهما أعظم ضررًا من الأخر، فإن الأشد يزال بالأخف. (الأشباه والنظائر ۳۱۵ مكتبة فقيه الأمة، ۱۲۲/۱ پاکستان)

الضرر يدفع بقدر الإمكان. (قواعد الفقه ۸۸ دار الكتاب ديوبند)

يتحمل الضرر الخاص لأجل دفع ضرر العام. (الأشباه والنظائر ۳۱۲ مكتبة فقيه

الأمة، ۱۲۱/۱ پاکستان) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۵/۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بالغ لڑکیوں کا بغیر پردہ کے انگریزی تعلیم حاصل کرنا؟

سوال (۶۸۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: لڑکیوں کو جو جوان ہیں، یا جوان ہونے کے قریب ہیں، اُن کو احسن الفتاویٰ ۳۲/۸ پر نا جائز لکھا ہے کہ اُن کو بغیر پردہ کے کسی غیر آدمی سے نہ پڑھایا جائے، چاہے وہ قرآنِ پاک کی تعلیم ہو یا انگریزی تعلیم ہو، اور فتاویٰ رحیمیہ ۲۶/۱ سے لے کر ۴۰ تک حضرت نے بڑی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ انگریزی تعلیم بغیر پردہ کے لڑکیوں کو دینا جائز نہیں ہے، آپ حضرات کی تحقیق کیا ہے کہ لڑکیوں کو جو جوان ہیں یا جوان ہونے کے قریب ہیں، اُن کو انگریزی تعلیم بغیر پردہ کے غیر مردوں سے پڑھوانا جائز ہے یا نا جائز؟

آپ کے مسائل اور اُن کا حل میں ۱۸۱/۹ پر لکھا ہے کہ ۹/سال کی لڑکی جوان ہوسکتی ہے، اور وہ جوان میں شمار ہوگی، حوالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ۹/سال کی عمر میں رخصتی ہوگئی تھی، اور احسن الفتاویٰ ۳۶/۸ پر بھی ۹/سال کی لڑکی جوان ہوسکتی ہے، اور وہ بالغہ میں شمار ہوگی اور اس کو پردہ کرنا فرض ہے۔

آپ حضرات کی تحقیق کیا ہے کہ ۹/سال کی لڑکی کو بغیر پردہ کے قرآن پاک کی تعلیم یا انگریزی تعلیم وغیرہ کسی غیر آدمی سے پڑھوانا جائز ہے یا نا جائز؟ اور ۹/سال کی لڑکیوں کو بغیر پردہ کے باہر بھیجنا جائز ہے یا نا جائز؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جوان یا قریب البلوغ بچیوں کو بے پردہ غیر مردوں سے کسی بھی طرح کی تعلیم دلوانا جائز نہیں ہے، ایسی بچیوں کو صرف معلّمہ کے ذریعہ سے ہی تعلیم دلائی

جائے، اور ۹؍سال کی بچی کا بالغ ہونا ممکن ہے اور اُس کا حکم بھی بالغ بچیوں کی طرح ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ [الأحزاب، جزء آيت: ٥٩]

قال أبو بكر في هذه الآية: دلالة على أن المرأة الشابة مأمورة بستر وجهها عن الأجنبيين. (أحكام القرآن للجصاص ٣٧٢/٣)

وقال اللّٰه سبحانه وتعالیٰ: ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى﴾ [الأحزاب، جزء آيت: ٣٣]

قال علي بن أبي طلحة عن ابن عباس رضي اللّٰه عنه أمر اللّٰه نساء المؤمنين إذا أخرجن من بيوتهن في حاجة أن يغطين وجوههن من فوق رؤوسهن بالجلابيب، ويبدين عيناً واحدة. (تفسير ابن كثير ١٠٨٣، امداد الأحكام ٢٢١/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۱/۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

لڑکیوں کا ہائی اسکول کے بعد پردہ میں رہ کر مزید تعلیم حاصل کرنا؟

سوال (٢٨٦): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک لڑکی ہے اُس کی عمر ۱۹؍سال ہے، وہ ہائی اسکول کر چکی ہے، اور آگے کی تعلیم کے لئے کالج میں داخلہ لینا چاہتی ہے، جہاں تعلیم دینے والے مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی، اور وہ کالج صرف لڑکیوں کا ہے، تو کیا پردہ میں رہ کر وہ لڑکی آگے کی تعلیم حاصل کرسکتی ہے یا نہیں؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکیوں کا ایسا کالج جس میں پڑھانے والیاں صرف عورتیں ہوں، اس میں تعلیم حاصل کرنے کی گنجائش ہے؛ لیکن اگر مرد بھی تعلیم دینے والے ہوں تو اِس پرفتن دور میں کالج کے ماحول میں فتنہ سے بچنے کی کوئی ضمانت نہیں ہے؛ اِس لئے مردوں سے

تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۳۶/۲، احسن الفتاویٰ ۳۴/۸، فتاوی محمودیہ ۳۸۴/۳ ڈابھیل)

وينبغي أن يعلم امرأة تداويها؛ لأن نظر الجنس إلى الجنس أخف. (الدرالمختار مع الشامي ۵۳۳/۹ زكريا)

وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال لا لأنه عورة؛ بل لخوف الفتنة. (شامي، باب شروط الصلاة / مطلب في ستر العورة ۷۹/۲ زكريا)

قال الإمام الشاه ولي اللّٰه: اعلم أنه لما كان الرجال يهيّجهم النظر إلى النساء على عشقهن والتوجه بهن، ويفعل بالنساء مثل ذٰلک، وكان كثيرًا ما يكون ذٰلک سببًا؛ لأن يبتغي قضاء الشهوة منهن على غير السنة الراشدة، كاتباع من هي في عصمة غيره، أو بلا نكاح، أو غير اعتبار كفاءة، والذي شوهد من هٰذا الباب يغني عما سطر في الدفاتر، اقتضت الحكمة أن يسد هٰذا الباب. (حجة اللّٰه البالغة ۳۲۸/۲ ذكر العورات مكتبة حجاز ديوبند)

درأ المفاسد أولى من جلب المصالح، فإذا تعارضت مفسدة ومصلحة قدم دفع المفسدة غالباً. (الأشباه والنظائر ۱۴۷/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۵/۷/۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر مسلم عورت کو قرآن سکھانا؟

سوال (۶۸۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک ہندو عورت قرآن پڑھنا چاہتی ہے، اور اُس کے دل میں اِسلام وقرآن کی عظمت بھی ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی عورت کو قرآن کی تعلیم دینا درست ہے یا نہیں؟ بینوا

وتوجروا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی عورت کو قرآنِ کریم کی تعلیم دینا درست ہے، مگر اس عورت کے لئے طہارت کے بغیر قرآنِ کریم کو ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲/۱۸۸ میرٹھ)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ [الواقعة: ۷۹]

قال الإمام محمد في السير الكبير: وإذا قال الحربي أو الذمي للمسلم: علمني القرآن فلا بأس بأن يعلمه ويفقهه في الدين، لعل اللّٰه يقلب قلبه. والحاصل مما سبق أن وقوع المصحف بأيدي الكفار إنما يمنع منه إذا خيف منهم إهانته، أما إذا لم يكن مثل هٰذا الخوف فلا بأس بذٰلك لا سيّما لتعليم القرآن وتبليغه، واللّٰه أعلم. (تكملة فتح الملهم شرح صحيح الإمام مسلم / باب النهي أن يسافر بالمصحف الخ ۳/۳۸۶ مكتبة دار العلوم كراچی)

وفي الدر المختار: ويمنع النصراني من مسه وجوزه محمد إذا اغتسل، ولا بأس بتعليمه القرآن والفقه عسىٰ أن يهتدي. (الدر المختار، كتاب الطهارة / قبيل باب المياه ۱/۱۷۷ كراچی)

كافرٌ من أهل الذمة أو من أهل الحرب طالب من مسلم أن يعلم القرآن والفقه، قالوا لابأس به بأن يعلم القرآن والفقه في الدين؛ لأنه عسىٰ أن يهتدي إلى الإسلام فيسلم إلا أن الكافر لا يمس المصحف. (فتاویٰ قاضي خان ٤/٧٩٤)

ولا بأس بتعليم الكافر القرآن أو الفقه رجاءً أن يهتدي، ولكن لا يمس المصحف ما لم يغتسل. (الحلبي الكبير / تتمات فيما يكره من القرآن في الصلاة وما لا يكره وفي القراءة خارج الصلاة ٤٩٧ لاهور) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۱/۲/۳ھ

لڑکیوں کو دُنیاوی تعلیم کے لئے اِسکول بھیجنا؟

سوال (۶۸۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بالغات کو دنیوی تعلیم حاصل کرنا یا کرانا، پڑھانا، لکھانا مثلاً ہندی انگلش وغیرہ جب کہ اُس میں لکھنا لکھانا بہت ضروری ہے، اور لکھنے پر ہی زیادہ زور دیا جاتا ہے، اور لوگ کہتے ہیں کہ زمانہ کے اعتبار سے لڑکیوں کی دنیوی تعلیم بہت ضروری ہے، اور اپنی لڑکیوں کو اِسکول بھیجتے ہیں، اَب ایسے حالات میں بالغات کو خود تعلیم حاصل کرنا یا کرانا پڑھنا اور پڑھانا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موجودہ پرفتن دور میں لڑکیوں کو دنیوی اِسکولوں میں بھیجنا فتنہ سے خالی نہیں ہے؛ لہٰذا گھر ہی پر تعلیم کا نظم کرنا چاہئے، اگر گھر پر نظم نہ ہوسکے تو پردے کے ساتھ ایسے اسکول میں تعلیم دلائی جائے جس میں صرف لڑکیاں ہی پڑھتی ہوں، وہاں لڑکے تعلیم نہ پاتے ہوں۔

عن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: المرأة عورة؛ فإذا خرجت استشرفها الشيطان. (سنن الترمذي، أبواب الطلاق واللعان / باب ما جاء في كراهية الدخول على المغيبات ۱/۲۲۲ رقم: ۱۱۷۳، مشكاة المصابيح ۲/۲۶۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۳/۷/۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر مرد کا شادی شدہ جوان لڑکیوں کو بے پردہ پڑھانا؟

سوال (۶۸۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مدرسہ مؤمنات کے نام سے ایک حافظ بہاری نے کھولا، نہ کوئی مہتمم ہے اور نہ مجلسِ

شوریٰ، ایک خود اور دو لڑکیاں پڑھانے کے لئے متعین ہیں، طالبات و خورد ۲۰ روپیہ ماہواری فیس فی لڑکی ہے، زکوٰۃ وخیرات کا چندہ بمبئی تک کیا جاتا ہے، چرمِ قربانی بھی لی جاتی ہے۔ تو اَب سوال یہ ہے کہ غیر مرد کا شادی شدہ جوان لڑکیوں کو پڑھانے کا قرآن وسنت کی روشنی میں جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی اَجنبی مرد کے لئے جوان لڑکیوں کو بے پردہ پڑھانا قطعاً جائز نہیں ہے، اور پردہ کے ساتھ بھی اَجنبی کے پڑھانے میں سخت مفاسد پائے جاتے ہیں، اِس لئے یہ عمل درست نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۳۷۷/۳ ڈابھیل) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۷/۱۱/۱۴۲۱ھ

مخلوط تعلیم والے اسکول کے سکریٹری عہدے سے مستعفی ہونا

سوال (۶۹۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ عربیہ انوار العلوم کا قیام تقریبا چالیس سال پہلے ہوا ہے۔ مدرسہ ہٰذا نے ایک دوسرا سکول قریب کے محلے میں مدرسہ انوار العلوم پرائمری وجونیئر کے نام سے قائم کیا ہے، جس میں دینی تعلیم کے علاوہ عصری تعلیم کا مکمل بندوبست ہے اس اسکول میں طلبہ وطالبات مخلوط تعلیم حاصل کرتے ہیں جو کہ آٹھویں درجہ تک ہے مدرسہ ہٰذا کی ہی کمیٹی اس کی بھی نگرانی کرتی ہے۔ مخلوط تعلیم کی وجہ سے اکثر لڑکیوں کی نازیبا حرکتوں کی شکایتیں آتی رہتی ہیں جو ناقابل برداشت ہیں۔ اور دوسرا لڑکیوں کا اسکول چلانے کی مدرسہ ہٰذا کو استطاعت نہیں ہے۔ جونیئر تک کی تعلیم حاصل کرنے تک اکثر لڑکیاں بالغ ہوجاتی ہیں۔

میں ابتداء سے اب تک مدرسہ کی کمیٹی میں فی سبیل اللہ بحیثیت سکریٹری کام کرتا رہا ہوں جب ایسے حالات سامنے آئے تو میں نے کمیٹی سے مستعفی ہونے کا ارادہ کرلیا ہے۔ کیونکہ میں ثواب

کی غرض سے کام کررہا ہوں میری سمجھ میں ایسی مخلوط تعلیم گناہ ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں بالغ لڑکیوں کی مخلوط تعلیم قطعاً جائز نہیں ہے۔ مدرسہ کی کمیٹی پر لازم ہے کہ وہ فوری طور پر مخلوط تعلیم کے نظام کو ختم کرے ورنہ کمیٹی کے سب ممبران گنہگار ہوں گے اور اگر کمیٹی اس پر تیار نہ ہو تو آپ کو اس میں سیکریٹری کے عہدہ سے علیحدہ ہوجانا چاہئے تاکہ آپ سے آخرت میں مؤاخذہ نہ ہو۔

عن ابن عباس قال قال رسول الله ا لايخلون رجل بإمرأة ولا تسافرن إلا ومعها محرم الخ. (مشكاة المصابيح ص:۲۲۱)

عن عقبه ابن عامرؓ قال قال رسول اللها إياكم والدخول على النساء الخ.

(مشكاة المصابيح ص: ۲٦۸)

عن ابن مسعود عن النبي ا قال: المرأة عورة فإذا خرجت استشرفها الشيطان. (مشكاة المصابيح ص: ۲٦۹)

الخلوة بالأجنبية حرام. (شامي ۳٦۸/٦ كراچی)

وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال. (شامي ٤۰٦/۱ كراچی)

ولايؤذن بالخروج إلى المجلس الذى يجتمع فيه الرجال والنساء وفيه المنكرات (بزازية على هامش الفتاوىٰ الهندية ۱٥۷/٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۵؍محرم؍۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

لڑکیوں کے غیر ضروری اِدارہ کو بند کرنا؟

سوال(٦۹۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: بعض لوگ غیر ضروری مدرسے قائم کرکے یا لڑکیوں کا اِقامتی اِدارہ کھول کر اُس میں اپنے اَفرادِ خاندان کا تقرر کرکے کنبہ پروری کرتے ہیں، غلط اُصولوں پر مدرسہ چلاتے ہیں، ایسی صورت میں اُن مدرسوں کو مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی حسبِ ذیل ہدایت کے تحت بند کرنے میں کوئی قباحت تو نہیں؟

آپ نے تمام منتظمین دارالعلوم کراچی پاکستان کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ ''ہم نے دارالعلوم کی شکل میں کوئی دوکان نہیں کھولی؛ بلکہ خدمتِ دین کا ایک اِدارہ قائم کیا ہے، جب تک آپ حضرات اِس اِدارے کو صحیح اُصولوں پر اور اللہ کی رضا کے مطابق چلاسکیں چلائیں، اور اگر خدانخواستہ کوئی ایسا وقت آجائے کہ اسے صحیح اُصولوں پر چلانا ممکن نہ رہے، تو میرے نزدیک اسے بند کردینا بہتر ہے بہ نسبت اِس کے کہ اُسے غلط اُصولوں پر چلایا جائے''۔ (کتاب: میرے والد میرے شیخ ۶۶۱-۶۶۷)

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے مدارس کی اِصلاح کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے، اور اگر اِصلاح کی کوئی شکل بالفرض نہ رہے تو اُسے بند کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، جیسا کہ سوال میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا گیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳؍۱۰؍۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَحکام المقابر

قبرستان کے آداب

قبرستان میں لہوولعب اور بے جا تصرف کرنا؟

سوال (۶۹۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبروں پر تصرف کرنا، مکانات وغیرہ تعمیر کرنا، نیز کھیل کود قبروں پر چلنا پھرنا اور وہ افعال کرنا جن سے قبروں کی بے حرمتی ہوتی ہے، جائز ہے یا نہیں؟ اور بے جا تصرفات کرنے والے کے لئے کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان میں بے جا تصرفات کرنے، قبروں کی بے حرمتی کرنے اور انہیں لہوولعب کا اڈا بنانے کی شریعت میں بالکل اِجازت نہیں ہے، جولوگ قبرستان کی حرمت کا لحاظ نہیں رکھتے وہ سخت گنہگار رہیں۔

عن جابر رضي اللّٰه عنه قال: نهىٰ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن تجصيص القبور والكتاب فيها والبناء عليها والجلوس عليها. (المستدرك للحاكم ۵۲۵/۱ رقم: ۱۳۷۰)

عن أبي مرثد الغنوي رضي اللّٰه عنه قال: قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: لا تجلسوا على القبور ولا تصلوا إليها. (سنن الترمذي، أبواب الجنائز / باب كراهة الوطء على القبور والجلوس عليها ۲۰۳/۱)

قال في الفتح: ويكره الجلوس على القبر ووطؤه ...... ويكره النوم عند القبر وقضاء الحاجة بل أولىٰ. (شامي / مطلب في إهداء القراءة للنبي صلى اللّٰه عليه وسلم

۲٤٥/۲ کراچی، ۱٥٤/۳ زکریا)

کره وطئها بالأقدام. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح / فصل في زيارة القبور ٦۲۳ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۶/۱۱/۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبرستان میں ننگے بدن گھومنا اور ورزش کرنا؟

سوال (۶۹۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبرستان میں ننگے بدن گھومنا پھرنا جائز ہے؟ کیا قبرستان میں صرف ننگی ٹانگوں سے گھومنا پھرنا جائز ہے؟ کیا قبرستان کو کھیل کا اڈا بنانا جائز ہے؟ کیا قبرستان میں صرف شرم گاہوں کو ڈھک کر کسرت کرنا جائز ہے؟ کیا قبرستان میں بچوں کو کھیلنے کی اِجازت دی جاسکتی ہے؟ کیا قبرستان میں بچوں کو ننگے بدن کسرت کرنا وکھیلنا جائز ہے؟ کیا قبرستان میں کشتی، کبڈی، گلی ڈنڈا، تاش وغیرہ بچوں یا بڑوں کے ذریعہ کھیلنا جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان خاص طور پر دو اعتبار سے قابلِ توجہ ہے، اول یہ کہ قبروں کا دیکھنا موت کو یاد دلانے والی چیز ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ قبرستان میں جانے والے شخص پر آخرت کی یاد کا غلبہ ہونا چاہئے، اور لہو ولعب اور کھیل کود کا خیال دل سے نکال دینا چاہئے۔

دوسرے یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں سے گذرنے اور اُس پر بیٹھنے وغیرہ سے منع فرمایا ہے؛ کیوں کہ اِس طرح کی حرکتوں سے میت کی بے حرمتی لازم آتی ہے جو ممنوع ہے؛ لہٰذا قبرستان میں ننگے بدن پھرنا، قبرستان کو کھیل کا میدان بنانا، وہاں کبڈی کھیلنا اور دیگر لغو مشاغل اختیار کرنا سب ناجائز ہے، تمام بااثر حضرات پر لازم ہے کہ وہ قبرستان کی بے حرمتی روکنے میں ایک دوسرے کا تعاون کریں، اور سماج دشمن عناصر سے قبرستان کو محفوظ رکھیں۔

حدثني عبد اللّٰه بن بريدة عن أبيه رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إني كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها؛ فإنها تذكر الأخرة. (المصنف لعبد الرزاق ٥٦٩/٣، المستدرك للحاكم ٥٣١/١)

عن أبي مرثد الغنوي رضي اللّٰه عنه قال: قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: لا تجلسوا على القبور ولا تصلوا إليها. (سنن الترمذي، أبواب الجنائز / باب كراهة الوطء على القبور والجلوس عليها ٢٠٣/١، مشكاة المصابيح ١٤٨)

عن جابر رضي اللّٰه عنه قال: نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن يقعد عليها. (المصنف لابن أبي شيبة ٣٣٩/٣، ٣٥٤/٧ رقم: ١١٩٠١ المجلس العلمي بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۹/۲/۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبرستان میں جوتے پہن کر جانا؟

سوال (۶۹۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبرستان میں جوتے پہن کر جانا ناجائز ہے؟ یا ادب کے خلاف ہے؟ یا حرام ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان کی زمین میں جوتے پہن کر جانے میں گنجائش ہے؛ البتہ قبروں پر جوتے پہن کر یا بغیر پہنے ہر حال میں چلنا مکروہ اور سخت ممنوع ہے، اِس لئے احتیاط سے چلنا چاہئے؛ تاکہ قبروں پر پاؤں نہ پڑے، خصوصاً قبر پر فاتحہ خوانی کے وقت جوتے اُتار دے، تو بہتر ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۹۸/۳، فتاویٰ محمودیہ ۴۲۱)

والمشي بالمقابر بالنعلين لا يكره عندنا. (الفتاویٰ الهندية / الفصل السادس في القبر والدفن ١٦٧/١)

فإذا بلغ المقبرة يخلع نعليه ثم يقف مستقبل القبلة. (الفتاویٰ الهندية / الباب السادس عشر في زيارة القبور وقراءة القرآن في المقابر ٥/ ٣٥٠)

وكره أبوحنيفة رحمه اللّٰه تعالیٰ أن يوطأ على قبرٍ، أو يجلس عليه أو ينام عليه. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة / فصل في سنة الدفن ٢/ ٦٥ زكريا)

ويكره أن يوطأ على القبر يعني بالرجل أو يقعد عليه أو يقضي عليه حاجته. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الجنائز / فصل في القبر والدفن ٢/ ١٧١ إدارة القرآن کراچی، ٣/ ٧٣ رقم: ٣٧٤٠ زكريا)

ولا يكره المشي في المقابر بالنعلين عندنا. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / فصل في زيارة القبور ٦٢٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۵/۷/۲۹ھ

قبرستان میں جوتے پہن کر چلنے پر ”أَنَّهٗ يَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ“ سے استدلال؟

سوال (۲۹۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اِنسان عام طور پر جو جوتے پہن کر چلتے ہیں، اس جوتے کو پہن کر قبرستان میں چلنا زیارتِ قبور کے مقصد سے ہو یا میت کو دفن کرنے کی غرض سے جائز ہے یا نہیں؟ نیز مندرجہ ذیل کی روایت سے قبرستان میں جوتے پہن کر چلنے کے بارے میں کیا ثبوت ملتا ہے؟

عن أنس رضي اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن العبد إذا وضع في قبره وتولیٰ عنه أصحابه أنه يسمع قرع نعالهم أتاه ملكان فيقعد أنه فيقولان ما كنت تقول في هٰذا الرجل لمحمد؟ فأما المؤمن فيقول: أشهد أنه عبد اللّٰه ورسوله، فيقال له أنظر إلى مقعدك من النار قد أبدلك اللّٰه

به مقعدًا من الجنة فيراهما جميعًا. (مشكاة المصابيح ٢٤/١)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان میں جوتا پہن کر چلنا جائز ہے؛ البتہ بہتر ہے کہ جوتا نکال لے، چناں چہ مذکورہ حدیث سے دلالۃً قبرستان میں جوتا پہن کر چلنے کا ثبوت ہوتا ہے۔

قال في شرح السنة: يجوز المشي بالنعل في القبور. (مرقاة المفاتيح ١٦٤/١)

فإذا بلغ المقبرة يخلع نعليه، ثم يقف مستدبر القبلة مستقبلاً لوجه الميت.

(الفتاویٰ الهندية / الباب السادس عشر في زيارة القبور وقراءة القرآن في المقابر ٣٥٠/٥) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۸/۴/۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبرستان میں گذرگاہ بنانا؟

سوال (٦٩٢): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبرستان کے چاروں طرف آبادی ہے، بیچ میں قبرستان ہے، آبادی قریب ۸۰؍سال پرانی ہے، آبادی کا قبرستان کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے، اور قبرستان کی چہار دیواری ہونی ہے، اور جو راستہ قائم کیا جارہا ہے وہ ۱۳؍فٹ ہے، اُس میں کچھ قبریں بیچ میں آرہی ہیں، اُس کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ آبادی کے لئے قبرستان کے بیچ سے مستقل راستہ بنانا جائز نہیں ہے، اس آبادی کے واسطے راستہ کا انتظام قبرستان کے علاوہ کرنا ضروری ہے۔

أخرج أبو داؤد حديثًا طويلاً طرفه هٰذا: ثم مر بقبور المسلمين، فقال: لقد أدرک هؤلاء خيرًا كثيرًا ثم حانت من رسول الله صلى الله عليه وسلم نظرةً، فإذا رجل يمشي في القبور عليه نعلان، فقال: يا صاحب السبتيتين! ويحک ألق سبتيتک، فنظر الرجل، فلما عرف رسول الله صلى الله عليه وسلم خلعهما

فرمى بهما. (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز / باب المشي بين القبور في النعل ٤٦٠/٢ رقم: ٣٢٣٠، سنن النسائي، كتاب الجنائز / باب كراهية المشي بين القبور في النعال السبتيّة ٢٢٣/١ رقم: ٢٠٤٤)

ويكره أن يوطأ على القبر يعني بالرجل. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الجنائز / باب القبر والدفن ٧٣/٣ رقم: ٣٧٤٠ زكريا، شامي / مطلب في إهداء ثواب القراءة للنبي ﷺ ١٥٥/٣ زكريا)

ولو وجد طريقًا في المقبرة وهو يظن أنه طريق أحدثوا لا يمشي في ذٰلك. (خانية على هامش الهندية / بيان أن النقل من بلد إلى بلد مكروه الخ ١٩٥/١، كذا في الدر المختار / باب صلاة الجنازة، مطلب في إهداء ثواب القراءة ١٥٤/٣ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۶/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مملوکہ قبرستان کا کچھ حصہ راستہ بنانے کے لئے دینا؟

سوال (۶۹۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک قبرستان ایک نجی گھرانے کا ہے، ڈیڑھ بسوہ آراضی ہے، اُس کے پاس نکلنے کو چھ فٹ راستہ قبرستان کے پاس ہے، اَب قبرستان کے پچھّم میں جو لوگ رہتے ہیں کسان ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہماری بیل گاڑی اور ڈلپ کیسے نکلیں گے؟ وہ قبرستان پر سلیپ ڈال کر اوپر سے ایک کنارہ میں چھ فٹ لینٹر ڈالنے کے لئے جگہ مانگ رہے ہیں، کیا اس صورت میں جگہ دینا اور راستہ اوپر سے نکالنا جائز ہوگا؟

(۲) کیا قبرستان کے کنارے سے جو چھ فٹ راستہ موجود ہے، اور چھ فٹ راستہ قبرستان میں سے دے دیا جائے، جب کہ جو راستہ چھ فٹ کا دیا جائے گا، اس میں کوئی نئی قبر نہیں ہے، زمین برابر ہوچکی ہے، تو اس صورت میں راستہ کو جگہ دینا جائز ہوگا کہ نہیں؟

(۳) اِس قبرستان والے راستہ سے جو لوگ آباد ہیں، اُن کی گلی سے اس راستہ پر ان کا راستہ آتا ہے، اتر کی طرف ۳؍گلی جو آگے بند ہے، اور دکھن کی طرف کی گلی جو اسی راستہ پر آتی ہے وہ بھی آگے بند ہے، تو اس صورت میں قبرستان میں سے جگہ دے کر راستہ کو کشادہ کیا جاسکتا ہے کہ نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسبِ تحریر سوال چوں کہ یہ قبرستان نجی ملکیت ہے وقف نہیں ہے، اور اس میں تدفین کا سلسلہ بھی بند ہے اور قبریں برابر ہو چکی ہیں؛ اِس لئے مالکین کی اِجازت سے حسبِ ضرورت قبرستان کا حصہ راستے میں شامل کیا جاسکتا ہے، خواہ سلیپ ڈال کر یا بغیر سلیپ ڈالے۔

جاز زرعه والبناء عليه إذا بلي وصار ترابًا. (الدر المختار، باب صلاة الجنازة / مطلب في دفن الميت ۱٤٥/۳ زكريا، ۲۳۸/۲ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۶/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبر کھودتے وقت ہاتھ سینکنے کیلئے قبرستان میں آگ جلانا؟

سوال (٦٩٨):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جاڑوں میں جب ہمارے یہاں کسی کے انتقال پر قبرستان میں قبر کھودتے ہیں، تو قبر کے پاس ہی قبرستان میں سردی کی وجہ سے ہاتھوں اور پاؤں کو سینکنے کے لئے آگ جلا لیتے ہیں، ایسے ہی جب قبرستان مین کانٹے دار گھاس اور ببول اور بیریوں کے چھوٹے چھوٹے کانٹے دار پودے زیادہ اُگتے ہیں، اور وہ سوکھ جاتے ہیں، تو اُن کو آگ لگا کر صاف کر دیتے ہیں، ہمارے یہاں کے کچھ حضرات کہتے ہیں کہ قبرستان میں آگ جلانا یا آگ لے جانا منع ہے؛ اِس لئے دارالافتاء سے رجوع کررہے ہیں، کیا جاڑوں میں یا صفائی کے لئے آگ جلائی جاسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان میں ہاتھ سینکنے کے لئے آگ کا اَلاؤ جلانا، اِسی طرح وہاں کی گھاس پھوس کی صفائی کے لئے بالقصد آگ لگانا ممنوع ہے، اَحادیثِ شریفہ میں قبرستان میں آگ لے جانے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۱۰۳/۵)

عـن أبـي هريرة رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا تتبع الجنازة بصوتٍ ولا نارٍ. (سنن أبي داؤد ٢/٢ ٤٥)

ولا تتبـع الـجـنـازة بـنار إلـى قبـره، يعني الإجمار في قبره، لما روي أن الـنبي صـلـى اللّٰه عـليه وسلم خرج في جنازة فرأى امرأة في يدها مجمر فصاح عليها وطردها حتى توارت بالآكام. وروي عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أنه قال: لا تحملوا معي مجمراً؛ ولأنها آلة العذاب فلا تتبع معه تفاولاً. (بدائع الصنائع، كتاب الـصلاة / كيفية التشييع ٢/ ٤٥، بـذل المجهود ١٠/ ٤٥٠ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي، والحديث أخرجه الإمام أحمد في مسنده ٢/ ٥٢٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۱۱/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبر کھودنے پر قبرستان میں کھانا کھانا؟

سوال (٦٩٩): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں میت کے ورثہ کے کہے بغیر اُخوت و بھائی چارہ کے سبب گاؤں کے لوگ قبر کھودنے کا کام انجام دیتے ہیں، اور میت کے ورثہ اُس کے لئے ناشتہ کا انتظام کرتے ہیں۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ قبرستان میں کھانا کھانا کیسا ہے؟ چوں کہ غیر مسلم بھی اِس طرح کی نعش لے جانے کے بعد کھانے کا نظم کرتے ہیں، اُن سے تشبہ ہونے کی بنا پر جائز ہے یا ناجائز؟ شرعی حکم کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبر کھودنے پر قبرستان میں کھانا کھلانے کا طریقہ سلفِ صالحین سے ثابت نہیں ہے، اور حسبِ تحریر سوال اس میں غیر مسلموں سے تشبہ بھی ہے، اس لئے یہ طریقہ قابلِ ترک ہے، اگر قبر کھودنے والوں کے ساتھ تبرع اور احسان کا معاملہ کرنا ہے، تو گھر بلا کر کرنا چاہئے۔

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس / باب في لبس الشهرة ص: ۷٥۰ رقم: ٤۰۳۱ دار الفكر بيروت، ۲/٥٥۹ سعد بك ڈپو ديوبند)

من تشبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار فهو منهم أي في الإثم، قال الطيبي: وهٰذا عام في الخلق والخُلق والشعار. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ٤/٤۳۱، بذل المجهود ٥/٤۱)

ويكره النوم عند القبر ...... وكل ما لم يعهد من السنة. (شامي، كتاب الصلاة / مطلب في إهداء ثواب القراءة للنبي صلى الله عليه وسلم ۳/۱٤٤ دار إحياء التراث العربي بيروت)

ويكره نقل الطعام إلى القبر في المواسم. (شامي / باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت ۳/۱۳۹ دار إحياء التراث العربي بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۳/۷/۲۷ھ

قبرستان میں قرآن کھول کر پڑھنا؟

سوال (۷۰۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبرستان میں قرآن کھول کر پڑھنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر چہ قبرستان میں قرآنِ کریم دیکھ کر تلاوت کرنا فی نفسہ مباح ہے؛ لیکن اس کا التزام مناسب نہیں ہے، بہتر ہے کہ گھر یا مسجد میں قرآنِ کریم پڑھ کر ایصالِ ثواب کردیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ٦/۲۱، ٦/۳۰ قدیم زکریا)

ثم قراءة القرآن وإهداءها له تطوعًا بغير أجرةٍ يصل، ولو أوصىٰ بأن يعطى شيئًا من ماله لمن يقرأ القرآن على قبره، فالوصية باطلة؛ لأنه في معنى

الأجرة، كذا في الاختيار، وهٰذا بمعنى على عدم جواز الاستيجار على الطاعات – إلى قوله – ثم القراءة عند القبور مكروهة عند أبي حنيفة ومالک وأحمد رحمهم الله تعالىٰ في رواية؛ لأنه محدث ترد به السنة. وقال محمد بن الحسن وأحمد في رواية لا يكره، لما روي عن ابن عمر رضي الله عنهما أنه أوصىٰ أن يقرأن على قبرهٖ وقت الدفن بفواتح سورة البقرة وخواتمها، والله سبحانه أعلم.
(شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري)

وأخذ من ذٰلک جواز القراءة على القبر، والمسئلة ذات خلافٍ، قال الإمام: تكره؛ لأن أهلها جيفة ولم يصح فيها شيءٌ عنده، عنه صلى الله عليه وسلم، وقال محمد تستحب لورود الآثار، وهو المذهب المختار، كما صرحوا به في كتاب الاستحسان. (طحطاوي ٦٢١ المكتبة الأشرفية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۹/۱۱/۱۴۲۶ھ

قبرستان میں کاشت کرنا اور قبر کی گھاس کاٹنا؟

سوال (۱۰۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے علاقہ میں جتنے بھی قبرستان ہیں، لوگ اُن پر کاشت کاری کرتے ہیں، اور قبروں کو کھودکر زمین بنالیتے ہیں، اور قبروں کے اوپر سے گھاس وغیرہ کاٹ کر اپنے استعمال میں لاتے ہیں، یہ عمل کس حدتک جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وہ قبرستان موقوفہ ہیں، تو اُن میں کھیتی جائز نہیں ہے اور اگر مملوکہ ہیں تو قبریں پرانی ہونے کے بعد مالک کے لئے کھیتی کی اِجازت ہے۔

فإذا تم ولزم لايملک ولا يعار ولا يرهن. (شامي، كتاب الوقف / قبيل مطلب في

شرط واقف الكتب أن لا تعار إلا برهنٍ ٦/٥٣٩ زكريا، ٤/٣٥٢ كراچی، الهداية / كتاب الوقف ٢/٠ ٦٤ مكتبه شركت علمية ملتان، وكذا في فتح القدير / كتاب الوقف ٦/٠ ٢٢ مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

ويخير المالك بين إخراجه ومساواته بالأرض كما جاز زرعه والبناء عليه إذا بلي وصار ترابًا. (الدر المختار، باب صلاة الجنازة / مطلب في دفن الميت ٣/١٤٥ زكريا، ٢/٢٣٨ كراچی)

وسئل هو أيضًا عن المقبرة في القرىٰ إذا اندرست، ولم يبق فيها أثر الموتىٰ، لا العظم ولا غيره: هل يجوز زرعها واستغلالها؟ قال: لا، ولها حكم المقبرة. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الوقف / الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات الخ ٢/٠ ٤٧ زكريا، وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ الهندية، كتاب الوقف / فصل في المقابر ٤/٣ ٣١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۱۰/۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبرستان کے درخت اور تر گھاس کاٹنے کی ممانعت کی علت؟

سوال (۷۰۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) شامی اسی طرح دیگر کتبِ فقہ میں یہ عبارت مذکور ہے: **يكره أيضاً قطع النبات الرطب والحشيش من المقبرة دون اليابس** - اِس عبارت میں لفظ مقبرہ سے کیا مراد ہے؟ مکمل قبرستان ہے یا صرف نفسِ قبر ہے؟

(۲) اِسی طرح یہ حکم میت کے مٹی ہوجانے سے پہلے تک محدود ہے یا دائمی ہے؟

(۳) اگر قبر پر کوئی ایسا درخت ہو جو سوکھ جانے کے بعد کسی قیمت کا نہ رہے، تو ایسی صورت میں سوکھنے سے پہلے اُس کو کاٹا جاسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) فقہاء نے قبرستان سے تر گھاس کاٹنے کی کراہت

یا علت یہ لکھی ہے: **لأنـه مـا دام رطبًا یسبح اللّٰہ فیؤنس المیت.** (مراقي الفلاح / فصل في زیارۃ القبور ۳٤۲ کراچی)

اِس علت سے معلوم ہوتا ہے کہ کراہت اس صورت میں ہے جب کہ قبر کے اوپر کی اور قبر کے قریب کی گھاس کاٹی جائے؛ کیوں کہ یہی گھاس میت کے لئے اُنس کا موجب ہوتی ہے، اِس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ایسا قبرستان جو موقوفہ تو ہو؛ لیکن اُن میں قبریں نہ ہوں، یا اُس کا کوئی حصہ قبروں سے بالکل خالی ہو، تو اُس خالی جگہ کی گھاس کاٹنے میں میت کی قطع استیناس کی علت نہیں پائی جاتی؛ لہٰذا وہ جائز ہونا چاہئے، اِس وضاحت سے یہ معلوم ہوگیا کہ شامی کی عبارت: ''**یکـره أیضًـا قـطع النبات الرطب والحشیش من المقبرة دون الیابس**'' سے ایسا مقبرہ مراد ہے جس میں قبریں قریب قریب ہوں، نفسِ موقوفہ قبرستان مراد نہیں ہے، اِسی وجہ سے فقہ کی دیگر کتابوں میں مقبرہ کے بجائے قبور کا لفظ آیا ہے۔

یکره أیضًا قطع النبات الرطب والحشیش من المقبرة دون الیابس. (شامي، کتاب الصلاة / باب صلاة الجنائز، مطلب في وضع الجرید ونحو الآس علی القبور ۲٤٥/۲ کراچی، وکذا في الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الصلاة / باب الجنائز، القبر والدفن ۱۷۳/۲ إدارۃ القرآن کراچی، ۷٦/۳ رقم: ۳۷٥۱ زکریا)

وکره قلع الحشیش الرطب وکذا الشجر من المقبرة؛ لأنه ما دام رطبًا یسبِّح اللّٰـه تعالیٰ فیؤنس المیت وتنزل بذکر اللّٰہ تعالیٰ الرحمة، ولا بأس بقلع الیابس منها أي الحشیش والشجر لزوال المقصود. (مراقي الفلاح / فصل في زیارۃ القبور ۳٤۲ کراچی)

(۲) بظاہر یہ حکم میت کے مٹی بن جانے سے پہلے تک ہے؛ کیوں کہ فقہاء نے میت کے مٹی بن جانے کے بعد اُس جگہ پر کھیتی کرنے اور تعمیر کرنے کی اِجازت دی ہے۔

ولو بلی المیت وصار ترابًا جاز دفن غیره في قبره وزرعه والبناء علیه.

(شامي، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت ۱۳۸/۳ زكريا، ۲۳۸/۲ دار الفكر بيروت، ۲۳۳/۲ كراچى، الفتاوىٰ الهندية / الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن ۱۶۷/۱، كذا في تبيين الحقائق / باب الجنائز ۵۸۹/۱ زكريا)

اِس جزئیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کی حرمت کا اعتبار اُس کے مٹی بننے تک ہی کیا جاتا ہے۔

(۳) قبر کے اوپر یا قریب لگے ہوئے درخت کو کاٹنا بھی عباراتِ فقہیہ میں مکروہ لکھا ہے، ہاں اگر قبرستان کی خالی جگہ میں ایسا درخت ہو تو اُس کے کاٹنے میں کوئی حرج نہ ہوگا، نیز اگر قبرستان کے فائدہ کے لئے اور کسی وجہ سے قبر پر لگے ہوئے درخت کے کاٹنے کی ضرورت ہو تو اِس کی بھی گنجائش دی گئی ہے، مگر بلا ضرورت ایسا نہ کیا جائے۔

يكره قطع ما نبت على القبور ما دام رطبًا. (سراجية ۷۲، نصاب الاحتساب ۸۶ بحواله: فتاوىٰ رحيميه ۱۰۶/۵، ۱۲۵/۷ دار الاشاعت كراچى) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۴/۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عامۃ المسلمین کے قبرستان میں اپنے درخت لگانا؟

سوال (۷۰۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عرصۂ دراز سے باپ، دادا، پردادا سے ایک خاندان کے قبضہ میں ایک قبرستان چلا آرہا ہے جو کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہے، اور نہ ہی کوئی اپنی ذاتی ملکیت سمجھتا ہے، اُس میں اہل محلّہ اپنے مردے دفن کرتے رہتے ہیں، باپ دادا نے اس زمین میں پچاس کے قریب درخت لگادیئے جس سے کافی پھل آم اور لکڑیاں باپ دادا کی اولاد کو حاصل ہوتی رہتی ہیں، باپ دادا کی اولاد اِس قبرستان کی اہل محلّہ کی امداد سے چہار دیواری کرانا چاہتی ہے؛ تاکہ جانور چوپائے کے روندنے سے محفوظ ہوجائے، تو کیا باپ دادا کے لگائے ہوئے درختوں سے صرف اُن کی ہی اولاد کو نفع اٹھانا درست ہوگا؟ یا ہر کسی کو؟ یا کسی کو بھی نہیں؟ نیز اولاد اس زمین میں درخت لگائے تو درخت کس کا

ہوگا؟ تو کیا اس کا حکم وقف قبرستان کا ہوگا؟ یا اہل محلّہ کی ملکیت کہا جائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اُن درختوں کے مالک وہی لوگ ہیں جنہوں نے درخت لگائے ہیں، اور اُس کے پھل اور دیگر منافع کے مستحق بھی وہی ہیں؛ لیکن زمین چوں کہ عامۃ المسلمین کے فائدے کے لئے چھوڑی گئی ہے، اِس لئے اہلِ محلّہ کو یہ حق ہے کہ وہ اُن درختوں کے مالکان کو مجبور کریں کہ وہ اپنے درخت کاٹ کر قبرستان کی زمین فارغ کردیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۶۰۸/۲)

مقبرة عليها أشجارٌ عظيمةٌ، فهٰذا على وجهين: إما إن كانت الأشجار نابتة قبل اتخاذ الأرض مقبرةً، أو نبتت بعد اتخاذ الأرض مقبرةً، ففي الوجه الأول، المسألة على قسمين: إما إن كانت الأرض مملوكةً لها مالكٌ، أو كانت مواتًا لا مالک لها، واتخذها أهل القرية مقبرةً، ففي القسم الأول الأشجار بأصلها على ملک رب الأرض، يصنع بالأشجار وأصلها ما شاء. وفي القسم الثاني: الأشجار بأصلها على حالها القديم.

وفي الوجه الثاني المسألة على قسمين: إما إن عُلم لها غارس أو لم يعلم، ففي القسم الأول كانت للغارس، وفي القسم الثاني الحكم في ذٰلک إلى القاضي، إن راٰى بيعها وصرف ثمنها إلى مقبرة فله ذٰلک. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الوقف / الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات والحياض والطرق الخ، مطلب: الكلام على الأشجار التي في المقبرة ۴۷۳/۲-۴۷۴ زكريا)

سئل نجم الدين في مقبرة فيها أشجار، هل يجوز صرفها إلى عمارة المسجد؟ قال: نعم! إن لم تكن وقفًا على وجه آخر. قيل له: فإن تداعت حيطان المقبرة إلى الخراب يصرف إليها أو إلى المسجد؟ قال: إلى ما هي وقف عليه إن عرف. وإن لم يكن للمسجد متول ولا للمقبرة، فليس للعامة التصرف فيها بدون إذن القاضي. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الوقف / الباب الثاني عشر، مطلب: الكلام على

الأشجار التي في المقبرة ۲/۴۷۶-۴۷۷ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۲/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کتے کو قبر کھودنے سے بچانے کے لئے قبر کی حفاظت کرنا؟

سوال (۷۰۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل بعد از تدفین میت، قبر کے چاروں اطراف وارثینِ میت پٹیاں لگا دیتے ہیں، اور اِس عمل کے لئے دلیل یہ دیتے ہیں کہ اِس سے جانوروں سے حفاظت رہے گی؛ جب کہ جانوروں میں سب سے زیادہ خطرہ کتے سے ہے، اور کتا میت تک پہنچنے کے لئے دور سے سرنگ نما کھودتا ہے، ظاہر ہے پٹیوں کے لگادینے کے اِس عمل سے کوئی مقصد حاصل نہ ہوا، تو پھر یہ تصرفِ بے جا کیوں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر قبر کے اِرد گرد معمولی رکاوٹ لگانے کا منشا یہ ہے کہ چوپائے وغیرہ قبر کو نہ روند سکیں تو اِس کی گنجائش ہے، اور آپ نے سوال میں کتے کے جس طرزِ عمل کا ذکر کیا ہے اُس کو روکنے کے لئے کوئی اور تدبیر کی جاسکتی ہے، محض اِس وجہ سے کہ اِس اُوپری رکاوٹ سے کتا نہیں رکے گا، اِس عمل کو ممنوع اور بے فائدہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

وقد اعتاد أهل مصر وضع الأحجار حفظًا للقبور عن الإندراس والنبش، ولا بأس به الخ. (طحطحاوي على المراقي الفلاح ٦١١ ديوبند، ٣٣٥ مصري) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۶/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گندگی اور جانوروں سے حفاظت کے لئے قبروں کے اِرد گرد چھوٹی چہار دیواری بنانا؟

سوال (۷۰۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ایک گاؤں کے قبرستان میں بہت سی قبریں ہیں، جس میں اکثر پرانی ہیں اور کچھ نئی بھی ہیں، قبریں پرانی ہونے کی وجہ سے برابر ہوچکی ہیں، ایسے قبرستان میں لوگ کھلیان لگاتے ہیں اور گوبر کے کنڈے تیار کرتے ہیں، نیز جانوروں کو چرنے کے لئے باندھتے ہیں، جس سے قبروں کی بہت بے حرمتی ہوتی ہے، کیا ایسے وقت میں نئی قبر والوں کے ورثاء بے حرمتی سے بچانے کے لئے اُن قبروں کے اِردگرد چھوٹی چہاردیواری اور کتبہ لگا سکتے ہیں؟ امید ہے کہ حضرت مفصل جواب تحریر فرمائیں گے، نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ قبرستان میں کھلیان لگانے کنڈے (اوپلے) تیار کرنے، جانور باندھنے والوں کا شرعاً کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر ضرورت داعی ہو اور قبروں کو بے حرمتی سے بچانا مقصود ہو، تو متعدد قبروں کے مجموعہ کے اِردگرد چھوٹی چہاردیواری بنادی جائے، ہر ایک قبر کے اردگرد اس طرح کی چہاردیواری بنانا ممنوع ہوگا، اگرچہ درمیان میں قبر کچی رہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۴۵۴/۵)

عن جابر رضي الله عنه قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن تجصص القبور وأن يكتب عليها وأن يبنى عليها وأن توطأ. (سنن الترمذي، أبواب الجنائز / باب ما جاء في كراهية تجصيص القبور والكتابة عليها ۲۰۳/۱)

أرض لأهل قرية جعلوها مقبرةً وأقبروا فيها، ثم إن واحدًا من أهل القرية بنى فيها بناءً لوضع اللبن وآلات القبر، وأجلس فيها من يحفظ المتاع بغير رضا أهل القرية أو رضا بعضهم بذٰلک، قالوا: إن كان في المقبرة سعةٌ بحيث لا يحتاج إلى ذٰلک المكان فلا بأس به. وبعد ما بنى لو احتاجوا إلى ذٰلک المكان، رفع البناء حتى يقبر فيه، كذا في فتاوىٰ قاضي خان. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الوقف / الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر الخ ۴۶۷/۲ – ۴۶۸ زكريا، وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ الهندية، كتاب الوقف / فصل في المقابر والرباطات ۳۱۳/۳ زكريا)

اِسی طرح اگر ضرورت ہو اور بغیر اُس کے قبر کی حفاظت نہ ہو سکے، تو کتبہ لگانے کی بھی گنجائش ہے؛ لیکن بلاضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے، اِس لئے احتیاط لازم ہے۔

قال في الدر المختار: لا بأس بالكتابة إن احتيج اليها ...... وتحته في الشامي: لأن النهي عنها وإن صح فقد وجد الإجماع العملي بها....... ثم قال: نعم يظهر أن محل هٰذا الإجماع العملي على الرخصة فيها ما إذا كانت الحاجة داعية إليه في الجملة ...... فأما الكتابة بغير عذر فلا. (الدر المختار مع الشامي / باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت ۳۳۸/۲ کراچی، ۱۴۴/۳ زکریا)

اور موقوفہ قبرستان میں کھلیان لگانا، اِسی طرح گندگی پھیلانا، اور جانور وغیرہ باندھنا ہرگز جائز نہیں؛ کیوں کہ اولاً اِن اعمال سے قبروں کی بے حرمتی ہوتی ہے، اور حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ ان کے یہ اعمال واقف کی منشاء کے خلاف ہیں جس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، اِس لئے اس کے مرتکب سخت گناہ گار ہوں گے۔

ویکره أن یبنی علی القبر أو یقعد أو ینام علیه أو یؤطأ علیه أو یقضي حاجة الإنسان من بول أو غائط. (الفتاویٰ الهندیة / الفصل السادس في القبر والدفن والنقل من مكان إلى آخر ۱۶۶/۱)

شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به.

(الدر المختار، كتاب الوقف / مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، ومطلب: بيان مفهوم المخالفة ۴۳۳/۴-۴۳۴ کراچی، ۶۴۹/۶-۶۵۰ زکریا، وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف / الفن الثاني، الفوائد: ۱۰۶/۲ إدارة القرآن کراچی، تنقيح الفتاویٰ الحامدية ۱۲۶/۱ المكتبة الميمنية مصر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۲۹/۱۱/۱۴۱۰ھ

قبرستان کی چہاردیواری کیلئے زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنا؟

سوال (۷۰۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ایک مشترک قبرستان ہے جس کی بہت زیادہ بے حرمتی ہوتی ہے؛ اِس لئے کہ کوئی اُس کی طرف توجہ نہیں دیتا، لوگ ناپاکی کی حالت میں اُس قبرستان کے اوپر سے آتے جاتے ہیں، اور قبرستان پر گائے بکری بھی باندھی جاتی ہے، قبرستان سے متصل ایک پرائمری اسکول بھی ہے، اُس اسکول کے بچے بھی قبرستان میں کھیلتے ہیں، نیز اس قبرستان کے مشترک ہونے کی وجہ سے اُس کی حفاظت نہیں ہو پاتی ہے؛ کیوں کہ کسی ایک کے اندر اتنی استطاعت نہیں ہے کہ وہ تنہا اُس کی حفاظت کے لئے کچھ کر سکے، تو کیا ایسی صورت میں زکوٰۃ کی رقم کو حیلہ کر کے اور اُس رقم کے ساتھ کچھ اپنی ذاتی رقم لگا کر اگر اُس کی حفاظت کا بندوبست کیا جائے تو جائز ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان کی چہار دیواری وغیرہ کے لئے زکوٰۃ کی رقم استعمال نہ کی جائے، ضرورت ہو تو عمومی چندہ کے ذریعہ نفلی عطیات حاصل کئے جائیں۔

ولا يجوز أن يبنى بالزكاة المسجد وكذا القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد، وكل ما لا تمليك فيه. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الزكاة / باب المصارف ۱۸۸/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۶/۱۰/۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

M.L.A فنڈ سے قبرستان کی تعمیر؟

سوال (۷۰۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حکومت کے آمدار فنڈ سے قبرستان کا کمپاؤنڈ کیا جاتا ہے، قبرستان کے کمپاؤنڈ کے لئے حکومت کے اِس فنڈ سے پیسہ لینا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مصلحت کے خلاف نہ ہو تو حکومت کے فنڈ سے

قبرستان کا کمپاؤنڈ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۲/۱۰۱۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۶/۲/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نابالغ یتیم کی زمین چھین کر مردے دفن کرنا؟

سوال (۷۰۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نابالغ یتیم کی زمین چھیننا اور اُس میں مردے دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نابالغ یا کسی بھی شخص کی زمین چھین کر اُس میں مردوں کو دفن کرنا ناجائز اور سخت ترین گناہ ہے، اور اگر کسی کی زمین میں زبردستی مردے کو دفن کردیا گیا ہے، تو مالک کو اختیار رہے کہ چاہے تو لاش کو زمین سے نکلوادے، یا زمین کو برابر کردے۔

ولا يخرج منه بعد إهالة التراب إلا لحق آدمي كأن تكون الأرض مغصوبة، أو أخذت بشفعة، ويخير المالك بين إخراجه ومساواته بالأرض.

(الدر المختار مع الشامي / باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت ۱۴۵/۳ زكريا)

إذا دفن الميت في أرض غيره بغير إذن مالكها، فالمالك بالخيار إن شاء أمر بإخراج الميت، وإن شاء سوّى الأرض و ذرع فيها، كذا في التجنيس.

(الفتاویٰ الهندية، كتاب الجنائز / الفصل السادس في القبر والدفن الخ ۱۶۷/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۷/۷/۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

برادری کے صدر پر قبرستان کی چہاردیواری کی مخالفت کا الزام لگانا؟

سوال (۷۰۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے قصبہ............ میں ایک قدیم قبرستان ہے، اور قبرستان کے برابر میں ہی عید میلہ لگتا

ہے،جس کی وجہ سے قبرستان کے بے حرمتی ہوتی تھی، اِس وجہ سے قبرستان کی چہار دیواری کی ضرورت ایک زمانے سے محسوس کی جارہی تھی، پچھلے دنوں ٹانڈہ کے علماء وحفاظ نے قبرستان کی چہار دیواری کا بیڑا اٹھایا، اورانتظامیہ سے قانونی طور پر کوشش کی، بہرحال انتظامیہ اوراہلِ بستی کے تعاون سے چہار دیوار کا کام مکمل ہوگیا؛ لیکن ایک قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے اُس میں سیاسی روٹیاں سیکنے کی کوشش کی، اُن لوگوں نے یہ افواہ پھیلائی کہ فلاں فلاں لوگ قبرستان کی چہار دیواری میں مخالفت کررہے ہیں، اِس افواہ کو پھیلانے میں پڑھے لکھے طبقہ کو ہتھیار کے طور پر استعمال کیا، اور مسجد کے ممبروں سے اعلان کرائے گئے، اور بستی کے اندر انتشاری کیفیت پیدا کی گئی، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارا قبرستان کی چہار دیواری کی مخالفت میں دور کا بھی واسطہ نہیں ہے، بغیر کسی تحقیق اور تصدیق کے ہمیں ساری بستی میں بدنام کرنے کی کوشش کی اور ہماری عزت سے کھلواڑ کیا گیا؛ کیوں کہ میں اپنی برادری کا صدر ہوں اور کچھ سیاسی لوگ ہم سے پرخاش رکھتے ہیں، جو بلا وجہ ہمیں نشانہ بنانے کی کوشش کررہے ہیں۔ اَب سوال یہ ہے:

(۱) شریعت کی نظر میں کسی پر الزام تراشی اور بہتان تراشی کرنا اور بہتان تراشی میں اُس کو آگے بڑھانا اور بستی کے اندر انتشاری کیفیت پیدا کرنا کیسا ہے؟ اور شریعت میں اس کی سزا کیا ہے؟ اور جو علماء اور ائمہ مسجدوں کے ممبروں سے بغیر کسی تحقیق اور تصدیق کے اعلانات کررہے ہیں، جس میں بستی کی فضا خراب ہورہی ہے، کیا وہ اِمامت کے قابل ہیں۔

(۲) کیا مسجد کے لاؤڈاسپیکر سے اِس طرح کے اِعلانات کرنا صحیح ہے؟ شرعی روشنی میں تفصیل سے وضاحت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی بھی شخص پر جھوٹا الزام لگا کر اُسے بدنام کرنا اور مسجد کے منبروں اور لاؤڈاسپیکروں کو اُس کے لئے استعمال کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، جن لوگوں نے بھی ایسا کیا ہے یا کررہے ہیں، انہیں فوراً اپنے عمل سے باز آنا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ سے توبہ

واستغفار کرنے کے ساتھ ساتھ جن لوگوں پر بہتان لگایا ہے، اُن سے معاملات صاف کرلینے چاہئیں۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وَلَا يَأْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِيْنَهُ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ﴾ [الممتحنة، جزءآیت: ۱۲]

وقال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَصُوْحًا﴾ [التحریم، جزءآیت: ۸]

وقال اللّٰہ سبحانه وتعالیٰ: ﴿وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [النور، جزء آیت: ۳۱]

عن سهل بن معاذ بن أنس الجهني عن أبيه رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من حمى مؤمنًا من منافقٍ أراه، قال: بعث اللّٰه ملكًا يحمي لحمَه يوم القيامة من نار جهنم، ومن رمى مسلمًا بشيءٍ يريد شينَه حَبَسَه اللّٰه على جِسر جهنم، حتى يخرج مما قال. وقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ما من امرئ يخذل امرءاً مسلمًا في موضع يُنتهَک فيه حرمته، ويُنتقصُ فيه من عرضه، إلا خذله اللّٰه في موطن يُحبُّ فيه نُصرته الخ. (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب / باب من رد عن مسلم غيبة ص: ۹۱٤ رقم: ٤٨٨٣-٤٨٨٤ دار الفكر بيروت)

التوبة واجبة من كل ذنب، فإن كانت المعصية بين العبد وبين اللّٰه تعالىٰ لا تتعلق بحق آدمي فلها ثلاثة شروط: أحدها: أن يقلع عن المعصية، والثاني: أن يندم على فعلها، والثالث: أن يعزم أن لا يعود إليها أبدا، فإن فقد أحد الثلاثة لم تصح توبته، وإن كانت المعصية تتعلق بحق آدمي فشروطها أربعة: ...... وأن يبرأ من حق صاحبها. (رياض الصالحين ۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۴؍۱؍۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیری کے باغ میں مالک کی اجازت کے بغیر زبردستی مردے دفن کرنا؟

سوال (۱۰۷۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے پاس بیری کا باغ ہے، اورلوگ جہالت اور ناواقفیت کی وجہ سے اُس میں اپنے مردوں کوبھی دفن کرتے ہیں، اورزید کی اجازت کے بغیر کچھ فرضی قبریں بھی بنارکھی ہیں، اورزید اُن لوگوں سے فتنہ کی وجہ سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتا، تو اِس صورت میں قرآن وحدیث کے اندر ایسے لوگوں کے بارے میں کیاحکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: برتقدیرِصحتِ سوال اگرمذکورہ بیری کاباغ زید کی ذاتی ملکیت ہے، تو اُس میں زید کی اجازت کے بغیر مردوں کودفن کرنا قطعاً جائزنہیں ہے، جولوگ بھی زبردستی ایسا کریں گے، وہ ظالم غاصب ہوں گے، اور غاصب کے بارے میں احادیثِ شریفہ میں سخت ترین وعیدیں وارد ہوئی ہیں، اور زید کی اجازت کے بغیر بنائی ہوئی قبروں کے بارے میں زید کواختیار ہے کہ پرانی ہونے کے بعداُنہیں برابرکردے۔

عن يعلى بن مرة رضي الله عنه قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: أيما رجل ظلم شبرًا من الأرض كلّفه الله عزوجل أن يحفره حتى يبلغ آخر سبع أرضين، ثم يُطوَّقَه يوم القيامة حتى يقضي بين الناس. (المسند للإمام أحمد بن حنل ٤/١٧٣، صحيح ابن حبان ٧/٧٠ رقم: ٥١٤٢، الترغيب والترهيب مكمل، كتاب البيوع / باب الترهيب من غصب الأرض وغيرها ٤٢١ رقم: ٢٨٩٨ بيت الأفكار الدولية، مشكاة المصابيح ٢٥٦)

عن أبي حميد الساعدي رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل لمسلم أن يأخذ عصًا بغير طيب نفس منه. قال: ذٰلک لشدة ما حرَّم الله من مال المسلم على المسلم. (صحيح ابن حبان رقم: ١١٦٦، الترغيب والترهيب مكمل، كتاب البيوع وغيرها / الترهيب من غصب الأرض وغيرها ٤٢١ رقم: ٢٩٠٤ بيت الأفكار الدولية)

فإن أحب صاحب الأرض أن يسوي القبر ويزرع فوقه، كان له ذٰلک، فإن حقه في باطنها و ظاهرها، فإن شاء ترک حقه في باطنها، وإن شاء استوفاه.

(فتح القدير / باب الجنائز، فصل في اللفن۲/۱٤۱ مصطفى البابي الحلبي مصر، ۲/۱٤۹ زكريا)

ميت دفن في أرض إنسان بغير إذن مالكها كان المالک بالخيار إن شاء رضي بذٰلک، وإن شاء أمر بإخراج الميت، وإن شاء سوى الأرض وزرع فوقها . (الفتاویٰ الهندية، كتاب الوقف / الباب الثاني عشر، مطلب: يجوز وقف البناء الخ ۲/٤۷۲)

ولو بلى الميت وصار ترابًا جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه.

(شامي، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت ۳/۱۳۸ زكريا، ۲/۲۳۸ دار الفكر بيروت، ۲/۲۳۳ کراچی، الفتاویٰ الهندية / الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن ۱/۱٦۷، كذا في تبيين الحقائق / باب الجنائز ۱/۵۸۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۲/۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسجد کے صحن میں آنے والی قدیم قبروں کو مسجد میں شامل کرنا؟

سوال (۱۱۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسجد کے صحن میں قدیم قبریں ہیں اور مسجد میں توسیع کی ضرورت ہے، اِس صورت میں قبروں کو کیا کیا جائے؟ آیا منہدم کردیا جائے یا مٹی پاٹ دی جائے؟ یا سلیپ لگا کر نماز پڑھی جائے؟ زیادہ مناسب کیا ہے؟ قبریں نیچے رہنے کی شکل میں نماز پڑھنے میں کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موقوفہ قبرستان کی تازہ قبریں مسجد میں شامل کرنا درست نہیں ہے، ہاں اگر قبریں بوسیدہ اور پرانی ہوچکی ہوں یا قبرستان مملوکہ ہو، تو مالک کی اِجازت سے قبروں کو ہٹانا اور مٹی سے پاٹ دینا جائز ہوگا، سلیپ وغیرہ ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وذكـر أصـحـابـنـا أن الـمسـجـد إذا خرب ودثر، ولم يبق حوله جماعة، والـمـقبـرة إذاعفت ودثرت، تعود ملكًا لأربابها، فإذا عادت ملكًا يجوز أن يبنى موضـع الـمسـجد دارًا وموضع المقبرة مسجدًا وغير ذٰلك. (عـمـدة القاري شرح صـحيـح البـخـاري / باب: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد ١٧٩/٤ إدارة الطباعة المنيرية دمشق)

يـكره أن يبنى مسجد على القبر ...... وفيه منع بناء المساجد على القبور، ومـقتضاه التحريم، كيف وقد ثبت اللعن عليه، وأما الشافعي وأصحابه فصرحوا بالكراهة. (معارف السنن، أبواب الجنائز / باب ما جاء في كراهية أن يتخذ على القبر مسجدًا ٣٠٥/٣ المكتبة البنورية كراچی)

فـإذا درسـت واستـغـنـى عـن الـدفـن فيها جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضًا وقفٌ. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري / باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مسجدًا الخ ١٧٩/٤ دمشق) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۲/۱ھ

قبرستان کو مسجد، مدرسہ یا عیدگاہ میں تبدیل کرنا

قبرستان میں پنج گانہ نماز ادا کرنے کے لئے مسجدِ شرعی بنانا؟

سوال (۷۱۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: پیپاڑسٹی میں عام قبرستان ہے جس کی چار دیواری ہے، قبرستان کے تین طرف قبریں اور قبرستان چالو ہے، مین دروازہ کے پاس نماز جنازہ ادا کرنے کے لئے پرانی مسجد بنی ہوئی ہے، اُس مسجد کو آگے کی طرف بڑھایا جارہا ہے، جہاں ابھی قبریں نہیں ہیں، ساتھ ہی اُس کے بازو میں پنج گانہ نماز ادا کرنے کے لئے مسجد تعمیر کی جارہی ہے، تو پنج گانہ نماز ادا کرنے کے لئے شرعاً مسجد بنانا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جنازہ کی نماز پڑھنے کے لئے خاص جگہ مسجدِ شرعی کے حکم میں نہیں ہوتی؛ لہٰذا اُس کو آگے بڑھانے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ البتہ قبرستان کی جگہ پر پنج گانہ نماز کے لئے مسجد بنانے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر قبرستان اتنا وسیع ہے کہ اُس مسجد کی تعمیر سے قبروں کی ضرورت میں کوئی تنگی نہ ہوگی، تو مسجد بنانا درست ہے، اور اگر قبروں کی تنگی کا اندیشہ ہو تو مستقل مسجد بنائی جائے؛ کیوں کہ جگہ قبرستان ہی کے لئے وقف ہے، بلاضرورت اُسے دوسرے مصرف میں صرف کرنے کی اِجازت نہیں ہے۔

والمقبرة إذا عفت و دثرت، تعود ملكًا لأربابها، فإذا عادت ملكًا يجوز أن

يبنى موضع المسجد دارًا أو موضع المقبرة مسجدًا وغير ذٰلک.

وأما المقبرة الداثرة إذا بُني فيها مسجد ليصلي فيها، فلم أر فيه بأسًا؛ لأن المقابر وقف، وكذا المسجد فمعناهما واحد. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري / باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد ١٧٤/٤ مكتبة الإدارة الطباعة المنيرية دمشق)

وأما المتخذ لصلاة جنازة أو عيدٍ فهو مسجد في حق جواز الاقتداء، وإن انفصل الصفوف رفقًا بالناس، لا في حق غيره، به يفتى، نهاية. فحل دخوله لجنب وحائض كفناء مسجد ورباط ومدرسة. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ٦٥٧/١ كراچی)

ونقل في الذخيرة عن شمس الأئمة الحلواني أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب، ولا يحتاج إليه، لتفرق الناس عنه: هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم. (شامي، كتاب الوقف / مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره ٣٥٩/٤ کراچی، وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف / فصل في أحكام المسجد ٢٣٧/٦ مصطفیٰ البابي الحلبي مصر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴؍۶؍ ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مملوکہ قبرستان کا حصہ مالک کی اجازت سے مسجد میں شامل کرنا؟

سوال (۷۱۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مسجد جو ایک مسلم محلّہ میں واقع ہے، اُس مسجد سے لگا ہوا اُسی محلّہ کے ایک خاندان کا ایک چھوٹا سا قبرستان ہے، اُس قبرستان کے تقریباً ۲۰؍فٹ اوپر چھت پر کمرے بنے ہوئے ہیں، جن میں مدرسہ چلتا ہے، کیا اُس قبرستان کے اوپر کمرے توڑ کر ۵؍فٹ اونچا چھت ڈال کر اُس حصہ کو مسجد میں شامل کیا جاسکتا ہے، یعنی قبرستان کی جگہ مسجد میں لی جاسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وہ قبرستان مملوکہ ہے، تو مالکین کی اجازت سے مذکورہ حصہ مسجد میں شامل کرنا درست ہے۔

ویخیر المالک بین إخراجه ومساواته بالأرض كما جاز زرعه والبناء عليه إذا بلی وصار ترابًا. (الدر المختار ۱۴۵/۳ زکریا، ۲۳۸/۲ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۱۱/۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نجی قبرستان پر لینٹر ڈال کر مسجد بنانا؟

سوال (۷۱۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبرستان پر لینٹر ڈال کر مسجد بنا سکتے ہیں کہ نہیں؟ اور ہم قبرستان کے اوپر سلیپ ڈال کر مسجد بنوانے کا ارادہ کرتے ہیں، تو کیا مسجد بنوانا جائز ہوگا کہ نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اِس نجی قبرستان کی جگہ پر مالکین کی اجازت سے پرانی قبروں کو برابر کرکے سلیپ ڈال کر مسجد بنانا بھی درست ہے، اور ایسا بھی کیا جا سکتا ہے کہ کچھ حصہ راستہ میں دے دیا جائے اور بقیہ پر مسجد بنا دی جائے، اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم فيها مسجدًا لم أر بذٰلك بأسًا؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضًا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تمليكه لأحد، فمعناهما واحد. وأما المقبرة الداثرة إذا بُني فيها مسجد ليصلي فيها، فلم أر فيه بأسًا؛ لأن المقابر وقف، وكذا المسجد فمعناهما واحد. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري / باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد ۱۷۴/۴ مكتبة الإدارة الطباعة المنيرية دمشق)

ولـو بـلـى الميت وصار ترابًا جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه.

(شـامـي، كتـاب الـصـلاة / باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت ۱۳۸/۳ زكريا، ۲۳۸/۲ دار الفكر بيروت، ۲۳۳/۲ كـراچـی، الـفتـاویٰ الهندية / الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر واللدفن ۱۶۷/۱، كذافي تبيين الحقائق / باب الجنائز ۵۸۹/۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۶/۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس قبرستان کو مسجد کے نام وقف کردیا گیا ہو اُس کو مسجد میں شامل کرنا؟

سوال (۷۱۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک قبرستان جو ہماری مسجد سے ملحق ہے، جس کا رقبہ بھی بہت چھوٹا ہے، جس میں تقریباً ۴۵ / سال پہلے تک مردے دفن ہوتے رہے ہیں، اُس کے بعد کوئی مردہ دفن نہیں ہوا ہے، اور مسجد کو قبرستان کے ورثہ نے وقف بھی کردیا ہے، اُس قبرستان کو مسجد کی توسیع کے لئے مفتیانِ کرام سے اِجازت لے کر اُس کو مسجد کے صحن کی شکل دی گئی ہے، اَب وہاں پر باقاعدہ نماز ہوتی ہے، نماز ہوتے ہوئے تقریباً دس سال ہوچکے ہیں، اَب فی الوقت چند افراد یہ بات کہتے ہیں کہ یہ قبرستان ہے یہاں پر نماز نہیں ہوتی ہے، کچھ علماء نے یہ بات کہی ہے۔

مزید معلومات کے لئے شاہی اِدارہ مرادآباد سے رجوع کیا جارہا ہے، برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: حسبِ تحریر سوال جب کہ وہ حصہ قبرستان مالکان کی طرف سے مسجد پر وقف کیا جاچکا ہے، اور وہاں گذشتہ ۴۵ / سال سے کسی میت کی تدفین بھی نہیں ہوئی ہے، تو اس جگہ کو برابر کرکے مسجد میں شامل کیا جانا بلاشبہ درست ہے، اور وہاں پڑھی جانے والی نمازیں بلاکراہت صحیح ہیں، اَب وہ جگہ قبرستان کے حکم میں نہیں رہی، بعض حضرات کا اعتراض کرنا

بے معنی ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۱/۳۶۸)

ولو بلی المیت وصار ترابًا جاز دفن غیرہ في قبرہ وزرعہ والبناء علیہ.

(شامي، کتاب الصلاۃ / باب صلاۃ الجنائز، مطلب في دفن المیت ۱۳۸/۳ زکریا، ۲۳۸/۲ دار الفکر بیروت، ۲۳۳/۲ کراچی، الفتاویٰ الہندیۃ / الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر واللفن ۱۶۷/۱، کذا في تبیین الحقائق / باب الجنائز ۵۸۹/۱ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۴/۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

متروک الدفن قبرستان کے کونے میں مسجد بنانا؟

سوال (۷۱۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبرستان کا ایک کونہ سڑک سے متصل ہے، اُس کونہ میں عرصہ دراز سے مردے دفنائے نہیں جاتے، قبرستان کے اس کونہ کی طرف کافی تعداد میں مسلمان آباد ہیں، قبرستان سے مسجد کافی فاصلہ پر ہے، جس کی وجہ سے قبرستان سے متصل رہنے والے کافی تعداد میں مسلمان نماز سے دور ہیں؛ یہاں تک کہ جمعہ کی نماز بھی نہیں پڑھتے، جس کی وجہ سے قبرستان سے متصل رہنے والے تمام ہی مسلمانوں کا اِس بات پر متفقہ فیصلہ ہے کہ قبرستان کے اس کونے پر مسجد کی تعمیر کردی جائے، جس سے تمام مسلمان نماز وجمعہ کے اہم فریضہ کو بہ آسانی ادا کرسکیں، صورتِ مذکورہ میں قبرستان کے اِس کونہ میں مسجد بنانا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسبِ تحریر سوال اگر واقعۃً قبرستان انتہائی وسیع ہے، اور مذکورہ کونہ کی جگہ میں اِس وقت یا آئندہ قبر بنانے کی ضرورت نہیں ہے، تو قبرستان کی کمیٹی یا بستی کے معزز افراد کے اتفاق سے اُس کونے میں مسجد بنانے کی اجازت ہے۔

قال ابن القاسم: لو أن مقبرۃ من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم فیہا

مسجدًا لم أر بذٰلک بأسًا؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضًا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تمليكه لأحد، فمعناهما واحد. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري / باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مسجدًا الخ ۱۷۹/٤ دمشق، ۴۳۵/۳ تحت رقم: ٤۲۸ دار الفكر بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/۶/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۰۰ سال سے زائد متروک الدفن زمین پر مدرسہ یا مسجد بنانا؟

سوال (۱۷۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک قطعہ آراضی جو تقریباً دو ہزار گز ہے، زمانہ قدیم میں اندازاً سو سال سے کوئی دفن نہیں ہوا ہے، اور اس آراضی میں کوئی قبر یا اس کا کوئی نشان باقی نہیں ہے۔

میونسپلٹی کے پرانے کاغذات میں قبرستان درج ہے، جس کی بنا پر اہلِ محلّہ نے مقدمہ سے اس کو جیتا ہے، چوں کہ اس پر قریشی حضرات نے قبضہ کرلیا تھا، اور اس پر جانور ذبح کیا کرتے تھے، اِس لئے اہلِ محلّہ نے آپس کے مشورہ سے یہ طے کیا کہ اس پر ایک مدرسہ اور ایک مسجد بنائی جائے، قبرستان کے بارے میں کوئی بھی مدعی نہیں ہے، اہلِ محلّہ سب اِس پر متفق ہیں کہ اس آراضی پر مسجد اور مدرسہ بنالیا جائے۔

جناب عالی سے درخواست ہے کہ شرائط کی روشنی میں واضح طریقوں سے جواب مرحمت فرمائیں کہ یہاں مسجد اور مدرسہ قائم کریں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ جگہ پر قبرستان بنانے کی ضرورت باقی نہیں رہی اور اسے خالی چھوڑنے پر اُس کے ضائع ہوجانے اور غلط قبضہ میں چلے جانے کا خطرہ ہو تو اہلِ

بستی کے مشورہ سے اس جگہ مسجد اور مدرسہ بنانے کی شرعاً اجازت ہے۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم فيها مسجدًا لم أر بذٰلك بأسًا؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضًا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تمليكه لأحد، فمعناهما واحد. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري / باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مسجدًا الخ ١٧٩/٤ دمشق، ٤٣٥/٣ تحت رقم: ٤٢٨ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۱۰/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس جگہ سے قبروں کے نشانات ہی ختم ہوگئے ہوں وہاں مسجد بنانا؟

سوال (۷۱۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسجد کے متصل کچھ زمین ہے جس میں دو تین قبریں ہیں، جس کا وجود نہیں ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ قبر ہے ہی نہیں؛ لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ پہلے اس میں قبر تھی اَب اس کا نشان نہیں ہے، اَب اُس خالی زمین کو مسجد میں لینا چاہتے ہیں، تو کیا اُس زمین کو مسجد میں شامل کرلینا درست ہے یا نہیں؟ اور اُس میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسبِ تحریر سوال اگر واقعی اُس جگہ پر قبر کے نشانات نہیں ہیں، اور اُس پر اتنی مدت گذر گئی کہ میت مٹی بن گئی ہوگی، تو اگر وہ جگہ کسی کی مملوکہ ہو تو اُس سے اِجازت لے کر اور اگر وقف شدہ ہو، تو پھر باہم مشورہ سے اُس جگہ کو مسجد میں شامل کرنا درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۳۵۱/۱۵ ڈابھیل)

ولو بلى الميت وصار ترابًا جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه.

(شـامـي، كتـاب الـصـلاة / باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت ۱۳۸/۳ زكريا، ۲۳۸/۲ دار الفكر بيروت، ۲۳۳/۲ كـراچـی، الـفتـاوىٰ الهندية / الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر واللفن ۱٦٧/۱، كذافي تبيين الحقائق / باب الجنائز ۵۸۹/۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۷/۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پرانی قبروں پرلینٹرڈال کرمسجد میں شامل کرنا؟

سوال (۷۱۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مسجد کے صحن میں کچھ پرانی قبریں ہیں، مگر اب نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے مسجد تنگ پڑنے لگی ہے، جس کی وجہ سے سبھی نمازیوں کی رائے یہ ہورہی ہے کہ قبروں کے اوپر لینٹر ڈال کر صحن کو کشادہ کرلیا جائے ؛ تاکہ مسجد کی تنگی کی پریشانی ختم ہوجائے ؛ کیوں کہ سال کے آٹھ مہینے ایسے گذرتے ہیں کہ چار یا تین وقت کی نماز صحن میں پڑھی جاتی ہے، تو مسجد کے نمازیوں کا یہ عمل درست ہوگا یا غلط؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اَصل مسئلہ یہ ہے کہ قبریں اگر پرانی اور بوسیدہ ہوجائیں اور مسجد میں توسیع کی ضرورت ہو تو اُن قبروں کے آثار کو مٹا کر اُس جگہ کو مسجد میں شامل کرنے کی گنجائش ہے، یہ جزئیہ کتبِ فقہ میں موجود ہے، اِس پر قیاس کرتے ہوئے ضرورت کے وقت پرانی قبروں پر لینٹر ڈال کر اُس کے اوپر نماز پڑھنا جائز معلوم ہوتا ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴۰۹/۶، عزیز الفتاویٰ ۵۹۳/۱)

قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم فيها مسجدًا لم أر بذٰلک بأسًا؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز

صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضًا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تمليكه لأحد، فمعناهما واحد. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري / باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مسجدًا الخ ١٧٩/٤ دمشق، ٤٣٥/٣ تحت رقم: ٤٢٨ دار الفكر بيروت)

وإن بقي من عظامهم شيء تنبش وترفع الآثار، وتتخذ مسجدًا، لما روي أن مسجد النبي صلى الله عليه وسلم كان قبلُ مقبرةً للمشركين فنبشت. (شامي / باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت ٢٣٤/٢ كراچی)

إن بقيت آثارهم بأن بقي من عظامهم شيء ينبش ويقبر، ثم يجعل مقبرة المسلمين؛ لأن موضع مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم كان مقبرةً للمشركين فنبشت، واتخذها مسجدًا، كذا في المضمرات. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الوقف / الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات الخ ٤٦٩/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۶/۳/۲۸ھ

قبرستان میں ستون لگا کر مسجد کی توسیع میں شامل کرنا؟

سوال (۷۲۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: موضع مکل نرکھیڑا میں ایک بہت پرانی مسجد ہے اور بستی کے مطابق مسجد بہت چھوٹی ہے، اس مسجد کی توسیع کرنا چاہتے ہیں، اور مسجد کو بڑھانے کے لئے کسی بھی جانب کوئی بھی گنجائش نہیں ہے، عام راستہ اور لوگوں کے مکانات ہیں اور صرف ایک جانب قبرستان ہے؛ لہٰذا قبرستان میں ستون لگا کر اُس کے اوپر لینٹر ڈال کر مسجد کو بڑھانا چاہتے ہیں، دس فٹ چوڑائی بڑھانا چاہتے ہیں؛ لیکن نیچے قبرستان ہی رہے گا، اور اوپر مسجد کی جگہ بڑھ جائے گی، کیا اس صورت میں مسجد کا اضافہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قبرستان میں اِس طرح ستون نصب کرکے اوپر مسجد کی

توسیع کرنا شرعاً جائز اور درست ہے؛ لیکن شرط ہے کہ جس حصہ میں ستون نصب کئے جارہے ہوں، وہاں کی قبروں میں میت کے اجزاء باقی نہ ہوں، جن قبروں میں اَموات کی تازہ ہڈیاں وغیرہ موجود ہوں، اُن پر ستونوں کی تعمیر درست نہ ہوگی۔

عن عائشة رضي الله عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: كسر عظم الميت ككسره حيا. (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز / باب في الحفار يجد العظم، هل يتنكب ذٰلك المكان؟ ص: ٦١٢ رقم: ٣٧٠٧ دار الفكر بيروت، سنن ابن ماجة رقم: ١٦١٦ دار الفكر بيروت)

وأما المقبرة الداثرة إذا بُني فيها مسجد ليصلي فيها، فلم أر فيه بأسًا؛ لأن المقابر وقف، وكذا المسجد فمعناهما واحد. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري / باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد ١٧٤/٤ مكتبة الإدارة الطباعة المنيرية دمشق)

ولو بلى الميت وصار ترابًا جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه. (شامي، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت ١٣٨/٣ زكريا، ٢٣٨/٢ دار الفكر بيروت، ٢٣٣/٢ كراچی، الفتاویٰ الهندية / الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن ١٦٧/١، كذا في تبيين الحقائق / باب الجنائز ٥٨٩/١ زكريا)

تكره الصلاة في المقبرة إلا أن يكون فيها موضع أعد للصلاة. (طحطاوي على المراقي ٣٥٧ المكتبة الأشرفية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۲/۳/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بلا قیمت ومعاوضہ کے قبرستان کی زمین مسجد میں شامل کرنا؟

سوال (۷۲۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسجد کی توسیع کے لئے قبرستان کی زمین بغیر خریدے لی جاسکتی ہے یا قبرستان کے اَربابِ حل وعقد سے زمین قبرستان خرید کر مسجد میں شامل کرنا جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان پرانا ہواور اتنا وسیع تر ہو کہ آئندہ بھی اُس کے بڑھوانے کی ضرورت نہ ہو، تو اس کے زائد حصہ کو اہلِ بستی کے مشورہ سے بلا قیمت مسجد میں شامل کیا جاسکتا ہے؛ لیکن قبروں کی ضرورت موجود ہوتے ہوئے اُسے مسجد میں دینے کی اجازت نہ ہوگی۔

(فتاویٰ محمودیہ ۱۵/۳۵۳ ڈابھیل، ۶/۲۸۷ قدیم زکریا)

قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم فيها مسجدًا لم أر بذٰلك بأسًا. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري / باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مسجدًا الخ ۱۷۹/٤ دمشق، ۴۳۵/۳ تحت رقم: ٤۲۸ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۲/۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبرستان کی زمین میں غیر مسلم لیڈر کے سرکاری فنڈ سے بنائے ہوئے مکان کو مسجد بنانا؟

سوال (۷۲۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے شہر میں ایک قبرستان ہے سرکار کی طرف سے مسلمانوں کو یہ زمین ملی ہے، بہت زمانہ تک میت کو دفن کرتے رہے ہیں، چار سال پہلے غیر مسلم لیڈر نے قبرستان کے ایک کونے میں لوگوں کے اُٹھنے بیٹھنے کے لئے ایک مکان سرکاری فنڈ سے بنایا تھا، اَب اُس مکان کو مسلمان مسجد سمجھ کر پانچ وقت کی نماز پڑھتے ہیں، امام بھی مقرر ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس مکان کو شرعی مسجد مانا جائے گا، اور نماز ادا کرنے والوں کی نماز ادا ہوگی؟ قبرستان میں اس وقت بھی میت کو دفن کیا جاتا ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وہ زمین مکمل طور پر سرکار کی جانب سے مسلمانوں

کے نام قبرستان کے لئے الاٹ کردی گئی تھی، پھر اُس کے ایک کونے میں غیر مسلم لیڈر نے تعمیر کردی اور مسلمانوں نے اس جگہ کے تحفظ کی خاطر متفق ہوکر اُس مکان کو شرعی مسجد کی شکل دے دی اور حکومت نے بھی اُس پر کوئی اعتراض نہیں کیا، اور وہاں باقاعدہ نماز شروع ہوگئی، تو یہ مسجد شرعی کہلائے گی، اوراس میں نماز پڑھنے والوں کو مسجد کا ثواب ملے گا۔

ولو بلی المیت وصار ترابًا جاز دفن غیرہ في قبرہ وزرعه والبناء علیه.

(شامي، کتاب الصلاة / باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن المیت ۱۳۸/۳ زکریا، ۲۳۸/۲ دار الفکر بیروت، ۲۳۳/۲ کراچی، الفتاویٰ الهندیة / الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن ۱۶۷/۱، کذا في تبیین الحقائق / باب الجنائز ۵۸۹/۱ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۰/۷/۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا موقوفہ قدیم قبرستان میں مسجد مدرسہ کی طرح رہائش گاہ بنا سکتے ہیں؟

سوال (۷۲۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے گاؤں میں جو پرانا قبرستان ہے، آج سے تقریبا بیس پچیس سال قبل سرکار نے قبرستان کے درمیان عام روڈ نکالا اور روڈ پر جو مٹی ڈالی گئی، وہ تمام قبرستان سے ہی ڈالی گئی اور قبرستان کی جگہ میں تقریبا ۶-۷/فٹ گہرا تالاب بن گیا، اور سرکار نے قبرستان کے لئے دوسری جگہ متعین کردی، پرانے قبرستان کے پاس ہندو کمہاروں کے مکان ہیں، اور کمہار اس جگہ پر قبضہ کرکے اپنے گھر بنانا چاہتے تھے، مسلمانوں نے متفق ہوکر فیصلہ کرکے اُس تالاب کو پاٹ کر مدرسہ بنالیا ہے؛ لیکن مدرسہ بننے کے بعد یہ مسئلہ کھڑا ہورہا ہے کہ قبرستان میں مدرسہ بنانا جائز نہیں؟ ایسی صورت میں قرآن وحدیث کی روشنی میں علماء کا فیصلہ درکار ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس موقوفہ قبرستان میں تدفین بند ہوچکی ہو اور قبریں

بوسیدہ ہوچکی ہوں اور آئندہ بھی اُس میں تدفین کے آثار نہیں ہیں، تو ذمہ داران کی اِجازت سے اُس قبرستان میں مسجد یا مدرسہ کی تعمیر کرنا جائز اور درست ہے؛ لیکن رہائش گاہ بنانا جائز نہیں ہے۔
(مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۳/ ۱۷۸، کفایت المفتی ۷/ ۱۷۸)

نیز پرانے قبرستان کو خالی چھوڑنے میں چوں کہ غیروں کے قبضہ کا اندیشہ ہے؛ اِس لئے اِس جگہ کو مدرسہ کے لئے استعمال کرنا بلاشبہ جائز ہے۔ اور جن حضرات نے متفق ہوکر مدرسہ بنایا ہے، اُن کا یہ عمل شریعت کی روشنی میں درست ہے، کسی کو اعتراض کرنے کی اِجازت نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۴/ ۱۴۷)

فإن قلت: هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين؟ قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم فيها مسجدًا لم أر بذٰلک بأسًا؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضًا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تمليكه لأحد، فمعناهما واحد. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري / باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مسجدًا الخ ٤/ ١٧٩ دمشق، ٣/ ٤٣٥ تحت رقم: ٤٢٨ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۳/ ۷/ ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پرانے قبرستان میں مدرسہ اِسلامیہ بنانا؟

سوال (۷۲۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: پرانے قبرستان کے اندر مدرسہ اسلامیہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مملوکہ قبرستان ہے، تو مالک کی اِجازت سے وہاں مدرسہ بنایا جاسکتا ہے، اور اگر وقف ہے اور اُس کی زمین قبرستان کی ضرورت سے کافی زیادہ ہے اور

اُسے اپنے حال پر چھوڑنے میں زمین میں ناجائز تصرف وغیرہ کا اندیشہ ہے، تو عامۃ المسلمین کی اِجازت سے وہاں اسلامی مدرسہ بنانے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۴۸/۱۴)

میتٌ دفن في أرض إنسان بغیر إذن مالکها، کان المالک بالخیار إن شاء رضي بذٰلک وإن شاء أمر بإخراج المیت، وإن شاء سوّی الأرض وزرع فوقها. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الوقف / الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر الخ ٤٧٢/٢ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۲/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبرستان کے لئے وقف زمین پر اِسکول یا مدرسہ بنانا؟

سوال (۷۲۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک قبرستان پہلے سے وقف تھا اور اُس کے متصل ایک قطعہ آراضی حاصل کرکے اُس قبرستان کے نام وقف کردی۔

سوال یہ ہے کہ کیا قبرستان میں مسلمانوں کی ضرورت کے پیشِ نظر انٹر کالج یا مدرسہ مسجد وغیرہ بنائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر بن سکتی ہو تو تحریر فرمائیں اور وہ جگہ خالی ہے اُس پر کوئی قبر نہیں بنی ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قبرستان کی ضرورت سے وہ قطعہ آراضی زائد نہ ہو تو اُس جگہ کو قبرستان کے علاوہ کسی اور مصرف میں استعمال کرنا درست نہیں ہے، وقف کرنے والوں کی منشاء کا بہرحال لحاظ رکھنا ضروری اور لازم ہے؛ لہٰذا اِس موقوفہ زمین پر اسکول وغیرہ نہ بنایا جائے۔

شرط الواقف کنص الشارع أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به.

(الدر المختار، کتاب الوقف / مطلب في قولهم شرط الواقف کنص الشارع، ومطلب: بیان مفهوم المخالفة ٤٣٣/٤-٤٣٤ کراچی، ٦٤٩/٦ زکریا، وکذا في الأشباه والنظائر، کتاب الوقف / الفن الثاني، الفوائد:

۱۰٦/۲ إدارة القرآن کراچی، تنقیح الفتاویٰ الحامدیة ۱۲٦/۱ المکتبة المیمنیة مصر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲٦/۳/۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۲۰۰ سال پرانے قبرستان کو وقف بورڈ کا اِسکول کی تعمیر کیلئے دینا؟

سوال (۲٦۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تقریباً دوسو برس قبل قبرستان کے لئے جگہ وقف کی گئی، جس میں کافی دنوں تک تدفین کا کام ہوتا رہا؛ لیکن گذشتہ ۲۵-۳۰/ برسوں سے اُس میں تدفین بند ہے، یہ کہا جاتا ہے کہ چند نامور شخصیتیں بھی اُس قبرستان میں مدفون ہیں، وقف بورڈ اُس قبرستان کو ایک اسکول کی توسیع کے لئے دینے جارہا ہے، کیا وقف بورڈ کا یہ عمل جائز ہے؟ وقف بورڈ اگر خود قبرستانوں پر اِس طرح کی تعمیر کی اِجازت دیتا ہے، تو کیا یہ ایک خراب مثال قائم نہیں کرے گا؟ اور اِس سے دوسرے وہ قبرستان جس میں تدفین بند ہے، اُن کا وجود خطرہ میں نہیں پڑ جائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوسوسال پرانے وقف قبرستان کو جس میں ۲۵-۳۰/ سال سے تدفین کا کام بند ہے، اِسکول کی توسیع کے لئے دینا جائز نہیں ہے، اگر یہ جگہ دفن کے کام نہ آسکے اور قبروں کے نشانات بھی مٹ گئے ہوں، جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے، تو وہاں مسجد کی تعمیر کردی جائے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ٦/۹ ۴۰۹-۴۱۴)

فإن قلت: هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين؟ قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم فيها مسجدًا لم أر بذٰلک بأسًا؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضًا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تمليكه لأحد، فمعناهما

واحد. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري / باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مسجدًا الخ ٤/١٧٩ دمشق، ٣/٤٣٥ تحت رقم: ٤٢٨ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۳/۸/۱۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبرستان میں نیچے دوکان بناکر اُوپر مدرسہ چلانا؟

سوال (۲۷۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبرستان کے ایک حصہ میں ہم یہ چاہتے ہیں کہ اُس کے نیچے ہم دوکانیں بنائیں اور دوکانوں کے اوپر مدرسہ بنائیں، تو اُس میں ستون لگا کر زمین سے کتنا اونچا لینٹر ڈالیں، اِجازت ہے یا نہیں؟ اس گاؤں میں مسلمانوں کی آبادی کافی ہے اور مدرسہ کوئی نہیں ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبرستان کی زمین میں دوکان بنانے کی اِجازت نہیں؛ البتہ قدآدم ستون بناکر ضرورت کے وقت مدرسہ کی تعمیر کی جاسکتی ہے۔

فإن قلت: هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين؟ قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم فيها مسجدًا لم أر بذٰلک بأسًا؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضًا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تمليكه لأحد، فمعناهما واحد. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري / باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مسجدًا الخ ٤/١٧٩ دمشق، ٣/٤٣٥ تحت رقم: ٤٢٨ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۲/۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبرستان میں ستون کھڑا کرکے مدرسہ میں توسیع کرنا؟

سوال (۴۲۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ پہلے چھوٹا تھا مدرسہ کو بڑھایا گیا، اور جس جگہ مدرسہ کو بڑھایا گیا وہ قبرستان کی جگہ ہے، کیا قبرستان کی جگہ میں ستون کھڑا کرکے اُس پر مدرسہ کی تعمیر جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مدرسہ کو توسیع کی سخت ضرورت ہو، اور قبرستان میں ستون تعمیر کرنے سے نئی قبریں بنانے میں کوئی رکاوٹ نہ آتی ہو، تو شرعاً اِس توسیع کی گنجائش ہے۔

قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم فيها مسجدًا لم أر بذلك بأسًا؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضًا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تمليكه لأحد، فمعناهما واحد. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري / باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مسجدًا الخ ۱۷۹/٤ دمشق، ٤۳۵/۳ تحت رقم: ٤۲۸ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۶/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبرستان کو دیگر مصارف میں اِستعمال کرنا

دادا پردادا کی قبروں کو جوڑ کر مکان بنانا؟

سوال (۷۲۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے گھر کے دروازے کے برابر چہاردیواری کے اندر محفوظ دو قبریں ہیں، اور وہ دونوں قبریں میرے پردادا کی ہیں، میں چاہتا ہوں کہ اُن کو توڑ کر مکان بنالوں، تو میرے لئے ان کا توڑنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وہ قبریں آپ کی مملوکہ ہیں اور کافی پرانی ہوچکی ہیں، نیز آپ کو مکان میں اِضافہ کی شدید ضرورت ہے، تو انہیں ہموار کرکے اُن پر مکان تعمیر کرسکتے ہیں۔

كما جاز زرعه والبناء عليه إذا بلى وصار ترابًا. (الدر المختار، باب صلاة الجنازة / مطلب في دفن الميت ۱۴۵/۳ زکریا، ۲۳۸/۲ کراچی)

ولو بلى الميت وصار ترابًا جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه. (شامي، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت ۱۳۸/۳ زکریا، ۲۳۸/۲ دار الفكر بيروت، ۲۳۳/۲ کراچی، الفتاوىٰ الهندية / الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن ۱۶۷/۱، كذا في تبيين الحقائق / باب الجنائز ۵۸۹/۱ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۷/۹/۱۴۱۳ھ

قبرستان میں باغ لگانا؟

سوال (۷۳۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ بستی کے قبرستان کی زمین تقریباً ۱۲؍بیگھہ ہے، اور قبرستان کے وسط میں ایک تالاب ہے، چندافراد نے اُس میں امرود، آم اور بڑھل وغیرہ کے کچھ پیڑ لگادیئے ہیں، جو ۶؍بیگھہ کے قریب زمین کو گھیرے ہوئے ہیں، یعنی ایک باغ کی شکل بن گئی ہے، اُس کیفیت کو دیکھ کر کچھ حضرات ناراض ہیں، وہ کہتے ہیں کہ پیڑوں کی وجہ سے قبروں کی بےحرمتی ہوگی اور پیڑوں کی پرورش بھی بہتر طریقہ پرنہیں ہوسکتی، جو حضرات پیڑوں کو لگانے پر راضی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد قبرستان کی حفاظت ہے، یعنی پرورش کے بعد پھل وغیرہ کی آمدنی سے قبرستان کی باونڈری کرادیں گے، جس اعتبار سے بھی قبرستان میں خرچ کی ضرورت درپیش ہو، اُسی کے مطابق آمدنی کو صرف کیا جائے گا؛ لہٰذا مذکورہ بالاتحریر کے اعتبار سے کیا شکل اختیار کریں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اِن درختوں کے لگانے سے قبرستان میں مُردوں کو دفن کرنے میں کوئی تنگی پیش نہ آئے، اور درختوں سے واقعۃً فائدہ کی اُمید ہو، تو درختوں کے لگانے کی گنجائش ہے، اور اُن سے حاصل شدہ آمدنی قبرستان کی بقاء وحفاظت میں لگائی جائے۔

کذا تستفاد من العبارة الآتية: أرض لأهل قريةٍ جعلوها مقبرةً وأقبروا فيها ثم إن واحدًا من أهل القرية بنى فيها بناءً لوضع اللبن وآلات القبر، وأجلس فيها من يحفظ المتاع بغير رضا أهل القرية أو رضا بعضهم بذٰلك، قالوا: إن كان في المقبرة سعة بحيث لايحتاج إلى ذٰلك المكان فلا بأس به، وبعد ما بني لو إحتاجوا إلى ذٰلك المكان رفع البناء حتى يقبر فيه. كذا في فتاویٰ قاضي خان. (الفتاویٰ الهندية / كتاب الوقف ٤٦٨/٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱؍۴؍۱۴۱۳ھ

الجواب: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبرستان میں سرکاری درخت لگوانا؟

سوال (۷۳۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: قبرستان کے اندر سرکاری پیڑ لگائے جارہے ہیں، ان پیڑوں کولگوانا جائز ہے یانہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر یہ پیڑ قبرستان کی ملکیت میں دئے جارہے ہیں اور پیڑ لگانے کے بعد اُن پر سرکار کا کوئی حق نہ ہوگا اور کسی فتنہ کا اندیشہ بھی نہ ہو، تو سرکار کی طرف سے قبرستان میں اُنہیں لگانے کی اِجازت ہے، بشرطیکہ قبروں کو اُن پیڑوں کی وجہ سے نقصان نہ پہنچے۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۰/ ۴۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۶/۲/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طلبہ کا قبرستان کے درختوں کے پھل کھانا؟

سوال (۷۳۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک قبرستان میں کچھ پھل دار درخت ہیں، کمیٹی کے لوگوں نے مدرسہ کے طلبہ کو پھل کھانے کی اِجازت دے دی، تو کیا طلبہ کے لئے پھل کھانا درست ہے؟ جب کہ اُن پھلوں کو فروخت کرکے قبرستان کی ضرورت میں لگا سکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان کے درختوں کے پھل اگر باقاعدہ فصل آنے پر فروخت کئے جاتے ہیں، تو طلبہ وغیرہ کے لئے بلا قیمت اُن کا استعمال درست نہیں ہے، اور اگر پھل دار درختوں کو سبیل اور خیرات کے طور پر لگایا گیا ہے، اُن سے آمدنی مقصود نہیں، تو پھر اُنہیں طلبہ اور عام مسلمان استعمال کرسکتے ہیں۔

لما في الحاوي غرس في المسجد أشجارًا تثمر إن غرس للسبيل، فلكل مسلم الأكل وإلا فتباع لمصالح المسجد. (شامي ٦/ ٤٨ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۰/۲/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبرستان میں سرکاری روڈ بنانا؟

سوال (۷۳۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک گاؤں میں ایک پرانا قبرستان ہے، جس میں قبرستان ہی کے بیچ سے ایک محلّہ میں جانے کا ایک جانب سے راستہ ہے، اس راستہ سے بیل گاڑیاں بھی کبھی کبھی چلتی ہیں، عام لوگ چلتے ہیں، راستہ میں قبروں کی نشانیاں نہیں ہیں اور جہاں تک معلومات ہے، اس میں قبریں نہیں رہی ہیں، اَب سرکاری روڈ بنانا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر قبرستان وقف ہو اور اُس میں ابتداءً وقف کرتے وقت راستہ چھوڑنے کی تصریح نہ ہو، تو بعد میں اُس جگہ کو پکے یا کچے کسی طرح کے راستہ میں استعمال کرنا ممنوع ہے، درست نہیں ہے۔

على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامي، كتاب الوقف / مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة والعرف يصلح مخصصًا ٦٦٥/٦ زكريا، ٤٤٥/٤ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۴/۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موقوفہ قبرستان پر پل بناکر اسے روڈ میں شامل کرنا

سوال (۷۳۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قومی شاہراہ 24 کی توسیع کا کام چل رہا ہے، اس میں دلپت پور اور مونڈھا پانڈے وغیرہ کے روڈ کے قریب کچھ ایسی جگہیں آرہی ہیں، جن کو عرصۂ دراز سے قبرستان کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے، اُن میں بعض زمین وقف ہیں اور بعض گرام سماج کی طرف سے چھوڑ دی گئی ہیں، اور اُس میں تازہ اور پرانی ہر طرح کی قبریں موجود ہیں، شاہراہ بنانے والے منتظمین اُن جگہوں کو روڈ میں شامل کرنے پر مصر ہیں، جب کہ علاقے کے مسلمان اِس پر تیار نہیں ہیں، تو ایسی صورت میں

مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ اُن قبرستانوں پر لینٹر ڈال کر اُوپر سے پل بنادیا جائے، اور اِس کے بدلہ میں سرکار سے دوسری زمین لے لی جائے؟ یا کیا طریقہ اپنایا جائے؟ اِس بارے میں رہنمائی فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اَولاً تو یہی کوشش کی جائے کہ موقوفہ قبرستان کی زمین سے ہٹ کر روڈ نکالا جائے؛ لیکن اگر اُس میں کامیابی نہ ملے اور حکومت زبردستی کرنے پر آمادہ ہوجائے، تو بدرجۂ مجبوری یہ شکل اپنائی جاسکتی ہے کہ قبر والے حصہ پر لینٹر ڈال کر اُوپر سے پل بنادیا جائے؛ تاکہ قبروں کی بے حرمتی لازم نہ آئے، اور قبرستان کے بدلے میں سرکار سے کوئی اور مناسب جگہ لے لی جائے۔

وإن كان للوقف ريع ولكن يرغب شخص في استبداله إن أعطى مكانه بدلاً أكثر ريعًا فيه صقع أحسن من صقع الوقف جاز عند أبي يوسف، والعمل عليه. (شامي ٣٨٧/٤ كراچی)

مبادلة الوقف بدارٍ أخرىٰ إنما تجوز إذا كانتا في محلةٍ واحدةٍ أو تكون المحلة المملوكة خيرًا من المحلة الموقوفة. (مجمع الأنهر ٥٧٦/٢)

إذا ضعفت الأرض عن الاغتلال ويجد القيم بثمنها أخرىٰ هي أكثر ريعًا كان له أن يبيعها ويشتري بينهما ما هو أكثر ريعًا. (فتح القدير ٢٠٥/٦، خانية على هامش الهندية ٣٠٠/٦، بزازية على هامش الهندية ٢٥٤/٦، البحر الرائق ٣٧٣/٥، الفتاوىٰ الولوالجية ٩٨/٣، إعلاء السنن ١٦١/١٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۵/۲/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبرستان کی اَراضی پر تعمیر کرنا؟

سوال (۷۳۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: کیا قبرستان کی آراضی پر کوئی تعمیر مثل دوکان یا مکان کے ہوسکتی ہے؟

اگر قبرستان قدیم اور کئی سو برس پرانا ہو، اور لگ بھگ ۱۰۰/سال سے اُس میں کوئی نئی تدفین بھی نہیں ہوئی، تو ایسی صورت میں اُس قبرستان کی آراضی پر کوئی تعمیر رہائشی یا غیر رہائشی غرض سے کرائی جاسکتی ہے؟ کیا ایسا کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے؟ کیا قبرستان کی آراضی پر کسی نے کوئی تعمیر رہائشی کرالی ہو، تو ایسی صورت میں شریعت میں اُن تعمیرات کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا اس جواز پر کہ کچھ اور لوگوں نے قبرستان آراضی پر مکانات بنوالئے ہیں، دوسرے لوگ بھی قبرستان کی آراضی پر اِس نظیر پر عمل کرتے ہوئے اپنے مکانات وغیرہ بنواسکتے ہیں؟

کیا تکیہ دار کو آراضی قبرستان کے بیع وغیرہ کا کوئی حق حاصل ہے، کیا آراضی قبرستان پر اگر کوئی قبضہ مخالفانہ کا دعویٰ کرے اور اپنا قبضہ اس آراضی پر قدیمی بتائے، تو کیا شریعت کے مطابق اسے آراضی مذکور پر کوئی مالکانہ حقوق حاصل ہو جائیں گے، اگر قبرستان قدیم ہو تو کسی مدت کے بعد اُسے کھدوا کر قبرستان کو ذاتی اغراض ومقاصد کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے؟ اور مکانات وغیرہ تعمیر کرائے جاسکتے ہیں؟

کیا قبرستان پر رہائش اختیار کی جاسکتی ہے، اور پاخانے غسل خانے وغیرہ بنوائے جاسکتے ہیں؟ اور دوسرے خانگی زندگی کے لوازم اختیار کئے جاسکتے ہیں؟

کیا قبرستان وغیرہ کا وقف بورڈ میں درج ہونا شریعت کی رو سے بھی ضروری ہے، اور وہاں درج نہ ہونے کی صورت میں کیا شریعت کے مطابق قبرستان کی حیثیت میں کوئی نقص یا تبدل ہوجائے گا؟ کیا تکیہ دار کے ذریعہ آراضی قبرستان کو اگر بیع وغیرہ کیا گیا ہو، تو وہ بیع جائز اور صحیح ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان کے لئے موقوفہ جگہ پر قبریں بنانی چاہئیں؛ تاکہ واقف کا منشا پورا ہوسکے، اُس جگہ کو دوکان مکان اور دیگر ضروریات میں استعمال کرنا درست نہیں ہے، اور اُس کی جگہ پر زبردستی قبضہ کرنے میں کسی کو بھی مالکانہ تصرف حاصل نہیں ہوسکتا، اور

وقف کی صحت کے لئے اصل وقف کا ثبوت ضروری ہے، یعنی گواہ یا کاغذات وغیرہ؛ لیکن وقف بورڈ میں اندراج شرط نہیں ہے، اور اِس وقف کی جگہ کو بیچنے کا بھی کسی کو حق نہیں ہے۔

فإذا تم ولزم لا يملك ولا يعار ولا يرهن. (شامي، كتاب الوقف / قبيل مطلب في شرط واقف الكتب أن لا تعار إلا برهنٍ ٥٣٩/٦ زكريا، ٣٥٢/٤ كراچی، الهداية / كتاب الوقف ٦٤٠/٢ مكتبه شركت علمية ملتان، وكذا في فتح القدير / كتاب الوقف ٢٢٠/٦ مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

البتہ اگر ملکیت کا قبرستان ہے تو مالکان کو اُس میں تصرف کا حق ہوسکتا ہے۔

المالك هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (بيضاوي / الفاتحة ٧/١ ديوبند، ٥٦/١ بيروت)

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا لا تظلموا! ألا لا يحل مال امرء إلا بطيب نفس منه. (مشكاة المصابيح / باب الغصب والعارية، الفصل الثاني ٢٥٥، مرقاة المفاتيح / باب الغصب والعارية، الفصل الثاني ١١٨/٦ المكتبة الأشرفية ديوبند، المسند للإمام أحمد بن حنبل ٧٢/٥، شعب الإيمان للبيهقي ٣٨٧/٤ رقم: ٥٤٩٢ دار الكتب العلمية بيروت)

الغصب في الشريعة أخذ مال متقوم محترم بغير إذن المالك على وجه يزيل يده......، وعلى الغاصب رد عين المغصوبة. (الهداية / كتاب الغصب ٣٧٠/٣-٣٧١ المكتبة الإمدادية ملتان، وكذا في البحر الرائق / كتاب الغصب ١٩٦/٨ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۷/۸/۱۸ھ

مسجد تک پہنچنے کیلئے قبرستان کی خالی زمین پر پختہ راستہ بنانا؟

سوال (۷۳۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مسجد ہے اُس کے لئے کوئی متعین راستہ نہیں ہے۔ مسجد کے پورب قبرستان ہے، اُسی

میں سے جس طرف سے لوگ چاہتے تھے آتے جاتے تھے۔ بارش وغیرہ کی پریشانی کے باعث قبرستان کے جنوبی حصہ میں کنارے پر ہم ایک پختہ راستہ بنانا چاہتے ہیں، اور اُس راستے کے درمیان میں کسی قبر کا کوئی نشان نہیں ہے؛ لیکن گاؤں کے دو ضعیف العمر لوگ بتاتے ہیں کہ اس راستے کے آس پاس یا درمیان میں کبھی کوئی قبر تھی اور اِس راستے کے علاوہ کوئی ایسی جگہ نہیں، جہاں راستہ بنایا جائے اور اُس کے درمیان قبر نہ پڑے، تو کیا ہم اِس صورت میں قبرستان کے کنارے جنوبی حصہ میں پختہ راستہ بنا سکتے ہیں؟ تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد تک پہنچنے کے لئے قبرستان کی خالی زمین پر بقدر ضرورت پختہ راستہ بنانا جائز ہے، اور اِس راستے میں اگر کوئی پرانی قبر آ رہی ہو، تو اُس کو برابر کرنے کی بھی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۵/ ۳۹۵ ڈابھیل)

ولو بلی المیت وصار ترابًا جاز دفن غیرہ في قبرہ وزرعه والبناء علیه.

(شامي، کتاب الصلاۃ / باب صلاۃ الجنائز، مطلب في دفن المیت ۳/ ۱۳۸ زکریا، ۲/ ۲۳۸ دار الفکر بیروت، ۲/ ۲۳۳ کراچی، الفتاویٰ الهندیة / الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن ۱/ ۱۶۷، کذا في تبیین الحقائق / باب الجنائز ۱/ ۵۸۹ زکریا)

وفي شرح المشکاۃ: والوطء لحاجة کدفن المیت لا یکرہ في السراجی؛ فإن لم یکن له طریق إلا علی القبر جاز له المشي علیه للضرورۃ.

(حاشیة الطحطاوي علی المراقي ۶۲۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۱۴/ ۴/ ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسلمانوں کی جان ومال کے تحفظ کے پیشِ نظر قبرستان سے راستہ کی جگہ دینا؟

سوال (۷۳۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: قبرستان اور میلا اُٹھانے والے- جن کو بالمیکی دلت کہا جاتا ہے- کی بستی کے درمیان ہم کچھ مسلمان آباد ہیں، ہماری کالونی کا جو راستہ ہے وہ خالص دلت بالمیکی کے بیچ سے ہوکر جاتا ہے، جو کہ مخدوش بھی ہوگیا ہے، اِس کے علاوہ کالونی میں آنے جانے کا اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے، پچھلے دنوں اُن لوگوں نے اِس راستہ کو بند کردیا تھا، ایڈمنسٹریشن اور کچھ اَمن پسند لوگوں نے اِس راستہ کو بر وقت کوشش سے ہم لوگوں کے لئے یہ راستہ بند ہونے سے روکا، اکثر اور جہاں بھی فساد شروع ہوتا ہے وہ اِسی طبقہ سے ہوتا ہے، گاہے گاہے اِن کے اور مسلمانوں کے درمیان تنازع ہوتا رہتا ہے؛ لہٰذا قبل اِس کے کہ مسلمانوں کو آنے والے وقت میں کوئی نقصان اٹھانا پڑے ہم چاہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو قبرستان سے راستہ مل جائے، اور ہم مسلمان اِس متنازع راستہ کو چھوڑ کر مسلم آبادی میں ہماری نکاسی ہوجائے، جو ہماری کالونی سے بالکل متصل ہے، مطلوبہ راستہ سے نہ تو قبرستان کی پامالی ہوتی ہے نہ قبروں کی بے حرمتی ہوتی ہے، ہم کو جو راستہ مطلوب ہے وہ بالکل قبرستان کے کنارے پر جہاں قبور نہیں ہیں، ماضی میں قبرستان کمیٹی ہم کو یقین دلاتی رہی کہ آپ لوگوں کو راستہ دے دیا جائے گا جو دیوار بیچ میں حائل ہے، صرف اسے ہٹا کر راستہ دیا جا سکتا ہے، اَب قبرستان کمیٹی مطلوبہ جگہ پر کچھ رہائشی کمرے بنانا چاہتی ہے، کیا مسلمانوں کے جان ومال کے تحفظ کے پیشِ نظر قبرستان سے راستہ دیا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال میں جن خدشات کا اظہار کیا گیا ہے، اگر وہ واقعی اور حقیقی ہیں، تو شرعاً اِس بات کی گنجائش ہے کہ مذکورہ موقوفہ قبرستان کا ایک گیٹ نئی مسلم آبادی کی طرف کھول دیا جائے؛ تاکہ حسبِ ضرورت اِدھر رہنے والے مسلمان قبرستان سے گذر کر شہر میں آمد ورفت کرسکیں؛ لیکن اِس راستہ کی وجہ سے قبرستان کو باقاعدہ دو حصوں میں کردینے کی اِجازت نہ ہوگی، نیز اصل قبرستان کی زمین میں کرایہ داری کے لئے دوکان اور مکانات وغیرہ بنانا بھی جائز نہیں ہے۔ جو زمین قبرستان کے لئے وقف ہے اُس کو صرف تدفین ہی میں اِستعمال کی اِجازت ہے، وہ کسی اور کام میں استعمال نہ کی جائے۔

ثـم نـقـل عـن الـعتـابية عـن خواهر زاده إذا كان الطريق ضيقًا والمسجد واسعًا لا يحتاجون إلى بعضه، تجوز الزيادة في الطريق من المسجد؛ لأن كلها للعامة. (شامي / مطلب: في جعل شيء من المسجد طريقًا ٦/٥٧٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۵/۲/۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبرستان میں مذہبی یا سیاسی جلسہ کرنا؟

سوال (۷۳۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبرستان میں مذہبی یا سیاسی جلسہ کرانا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان میں قبروں کی جگہ پر کسی طرح کا جلسہ کرنا درست نہیں ہے۔

ويكره الجلوس على القبر ووطؤه، ويكره النوم عند القبر وكل ما لم يعهد من السنة، والمعهود منها ليس إلا زيارتها والدعاء عندها قائمًا. (شامي ٣/١٥٤ زكريا)

إن وطء القبور حرام. (شامي، كتاب الصلاة / مطلب في إهداء ثواب القراءة للنبي صلى الله عليه وسلم ٣/١٥٥ زكريا)

ويكره أن يوطأ على القبر يعني بالرجل – إلى قوله – لا يمشي؛ لأنه يجب تعظيم قبر المسلم. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٣/٧٣ رقم: ٣٧٤٠ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۱۰/۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبرستان کی آراضی میں شادی کے پروگرام کرنا؟

سوال (۷۳۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: قبرستان کی آراضی میں شادی کا پروگرام کھانا پکانا، کھانا کھلانا، بارات بٹھانا، تندور لگانا کر روٹی پکانا، یا کوئی اور پروگرام جلسہ وغیرہ کرنا شرعی اعتبار سے جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ قبرستان میں پہلے سے قبریں موجود ہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو زمین قبرستان کے لئے وقف کی گئی ہو، اُس میں مذکورہ کام انجام دینا ازروئے شرع درست نہیں۔

شرط الواقف کنص الشارع. (الدر المختار، کتاب الوقف / مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، ومطلب: بيان مفهوم المخالفة ٤٣٣/٤-٤٣٤ کراچی، ٦٤٩/٦ زکریا، وکذا في الأشباه والنظائر، کتاب الوقف / الفن الثاني، الفوائد: ١٠٦/٢ إدارة القرآن کراچی، تنقیح الفتاویٰ الحامدية ١٢٦/١ المكتبة الميمنية مصر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۵/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موقوفہ قبرستان کے اِحاطہ میں پنڈال بنا کر کھانا کھلانا؟

سوال (۷۴۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبرستان کی آراضی میں جہاں بے شمار قبریں ہیں، اُس اِحاطہ میں لوگ پنڈال بنا کر شادی کا کھانا دری ومیز کرسی پر کھلایا جاتا ہے، اور قبرستان میں پکاتے بھی ہیں، یہ فعل قبرستان میں شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موقوفہ قبرستان مردوں کو دفن کرنے کے لئے وقف ہوتا ہے؛ لہٰذا اُس کو دفن کے علاوہ دوسرے کاموں کے لئے استعمال کرنا درست نہیں ہے۔

علی أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامي، کتاب الوقف /

مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة والعرف يصلح مخصصًا ٦٦٥/٦ زكريا، ٤٤٥/٤ كراچی)

شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به.

(الدر المختار، كتاب الوقف / مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، ومطلب: بيان مفهوم المخالفة ٤٣٣/٤-٤٣٤ كراچی، ٦٤٩/٦ زكريا، وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف / الفن الثاني، الفوائد: ١٠٦/٢ إدارة القرآن كراچی، تنقيح الفتاویٰ الحامدية ١٢٦/١ المكتبة الميمنية مصر)

نیز مسلمانوں کی قبروں کا احترام بھی لازم ہے، اور مذکورہ افعال کرنے کی صورت میں قبروں کی بے حرمتی ہے اور قبروں کی بے حرمتی کرنے سے حدیثِ پاک میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔

کما روي عن جابر رضي اللّٰه عنه نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وأن يقعد عليه، وروي عنه أنه قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا تجلسوا على القبور، وروي عن أبي هريرة رضى اللّٰه عنه أنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لأن يجلس أحدكم على جمرة فتحرق ثيابه فتخلص إلى جلده خير من أن يجلس على قبر. (مشكاة المصابيح ١٤٨/١)

ونهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن توطأ. (مشكاة المصابيح ١٤٩/١)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۲/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبرستان کی نگرانی کیلئے اُس میں ڈینٹنگ پینٹنگ کی دوکان لگانا؟

سوال (۷۴۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک متولی کا خاندانی پرائیویٹ قبرستان ہے، قبرستان مذکور کی کسی طرح کی کوئی آمدنی نہیں ہے، تحفظ کے لحاظ سے قبرستان مذکور کا اندراج سنی سینٹرل وقف بورڈ لکھنؤ میں ہے؛ لیکن اس پر کچھ مافیا جن کی نیت میں بدی آرہی ہے، قبرستان مذکور کو منہدم کر کے اُس کی آراضی پر اپنا ناجائز قبضہ کرنا

چاہتے ہیں، اِس لئے متولی نے چوبیس گھنٹے دیکھ ریکھ کرنے کے لئے ملازم رکھنے کے بجائے اپنے ایک بیٹے کو قبرستان کے ایک گوشہ میں ڈینٹنگ پینٹنگ کے کام کی اِجازت دے دی ہے، یہ لڑکا قبرستان کی دیکھ بھال بلاکسی عوض کے کر کے اور محنت مزدوری کر کے روزی روٹی کماتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ متولی اور اُس کے بیٹے کا یہ فعل شریعتِ مطہرہ کی نگاہ میں درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تفصیلی سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ قبرستان اگرچہ خاندانی ہے؛ لیکن موقوفہ ہے، اِسی بنیاد پر اُس کو سنی سینٹرل وقف بورڈ لکھنؤ میں درج کرایا گیا ہے، اور موقوفہ قبرستان کا حکم یہ ہے کہ اس میں شرائط وقف کے خلاف کسی سرگرمی کی اِجازت نہیں، اور ظاہر ہے کہ ڈینٹنگ اور پینٹنگ کی دوکان قبرستان کی منشاء کے خلاف ہے، اِس لئے متولی یا اُس کے بیٹے یا کسی اور شخص کے لئے قبرستان کے کسی گوشہ میں ڈینٹنگ اور پینٹنگ کا کام کرنا ہرگز جائز نہ ہوگا، اور یہ عذر معتبر نہیں کہ قبرستان کی نگرانی کے لئے اُس کی اجازت دی گئی ہے؛ کیوں کہ نگرانی کی اُس کے علاوہ اور بھی شکلیں ہوسکتی ہیں۔

بہتر ہے کہ خاندانی لوگوں سے تعاون لے کر فوری طور پر قبرستان کی چہار دیواری کرا کے گیٹ لگا دیا جائے، اور گیٹ کی چابی متولی کے پاس رہے۔

شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به.

(الدر المختار، كتاب الوقف / مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، ومطلب: بيان مفهوم المخالفة ٤/٤٣٣-٤٣٤ كراچی، ٦/٦٤٩ زكريا، وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف / الفن الثاني، الفوائد: ٢/١٠٦ إدارة القرآن كراچی، تنقيح الفتاوىٰ الحامدية ١/١٢٦ المكتبة الميمنية مصر)

فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع وهو مالک، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصية. (شامي، كتاب الوقف / مطلب شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع ٦/٥٢٧ زكريا)

لیس للمشرف التصرف بل له الحفظ. (الدر المختار ٦٨٣/٦ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۳/۸/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عام قبرستان پر کسی خاندان کا اِجارہ داری کرکے اپنا حق جتلانا؟

سوال (۲۴۲۷): -کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: یہاں نجیب آباد میں ایک مسجد سے متعلق نوابی وقت سے ایک بہت بڑا قدیمی قبرستان ہے، جس میں علاقہ کے متعلقہ افراد مردہ لوگ دفن ہوتے ہیں، عام قبرستان ہے اور وقف ہے، اِس قبرستان کا ایک بہت تھوڑا سا حصہ مسجد کے اندرونی باؤنڈری شدہ حصہ میں آرہا ہے، اُس حصہ میں کسی وقت ایک خاندان کے کچھ لوگ دفن تھے، جن کی قبریں ہموار زمین ہوگئی تھیں، جس کی وجہ سے یہ حصہ متروک اور ویران سمجھا جانے لگا اور عام لوگوں نے ضرورتِ مسجد سمجھ کر اُس جگہ مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دیا، مگر مذکورہ خاندان (جن کے کچھ بزرگ یہاں دفن تھے) اُس حصہ پر اپنی اِجارہ داری قائم کئے ہوئے ہے، جب کہ عام قبرستان ہے اور وقف الی الخیر ہے، اور یہ حصہ چوں کہ مسجد کے باؤنڈری شدہ حصے میں ہیں، اور کسی بھی وقت مسجد کے کام آسکتا ہے، مگر یہ لوگ اپنی خاندانی روایت پر اڑے ہوئے ہیں، اور اپنا حق جتا رہے ہیں، باقی تمام افراد متعلقہ قبرستان میں اس جگہ نئی قبر بنوانا نہیں چاہتے، اور مسجد مدرسہ کے حق میں متروک اور ویران ہی قرار دینا چاہتے ہیں، مگر یہ خاندان اپنی ضد پر اڑا ہوا ہے، اور جب کوئی فرد اس خاندان کا مرتا ہے، تو اپنے زعم میں یہیں دفن کرتے ہیں، اور منع کرنے پر آمادہ فساد ہوتے ہیں۔

اَب سوال یہ ہے کہ کیا عام قبرستان میں کسی فرد یا خاندان کی اِس طرح اِجارہ داری درست ہے؟ اور اپنے خاندان کی روایت کو عام قبرستان میں یہ کہہ کر ہمارے باپ دادا یہاں دفن ہیں، اسی حصہ میں نئی قبریں بنوانا درست ہے؟ اور کیا کسی خاص جگہ کو عام قبرستان میں کوئی خصوصیت حاصل ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برتقدیرِ صحتِ سوال مذکورہ قبرستان چوں کہ عام ہے؛ اِس لئے اُس کے کسی خاص حصہ پر کسی خاندان کو اِجارہ داری کا حق حاصل نہیں ہے؛ بلکہ جو بھی تصرف ہو وہ قبرستان کے متولی اور قبرستان کی کمیٹی کے مشورہ سے ہونا چاہئے، اور کسی کو خلاف ورزی نہیں کرنی چاہئے۔

عن سعید بن زید بن عمرو ابن نفیل، أن أروی خاصمته في بعض داره، فقال: دعوها وإیَّاها، فإني سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: من أخذ شبرًا من الأرض بغیر حقه طوقه في سبع أرضین یوم القیامة. (صحیح مسلم، کتاب المساقات / باب تحریم الظلم وغصب الأرض وغیرها ۳۳/۲ رقم: ۱۱۱۰ بیت الأفکار الدولیة)

إن لم یکن للمسجد متولي ولا للمقبرة، فلیس للعامة التصرف فیها بدون إذن القاضي. (الفتاویٰ الهندیة ۴۷۶/۲-۴۷۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۴/۱۴۳۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کھیتوں کی سینچائی کیلئے قبرستان سے گذار کر پختہ نالی بنانا؟

سوال (۳۴۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبرستان میں ہوتے ہوئے کھیت میں ٹیوپ ویل کا پانی لے جانے کے لئے اور گھر کا پانی نکالنے کے لئے پختہ نالی نکال سکتے ہیں یا نہیں؟ مدلل تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان موقوفہ ہے جس کو واقف نے صرف تدفین کے لئے وقف کیا ہے، اِس لئے شرطِ واقف کی رعایت رکھتے ہوئے قبرستان کی زمین کو ذاتی ٹیوب ویل اور گھر کے پانی کی نکاسی کے لئے نالی بنانے کی ہرگز اِجازت نہیں دی جائے گی۔ حضراتِ

فقہاء کرام نے مسجد کی دیوار پر ذاتی گھر کی کڑیاں رکھنے کو بھی ممنوع قرار دیا ہے۔

كما في الشامي: قلت: وبهٖ عُلم حكم ما يصنعه بعض جيران المسجد من وضع جذوع على جداره؛ فإنه لا يحل. (شامي ٣٥٨/٤ كراچی، ٥٤٨/٦ زكريا)

شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به.

(الدر المختار، كتاب الوقف / مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، ومطلب: بيان مفهوم المخالفة ٤٣٣/٤-٤٣٤ كراچی، ٦٤٩/٦ زكريا، وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف / الفن الثاني، الفوائد: ١٠٦/٢ إدارة القرآن كراچی، تنقيح الفتاوىٰ الحامدية ١٢٦/١ المكتبة الميمنية مصر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۰/۱۱/۱۳ھ

مملوکہ زمین میں ایک قطعہ قبرستان کے لئے چھوڑ کر بقیہ زمین استعمال میں لانا؟

سوال (۴۴۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میری ایک قطعہ آراضی ہے جس کے ایک طرف ایک مدت سے لوگ اپنے مردے دفن کرتے چلے آرہے ہیں، وہ زمین میری آبائی ہے، جب کہ اَب بھی وہ میرے نام ہے یعنی قبرستان کے لئے کوئی وقف نہیں ہے، میرے بزرگوں نے اپنے پاس زیادہ زمین ہونے کی وجہ سے اور اُس وقت زمین کی معمولی حیثیت ہونے کی وجہ سے دفن کرنے سے نہیں منع کیا، اَب ہم دفن کرنے سے منع بھی کرتے ہیں، وہ لوگ پرانے قبرستان کا حوالہ دے کر آگے پیچھے دفن کردیتے ہیں، وہ زمین تحصیل کے کاغذات میں بھی ہمارے نام ہے، قبرستان نہ کسی کا وقف کردہ ہے نہ خرید کردہ ہے؛ البتہ صرف سوابیگھہ زمین ہمارے ہی نام کے نمبر قبرستان درج ہے، ہم اس سوابیگھہ زمین کو جس میں قبرستان درج ہے، چھوڑنے کو تیار ہیں، بقیہ زمین پہلے سے ہماری ملک چلی آرہی ہے، ہم اُس کو اپنے استعمال میں لانا چاہتے ہیں۔

معلوم یہ کرنا ہے زمین کا اکثر رقبہ جو ہمارے نام ہے اُس کے اِس حصہ کو چھوڑ کر جس میں قبرستان ہے، ہمیں استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسبِ تحریر سوال جب کہ یہ زمین موقوفہ نہیں ہے؛ بلکہ مملوکہ ہے، تو اُس میں مالکین کو مکمل تصرف کا حق حاصل ہے اور اُن کی اِجازت کے بغیر اُس زمین میں کسی کو اپنی میت دفن کرنے کی اِجازت نہیں، پس جب آپ اپنی مملوکہ زمین میں قبرستان کے لئے درج شدہ سوا بیگھہ حصہ کو چھوڑ کر بقیہ زمین اپنے استعمال میں لانا چاہتے ہیں، تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، اور اُس پر کسی کو اعتراض کا حق حاصل نہیں، آپ چاہیں اُس میں کھیتی کریں، تعمیر کریں یا اُس کو فروخت کردیں، آپ کو ہر طرح کا اختیار حاصل ہے۔

کل یتصرف في ملکہ کیف شاء. (شرح المجلۃ لسلیم رستم باز / الفصل الأول في بعض قواعد في أحکام الأملاک ۱/ ٦٥٤ رقم المادۃ: ۱۹۲)

لا یجوز لأحد أن یتصرف في ملک الغیر بغیر إذنہ. (قواعد الفقہ ۱۱۰)

القدیم یترک علی قدمہ الأصل بقاء ما کان علی ما کان. (قواعد الفقہ ۹٥-۹۸)

لأن الملک من شانہ أن یتصرف فیہ بوصف الإختصاص. (شامي / کتاب البیوع ٤/ ٥٠٢ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہٗ ۱/۱/ ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موقوفہ قبرستان کو بیچنا جائز نہیں؟

سوال (۷۴۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بڑودہ شہر میں ہماری جماعت کا ایک قبرستان ہے، جو غیروں کے خطرناک علاقہ میں ہے، فسادات کے موقع پر ہر ممکن طریقہ سے قبرستان کی دیوار گیٹ اور مسجد کو نقصان پہنچایا جاتا ہے، دفن

کرنے جاتے ہوئے بھی نارمل حالت میں بھی خوف سا لگتا ہے، اِس فساد میں بھی پورے کمپاؤنڈ کو توڑ کر گیٹ بھی اٹھا کر لے گئے ہیں، تو آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ کیا اِس قبرستان کو بیچ سکتے ہیں؟ قبرستان کی جگہ دو حصوں میں منقسم ہے، ایک حصہ میں مردے دفن ہوتے ہیں اور دوسرے حصے کو ایسا ہی چھوڑ دیا گیا ہے، تو کیا وہ حصہ جہاں مردے دفن نہیں کئے جاتے، اُس کو بیچ کر اِس رقم سے دوسرا قبرستان خرید سکتے ہیں یا نہیں؟

دیگر ضروری بات یہ ہے کہ غیروں نے بہت سی جگہ پر ناجائز طریقہ سے قبضہ بھی کرلیا ہے، اور حالت یہ ہے کہ آئندہ پوری جگہ بھی ہاتھ سے جاسکتی ہے اور جہاں مردے دفن کئے جاتے ہیں وہاں بھی غیروں نے قبضہ کیا ہے اور کچھ علاقہ میں مورتیاں بناتے ہیں اور اُن کو بیچتے ہیں، آج حالت یہ ہے کہ اگر دو تین آدمی اکیلے قبرستان ایصالِ ثواب کے لئے جانا چاہیں، تو جانے کی ہمت نہیں کرسکتے، نیز رات میں اگر جانا ہو تو پولیس پروٹیکشن کے ساتھ جانا پڑتا ہے، تو پوچھنا یہ ہے کہ کیا قبرستان کی دونوں جگہ کو یا ایک حصہ کو بیچ کر اُسی سے دوسری جگہ قبرستان کیلئے خرید سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موقوفہ قبرستان کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ اُس کے قانونی تحفظ کی ہر ممکن صورت اپنائی جائے اور ضرورت ہو تو کسی محفوظ جگہ دوسری زمین قبرستان کے لئے الگ سے چندہ کر کے خرید لی جائے۔

فإذا تم ولزم لایملک (الدر المختار) أي لا یکون مملوکًا لصاحبه ولا یملک أي لا یقبل التملیک بالبیع ونحوہ. (الدر المختار مع الشامي، کتاب الوقف / قبیل مطلب في شرط واقف الکتب أن لا تعار إلا برهنٍ ٥٣٩/٦ زکریا، ٣٥١/٤-٣٥٢ کراچی، الهدایة / کتاب الوقف ٦٤٠/٢ مکتبه شرکت علمیة ملتان، وکذا في فتح القدیر / کتاب الوقف ٢٢٠/٦ مصطفیٰ البابي الحلبي مصر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱/۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موقوفہ قبرستان میں بھراؤ کرکے عیدگاہ بنانا؟

سوال (۷۴۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبرستان میں مٹی بھرنے کے بعد عیدگاہ کی تعمیر ہورہی ہے، کیا قبرستان میں عیدگاہ کی تعمیر کرنا صحیح ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: موقوفہ قبرستان کو بدل کر اُس کی جگہ عیدگاہ وغیرہ تعمیر کرنا ہرگز درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ عمل غرضِ واقف کے خلاف ہے۔

على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامي، كتاب الوقف / مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة والعرف يصلح مخصصًا ٦٦٥/٦ زكريا، ٤٤٥/٤ كراچی)

شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به. (الدر المختار، كتاب الوقف / مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، ومطلب: بيان مفهوم المخالفة ٤٣٣/٤-٤٣٤ كراچی، ٦٤٩/٦ زكريا، وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف / الفن الثاني، الفوائد: ١٠٦/٢ إدارة القرآن كراچی، تنقيح الفتاویٰ الحامدية ١٢٦/١ المكتبة الميمنية مصر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۱/۶/۲۵ھ

پرانے قبرستان کو برابر کرکے عیدگاہ بنانا؟

سوال (۷۴۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: پہلے ایک قبرستان تھا پھر اُس کو برابر کرکے کھیت بنالیا گیا، پھر اُس میں کھیتی بھی ہوتی رہی، اُس کے بعد اُس میں عیدگاہ بنالی گئی، تو کیا اُس میں عید کی نماز پڑھنا جائز ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر وہ قبرستان پہلے سے مملوکہ تھا، پھر اُسے مالکان کی

اِجازت سے عیدگاہ میں تبدیل کیا گیا تھا یا موقوفہ تھا؛ لیکن پرانا ہونے کی وجہ سے ضرورت سے فاضل ہوگیا تھا، اور عیدگاہ بنانا ضروری تھا، تو ایسی جگہ کو عام لوگوں کے مشورہ سے عیدگاہ کے استعمال میں لانا درست ہے۔

قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم فيها مسجدًا لم أر بذٰلك بأسًا؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضًا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تمليكه لأحد، فمعناهما واحد. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري / باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مسجدًا الخ ١٧٩/٤ دمشق، ٤٣٥/٣ تحت رقم: ٤٢٨ دار الفكر بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفر لہ ۱۴۱۴/۴/۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خاندان والوں کی اِجازت سے موقوفہ قبرستان کو عیدگاہ میں شامل کرنا؟

سوال (۴۴۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ٹانڈہ کی عیدگاہ عیدین کی نماز میں مصلیان کے لئے کافی تنگ ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے حدودِ عیدگاہ سے باہر بھی اداء دوگانہ کے لئے صفوف قائم ہوتی ہیں، بسا اَوقات سمتِ قبلہ بھی غلط ہوجاتا ہے، اس لئے عامۃ المسلمین کی قبریں ہیں، مگر جانب مغرب میں صرف دوخاندانوں کی قبریں ہیں، دونوں خاندانوں سے اجازت لے کر اگر قبروں پر لینٹر ڈال دیا جائے، تو عیدگاہ کی توسیع ممکن ہے۔ ٹانڈہ میں عیدگاہ سے متصل ہی قبرستان ہے، اس میں کچھ درخت ہیں، اور اسی طرح حدودِ عیدگاہ میں کچھ درخت ہیں، بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ قبرستان میں جو درخت ہیں، اُن کو فروخت کر کے اُن کی آمدنی عیدگاہ کی تعمیر میں لگادی جائے، جیسا کہ حدودِ عیدگاہ میں درختوں سے ہونے والی آمدنی لگائی جاسکتی ہے۔

تو صورتِ متذکرہ بالا میں ان خاندانوں سے اجازت لے کر اور قبروں پر لینٹر ڈال کر عیدگاہ کی توسیع کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ قبروں سے کتنی اونچائی پر لینٹر ڈالا جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موقوفہ قبرستان کے متعلق اگرچہ اہلِ خاندان اِجازت بھی دے دیں، پھر بھی اُسے لینٹر ڈال کر یا بلا لینٹر ڈالے حدودِ عیدگاہ میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔

(فتاویٰ محمودیہ ۲۳/۳۰۵ میرٹھ)

وإن كـان لا لـذٰلک بـل اتـفق أنه أمكن أن يؤخذ بثمنه ما هو خير منه مع كونه منتفعًا به فينبغي أن لا يجوز؛ لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة، كذا نقله العلامة الشامي عن الفتح. (شامي / مطلب لا يستبدل العامر إلا في أربع ٤/٣٨٨ كراچی، ٦/٥٨٩ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۸/۱۰/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عیدگاہ کے میدان میں کھدائی سے قبریں نمودار ہوئیں؟

سوال (۷۴۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مغربی بنگال کے ایک دیہات باندھ موڑ ڈہ میں ایک عیدگاہ ہے، برسوں سے لوگ وہاں عید کی نماز پڑھتے چلے آئے ہیں، اِن وقت گاؤں والوں کا خیال ہوا کہ عیدگاہ کی مرمت کی جائے، چناں چہ اِس غرض سے کھودنا شروع کیا، کھودتے ہی وہاں سے انسان کی بڑی بڑی ہڈیاں نکلنے لگیں، چند جگہوں پر کھودا یہی حال رہا، اُن کی ہڈیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے والے بہت پہلے کے لوگ ہوں گے کہ ہڈیاں بہت موٹی موٹی ہیں۔ بہرحال ہمارے باپ دادا میں سے کسی نے نہیں دیکھا اور نہ کسی کو معلوم ہے، اور نہ کسی نے دفن کی کہانی سنائی؛ لیکن فی الحال کھودنے سے معلوم ہوا کہ وہ یقیناً قبرستان ہے اور مردے مدفون ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قبرستان میں عیدگاہ نہ بناؤ اور نہ وہاں عید کی نماز پڑھو، کوئی کہتا ہے کہ ہڈیاں نکال کر دوسری جگہ دفن کردی جائیں، اس صورت میں کیا کیا جائے؟ اس عیدگاہ میں نماز پڑھی جائے یا نہیں؟ یا اُس عیدگاہ کو چھوڑ کر مسجد یا کسی اور میدان میں نماز پڑھی جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں جو ہڈیاں نکلی ہیں، اُنہیں اکٹھا کر کے کسی قبرستان میں باقاعدہ دفن کردیا جائے، اور اس عیدگاہ پر بدستور نماز پڑھی جاتی رہے، اس میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں ہے؛ لیکن آئندہ کھدائی میں احتیاط برتی جائے، خاص کر جن قبروں کے نشانات باقی ہوں انہیں مسمار نہ کیا جائے۔ (کفایت المفتی ۱۴۰/۷)

فإن قلت: هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين؟ قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم فيها مسجدًا لم أر بذٰلک بأسًا؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضًا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تمليكه لأحد، فمعناهما واحد. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري / باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مسجدًا الخ ١٧٩/٤ دمشق، ٤٣٥/٣ تحت رقم: ٤٢٨ دار الفكر بيروت)

وإن بقي من عظامهم شيء تنبش وترفع الآثار، وتتخذ مسجدًا، لما روي أن مسجد النبي صلى الله عليه وسلم كان قبلُ مقبرةً للمشركين فتنبشت. (شامي / باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت ٢٣٤/٢ كراچی)

إن بقيت آثارهم بأن بقي من عظامهم شيء ينبش ويقبر، ثم يجعل مقبرة المسلمين؛ لأن موضع مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم كان مقبرةً للمشركين فنبشت، واتخذها مسجدًا، كذا في المضمرات. (الفتاویٰ الهندية، كتاب

الوقف / الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات الخ ٤٦٩/٢ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۱۱/۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۳۰؍سال پرانی قبر کو عیدگاہ کے فرش میں شامل کرنا؟

سوال (۷۵۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کا انتقال ہوگیا، اُن کے وارثین نے اُن کو اپنے ہی کھیت میں ایک حصہ میں تقریباً ۳۰؍سال قبل دفن کردیا، یہ کھیت عیدگاہ کے متصل ہے، اَب عیدگاہ کی توسیع کی ضرورت پیش آئی، تو زید کے وارثین میں سے ایک نے اپنا حصہ عیدگاہ کو وقف کردیا، اور باقی تین وارثوں نے قیمتاً عیدگاہ کو دے دیا، اَب زید کی قبر بالکل محراب کے سامنے آگئی ہے۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کی اُس قبر کو قبرستان میں منتقل کردیں یا اُس کو ویسے ہی فرش کے برابر کردیں، یا اُس کو اِسی طرح چھوڑ دیں، جب کہ آئندہ ہوسکتا ہے کہ نسلیں اُس کو مزار بنالیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اُس قبر کو فرش کے برابر کردیں اور وہ جگہ عیدگاہ کی حدود میں شامل کرلیں۔

إذا بلی المیت وصار ترابًا یجوز زرعه والبناء علیه. (شامي / مطلب في إهداء ثواب القراءة للنبي صلی اللّٰه علیه وسلم ۱۵۵/۳ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۲/۱۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبرستان پر پلر ڈال کر عیدگاہ میں شامل کرنا؟

سوال (۷۵۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری عیدگاہ کے چاروں طرف قبرستان ہے، عیدگاہ کو چھوٹا لمبا کرنے کے لئے کوئی جگہ نہیں

ہے، اس کے چاروں طرف قبریں ہی قبریں ہیں، کیا ہم ان قبروں کے اوپر قریب ۳ یا ۴/ فٹ کی اونچائی پر لینٹر ڈال کر عیدگاہ میں شامل کر کے اس لینٹر پر جو قبروں کے اوپر ہے، عید یا جمعہ کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر عیدگاہ کو وسیع کرنے کی ضرورت ہے، تو قبرستان کی زمین میں بقدرِ ضرورت قدِ آدم پلر لگا کر لینٹر ڈال کر نماز کے لئے جگہ بنانے کی گنجائش ہے۔

قال ابن قاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين لدفع موتاهم، لايجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد.

(عمدة القاري شرح صحيح البخاري / باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مسجدًا الخ ١٧٩/٤ دمشق، ٤٣٥/٣ تحت رقم: ٤٢٨ دار الفكر بيروت)

ولو بلى الميت وصار ترابًا جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه.

(شامي، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت ١٣٨/٣ زكريا، ٢٣٨/٢ دار الفكر بيروت، ٢٣٣/٢ كراچی، الفتاویٰ الهندية / الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن ١٦٧/١، كذا في تبيين الحقائق / باب الجنائز ٥٨٩/١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/ ۸/ ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سرکاری کاغذات میں جو جگہ قبرستان کے نام درج ہے اُس پر عیدگاہ بنانا؟

سوال (۷۵۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مٹی کا ٹیلہ ہے اُس پر ایک پختہ قبر بشکل زیارت ہے، اُس کے اِردگرد تقریباً ڈیڑھ بیگھہ آراضی ہے، جو سرکاری کاغذات میں بنام قبرستان درج ہے، اور کچھ چنگی کی چھوٹ کی جگہ ہے،

نقشہ میں کچھ مجہول نا معلوم نام بھی درج ہیں۔

اَب اہلِ محلّہ اس جگہ کو بنام قبرستان قبضہ کررہے ہیں، قریب کے کھیت والے اور دوسرے گاؤں کے لوگ قبضہ کرنے کے خلاف ہیں، ایک قسم کے نزاع کی نوعیت بنی ہوئی ہے، تو قبضہ کرنے کے بعد اس جگہ پر مستقل عیدگاہ تعمیر کرنا اور وہاں عید کی نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو جگہ سرکاری کاغذات میں قبرستان کے نام درج ہے، اُس جگہ کو قبرستان ہی بنانا چاہئے، عیدگاہ یا کسی کی ذاتی ضروریات کے لئے اس جگہ کو استعمال کرنا درست نہ ہوگا۔

وسئل هو أيضًا عن المقبرة في القرى إذا اندرست ولم يبق فيها أثر الموتى، لا العظم ولا غيره، هل يجوز زرعها واستغلالها؟ قال: لا ولها حكم المقبرة؛ لأن المانع هنا كون المحل موقوفًا على الدفن، فلا يجوز استعماله في غيره. (الفتاویٰ الهندية / الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات الخ ۲/ ٤٧٠-٤٧١، كذا في فتح القدير / كتاب الوقف ٦/ ٢٤٠ دار الفكر بيروت)

ولا يجوز لأهل القرية الانتفاع بالمقبرة الداثرة. (البحر الرائق / كتاب الوقف ٥/ ٢٥٤ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۶/۱۱/ ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبرستان میں نماز جنازہ کے لئے چبوترہ بنانا؟

سوال (۷۵۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے گاؤں والے یہ بھی چاہتے ہیں کہ قبرستان کے مغرب وجنوب کے کونے میں نماز جنازہ کے لئے ایک چوکی بنادی جائے، کیا اِس طرح کرنا صحیح ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں حکم

شرعی سے مطلع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان کے خالی حصہ میں چبوترہ بنا کر اُس میں نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

أو كان في المقبرة موضع أعد للصلوٰة ولا قبر ولا نجاسة فلا بأس. (شامي ۴۲۵/۲ زكريا)

تكره الصلاة في المقبرة إلا أن يكون فيها موضع أعد للصلاة ولا نجاسة فيه ولا قذر فيه. (طحطاوي على المراقي ۳۵۷ ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۳/۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

❍❖❍

قبرستان کی آمدنی کے مصارف

قبرستان کی آمد کہاں خرچ کریں؟

سوال (۷۵۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبرستان کی آمد کو کہاں خرچ کریں؟ کیا قبرستان کی آمد مسجد یا مدرسہ میں کہیں خرچ کر سکتے ہیں؟ قبرستان کی چہار دیواری بھی نہیں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان کی آمدنی کو قبرستان ہی کی ضروریات میں صرف کیا جائے، قبرستان میں ضرورت رہتے ہوئے اُسے کسی دوسری مسجد یا مدرسہ وغیرہ میں صرف کرنا درست نہیں ہے۔

شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به.

(الدر المختار، كتاب الوقف / مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، ومطلب: بيان مفهوم المخالفة ٤٣٣/٤-٤٣٤ كراچی، ٦٤٩/٦ زكريا، وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف / الفن الثاني، الفوائد: ١٠٦/٢ إدارة القرآن كراچی، تنقيح الفتاوىٰ الحامدية ١٢٦/١ المكتبة الميمنية مصر)

فإن تداعت حيطان المقبرة إلى الخراب يصرف إليها أو إلى المسجد؟ قال: إلى ما هي وقف عليه إن عرف. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الوقف / الباب الثاني عشر، مطلب: الكلام على الأشجار التي في المقبرة ٤٧٦/٢-٤٧٧ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۱۱/۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ اور قبرستان کی آمدنی ایک مدرسہ میں خرچ کرنا؟

سوال (۷۵۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: موضع بیر پور تھان نزد دلپت پور ضلع مرادآباد میں اراضی قبرستان وسیع ہے جو کہ مدرسہ بدر العلوم کے ٹھیک سامنے ہے، اراکین مدرسہ وارا کین قبرستان ایک ہی ہیں، اراکین چاہتے ہیں کہ اراضی قبرستان میں چہار دیواری میں درخت لگوادئے جائیں، جس کی سیرابی وپرورش مدرسہ کرے، آئندہ چل کر اُن کی آمد ہو تو اُس کا نصف قبرستان اور نصف کا مالک مدرسہ ہو، کیا مدرسہ کی رقم قبرستان پر خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور رقم جو قبرستان کی آمد ہوئی ہے وہ بھی مدرسہ پر خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ اور قبرستان دو الگ الگ وقف ہیں، ایک کی آمدنی دوسرے میں لگانے کی اِجازت نہیں ہے، دونوں کا خرچ الگ الگ چلایا جائے۔

شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به.

(الدر المختار، كتاب الوقف / مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، ومطلب: بيان مفهوم المخالفة ٤/٤٣٣-٤٣٤ كراچی، ٦/٦٤٩ زكريا، وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف / الفن الثاني، الفوائد: ٢/١٠٦ إدارة القرآن كراچی، تنقيح الفتاوىٰ الحامدية ١/١٢٦ المكتبة الميمنية مصر)

وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجدًا ومدرسةً، ووقف عليهما أوقافًا، لا يجوز له ذٰلک (الدر المختار) قوله: لا يجوز له ذٰلک: أي الصرف المذكور ...... قال الخير الرملي: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنىٰ والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوىٰ الخ. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف / مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه ٦/٥٥١ زكريا، ٤/٣٦٠-٣٦١ كراچی)

وقد علم منه أنه لا يجوز لمتولي الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر. (البحر الرائق / كتاب الوقف ٥/ ٣٦٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۰/۱۱/۲۳ھ

قبرستان اور عیدگاہ کی متحدہ کمیٹی کا ایک مد کا پیسہ دوسری مد میں بطورقرض استعمال کرنا؟

سوال (۷۵۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری عیدگاہ قبرستان فنڈ میں کچھ رقم جو چندہ ودیگر طریقہ سے جمع کر کے بینک میں رکھی گئی ہے، عیدگاہ قبرستان کمیٹی اور مسجد کمیٹی دونوں اگر الگ ہیں یا ایک ہی کمیٹی ہے، یا اُس کے کارندے ایک ہی ہوں۔

اَب مسجد کی کمیٹی یہ چاہتی ہے کہ جو رقم قبرستان پر عیدگاہ کمیٹی کے پاس جمع ہے، اُس رقم کو اُدھار لے کر مسجد کمیٹی مسجد کے تعمیری کام میں لگانا چاہتی ہے، اِس فنڈ میں بینک کے ذریعہ دیا گیا سود بھی شامل ہے، کیا اِس سود کے پیسے کو مسجد کمیٹی اُدھار لے کر مسجد کے تعمیری کام پر لگاسکتی ہے یا نہیں؟ اور کتنے وقت کے بعد کمیٹی کو یہ پیسہ واپس کرنا چاہئے؟ اگر نہیں کرسکتے ہیں تو اِس کا دوسرا حل کیا ہوگا؟ شریعت میں جو بھی حکم ہو اُس کے متعلق جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں، جواب ہندی میں ہوگا، تو مجھے بڑی سہولت ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر عیدگاہ اور قبرستان کی کمیٹی ایک ہی ہو، اور اُس کے اراکین دین دار اور اَمانت دار ہوں، تو ضرورت کے وقت ایک مد میں جمع شدہ رقم دوسری مد میں بطورقرض صرف کی جاسکتی ہے؛ لیکن جیسے ہی متبادل انتظام ہوجائے، تو فوراً قرض کی ادائیگی کر کے حساب درست کرنا لازم ہے۔

وعلى الإمام أن يجعل لكل نوع من هذه الأنواع بيتًا يخصه، ولا يختلط بعضه ببعض؛ لأن لكل نوع حكمًا يختص به، إلى أن قال، ويجب على الإمام أن يتقي اللّٰه تعالىٰ وصرف إلى كل مستحق قدر حاجته من غير زيادة، فإن قصر ذٰلك كان اللّٰه عليه حسيبًا. (الأشباه والنظائر ١٨٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۸/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسجد، مکتب اور قبرستان کمیٹی متحد ہو، تو قبرستان کا روپیہ مسجد ومکتب میں لگانا کیسا ہے؟

سوال (۷۵۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری برادری نے ایک قبرستان کی جگہ خرید کر مسجد کے نام کردی ہے، اِسی طریقہ سے مسجد میں ایک مکتب بنوایا تو کیا قبرستان کی آمد (پیڑ درخت وغیرہ) کے پیسے مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ یا مسجد کے پیسے قبرستان کی مرمت میں لگا سکتے ہیں؟ اِسی طریقہ سے مسجد کے پیسے مکتب میں (مدرس) کی تنخواہ میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بظاہر سوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد اصل ہے، قبرستان اور مکتب اُس کے تابع ہیں، اور سب کی منتظمہ کمیٹی ایک ہے، اگر واقعہ ایسا ہی ہو تو ایسی صورت میں قبرستان کے پیڑوں کی آمدنی مسجد میں یا مسجد کی آمدنی قبرستان یا مکتب کے مدرس وغیرہ کی تنخواہ میں خرچ کرنا سب درست ہے، اور اگر انتظامی صورتِ حال اِس کے علاوہ ہو، تو تفصیل بیان کی جائے، اُس کے بعد ہی جواب دیا جائے گا۔

اتحد الواقف والجهة وقلّ مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه؛ لأنهما

حينئذ كشيء واحد. (شامي ٦/٥٥١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۱/۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ذاتی قبرستان کے لئے چھوڑی ہوئی زمین کے درخت کاٹ کر اپنے استعمال میں لانا؟

سوال (۷۵۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک آدمی نے اپنے خاندان والوں کے لئے اپنے ذاتی کھیت میں قبرستان کے لئے جگہ چھوڑ رکھی ہے، اور آم جامن وغیرہ کے کچھ درخت پہلے سے لگا رکھے ہیں، آدمی اُن درختوں کو بیچ کر اُن کی رقم کو علاج ومعالجہ میں خرچ کرسکتا ہے یا نہیں؟ عام حالت میں اُن درختوں کی رقم کا کیا حکم ہے؟ اور بحالتِ مجبوری کیا حکم ہے؟ اور اگر خود خرچ نہ کرسکے تو کون سے مصرف میں خرچ کرنا چاہئے؟ اور اگر خرچ کرچکا ہے تو کیا حکم ہے؟ حکم شرعی سے نوازیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ جگہ میں جو درخت قبرستان بنانے سے پہلے لگے ہوئے ہیں، آپ اُن کو کاٹ کر بلا تکلف اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں۔

مقبرةٌ عليها أشجارٌ عظيمةٌ، فهٰذا على وجهين: إما إن كانت الأشجار نابتة قبل اتخاذ الأرض مقبرة أو نبتت بعد اتخاذ الأرض مقبرة، ففي الوجه الأول المسئلة على قسمين: إما إن كانت الأرض مملوكة لها مالک، أو كانت مواتًا لا مالک لها، واتخذها أهل القرية مقبرة، ففي القسم الأول الأشجار بأصلها على ملک رب الأرض يصنع بالأشجار وأصلها ما شاء، وفي القسم الثاني الأشجار بأصلها على حالها القديم. (الفتاویٰ الهندية ٢/٤٧٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۶/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبرستان کے درخت کاٹ کرآمدنی قبرستان میں صرف کرنا؟

سوال (۷۵۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: وقف یا غیر وقف قبرستان میں درخت زیادہ ہیں جس سے مردوں کی تدفین میں تنگی ہورہی ہے، کیا اِن درختوں کو کاٹ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر کاٹیں تو اُن کی رقم کہاں لگائی جائے گی؟

نیز قبرستان کی صفائی کے اِرادے سے اُس کی ہری گھاس اور غیر ضروری درخت کاٹ سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان کے زائد درختوں کو کاٹ کر اُنہیں فروخت کردیا جائے، اور اُن کی آمدنی قبرستان کی ضروریات مثلاً: چہار دیواری وغیرہ میں صرف کردی جائے، اور صفائی کی غرض سے قبرستان کی ہری گھاس اور غیر ضروری درخت کاٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

إن نبتت الأشجار فیها بعد اتخاذ الأرض مقبرة، ولم یعلم الفارس، فالرأي فیها یکون للقاضي إن رایٰ أن یبیع الأشجار، ویصرف ثمنها إلیٰ عمارة المقبرة فله ذٰلک. (فتاویٰ قاضي خان، کتاب الوقف / فصل في الأشجار ۳۱۱/۳ زکریا، الفتاویٰ التاتارخانیة، باب الجنائز / الدفن والقبر ۱۷۳/۲ کراچی، بزازیة، کتاب الوقف / نوع في وقف المنقول ۲۶۱/۶ زکریا)

رجل جعل أرضه مقبرة وفیها أشجار فأراد ورثته أن یقطعوا الأشجار کان لهم ذٰلک؛ لأن موضع الأشجار کانت مشغولة. (فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ الهندیة ۳۱۱/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۵/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبرستان کے درختوں کا پیسہ مسجد میں لگانا؟

سوال (۷۶۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے گاؤں کے قبرستان میں کچھ درخت ہیں، جب کہ مسجد میں کچھ ضروریات ہیں، تو لوگوں کا اِرادہ ہورہا ہے کہ قبرستان کے درختوں کا پیسہ مسجد میں لگادیا جائے، تو کیا قرآن وحدیث کی روشنی میں قبرستان کے درختوں کا پیسہ مسجد میں لگاسکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان کے درختوں کا پیسہ مسجد میں نہ لگایا جائے؛ بلکہ قبرستان کے انتظام وتعمیر وغیرہ میں خرچ کیا جائے، مسجد کے لئے الگ سے روپئے کا انتظام کریں۔ عبارتِ فقہیہ سے یہی امر مستفاد ہوتا ہے، اور ایک وقف کی رقم دوسرے وقف میں خرچ کرنے سے متعلق حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے امداد الفتاویٰ میں متعدد فتاویٰ میں کلام فرمایا ہے۔ (دیکھئے: امداد الفتاویٰ ۲/۶۱۳-۶۲۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۷/۱۰/۱۴۱۳ھ

قبرستان کے اُوپر بنے کمروں کا کرایہ مسجد میں لگانا؟

سوال (۷۶۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے قومی قبرستان کی قبروں کے اُوپر چھت ڈال کر مسجد کی تعمیر کرانے والوں نے تین چار کمرے مسجد کی آمدنی کرنے کے لئے بنوادئے ہیں، تو قبرستان کے اوپر بنے ہوئے کمروں کا کرایہ مسجد میں لگ سکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو جگہ قبرستان کی ہے اُس کی آمدنی مسجد میں نہ لگائی جائے، اگر نزاع کا اندیشہ ہو تو بہتر ہے کہ وہاں دینی مکتب قائم کردیا جائے۔

علی أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفین واجبة. (شامي، کتاب الوقف / مطلب: مراعاة غرض الواقفین واجبة والعرف یصلح مخصصًا ٦٦٥/٦ زکریا، ٤٤٥/٤ کراچی)

شرط الواقف کنص الشارع أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به. (الدر المختار، کتاب الوقف / مطلب في قولهم شرط الواقف کنص الشارع، ومطلب: بیان مفهوم المخالفة ٤٣٣/٤-٤٣٤ کراچی، ٦٤٩/٦ زکریا، وکذا في الأشباه والنظائر، کتاب الوقف / الفن الثاني، الفوائد: ١٠٦/٢ إدارة القرآن کراچی، تنقیح الفتاویٰ الحامدیة ١٢٦/١ المکتبة المیمنیة مصر)

لأن شرط الواقف یجب اتباعه لقولهم شرط الواقف کنص الشارع أي في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة؛ لأن مخالفته کمخالفة النص. (الأشباه والنظائر، الفن الثاني / کتاب الوقف ١٠٦/٢ زکریا، ٣٠٥/١ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۵/۹/۱۹ھ

موقوفہ قبرستان میں دوکان بنا کر آمدنی مدرسہ میں صرف کرنا؟

سوال (۶۲۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قصبہ تمبور ضلع سیتاپور میں ایک پرانا قبرستان آباد ہے، اُس میں مردے دفن کئے جاتے ہیں، اَب تک اُس کی رجسٹرڈ کمیٹی نہیں تھی، مسلمان عمومی رائے سے اُس کی دیکھ بھال کرتے تھے، اَب زید جو کہ ایک مدرسہ کا مہتمم ہے، اُس نے ایک کمیٹی تشکیل کر کے رجسٹرڈ کروائی ہے، اور اُس قبرستان میں ایک مسجد عمومی چندہ سے بنوائی ہے، اور مسجد کے دو جانب دوکانیں کچھ رقم مدرسہ کی تحویل سے لے کر اور کچھ رقم کرایہ داروں سے پیشگی بطور پگڑی لے کر بنوائی ہے، اور اُن کی آمدنی مدرسہ کے صرفہ میں لائی جاتی ہے، اُن دوکانوں پر لکھوایا ہے کہ وقف فی سبیل اللہ برائے مدرسہ اسلامیہ ضیاء العلوم تمبور۔

قابلِ دریافت امر یہ ہے کہ زید کے لئے مندرجہ بالا اُمور یعنی قبرستان میں دوکانیں بنانا جب کہ مسلمانوں کو قبرستان کی سخت ضرورت ہے اور قبرستان میں بنی ہوئی دوکانوں کی آمدنی مدرسہ

پرصرف کرنا اور دوکانوں پر مندرجہ بالا عبارت لکھنا نیز مدرسہ کی آمدنی سے قبرستان کی دوکانیں بنانا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسبِ تحریر سوال جب کہ قبرستان موقوفہ ہے اور اُس کا رقبہ اُس کی آئندہ اور موجودہ ضرورت سے زائد نہیں ہے، تو اُس میں واقف کی شرائط کے خلاف دوکان وغیرہ بنوانا اور اُن کی آمدنی قبرستان کے بجائے مدرسہ پر خرچ کرنا، اِسی طرح مدرسہ کی رقم قبرستان کی تعمیر میں لگانا جائز نہیں ہے؛ اِس لئے کہ یہ سب اُمور وقف کرنے والے کی منشاء کے خلاف ہیں، جس کا لحاظ کرنا شرعاً لازم اور ضروری ہے۔

علی أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامي، كتاب الوقف / مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة والعرف يصلح مخصصًا ٦٦٥/٦ زكريا، ٤٤٥/٤ كراچی)

وسئل هو أيضًا عن المقبرة في القرىٰ إذا اندرست، ولم يبق أثر الموتىٰ، لا العظم ولا غيره: هل يجوز زرعها واستغلالها؟ قال: لا، ولها حكم المقبرة. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الوقف / الباب الثاني عشر في الرباطات والخانات الخ ٤٧٠/٢ زكريا)

مقبرة قديمةٌ ...... هل يباح لأهل المحلة الانتفاع بها؟ قال أبو نصر: لا يباح. (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ الهندية، كتاب الوقف / فصل في المقابر ٣١٤/٣ زكريا)

ويكره أن يبنى على القبر. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة / باب الجنائز ٥٨٧/١ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۴/۲/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبرستان کی آمدنی مدرسہ مسجد اور عیدگاہ کی ضروریات میں صرف کرنا؟

سوال (۷۶۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ایک گاؤں ہے جس میں رہنے والے زیادہ تر غریب مسلمان ہیں، دین کی اشاعت کے لئے مدرسہ بھی ہے؛ لیکن غربت کی وجہ سے کبھی چلتا ہے اور کبھی بند ہوجاتا ہے، وہاں جو قبرستان ہے اُس قبرستان سے سالانہ کچھ آمدنی کا ذریعہ ہے، جیسے گھاس یا پیڑ وغیرہ، کہ مدرسہ کو جاری رکھنے کے لئے اس گھاس یا پیڑ وغیرہ کی قیمت سے مدرسین کو تنخواہ دینا یا تعمیرات پر خرچ کرنا، نیز گاؤں کے غریب بچوں کا نکاح کرنا، عیدگاہ یا مسجد کی تعمیرات میں خرچ کرنا درست ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان کی آمدنی قبرستان ہی کی ضروریات میں خرچ کی جائے، مدرسہ مسجد اور عیدگاہ کے لئے الگ سے آمدنی فنڈ حاصل کیا جائے۔

على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامي، كتاب الوقف / مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة والعرف يصلح مخصصًا ٦٦٥/٦ زكريا، ٤٤٥/٤ كراچی)

سئل نجم الدين عن رجل غرس تالة في مسجد، فكبرت بعد سنين، فأراد متولي المسجد أن يصرف هٰذه الشجرة إلى عمارة بئر في هٰذه السكة، والغارس يقول: هي لي، فإني ما وقفتُها على المسجد؟ قال: الظاهر أن الغارس جعلها للمسجد، فلا يجوز صرفها إلى البئر، ولا يجوز للغارس صرفها إلى حاجة نفسه. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / باب الجنائز، القبر والدفن ٨٧٦/٥ إدارة القرآن كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۵/۱۲/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبرستان یا مدرسہ کی جمع شدہ رقم الیکشن وغیرہ میں خرچ کرنا؟

سوال (۷۶۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبرستان کی آمد یا مدرسہ کے جمع شدہ عمومی چندہ کی رقومات میں سے سرکاری اُمور مثلاً: M.L.A یا M.P یا مکھیا سرپنچ کے الیکشن پر صرف کرنا درست ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان اور مدرسہ کی رقومات الیکشن وغیرہ کے مصارف پر خرچ کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، اِن اِمور میں خرچ کرنے پر سخت وبال ہوگا۔

سئل نجم الدين في مقبرة فيها أشجار ...... قيل له: فإن تداعت حيطان المقبرة إلى الخراب يصرف إليها أو إلى المسجد؟ قال: إلى ما هي وقف عليه.

(الفتاویٰ الهندية، كتاب الوقف / الباب الثاني عشر، مطلب: الكلام على الأشجار التي في المقبرة ٤٧٦/٢ زكريا)

قوله: لا يجوز له ذٰلک: أي الصرف المذكور ...... قال الخير الرملي: أقول ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنىٰ، والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوىٰ. (شامي، كتاب الوقف / مطلب في أنقاض المسجد ونحوه ٣٦١/٤ كراچی، وكذا في الفتاوىٰ الهندية، كتاب الوقف / الباب الثالث عشر في الأوقاف التي يستغني الخ ٤٧٨/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۵/۱۲/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبرستان کی گھاس اور درختوں کی آمدنی کا استعمال؟

سوال (٧٦٥): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں قبرستان کی گھاس کا ہر سال نیلام ہوتا ہے، جس سے کچھ رقم جمع ہوجاتی ہے، اور قبرستان میں درخت ہیں جو کہ غیر پھل والے ہیں، اُن کو فروخت کرنے پر دس ہزار روپئے مل سکتے ہیں، تو کیا ان روپیوں کو مسجد کی عمارت میں یا مدرسہ کی عمارت میں استعمال کرسکتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر اُس کو کہاں پر استعمال کیا جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس روپئے کو قبرستان ہی میں لگانا چاہئے، اگر وہاں

ضرورت نہ ہوتو قریبی قبرستان میں لگائیں، وہاں بھی نہ موقع ہو اور رقم کے ضیاع کا اندیشہ ہو تو قریبی مسجد یا مدرسہ میں لگا سکتے ہیں۔

وما فضل من ربع الوقف واستغنى عنه، فإنه يصرف في نظير تلك الجهة، كالمسجد إذا فضلت غلة وقفه عن مصالحه، صرف في مسجد آخر؛ لأن الواقف غرضه في الجنس، والجنس واحد ...... فإن هٰذا الفاضل لا سبيل إلى صرفه إليه، ولا إلى تعطيله، فصرفه في جنس المقصود أولىٰ، وهو أقرب الطرق إلى مقصود الواقف. (فقه السنة، كتاب الوقف / فاضل ربع الوقف يصرف في مثله ٥٢٩/٣ دار الكتاب العربي بيروت)

وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض. (الدر المختار) وفي شرح الملتقىٰ: يصرف وقفها لأقرب مجانس لها الخ. (رد المحتار، كتاب الوقف / مطلب فيما لو خرب المسجد أو غريه ٣٥٩/٤ كراچی)

شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به. (الدر المختار، كتاب الوقف / مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، ومطلب: بيان مفهوم المخالفة ٤٣٣/٤-٤٣٤ كراچی، ٦٤٩/٦ زكريا، وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف / الفن الثاني، الفوائد: ١٠٦/٢ إدارة القرآن كراچی، تنقيح الفتاویٰ الحامدية ١٢٦/١ المكتبة الميمنية مصر)

لأن مخالفته كمخالفة النص. (الأشباه والنظائر ١٩٢/١)

ويبدأ من غلته بعمارته ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد (الدر المختار) أي فإن انتهت عمارته وفضل من الغلة شيء يبدأ بما هو أقرب للعمارة وهو عمارته المعنوية التي هي قيام شعائره. (شامي ٣٦٧/٤ كراچی، ٥٥٩/٦ زكريا)

وسئل نجم الدين عن أشجار في مقبرة هل يجوز صرفها في عمارة المسجد؟ قال نعم! إن لم يكن وقفًا على وجه آخر، قيل له: فإن تداعت حوائط

المقبرة إلى الخراب أيصرف إليها أو إلى المسجد، قال إلى ما وقف عليه إن عرف، وإن لم يكن للمسجد متول ولا للمقبرة فليس للعامة التصرف فيها بدون إذن القاضي. (المحيط البرهاني ۱٤٩/٩ رقم: ١١٤٣٤ بيروت، الفتاوىٰ الهندية ٤٧٦/٤، وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، باب الجنائز / القبر والدفن ٨٧٦/٥ إدارة القرآن كراچی)

وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بها فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباطٍ أو بئرٍ أو حوضٍ (الدر المختار) وفي شرح الملتقى: يصرف وقفها لأقرب مجانس لها. (شامي ٣٥٩/٤ كراچی، فقه السنة / كتاب الوقف ٥٢٩/٣ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۸/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبرستان کی آمدنی سے میت کی چار پائی اور نہلانے کا تختہ خریدنا؟

سوال (۷٦٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے قبرستان میں پیڑ ہیں، اُن کو فروخت کر کے قبرستان کے فنڈ میں آمد جمع ہو جاتی ہے، قبرستان کی گھاس نیلام کر کے اُس کی آمد ہو جاتی ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کیا قبرستان کی اس گھاس کی آمد سے میت کی چار پائی نہلانے کا تختہ قبر کھودنے کے آلات خرید سکتے ہیں؟

بعض مرتبہ ہماری بستی میں کسی غریب کا انتقال ہوتا ہے، اُس کے پاس کفن اور قبر کے پاٹن یعنی تختوں اور لکڑی کا انتظام نہیں ہوتا، معلوم یہ کرنا ہے کیا قبرستان کی مذکورہ بالا آمد سے غریب کے کفن پاٹن وغیرہ کا انتظام کر سکتے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عرف میں میت کی چار پائی اور نہلانے کا تختہ قبرستان ہی کی ضروریات ومصارف میں داخل ہیں، اِس لئے قبرستان کی آمدنی اِن چیزوں کی خریداری میں

لگانے کی گنجائش ہے۔

سئل نجم الدين في مقبرة فيها أشجارٌ، هل يجوز صرفها في عمارة المسجد؟ قال نعم! ...... فإن تداعت حيطان المقبرة إلى الخراب يصرف إليها أو إلى المسجد؟ قال: إلى ما هي وقف عليه إن عرف. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الوقف / الباب الثاني عشر، مطلب: الكلام على الأشجار التي في المقبرة ٤٧٦/٢-٤٧٧ زكريا)

وفي شرح الملتقى: يصرف وقفها لأقرب مجانس لها. (شامي ٣٥٩/٤ كراچی، فقه السنة / كتاب الوقف ٥٢٩/٣ بيروت، ٥٤٩/٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۷/۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبرستان کی آمدنی سے غریب میتوں کی تجہیز وتکفین کرنا؟

سوال (٧٦٦): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبرستان کا کوئی واقف نہیں ہے، پوری بستی والے ہی ذمہ دار ہیں، قبرستان میں کوئی ضرورت کوئی کام ہوتا ہے، تو بستی والوں کے مشورہ ہی سے ہوتا ہے، اگر بستی والے مشورہ سے کسی غریب کا کفن اور پاٹن قبرستان کی آمد سے انتظام کرنا چاہیں، تو کیا کر سکتے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: قبرستان کی مذکورہ بالا آمدنی سے غریب لوگوں کے کفن دفن کا انتظام بستی والوں کے مشورہ سے بلا شبہ درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۱۸۲/۱۴)

وكره لكم قيل وقال: ...... وإضاعة المال. (صحيح البخاري ٨٨٤/٢)

إذا استغنى هٰذا المسجد يصرف إلى فقراء المسلمين فيجوز ذٰلك؛ لأن جنس هٰذه القرية مما لا ينقطع. (فتاویٰ قاضي خان على هامش الهندية ٢٨٨/٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۷/۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبرستان کے درختوں کی قیمت سے گاؤں میں نئی مسجد تعمیر کرنا؟

سوال (۷۶۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے گاؤں میں تقریباً سو سے زائد مسلمانوں کے گھر ہیں، مگر گاؤں میں ایک ہی مسجد ہے اور گاؤں بہت بڑا ہے، نماز کے لئے جانے میں گاؤں والوں کو بہت لمبی دوری طے کرنا پڑتا ہے، اور اکثر اذان بھی نہیں سنائی دیتی، تو گاؤں کے کچھ لوگوں نے مشورہ کرکے دوسری مسجد بنانی چاہی، تو کیا دوسری مسجد بنانے کی اجازت ہے؟ اگر ہے تو اس کی تعمیر کے خرچ کے لئے رقم موجود نہیں ہے، مگر گاؤں میں ایک خاندانی قبرستان ہے، اس کے علاوہ اور بھی دوسرا قبرستان ہے، اور خاندانی قبرستان میں تمام درخت لگے ہوئے ہیں، خاندان کے سبھی لوگوں کا کہنا ہے کہ قبرستان کے درختوں کو کاٹ کر فروخت کردیا جائے اور اس کی رقم مسجد کی تعمیر میں استعمال کرلی جائے، تو کیا قبرستان کے درختوں کی رقم کو مسجد میں استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ضرورت کی بنا پر مذکورہ گاؤں میں نئی مسجد کی تعمیر بلا شبہ درست ہے، اور اِس تعمیر کے لئے امدادی رقم جمع کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اور خاندانی ملکیت والے قبرستان کے درخت مالکین اپنی مرضی سے فروخت کرکے اُس کی قیمت مسجد میں لگادیں تو اس کی بھی گنجائش ہے؛ البتہ اگر قبرستان تمام مسلمانوں کے لئے وقف ہو، ملکیت کا نہ ہو، تو اس کے کاٹے گئے درختوں کی قیمت مسجد کی تعمیر میں اُسی وقت صرف ہوسکتی ہے، جب کہ قبرستان میں رقم لگانے کی ضرورت باقی نہ رہی ہو، مثلاً اُس کی چہار دیواری وغیرہ پہلے ہی سے بنی ہوئی ہو، اور اگر عام قبرستان میں خرچ کی ضرورت ہے تو اولاً حاصل شدہ قیمت سے قبرستان کی ضرورت پوری کی جائے گی، اور اِس رقم کو دوسری جگہ لگانا درست نہ ہوگا۔

رجل جعل أرضه مقبرة وفیها أشجار فأراد ورثته أن یقطعوا الأشجار کان لهم ذٰلک؛ لأن موضع الأشجار کانت مشغولة. (فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ

الهندية ۳۱/۱ ۳۱، الفتاویٰ التاتارخانية ۸۷۳/٥)

وسئل نجم الدين عن أشجار في مقبرة هل يجوز صرفها في عمارة المسجد؟ قال نعم! إن لم يكن وقفًا على وجه آخر، قيل له: فإن تداعت حوائط المقبرة إلى الخراب أيصرف إليها أو إلى المسجد، قال إلى ما وقف عليه إن عرف، وإن لم يكن للمسجد متول ولا للمقبرة فليس للعامة التصرف فيها بدون إذن القاضي. (المحيط البرهاني ١٤٩/٩ رقم: ١١٤٣٤ بيروت، الفتاوىٰ الهندية ٤٧٦/٤، وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، باب الجنائز / القبر والدفن ٨٧٦/٥ إدارة القرآن كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۸/۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

متفرقات

قبرستان میں مردوں کی تدفین کی اُجرت لینا؟

سوال (۷۶۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبرستان میں مردوں کو دفن کرانے کی رقم لی جاتی ہے، اُس کا لینا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موقوفہ قبرستان میں صرف دفن پر معاوضہ لینا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ جگہ اہل اسلام کی اَموات کی تدفین کے لئے ہی وقف ہے؛ البتہ قبر کھودوانے کی اُجرت لی جاسکتی ہے۔

الوقف علی ثلاثۃ أوجه: أما للفقراء، أو للأغنياء، ثم الفقراء، أو يستوي فيه الفريقان كرباط وخان ومقابر ...... لاحتياج الكل لذلک. (الدر المختار مع الشامي ٦٠٣/٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۱/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

محلّہ کے قبرستان میں دوسرے محلّہ کے مردوں کو دفن کرنے پر معاوضہ لینا؟

سوال (۷۷۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک قبرستان صرف ہمارے محلّہ کے میت کو دفن کے لئے وقف ہے، قبرستان کے متصل ایک مدرسہ بھی ہے، جس کی وجہ سے دوسرے محلّہ کے لوگ بھی اپنی میت کو اِس قبرستان میں دفن کرنا

چاہتے ہیں، اور قبرستان میں اِس کی گنجائش نہیں کہ عمومی طور پر دوسرے محلوں کے لوگوں کو دفن کی اِجازت دی جائے؛ اِس لئے قبرستان کمیٹی دوسرے محلوں کے لئے ہر قبر کے عوض میں چار ہزار روپئے لے کر دفن کی اِجازت دیتے ہیں، مگر اُس زمین کو میت اور ورثہ میت کو کلیۃً مالک نہیں بنادیتے ہیں کہ جس میں وہ لوگ دفن کے علاوہ دیگر تصرف بھی کرسکیں، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ روپئے لے کر ایک میت کو دفن کی اِجازت دی، پھر کئی سال بعد پہلی قبر کا نشان جب مٹ جاتا ہے، تو پھر اُسی جگہ کو دوسرے میت والوں سے روپئے لے کر دفن کی اِجازت دیتے ہیں۔

اَب سوال یہ ہے کہ کیا موقوفہ قبرستان میں دوسرے محلّہ والوں سے روپئے لے کر دفن کی اِجازت دینا اور اُس میں روپئے لینا درست ہوگا یا نہیں؟ اگر روپئے لینا درست ہے تو اس روپئے کو قبرستان کی ضرورت میں خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟ یا غرباء پر صدقہ کردینا واجب ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ قبرستان اگر واقعۃً ایک ہی محلّہ والوں کے لئے وقف ہے، تو اُس قبرستان میں دوسرے محلّہ والوں کو دفن کرنے کی اِجازت دینا عوضاً یا بلاعوض کسی بھی طرح درست نہیں ہے؛ اِس لئے آئندہ کسی غیر محلے والے کو دفن نہ کیا جائے، اور اَب تک اس سلسلہ میں جو روپئے لئے گئے ہیں، اُنہیں اگر ممکن ہو تو اصل مالکوں کو واپس کردیا جائے۔

لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة؛ ولأنه لا موجب لتجويزه. (شامي / مطلب لا يستبدل العامر إلا في أربع ٣٨٨/٤ كراچی، ٥٨٩/٦ زكريا)

شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به.

(الدر المختار، كتاب الوقف / مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، ومطلب: بيان مفهوم المخالفة ٤٣٣/٤-٤٣٤ كراچی، ٦٤٩/٦ زكريا، وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف / الفن الثاني، الفوائد: ١٠٦/٢ إدارة القرآن كراچی، تنقيح الفتاویٰ الحامدية ١٢٦/١ المكتبة الميمنية مصر) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۲/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موقوفہ قبرستان میں تدفین کیلئے ڈونیشن کی شرط لگا کر رقم لینا؟

سوال (۱۷۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شہر وشارم میں الحمدللہ ایک ہی جماعت اور ایک ہی قبرستان ہے، اِس قبرستان کی زمین کو ایک نیک پارسا خاتون مرحومہ نے وقف کیا ہے، تقریباً یہاں ہر میت کے ذمہ داروں کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ قبرستان کے شروع اول حصہ میں ہی یا اُسی سے پہلے دفن شدہ والد والدہ خاوند یا شوہر کے بازو میں ہی میت کو دفن کیا جائے، جس کی وجہ سے انتظام میں الجھن اور کبھی کبھی نزاع وجھگڑے کی صورت بھی پیش آجاتی تھی، اس اُلجھن وجھگڑے سے چھٹکارا پانے کے لئے قبرستان میں تین ترتیب قائم کرکے تدفین کے لئے بلڈنگ ڈونیشن کے نام سے رقم حاصل کی گئی، اور چوتھی ترتیب بلا ڈونیشن لئے بھی تدفین کی جاتی تھی، کبھی بھی کسی کو کسی ترتیب میں دفن کرنے پر جبروزبردستی نہیں کی گئی، یہ صرف جماعت کے انتظامی اقدام میں سے ایک کارروائی تھی نہ کہ موٹی کے گھر سے میت کے دن رقم اینٹھنے کا حربہ، اِس طرح سے انتظام کرنے پر ساری الجھن دفع اور ختم ہوگئی۔

اب سوال یہ ہے کہ اِس طرح سے قبرستان میں جھگڑے سے بچاؤ اور احتراز کی خاطر بلڈنگ ڈونیشن اور بلا بلڈنگ ڈونیشن ترتیب قائم کرسکتے ہیں؟ اور اگر قائم کرسکتے ہیں تو اِس وصول شدہ رقم کو بلڈنگ میں جماعت کی رہائشی مکانات ودکانات میں صرف کرسکتے ہیں، یا اس رقم کا مصرف کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موقوفہ قبرستان کے کسی خاص حصہ میں تدفین کے لئے ڈونیشن (تعاون) کی شرط لگا کر رقم لینا شرعاً درست نہیں ہے؛ لہٰذا آئندہ رقم لینے کا سلسلہ موقوف کیا جائے، اور اِس مد میں جو رقم جمع ہوئی ہے وہ معطیان یا اُن کے وارثین کی اِجازت سے جماعت کے مدارس ومساجد میں خرچ کردی جائے، اور قبرستان میں تدفین کا ایسا نظام بنایا جائے کہ ایک ترتیب سے قبریں بنائی جائیں، اور بروقت جس میت کے لئے جو جگہ دستیاب ہو وہیں اُسے دفنا دیا

جائے، اور اُس میں کوئی امتیاز نہ برتا جائے؛ تاکہ نزاع کا موقع نہ ہو۔

الوقف علی ثلاثة أوجه: أما للفقراء، أو للأغنياء، ثم الفقراء، أو يستوي فيه الفريقان كرباط وخان ومقابر ...... لاحتياج الكل لذلك. (الدر المختار مع الشامي ٦٠٣/٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۸/۱۰/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کی مملوکہ زمین میں سے قبر بنانے کے لئے جگہ خریدنا؟

سوال (۷۷۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ کے اِحاطہ کے اندر اصل وقف سے متصل مدرسہ کی خریدی ہوئی زمین میں ایک قبر کے بقدر جگہ خرید کر مدرسہ کے مہتمم یا صدر المدرسین یا کسی خاص آدمی کو دفن کرنا اگرچہ بہتر نہیں؛ لیکن جائز ہوگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ اپنی ملکیت والی زمین ضرورت ومصلحت کے اعتبار سے فروخت کرسکتا ہے، اور فروخت کرنے کے بعد اس جگہ میں قبر بنانے کی فی الجملہ اِجازت ہے؛ لیکن مصلحت کے خلاف ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۵۸۰/۱۵-۵۸۱ ڈابھیل)

فإذا أراد المتولي أن يبيع ما اشترى وباع، اختلفوا فيه، قال بعضهم: يجوز هٰذا البيع، وهو الصحيح؛ لأن المشتري لم يذكر شيئًا من شرائط الوقف، فلا يكون ما اشترى من جملة أوقاف المسجد الخ. (فتاویٰ خانية علی هامش الهندية ٢٩٧/٣)

وفي الفتاویٰ العتابية: فإذا اجتمعت غلة فاشترى بها بيوتًا للغلة جاز، وهل تصير وقفًا؟ اختلف المشايخ فيه، والمختار أنه يجوز بيعها إن احتاجوا إليه. (الفتاویٰ التاتارخانية ٧٥٦/٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۲/۱/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دوسرے کی زمین بلا اِجازت قبرستان میں شامل کرنا؟

سوال (۷۷۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبرستان بروالان مزرعہ پرگنہ ضلع مرادآباد میں کھسرہ نمبر ۷۴ کا واقع ہے، جس کا رقبہ چک بندی کے حساب سے 0.85 ڈسمل قائم ہے، اَب گاؤں کے پردھان اور کچھ لوگوں نے قبرستان کے جنوب کی کاشت کی زمین کھسرہ نمبر 75 میں سے کافی زمین قبرستان میں شامل کرکے اُس کی دیوار زبردستی بنالی ہے۔

حضرت فرمائیں کہ کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ کیا اُس میں کسی کو دفن کیا جاسکتا ہے؟ کیا مالک کی مرضی کے بغیر اُسی کے چوکوں سے طاقت کے بل پر دیوار بنوائی جاسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوسرے کی زمین کو قبرستان میں اُس کی اِجازت کے بغیر شامل کرلینا غصب وحرام ہے، اُس میں دفن کرنا جائز نہیں، مسئلہ تو یہاں تک ہے کہ اگر غصب کردہ زمین میں دفن کیا، تو زمین کے مالک کو اختیار رہے کہ مردہ کو اپنی زمین سے نکال دے۔

ولا يخرج منه بعد إهالة التراب إلا لحق آدمي كأن تكون الأرض **مغصوبة.** (الدر المختار مع الشامي / باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت ۳/۱٤٥ زكريا)

لٰہذا صورتِ مسئولہ میں اُن لوگوں کا عمل شرعاً جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۱/۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گاؤں کی زمین پر ناجائز قبضہ کرکے اُس میں قبرستان بنانا؟

سوال (۷۷۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے گاؤں سے تقریباً تین کلومیٹر دور ایک بستی ہے، جس کا رقبہ اور زمین ہمارے گاؤں سے متصل ہے، ہم لوگوں کے آباء واجداد نے ناجائز طور پر اس بستی کے کچھ رقبے پر قبضہ کرکے

قبرستان بنا دیا، انگریزی دور میں مقدمہ چلا اور ہمارے گاؤں والے مقدمہ جیت گئے، اَب سارے گاؤں کے لوگ اُسی قبرستان میں دفن کرتے ہیں، اَب زمین کی قیمت دینا دشوار ہے؛ کیوں کہ اُس گاؤں کے وہ بڑے بوڑھے مرچکے ہیں، ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟ نیز اُس میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ زمین اگر حکومت کی ملکیت تھی، جس میں تصرف کی اِجازت مقدمہ کے فیصلہ کے ذریعہ حاصل ہوچکی ہے، تو اُس میں اموات کو دفن کرنا بلا تردد جائز ہے، اور کسی کو قیمت کی ادائیگی کی ضرورت نہیں؛ البتہ اگر یہ زمین کسی کی شخصی ملکیت رہی ہو اور غلط ثبوت دے کر مقدمہ جیت لیا گیا ہو، تو اصل مالکین کے ورثہ کو اس جگہ کے معاوضہ کے مطالبہ کا حق ہوگا۔

واحترز بالمغصوبة عما إذا كانت وقفًا، قال في التاتارخانية أنفق مالاً في إصلاح قبر، فجاء رجل ودفن فيه ميتة، وكانت الأرض موقوفة يضمن ما أنفق فيه، ولا يحول ميته من مكانه؛ لأنه دفن في وقف. (شامي ۱۴۵/۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۱/۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبرستان کی قدیم آراضی پر سرکاری نشان دہی کرواکر تدفین شروع کرنا؟

سوال (۷۷۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں ایک قبرستان ہے، جوکہ گورنمنٹ محکمہ حال کے رجسٹروں میں بھی قبرستان ہے، یعنی آراضی بنام اہلِ اسلام؛ لیکن اُس میں قبروں کے سابقہ کوئی نشانات نہیں ہیں، صرف بزرگوں سے سنا ہے کہ یہ قبرستان کی جگہ ہے؛ لیکن اَب گاؤں کے لوگوں نے گورنمنٹ کے محکمہ حال سے تحصیل دار پٹواری کے ذریعہ اُس کی نشان دہی کروانے کے بعد اپنے مردوں کو اس میں دفن کرنا شروع کردیا ہے، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اِرد گرد والے لوگوں کی ملکیت ہے، اُس میں دفن کرنا جائز

نہیں ہے، کچھ لوگ کہتے ہیں جائز ہے، واضح فرمائیں صحیح کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرطِ صحتِ سوال جب کہ مذکورہ جگہ حکومت کی طرف سے قبرستان کے لئے عطا شدہ ہے، تو اُس میں مردوں کی تدفین بلا شبہ درست ہے، اُس جگہ پر کسی شخص کا قبضہ کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/۴۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۱۰/۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسجد کی زمین کو قبرستان کی بتلا کر سرکار سے لیا ہوا پیسہ مسجد میں لگانا؟

سوال (۷۷۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبرستان کے نام پر بہار سرکار سے مٹی بھرائی کے نام کا تین لاکھ روپئے لے کر اس رقم میں سے کچھ رقم سے قبرستان کا کام کراتے ہیں، اور بقیہ رقم سے مسجد کی تعمیر کرانا چاہتے ہیں، کیا اِس بقیہ رقم سے مسجد کی تعمیر کرانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کی زمین کو قبرستان دکھا کر دھوکہ دہی کے ساتھ سرکار سے جو رقم حاصل کی گئی ہے، اُس کو مسجد میں لگانا جائز نہیں ہے، مسجد میں صرف وہی رقم لگ سکتی ہے، جو ہر طرح سے حلال اور پاک ہو۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أيها الناس! إن الله طيبٌ لا يقبل إلا طيبًا. (صحيح مسلم، كتاب الزكاة / باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها ص: ٤٤ ٦ رقم: ١٠١٥ بيت الأفكار الدولية، مشكاة المصابيح ٢٤١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/۲/۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پرانے قبرستان کو عیدگاہ میں تبدیل کرنا؟

سوال (۷۷۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک عیدگاہ قبرستان میں پہلے سے موجود ہے اور اس پر عید اور بقرعید کی نماز برابر ہوتی چلی آرہی ہے، وہ عیدگاہ نمازیوں کے حساب سے ناکافی ہے، اب اس کی توسیع ہورہی ہے اور اس کو تین سائڈ سے بڑھایا جارہا ہے، اور اس کی جب بنیادیں کھودی جارہی ہیں تو اس میں قبریں نکل رہی ہیں، اور کچھ قبریں اس کے بیچ میں آجائیں گی جوکہ بھراؤ کراکر فرش کے برابر ہوجائیں گی، تو کیا اس عیدگاہ پر عید اور بقرعید کی نمازیں جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو قبریں بالکل پرانی ہوچکی ہیں اور میت مٹی بن چکی ہیں، اُن کو برابر کرکے عیدگاہ میں شامل کرنا درست ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۱/۴۸۹)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدًا لم أر بذٰلك بأسًا، وذٰلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لايجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضًا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاري ۱۷۹/٤، انوار رحمت ۱۳٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۳/۱۱/۳ھ

مزار کے اُوپر چھت کے ایک کنارے پر مدرسہ کیلئے غسل خانہ بنانا؟

سوال (۷۷۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مکان جس میں چھت کے اوپر والے حصہ میں مدرسہ ہے، اور نیچے والے حصہ میں تین مزار ہیں۔ اَب غور طلب بات یہ ہے کہ مزار کے اوپر چھت پر دائیں طرف چھجا ہے جو ساڑھے تین فٹ ہے، اُس میں بیت الخلاء یا غسل خانہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جو چھجہ مدرسہ کی چھت سے متصل دائیں طرف بنا ہوا ہے، اس میں مدرسہ کی ضرورت کے لئے بیت الخلاء وغیرہ بنانا شرعاً جائز ہے، اس سے مدرسہ یا مزار کی بے حرمتی لازم نہیں آئے گی۔

لا يكره ما ذكر أي من الوطأ والبول والتغوط ...... فوق بيت جعل فيه مسجدًا. (الدر المختار مع الشامي ۴۲۹/۲ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۱/۳/۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا ماں اپنے بچے اور ماں باپ کی قبر پر جاسکتی ہے؟

سوال (۷۷۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ماں اپنے بچے کی قبر پر اور ماں باپ کی قبر پر جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور نابالغ لڑکیاں قبرستان میں جاسکتی ہیں یا نہیں؟ اور بہن اپنے بھائی کی قبر پر جاسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتیں چوں کہ فطرۃً کمزور طبیعت اور بے صبر واقع ہوئی ہیں، اُنہیں قبرستان میں اعزاء کی قبروں پر جانے کی اجازت دینے میں اِس بات کا سخت خطرہ ہے کہ وہ قبروں پر جاکر ہائے واویلا اور جزع فزع کریں گی، اور ایک مستقل فتنہ سامنے آجائے گا؛ اِس لئے حضراتِ فقہاء نے عورتوں کو قبروں پر جانے سے سختی سے منع کیا ہے، اور ایسی عورت پر لعنت فرمائی ہے اور بزرگوں کے مزارات پر عورتوں کی حاضری انتہائی خطرناک اور فتنہ انگیز ہے؛ کیوں کہ اِس طرح کی جگہوں پر حیا باختہ نفس پرور اہلِ بدعت کا اجتماع ہوتا ہے، اور طرح طرح کی بدعات عمل میں لائی جاتی ہیں، جن میں شرکت کسی بھی صاحبِ ایمان کے لئے جائز نہیں ہے۔ خواتین کو تو بدرجہ اولیٰ ایسے منکرات کی جگہوں پر جانے سے سخت احتراز لازم ہے۔

سئل القاضي عن جواز خروج النساء إلى المقابر، فقال لا يسئل عن الجواز والفساد في مثل هٰذا، وإنما يسئل عن مقدار ما يلحقها من اللعن فيه، واعلم بأنها كلما قصدت الخروج كانت في لعنة اللّٰه وملائكته، وإذا خرجت الشيطان من كل جانب، وإذا أتت القبور يلعنها روح الميت، وإذا رجعت كانت في لعنة اللّٰه. (الفتاویٰ التاتارخانية ۱۸۲/۲، ومثله في الشامي ۱۵۱/۳ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۱/۳/۲۶ھ

مشترکہ پنچایتی سامان پر کسی ایک ممبر کا قبضہ کر کے غیر مصرف میں خرچ کرنا؟

سوال (۷۸۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کچھ پنچایتی تانبے کا سامان کسی ایک ممبر بھائی اَمیر جان صاحب کے پاس رکھا تھا، جس میں سے اکثر سامان تو ختم ہو چکا ہے، کچھ سامان موجود ہے، باقی ممبران سامان راہِ خدا میں دے کر اِس جھگڑے کو سلجھانا چاہئے؛ لیکن ممبر اَمیر جان صاحب اُس سامان کو دینا نہیں چاہتے ہیں۔ حضور والا سے درخواست ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں کہ اَب باقی ممبروں کو کیا کرنا چاہئے؟ ایسے شخص کے بارے میں شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پنچایتی مشترک سامان پر زبردستی قبضہ جمانا اور ممبروں کے اِصرار کے باوجود اُس کو صحیح مصرف میں خرچ نہ کرنا سراسر ظلم خیانت اور گناہ ہے، مذکورہ قابض شخص کو اپنے فعل سے باز آنا چاہئے، اور مابقیہ سامان ممبروں کے کہنے کے مطابق راہِ حق میں صرف کردینا چاہئے۔

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی

اللّٰه عليه وسلم: ألا لا تظلموا! ألا لا يحل مال امرء إلا بطيب نفس منه. (مشكاة المصابيح / باب الغصب والعارية، الفصل الثاني ٢٥٥، مرقاة المفاتيح / باب الغصب والعارية، الفصل الثاني ١١٨/٦ المكتبة الأشرفية ديوبند، المسند للإمام أحمد بن حنبل ٧٢/٥، شعب الإيمان للبيهقي ٣٨٧/٤ رقم: ٥٤٩٢ دار الكتب العلمية بيروت)

وليس لأحد الناظرين التصرف بغير رأي الآخر. (البحر الرائق ٢٣١/٥)

فاستفيد منه أنه إذا تصرف بما لايجوز كان خائنًا يستحق العزل. (البحر الرائق ٢٣٤/٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۱/۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبرستان کے ہرے یا سوکھے درخت کاٹنا؟

سوال (۷۸۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبرستان کے ہرے یا سوکھے پیڑ کاٹنا کیسا ہے؟ کسی غریب یا لاوارث کی تدفین میں قبرستان کے درخت کاٹ کر استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز قبرستان کے درخت کاٹ کر اُس کی لکڑی فروخت کر کے کسی مسجد یا مدرسہ کی تعمیر وغیرہ میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ خود اُسی قبرستان کی چہار دیواری جیسی ضروریات میں بھی رقم کی ضرورت ہے؟ وضاحت سے جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: ضرورت کے وقت قبرستان کے پیڑوں کو کاٹنا جائز ہے، اور اُن کو یا اُن کی قیمت کو قبرستان کی ضروریات ہی میں خرچ کرنا لازم ہے، اور لاوارث کی تدفین بھی عرفاً قبرستان کی ضروریات میں شامل ہے، اِس لئے مذکورہ رقم اس میں صرف کی جاسکتی ہے؛ لیکن کسی مسجد یا مدرسہ کی تعمیر میں یہ رقم نہیں لگائی جاسکتی؛ کیوں کہ مسجد ومدرسہ بالکل الگ مصرف ہے، اُس کا قبرستان سے کوئی جوڑ نہیں ہے۔

ويكـره أيضًـا قـطع النبات الرطب والحشيش من المقبرة دون اليابس. (شامي ۱۵۵/۳ زكريا)

وإن نبتت الأشجار فيها بعد اتخاذ الأرض مقبرة، فإن علم غارسها كانت للغارس، وإن لم يعلم الغارس فالرأي فيها للقاضي أن يبيع الأشجار، ويصرف ثمنها إلى عمارة المقبرة فله ذلك، ويكون في الحكم كأنها وقف. (خانية على الهندية ۳۱۱/۳)

لا يصرف فائض وقف لوقف آخر اتحد واقفها أو اختلف. (الأشباه والنظائر ۱۹۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۷/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کتاب الصید والذبائح

شکار کرنے کے شرعی اَحکام

بسم اللہ پڑھ کر بندوق یا تیر چلایا اور ذبح سے قبل جانور مر گیا؟

سوال (۱) :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حلال پرندہ کا شکار کرنے والا بندوق یا تیر بسم اللہ پڑھ کر چلاتا ہے، اور اَب گولی یا تیر لگنے سے وہ پرندہ مرجاتا ہے، ذبح کی نوبت نہیں آتی، اِسی طرح حلال جانور مثلاً نیل گائے یا ہرن پر وہ بسم اللہ پڑھ کر گولی چلاتا ہے، وہ جانور گولی لگنے سے فوری طور پر مرجاتا ہے یا کچھ دیر کے بعد بھاگتے بھاگتے مرجاتا ہے، شکاری پیچھا کرتا ہے؛ لیکن ذبح کی نوبت نہیں آئی کہ وہ جانور مرجاتا ہے؛ لہٰذا شکاری کے لئے یا غیر شکاری کے لئے وہ جانور حلال ہے یا نہیں؟ جب کہ بسم اللہ پڑھ کر گولی چلائی گئی اور خون بھی نکل گیا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بندوق کی گولی سے اگر جانور مر گیا ہے تو وہ حلال نہیں؛ کیوں کہ یہ گولی بارود کے زور سے اثر انداز ہوتی ہے، اِس لئے اس سے مارا ہوا جانور ''موقوذہ'' کے مشابہ ہے؛ البتہ اگر دھاردار تیر بسم اللہ پڑھ کر پھینکا اور اُس نے جانور کو زخمی کیا اور خون بہہ گیا، پھر ذبح سے قبل وہ جانور مر گیا، تو اُس کا کھانا حلال ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۶۱۹)

وأما الحنفية فالجمهور منهم في ديارنا على عدم حل المصيد بالرصاص ما لم يُدرِك حيًّا فيذبح بطريق مشروع، وحجتهم ما مرّ عن ابن عابدين من أن الرمي بالرصاص رض ووقذ، وليس جرحًا. وما ذكره الرافعي من أنه إن وقع الشك ولا يُدري مات بالجرح أو الثقل كان حرامًا. (تكملة فتح الملهم، كتاب الصيد

والذبائح / حکم الصید ببندقة الرصاص ۴۹۱/۳ مکتبة دار العلوم کراچی)

وما قتله المعراض بعرضه والبندقية حرامٌ. (تکملة: البحر الرائق مع الکنز الدقائق ۲۲۹/۸ کوئٹہ)

والأصل ...... أن الموت إذا حصل بالجرح بيقين حل، وإن بالثقل أو شک فيه فلا يحل حتمًا أو احتياطًا. (تبيين الحقائق / کتاب الصيد ۱۲۹/۷ دار الکتب العلمية بيروت)

ولايخفى أن الجرح بالرصاص إنما هو بالإحراق، والثقل بواسطة اندفاعه العنيف، إذ ليس له حد، فلا يحل وبه أفتى ابن نجيم. (شامي / کتاب الصيد ۴۷۱/۶ کراچی، ۶۰/۱۰ زکريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۲/۱۱/۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِیرگن سے زخمی جانور ذبح کے بغیر حلال نہ ہوگا

سوال (۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید بذریعہ ایرگن بسم اللہ پڑھ کر شکار کرتا ہے اور شکار کچھ دوری پر جا کر گرنے کی وجہ سے ذبح نہیں کرسکا اور شکار مرگیا، تو کیا وہ حلال ہے یا حرام، جب کہ ایرگن کا چھرا کافی نوک دار رہوتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایرگن کے چھرے سے اگر جانور زخمی ہوجائے پھر بھی وہ حلال نہ ہوگا؛ اِس لئے کہ یہ چھرا دھاردار چیز نہیں ہے، اور اس کے ذریعہ سے دم مسفوح مکمل طور پر خارج ہونے میں شک ہے، اور شک کی وجہ سے جانور حلال نہیں ہوسکتا۔

وأما الحنفية فالجمهور منهم في ديارنا على عدم حل المصيد بالرصاص ما لم يُدرک حيًا فيذبح بطريق مشروع، وحجتهم ما مرّ عن ابن عابدين من أن الرمي بالرصاص رض ووقذ، وليس جرحًا، وما ذكره الرافعي من أنه إن وقع الشک ولا يُدري مات بالجرح أو الثقل، کان حرامًا. (تکملة فتح الملهم، کتاب الصيد

والذبائح / حکم الصید ببندقة الرصاص ۳/ ٤٩١ مکتبة دار العلوم کراچی)

أو (قتله) ببندقة ثقیلة ذات حدة لقتلها بالثقل لابالحد، ولو کانت خفیفة بها حدة حل لقتلها بالجرح، ولو لم یجرحه لایؤکل مطلقًا (الدر المختار) قال ابن عابدین: ولو کانت خفیفة یشیر إلی أن الثقیلة لا تحل وإن جرحت، قال قاضي خان: لا یحل صید البندقة والحجر والمعراض والعصا وما أشبه ذٰلک وإن جرح؛ لأنه لا یخرق إلا أن یکون شيء من ذٰلک قد حدده وطوله کالسهم ...... والأصل أن الموت إذا حصل بالجرح بیقین حل، وإن بالثقل أوشک فیه فلا یحل حتمًا أو احتیاطًا، ولا یخفی أن الجرح بالرصاص إنما هو بالاحراق، والثقل بواسطة اندفاعه العنیف إذ لیس له حد فلا یحل، وبه أفتی ابن نجیم. (الدر المختار مع الشامي / کتاب الصید ۱۰/ ۵۹- ٦۰ زکریا، کذا في تبیین الحقائق / کتاب الصید ۷/ ۱۲۹ دار الکتب العلمیة بیروت، کذا في سکب الأنهر علی هامش مجمع الأنهر / کتاب الصید ٤/ ۲٦۳ دار الکتب العلمیة بیروت، فتاویٰ قاضي خان علی الهندیة / کتاب الصید والذبائح ۳/ ۳٦۰ زکریا، البحر الرائق / کتاب الصید ۸/ ۲۲۹ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۴/۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بسم اللہ پڑھ کر تیر چلایا اور لگتے ہی جانور مر گیا؟

سوال (۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے تسمیہ پڑھ کر تیر چلایا اور اُس سے شکار کیا اور وہ فوراً مر گیا، اِس شکل میں اُس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شکار تیر ہی کے زخم سے مرا ہے کسی اور چیز کے ٹکرانے

اوراوپر سے نیچے گرنے کی وجہ سے نہ مرا ہو، اِسی طرح پانی میں گرکر نہ مرا ہو، تو اُس کا کھانا حلال ہے۔

عن القاسم في رجل رمى صيدًا على شاهق، فتردّى حتى وقع إلى الأرض وهو ميت، قال: إن كان يعلم أنه مات من ميته أكل، وإن كان شكّ أنه مات من التردّى لم يأكل. (المصنف لابن أبي شيبة / كتاب الصيد ٤٠٠/١٠ رقم: ٢٠٠٥٤)

عن عدي بن حاتم رضي الله عنه قال: سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الصيد؟ فقال: إذا رميت سهمک فاذكر اسم الله عزوجل، فإن وجدته قد قتل فكل، إلا أن تجده قد وقع في ماء، ولا تدري الماء قتله أو سهمک. (السنن الكبرىٰ للنسائي ١٥٢/٣ رقم: ٤٨١٠)

إذا رمى بآلة جارحة وسمىٰ إلى صيد فأصابه وجرحه يؤكل إذا جرح لقوله صلى الله عليه وسلم لعدي بن حاتم إذا رميت سهمک فاذكر اسم الله تعالىٰ عليه، فإن وجدته قد قتل، فكل إلا أن تجده قد وقع في ماء؛ فإنه لا تدري الماء قتله أو سهمک. (البحر الرائق ٢٢٦/٨، والحديث أخرجه البخاري ٨٢٤/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۹/۳/۲۴ھ

تیر چلانے کے بعد جانور کو تلاش نہیں کیا بعد میں وہ جانور کہیں مرا ہوا ملا؟

سوال (۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے تسمیہ پڑھ کر تیر چلایا، تیر کھا کر شکار بھاگ گیا، شکاری نے اُس کا تعاقب نہیں کیا، نہ ہی اُس کو تلاش کیا، اَچانک کہیں پر وہ شکار مردہ پڑا ہوا پایا گیا، تو اِس شکل میں اُس کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غائب ہونے کے بعد اُس شکار کو تلاش نہیں کیا اور

اچانک اُس کومرا ہوا پایا، تو کھانا جائز نہیں ہے۔

وإن قعد عن طلبه ثم أصابه ميتًا لم يؤكل. (الهداية ٤/٤٩٤، البحر الرائق ٢٢٧/٨)

لما روي عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه كره أكل الصيد إذا غاب عن الرامي، وقال: لعل هوام الأرض قتله. (أخرجه الطبراني في الكبير ١٩/٢١٥ رقم: ٤٧٨، بحواله: شامي ١٠/٥٥-٥٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۹/۳/۲۴ھ

تیر چلانے کے بعد بلاتوقف جانور کو تلاش کیا؟

سوال (۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے تسمیہ پڑھ کر تیر چلایا، تیر کھا کر شکار بھاگا، شکاری نے اُس کو تلاش کیا، کچھ وقت کے بعد وہ اُس کو مل گیا، اِس حالت میں کہ وہ مر چکا تھا اُس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر بلاتوقف تلاش کرتے ہوئے شکار مل جائے اور اُس پر کسی درندہ وغیرہ کا اثر نہ ملا ہو اور یقین ہو کہ تیر ہی کے زخم سے مرا ہے، تو اُس کا کھانا جائز ہے۔

عن عدي بن حاتم قال: قلت: يا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم! إنا أهل الصيد إن أحدنا يرمي الصيد فيغيب عنه الليلة والليلتين، فيبتغي الأثر فيجده ميتًا وسهمه فيه، قال: إذا وجدت السهم فيه ولم تجد فيه أثر سبع وعلمت أن سهمك قتله فكل. (سنن النسائي، كتاب الصيد / في الذي يرمي الصيد فيغيب عنه ١٩٦/٢، صحيح البخاري رقم: ٥٤٨٥، فتح الباري ٧٦٢/١٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۹/۳/۲۴ھ

مرا ہوا شکاری جانور غیر مسلم کو دینا؟

سوال (٦):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا مرے ہوئے شکار کو کسی غیر مسلم کو دینا جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مردار جانور کسی غیر مسلم کو بالقصد دینا بھی جائز نہیں ہے، اُسے ویسے ہی چھوڑ دینا چاہئے یا مٹی میں دبا دینا چاہئے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ [المائدة، جزءآیت: ۳]

وأما شرائطها فأنواع، ومنها: أن يكون مالاً متقومًا، فلا تجوز هبة ما ليس بمالٍ أصلاً كالحر والميتة والدم وصيد الحرم والخنزير. (الفتاویٰ الهندية / أول كتاب الهبة ٤/ ٣٧٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۴/۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جن جانوروں یا پرندوں پر حکومت کی پابندی ہے اُن کا شکار کرنا؟

سوال (۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حکومت کی طرف سے جن جانوروں یا پرندوں کے شکار پر پابندی ہے؛ لیکن شریعت کی طرف سے کوئی پابندی نہیں ہے، اُن جانوروں کو اگر کوئی شخص چپکے سے کاٹ دے یا شکار کرے، تو اُن جانوروں یا پرندوں کا گوشت کھانا یا شکار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حکومت کی طرف سے پابندی لگانے سے کوئی حلال جانور حرام نہیں ہوسکتا؛ لہٰذا حلال جانور کا شکار بہر حال حلال ہے، اور اُس کا گوشت کھانا درست ہے؛ لیکن حکومت کی قانون شکنی سے بچنے کا پیشگی انتظام کر لینا چاہئے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۸/ ۲۰۲)

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ﴾ [الحج، جزء آیت: ۳٦]

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ﴾ [الأنعام، جزء آیت: ١٤٤]

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: كنا مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في سفر، فحضر الأضحىٰ، فاشتركنا في البقرة سبعةً وفي البعير سبعةً.

وعن جابر رضي اللّٰه عنه قال: نحرنا مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بالحديبية البدنة عن سبعة، والبقرة عن سبعة. (سنن الترمذي / باب ما جاء في الاشتراك في الأضحية ٢٧٦/١، صحيح البخاري / باب الأضحية للمسافر والنساء ٨٣٢/٢، وكذا في إعلاء السنن، كتاب الأضاحي / بابٌ: أن البدنة عن سبعة ٢٠٥/١٧ إدارة القرآن كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۹/۱۱/۱۴۲۶ھ

شکار کے لئے کتا پالنا؟

سوال (۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کتا پالنے کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ اگر کسی شرط کے ساتھ پال سکتا ہو تو بھی تحریر کریں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوقیہ کتا پالنا شریعت میں جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر حفاظت یا شکار وغیرہ کے مقاصد سے کتا پالیں تو اُس کی گنجائش ہے۔

إن جواز اقتناء كلب الصيد والماشية والزرع ثابت بأحاديث صحيحه.

(تكملة فتح الملهم ٥٣١/١ المكتبة الأشرفية ديوبند)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من اتخذ كلبًا إلا كلب ماشية، أو صيد أو زرع انتقص من أجره كل يوم قيراط.

(سنن الترمذي، أبواب الصيد / باب من أمسك كلبًا ما ينقص من أجره ٢٧٤/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۵/۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سیلاب میں مملوکہ تالاب سے باہر نکلنے والی مچھلی کا شکار کرنا؟

سوال (۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم نے مچھلی پالنے کے لئے تالاب ۵؍سال کے لئے کرایہ پرلیا اوراس میں ہم نے مچھلی کے بچے چھوڑوائے، تالاب کی حدود کے چاروں طرف دیوار یا جالی سے مچھلی نہ بھاگنے کی روک لگادی؛ لیکن بارش وسیلاب کی وجہ سے مچھلی حدود سے باہر نکل گئی، جس کو دوسرے لوگ جال یا ڈگن سے مارنے لگے، تو کیا یہ مچھلی مارنا جائز ہے یا نہیں؟

تالاب سے ملا ہوا دوسرے کا کھیت ہے، سیلاب کی وجہ سے مچھلیاں اس میں بھی چلی گئیں اوروہ آدمی بھی اپنے کھیت میں مچھلیاں مارنے لگا، تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

تالاب سے ملی ہوئی سڑک ہے، اُس میں ٹاؤن کا بڑا سا نالہ ہے، جو بہہ رہا ہے، اوراُس میں بھی مچھلیاں پہنچ گئیں، تو کیا اُن مچھلیوں کو مارنا درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بارش یا سیلاب کی وجہ سے جومچھلیاں تالاب کی حدود سے باہر کھیتوں ٹاؤن کے نالوں اور دیگر جگہوں میں پہنچ گئیں ہیں، اور مالک بآسانی بغیر شکار کئے ہوئے پکڑنے پر قادر نہیں ہے، تو وہ مچھلیاں اُس کی ملکیت سے خارج ہوگئیں؛ لہٰذا اُن مچھلیوں کو دوسرے لوگوں کے لئے پکڑنا اور مارنا جائز ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الصيد لمن أخذ لا لمن أثاره. (نصب الراية للزيلعي / قبيل كتاب الرهن ٤/٣١٩ المجلس العلمي ڈابھیل)

قال في الأصل: ومن اصطاد سمكةً من نهرٍ جار لرجل لا يقدر على أخذ صيده فهو للذي أخذه. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصيد / الباب الثاني في بيان ما يملك به الصيد وما لا يملك به ٥/٤٢٠ زكريا)

والحاصل – كما في الفتح – أنه إذا دخل السمك في حظيرة، فإما أن

يعدها لذٰلک أولاً، ففي الأول يملكه وليس لأحد أخذُه. ثم إن أمكن أخذه بلا حيلة جاز بيعه؛ لأنه مملوک مقدور التسليم، وإلا لم يز، لعدم القدرة على التسليم. وفي الثاني لا يملكه، فلا يجوز بيعه لعدم الملک، إلا أن يسدّ الحظيرة إذا دخل، فحينئذٍ يملكه. ثم أن أمكن أخذه بلا حيلة جاز بيعه وإلا فلا. وإن لم يعدها لذلک لكنه أخذه وأرسله فيها ملكه. (رد المحتار، كتاب البيوع / باب البيع الفاسد ۶۱/۵ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۵/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سڑک کے گڑھوں اور ٹاؤن کے نالہ میں چلی جانے والی پلی ہوئی مچھلی کا شکار کرنا؟

سوال (۱۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تالاب میں ہوکر ٹاؤن کا نالا گیا ہے، جو تالاب کے ایک جانب ہے، تو کیا اُس میں مچھلیاں مارنا درست ہے یا نہیں؟ اور ان تمام جگہوں پر سیلاب کی وجہ سے مچھلیاں نہ روک سکے، آیا جو لوگ کھیتوں میں نالوں میں سڑک کے گڑھوں میں مچھلیاں مار کر کھاتے ہیں اور مارنے والوں کو معلوم ہے کہ یہ پلی ہوئی مچھلیاں ہیں، تو اُن کا کھانا حرام ہے یا حلال؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ٹاؤن کا نالہ جو تالاب کے ایک جانب ہے، بارش یا سیلاب کی وجہ سے جو مچھلیاں اُس میں اور سڑک کے گڈھوں وغیرہ جگہوں میں چلی گئیں اور مالک بغیر شکار کے پکڑنے پر قادر نہیں ہے، تو وہ مچھلیاں آزاد ہوگئیں؛ لہٰذا اُن مچھلیوں کو دوسرے لوگوں کے لئے پکڑنا اور کھانا حلال ہے۔

ولو كان الماء كثيرًا لا يقدر على السمك الذي فيه إلا بصيد فمن اصطاد منه شيئًا فهو له. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصيد / الباب الثاني في بيان ما يملك به الصيد وما لا يملك به ٥/٤١٨ زكريا)

رجل هيّأ موضعًا يخرج منه الماء إلى أرض له، ليصيد السمک في أرضه فخرج الماء من ذٰلک الموضع إلى أرضه بسمک كثير، ثم ذهب الماء وبقي السمک في أرضه، أو لم يذهب الماء إلا أنه قل، حتى صار السمک يؤخذ بغير صيد، فلا سبيل لأحد على هٰذا السمک، وهو لرب الأرض، ومن أخذ منه شيئًا ضمنه، ولو كان الماء كثيرًا لا يقدر على السمک الذي فيه إلا بصيد، فمن اصطاد منه شيئًا فله. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصيد / الفصل الثاني في بيان ما يملك الصيد وما لا يملك ١٨/٤٥٣ رقم: ٢٩٥٥٦ زكريا)

فإن اجتمع بغير صنعه لم يملكه، سواء أمكنه من غير حيلة أو لا. (البحر الرائق / باب البيع الفاسد ٦/١١٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۱۹/۵/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

برف باری اور جھیلوں میں ٹھنڈک کی وجہ سے مرنے والی مچھلیوں کا حکم؟

سوال (۱۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: پہاڑی علاقوں میں بہت برف باری ہوتی ہے، تو جھیلوں کی مچھلیاں ٹھنڈک کی وجہ سے مر کر پانی کے اوپر آجاتی ہیں اور بسا اوقات ندی اور نالوں میں بہہ کر نیچے بڑے دریاؤں میں بھی نظر آتی ہیں، تو اُن مچھلیوں کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو مچھلیاں برف باری اور ٹھنڈک کی وجہ سے مر کر پانی

کے اُوپر آجاتی ہیں اور بسا اَوقات دریاؤں میں بھی نظر آتی ہیں، تو مفتی بہ قول کے مطابق اُن مچھلیوں کا کھانا جائز ہے؛ اِس لئے کہ اُن کی موت ٹھنڈ کی وجہ سے واقع ہوئی ہے، جو سبب حادث ہے؛ لہٰذا یہ مچھلیاں سمک طافی (خود بخود مر جانے والی) کے حکم میں نہیں ہوں گی۔

عن سعد الجاري قال: سألت ابن عمر و ابن عمرو عن الحيتان تموت صردًا، أو يقتل بعضها بعضًا؟ قالا: حلال. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصيد / الحيتان يقتل بعضها بعضًا ١٠/٤١٦ رقم: ٢٠١٣٢، وكذا في السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الصيد والذبائح / باب ما لفظ البحر وطفا من ميتة ١٤/١٥٩ رقم: ١٩٥١٤، ٩/٤٧٥ رقم: ١٨٩٨٧ دار الحديث القاهرة)

عن سعد الجاري مولىٰ عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه أنه قال: سألت عبد اللّٰه بن عمر رضي اللّٰه عنهما عن الحيتان يقتل بعضها بعضًا، أو تموت صردًا؟ فقال: ليس بها بأس، قال سعد: ثم سألت عبد اللّٰه بن عمرو بن العاص؟ فقال: مثل ذٰلك. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الصيد والذبائح / باب ما لفظ البحر وطفا من ميتة ١٤/١٥٩ رقم: ١٩٥١٤، وكذا في المصنف لابن أبي شيبة ١٠/٤١٦ رقم: ٢٠١٣٢)

ثم الأصل: قال في شرح القدوري للزاهدي: ثم الأصل في السمك عندنا إذا بآفةٍ يحل كالماخوذ والميت بالحر والبرد والإنخناق تحت الجمد أو إبانة بعضه أو اصطياد غيره ونحوها، وإذا مات من غير آفة لا يحل كالطافي.

(حاشية شلبي على تبيين الحقائق، كتاب الذبائح / فصيل فيما يحل وما لا يحل ٦/٤٧١ زكريا)

وإذا مات السمك من الحر أو البرد أو كدر الماء، ففيه روايتان عند الحنفية ...... والثانية أنه يؤكل؛ لأن هٰذه الأمور الثلاثة أسباب للموت في الجملة فيكون ميتًا بسبب حادث، فلا يعتبر طافيًا وهٰذا هو الأظهر، وبه يفتى. (الموسوعة الفقهية ٥/١٢٨ كويت)

ثم السمك الطافي الذي لا يحل أكله عندنا هو الذي يموت في الماء حتف

أنفـه بغير سبب حادث منه، سواء على وجه الماء أو لم يعل بعد أن مات في الماء حتف أنفه من غير سبب حادث. وقال بعض مشايخنا هو الذي يموت في الماء بسبب حادث ويعلو على وجه الماء، فإن لم يعلو يحل. والصحيح هو الحد الأول وتسميته طافيًا لعلوه على وجه الماء عادةً. (بدائع الصنائع / كتاب الذبائح والصيد ٤/ ١٤٥ المكتبة النعيمية ديوبند)

قال محمد رحمه الله: يحل أكله، وبه أخذ الفقيه أبو الليث، وعليه الفتوىٰ.

(الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصيد / الفصل السابع في صيد السمك ١٨/ ٤٩٠ رقم: ٢٩٧٠٠ زكريا)

والطافي هو الذي مات في الماء حتف أنفه بغير سبب حادث سواء أعلا فوق وجه الماء أم لم يعل وهو الصحيح. (الموسوعة الفقهية ٥/ ١٢٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۵/۳/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تالاب کی حدود سے باہر مچھلی مارنا؟

سوال (۱۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تالاب کی حدود کے کتنی دور تک مچھلی نہیں مار سکتے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تالاب کے مالک نے جتنی دور تک مچھلی روکنے کا انتظام کیا ہے، اُس کے باہر سبھی جگہ مچھلی مارنا جائز ہے، جب کہ خود مالک اُن مچھلیوں کو پکڑنے پر قادر نہ ہو۔

عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما ألقى البحر أو جزر عنه فكلوه. (سنن أبي داؤد، كتاب الأطعمة / باب فی أكل الطافي من السمك ٢/ ٥٣٤ رقم: ٣٨١٥ دار الفكر بيروت، سنن ابن ماجة، كتاب الصيد / باب الطافي من صيد البحر ص: ٢٣٤ رقم: ٣٢٤٧ دار الفكر بيروت)

وإذا انحسر الماء عنها يؤكل، وكذٰلک ما نبذها الماء، وألقاها على

الحدّ يؤكل. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصيد / الفصل السابع في صيد السمك ١٨/٤٩٠ رقم: ٢٩٧٠٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۵/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تالاب میں پالی ہوئی مچھلیوں کے علاوہ مچھلی مارنا؟

سوال (۱۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تالاب میں تین قسم کی مچھلیاں پلی ہوئی ہیں، اُن کو نیز اُن کے علاوہ دوسری قسم کی مچھلیاں مارنا تالاب کے اندر یا باہر کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مملوکہ تالاب کے اندر ہر قسم کی مچھلیاں پلی ہوئی غیر پلی ہوئی مارنا اور پکڑنا مالک کی اِجازت کے بغیر جائز نہیں ہے، اور تالاب کی حدود سے باہر ہر قسم کی مچھلیاں مارنا جائز ہے۔

رجل هيأ موضعًا يخرج منه الماء إلى أرض له ليصيد السمک في أرضه فخرج الماء من ذٰلک الموضع إلى أرضه بسمک كثير ثم ذهب الماء وبقي السمک في أرضه أو لم يذهب الماء، إلا أنه قل، حتى صار السمک يؤخذ بغير صيد، فلا سبيل لأحد على هٰذا السمک، وهو لرب الأرض، ومن أخذ منه شيئًا ضمنه. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصيد / الباب الثاني في بيان ما يملك به الصيد وما لا يملك به ٤١٨/٥ كراچی، البحر الرائق، كتاب البيوع / باب المتفرقات ١٧٨/٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۵/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زندہ کیچوے اور کیڑے کانٹے میں لگا کر مچھلی کا شکار کرنا

سوال (۱۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: بنسی گل کے ذریعہ کیچوا، کیڑا چھوٹی مچھلی کا شکار کرنا کیسا ہے؟ اور پھر اُس مچھلی کا کھانا کیسا ہے؟ بعض عالم نے بعض علاقہ میں اِس طرح شکار کرنے کو ناجائز اور مکروہ تحریمی بتایا، جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں نے اِس طرح شکار کرنا اور کھانا چھوڑ دیا ہے۔ عالم صاحب سے کراہت کی وجہ پوچھی گئی تو بتایا کہ ایک جاندار کو حاصل کرنے کے لئے دوسرے جاندار کو ایذاء پہنچتی ہے، اور دلیل مانگنے پر فرمایا دیوبند کا فتویٰ یہی ہے؛ لیکن کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا، اِس کے برعکس بڑے عالموں میں سے ایک عالم صاحب سے اِس بابت معلوم کیا گیا، تو اِس طرح شکار کرنے کو اور اُس کے کھانے کے بارے میں فرمایا کہ کوئی کراہت نہیں۔ اِسی طرح ایک مفتی صاحب سے اِس کے متعلق دریافت کرنے پر جواب دیا کہ ناجائز تو کیا مکروہ بھی نہیں ہے، اِس طرح شکار کرنا درست اور اُس سے حاصل کی ہوئی مچھلی کا کھانا بھی درست ہے۔ اِن دونوں فریقین میں سے کسی نے بھی کوئی مدلل جواب نہیں دیا، اِس لئے عمل کرنے والوں کے لئے مشکل درپیش ہوگئی ہے، جواب تحریر فرمادیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زندہ کیچوے کیکڑے اور چھوٹی مچھلی کو کانٹے میں لگا کر مچھلی کا شکار کرنا مکروہ ہے؛ اِس لئے کہ اِس میں ایک جاندار کو بلاوجہ تکلیف دینا پایا جاتا ہے؛ تاہم اِس طرح جو مچھلی شکار کی جائے گی اُس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ نیز اگر کانٹے میں لگانے سے پہلے ماردیا جائے اور مار کر کانٹے میں پرودیا جائے، تو اِس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

وكره الصيد بالخراطيم حية، وكذا بكل شيءٍ فيه الروح لما فيه من تعذيب الحيوان. (إعلاء السنن ۱۷/ ۲۰ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۶/ ۱۱/ ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیچوے سے مچھلی کا شکار کرنا؟

سوال (۱۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: ہمارے یہاں مچھلی کا شکار کانٹوں کے ذریعہ کیا جاتا ہے، اور کانٹوں میں چارہ کے طور پر گھیسے (کیچوے) کا استعمال کرتے ہیں، تو کیچوے سے مچھلی کا شکار کرنا شریعت کی نظر سے کیسا ہے؟ جائز ہے یا ناجائز؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کیچوے سے مچھلی کا شکار کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/۹۷، احسن الفتاویٰ ۷/۴۰۸) لیکن زندہ کیچوئے کو کانٹے میں نہ لگائیں؛ بلکہ اولاً کیچوے کو ماردیں پھر اُسے کانٹے میں لگائیں۔

وحل اصطياد ما يؤكل لحمه وما لا يؤكل لحمه لمنفعة جلده أو شعره أو ريشه أو لدفع شره، وكله مشروع لإطلاق النص. (الدر المختار / كتاب الصيد ٦/٤٧٤ دار الفكر بيروت، ١٠/٦٤ زكريا)

ويجوز اصطياد ما يوكل لحمه ...... أو ريشه أو لاستدفاع شره، وكل ذٰلك مشروع، وفي القنية: يجوز ذبح الهرة والكلب لنفع ما. (الهداية ٤/٥١٥) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۷/۵/۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

حرام چیز سے مچھلی پکڑنا؟

سوال (۱۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حرام چیز سے مچھلی پکڑنا جائز ہے یا نہیں؟ جیسے مینڈک اور کچھوا وغیرہ سے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/۹۷) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۷/۹/۱۵ھ

ماکول اللحم جانور

قرآن میں گوشت کی حلت کا حکم؟

سوال (۱۷) :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قرآنِ کریم میں ذبیحہ جانوروں کے گوشت کی حلت کا حکم ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآنِ کریم میں حلال جانوروں اور اُن کے گوشت وغیرہ کی حلت کا حکم صراحۃً موجود ہے۔

قال اللّٰہ سبحانہ تعالیٰ: ﴿اُحِلَّتْ لَکُمْ بَهِیْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ﴾

[المائدۃ، جزء آیت: ۱]

یعنی حلال ہوئے تمہارے لئے چوپائے مویشی سوائے اُن کے جوتم کو آگے سنائے جاویں گے۔ نیز یہ آیت بھی ہے:

وقال تعالیٰ: ﴿وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَکُمْ فِیْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْکُلُوْنَ﴾

[النحل، جزء آیت: ۵] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۲/۲/۱۶ھ

نیل گائے کا حکم؟

سوال (۱۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نیل گائے کا گوشت کھانا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو اُس کی کیا کیا صورتیں ہیں؟ اور

اُس کا نام عربی، ہندی اور انگریزی میں کیا ہے؟ وضاحت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نیل گائے جس کو عربی میں ''حمارِ وحشی'' کہا جاتا ہے، شرعاً حلال ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اِس کا گوشت نوش فرمایا ہے۔ ہندی اور انگریزی میں کیا کہتے ہیں، اِس کے لئے ڈکشنری ملاحظہ کی جائے۔

عن أبي قتادة رضي اللّٰه عنه أنه كان مع النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، حتى إذا كان ببعض طريق مكة تخلف مع أصحاب له محرمين، وهو غير محرم، فرأى حمارًا وحشيًا، فاستوى على فرسه، فسأل أصحابه أن يناولوه سوطه فأبوا، فسألهم رمحه فأبوا عليه، فأخذ فشد على الحمار فقتله، فأكل منه بعض أصحاب النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، وأبي بعضهم، فأدركوا النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فسألوه عن ذٰلك، فقال: إنما هي طعمة أطعمكوها اللّٰه. (سنن الترمذي، أبواب الحج / باب ما جاء في أكل الصيد للمحرم ۱۷۳/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۵/۶/۴ھ

''مہوکا'' کھانا کیسا ہے؟

سوال (۱۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ''مہوکا'' کھانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''مہوک'' کوئل کی قسم کا ایک پرندہ ہے۔ (جامع فیروز اللغات ۱۳۲۴)

تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ اس کی غذا حلال ہے، عام طور پر اگنے کے کھیت وغیرہ میں پایا

جاتا ہے، اگر واقعہ ایسا ہی ہے کہ وہ گندگی نہیں کھاتا تو اُس کا کھانا حلال ہے۔

وأما غراب الأبقع والأسود فهو أنواع ثلاثة: نوع يلتقط الحب ولا يأكل الجيف وليس بمكروه. (شامي / كتاب الذبائح ٩/٣ ٤٤ زكريا، البحر الرائق / كتاب الذبائح ٣١٣/٨ زكريا)

ولا بأس بغراب الزرع؛ لأنه يأكل الحب والزرع، ولا يأكل الجيف، هٰكذا روى بشر بليد عن أبي يوسف، قال: سألت أبا حنيفة عليه الرحمة عن أكل الغراب، فرخص في غراب الزرع، وكره الغداف، فسألته عن الأبقع، فكره ذٰلك. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع للكاساني ٤٠/٥ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۲/۴/۳۰ھ

حلال جانور کی بٹ اور اوجھڑی کا حکم

سوال (۲۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حلال شدہ جانور کا گوشت تو حلال ہے؛ البتہ جانور کی جو اوجھڑی ہوتی ہے جیسے بٹ وغیرہ، اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ آیا جائز ہے یا ناجائز؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حلال جانوروں کی اوجھڑی اور بٹ کھانا شرعاً درست ہے؛ لیکن اُسے اچھی طرح پاک وصاف کرکے ہی استعمال کرنا چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲۹۵/۱۷ ڈابھیل)

وأما بيان ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان المأكول، فالذي يحرم أكله منه سبعة: الدم المسفوح، والذكر، والأنثيان، والقبل، والغدة، والمثانة، والمرارة، لقوله تعالىٰ: ﴿وَيَحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتُ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ﴾ وهٰذه الأشياء السبعة مما تسخبثه الطبائع السليمة فكانت محرمة. (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح / فصل فيما يحرم

أكله من أجزاء الحيوان ٢٧٢/٦ دار الكتب العلمية بيروت، ١٩٠/٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۶/۳/۷ھ

طوطا کھانا؟

سوال (۲۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: طوطا کھانا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: طوطا کھانا حلال ہے، اُس میں حرمت کی کوئی وجہ نہیں پائی جاتی، نہ تو مردار کھاتا ہے نہ ہی چنگل سے شکار کرتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲۳۳/۱۸ ڈابھیل)

وما لا مخلب له من الطير، والمستأنس منه كالدجاج والبط، والمتوحش كالحمام والفاختة والعصافير والقبج والكركي والغراب الذي يأكل الحب والزرع ونحوها حلالٌ بالإجماع، كذا في البدائع. (الفتاوىٰ الهندية / الباب الثاني في بيان ما يؤكل لحمه وما لا يؤكل ٢٨٩/٥ زكريا، وكذا في مجمع الأنهر / فصل فيما يحل أكله وما يحرم ٥١٢/٢ دار إحياء التراث العربي بيروت، وكذا في المحيط البرهاني / الفصل الأول في بيان ما يؤكل لحمه ٤٣١/٦ المكتبة الغفارية كوئته، وكذا في معين الحكام / نوع فيما يؤكل وفيما لا يؤكل ٣٨٠ مصر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۵/۳/۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کوّے کی کونسی قسم حلال ہے؟

سوال (۲۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کوے کا کھانا مطلق حرام ہے یا کوئی خاص کوا ہے، جس کا کھانا ناجائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کوا تین قسم کا ہوتا ہے، ایک وہ کوا جو صرف دانہ کھاتا ہے، اور عموماً آبادی میں نہیں رہتا؛ بلکہ جنگل میں رہتا ہے، وہ جنگلی کبوتر کی طرح حلال ہے۔ دوسرا وہ کوا ہے جو غلیظ اور مردار کھاتا ہے، اُس کی یہی غذا ہے، وہ گدھ کی طرح حرام ہے، تیسرا وہ کوا ہے جو دانہ کھاتا ہے اور کبھی غلیظ مردار بھی کھالیتا ہے، وہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مرغی کی طرح حلال ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۸/۲۲۷ ڈابھیل، ۲۷/۱۹۰ میرٹھ، فقہی مقالات ۲/۳۱۳)

وأما الغراب الأبقع والأسود أنواع ثلاثة: نوع يلتقط الحب ولا يأكل الجيف وليس بمكروه، ونوع لا يأكل إلا الجيف وهو الذي سماه المصنف الأبقع وإنه مكروه، ونوع يخلط يأكل الحب مرة والجيف أخرىٰ وهو غير مكروه عنده. (شامي / كتاب الذبائح ۹/۴۴۳ زكريا، عناية ۹/۵۰۰)

والغراب الذي يأكل الحب والزرع ونحوها حلالٌ بالإجماع، كذا في البدائع ...... وعن أبي يوسف رحمه اللّٰه تعالىٰ قال: سألت أبا حنيفة عن العقعق، فقال: لا بأس به، فقلت: إنه يأكل النجاسات، فقال: إنه يخلط النجاسة بشيءٍ آخر، ثم يأكل. فكان الأصل عنده أن ما يخلط كالدجاج لا بأس. وقال أبو يوسف رحمه اللّٰه تعالىٰ: يكره العقعق كما تكره الدجاجة، كذا في فتاوىٰ قاضي خان. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الذبائح / الباب الثاني ۵/۲۸۹-۲۹۰ زكريا)

والأبقع – مجاز مرسلٌ عن الغراب – فإنه ثلاثة أنواع: الأبقع ما فيه سواد وبياض، والأسود والزاغ: الذي يأكل الجيف، أي لا يأكل إلا الجيفة وجثة الميت. وفيه إشعار بأنه لو أكل من كل من الثلاثة الجيفة والحب جميعًا، حل ولم يكره، وقالا: يكره. والأول أصح، كما في الخزانة. (جامع الرموز / كتاب الذبائح ۲/۳۵۰ طبع ايران)

وأما الغراب الأبقع والأسود فهو أنواع ثلاثة: نوع يلتقط الحبّ ولا يأكل

الـجيف، وليس بمكروه. ونوع منه لا يأكل إلا الجيف، وهو الذي سماه المصنف الأبـقـع الـذي يأكل الجيف، وإنه مكروه. ونوع يخلط: يأكل الحب مرةً والجيف أخرىٰ، ولـم يذكره في الكتاب، وهو غير مكروهٍ عند أبي حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ، مكروهٌ عند أبي يوسف رحمه اللّٰه تعالىٰ. قوله: وكذا الغداف، وهو غراب القيظ لا يؤكل. وأصـل ذٰلک أن مـا يـأكل الجيف، فلحمه نبت من الحرام، فيكون خبيثًا عادةً، وما يأكل الحبّ لم يوجد ذٰلک فيه، وما يخلط كالدجاج والعقعق، فلا بأس بأكله عند أبي حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ، وهو الأصح. (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الذبائح / فصل فيما يحل أكله وما لا يحل ٥٠٠/٩ مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

قـولـه: والـغـراب الأبـقـع، هـو الـذي فيــه سواد وبيـاض الخ، مكي عن الـكشف. وذكـر فـي الـظهيـرية أن الـغـراب الأسود، والأبقع ثلاثة أنواع: نوع يـلتـقـط الـحـب ولا يـأكل الجيف، وهو غير مكروه. ونوع يأكل الجيف، وهو مـكـروه. ونـوع آخـر يـأكـل الـحب مرةً والجيف أخرىٰ، وإنه غير مكروه عند الإمـام، خـلافًـا لأبـي يـوسف الـخ، مكي. قوله: لأنه ملحق بالخبائث، فإن لحمه يـنبت من الحرام، عيني وأكمل ...... قوله : النسر، هو خلاف ما قاله مسكين: إنه الـعـقـعـق. وعـن أبـي يـوسف قال: سألت أبا حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ عن العقعق، فـقـال: لا بـأس بـه، فـقـلـت : إنه يأكل النجاسة، فقال: إنه يخلط النجاسة بشيء اٰخـر، ثم يأكل. فالأصل عنده أن ما يخلط كالدجاج لا بأس به. وقال أبو يوسف رحـمـه اللّٰه تعالىٰ: يكره العقعق كما تكره الدجاجة الخ. (حـاشية الطحطاوي على الدر المختار / كتاب الذبائح ١٥٦/٤ دار المعرفة بيروت)

وحـل غـرب الـزرع؛ لأنـه يـأكـل الـحب، وليس من سباع الطير ولا من الـخبـائـث. قـال: لا الأبـقـع الذي يأكل الجيف والضبع ...... أما الغراب الأبقع،

فلأنه يأكل الجيف، فصار كسباع الطير. والغراب ثلاثة أنواع: نوع يأكل الجيف فحسب؛ فإنه لا يؤكل. ونوع يأكل الحب فحسب، فإنه يؤكل. ونوع يخلط بينهما وهو أيضًا يؤكل عند الإمام عند الإمام، وهو العقعق؛ لأنه يأكل الدجاج. وعن أبي يوسف رحمه اللّٰه تعالىٰ أنه يكره أكله؛ لأنه غالب أكلهالجيف، والأول أصح. (البحر الرائق، كتاب الذبائح / فصل فيما يحل ولا يحل ٣١٣/٨- ٣١٤ زكريا)

ويكره (غراب الأبقع، والغداف، وهو الغراب) الأسود الكبير، لما روي عن عروة عن أبيه أنه سئل عن أكل الغراب، فقال: من يأكل بعد ما سماه اللّٰه تبارك وتعالىٰ فاسقًا؟ عنىٰ بذٰلك قول رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: خمس من الفواسق يقتلهن المحرم في الحل والحرم. ولأن غالب أكله الجيف، فيكره أكلها كالجلالة. ولا بأس بغراب الزرع؛ لأنه يأكل الحب والزرع ولا يأكل الجيف.

هٰكذا روى بشر بن الوليد عن أبي يوسف رحمه اللّٰه تعالىٰ، قال: سألت أبا حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ عن أكل الغراب، فرخّص في غراب الزرع وكره الغداف. فسألته عن الأبقع، فكره ذٰلك. وإن كان غرابًا يخلط فيأكل الجيف ويأكل الحب لا يكره في قول أبي حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ. قال: وإنما يكره من الطير ما لا يأكل إلا الجيف. ولا بأس بالعقعق؛ لأنه ليس بذي مخلب ولا من الطير الذي لا يأكل إلا الحب، كذا روى أبو يوسف أنه قال: سألت أبا حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ في أكل العقعق، فقال: لا بأس به، فقلت: إنه يأكل الجيف، فقال: إنه يخلط. فحصل من قول أبي حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ أن ما يخلط من الطيور لا يكره أكله كالدجاج. وقال أبو يوسف رحمه اللّٰه تعالىٰ: يكره؛ لأن غالب أكله الجيف. (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح / فصل فيما يكره من الحيوانات ١٩٧/٦ دار الكتب العلمية بيروت، ١٥٤/٤-١٥٥ زكرياء الهداية مع حاشية العلامة عبد الحي اللكهنوي، كتاب

الذبائح / فصل فيما يحل أكله وما لا يحل ١٣٨/٧ إدارة القرآن كراچی، ٤٤٠/٤ مكتبة بلال ديو بند، تبيين الحقائق / كتاب الذبائح ٤٦٦/٦ -٤٦٧ دار الكتب العلمية بيروت، وكذا في الفتاوىٰ السراجية ٨٧ كراچی، ٣٧٥ زكريا، بحواله: تعليقات فتاوىٰ محمودية ٢٢١/١٨-٢٢٤ ڈابھیل) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۷/۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کالا بغلہ کھانا جائز ہے یا سفید؟

سوال (۲۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بغلہ دو طرح کا ہوتا ہے: (۱) کالا (۲) سفید۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ سفید کھانا جائز ہے، اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ کالا کھانا جائز ہے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں یہ بتلائیں کہ کونسا بغلہ کھانا جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دونوں قسم کے بغلوں کا کھانا حلال ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۴۱۰/۷)

وما لا مخلب له من الطير والمستأنس منه كدجاج والبط والمتوحش كالحمام والفاختة والعصافير ونحوها حلال بالإجماع. (الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية / الباب الثاني ٢٨٩/٥، بدائع الصنائع ١٥٣/٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۸/۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دریا کے کنارے پر رہنے والے بگلہ کا شکار کرنا؟

سوال (۲۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بگلہ ایک قسم کا پرندہ ہے، اکثر دریاؤں کے کنارے رہتا ہے، زید نے اُس کا شکار کیا، تو کیا اُس کا کھانا بلا قباحت جائز ہے یا کچھ اختلاف ہے؟ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بگلہ جو دریاؤں کے کنارے رہتا ہے وہ مطلقاً حلال

ہے اور جو عام طور پر کھیتوں میں رہتا ہے اور نجاست بھی کھاتا ہے، تو وہ نجاست کھانے والی مرغیوں کے حکم میں ہے، یعنی تین روز پالنے کے بعد کھانا بلا کراہت جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۸/۲۲۸ ڈابھیل)

ولا بأس بغراب الزرع؛ لأنه يأكل الحب والزرع ولا يأكل الجيف.

هٰكذا روى بشر بن الوليد عن أبي يوسف رحمه اللّٰه تعالىٰ، قال: سألت أبا حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ عن أكل الغراب، فرخّص في غراب الزرع وكره الغداف. فسألته عن الأبقع، فكره ذٰلك. وإن كان غرابًا يخلط فيأكل الجيف ويأكل الحب لا يكره في قول أبي حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ. قال: وإنما يكره من الطير ما لا يأكل إلا الجيف. ولا بأس بالعقعق؛ لأنه ليس بذي مخلب ولا من الطير الذي لا يأكل إلا الحب، كذا روى أبو يوسف أنه قال: سألت أبا حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ في أكل العقعق، فقال: لا بأس به، فقلت: إنه يأكل الجيف، فقال: إنه يخلط. فحصل من قول أبي حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ أن ما يخلط من الطيور لا يكره أكله كالدجاج. وقال أبو يوسف رحمه اللّٰه تعالىٰ: يكره؛ لأن غالب أكله الجيف. (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح / فصل فيما يكره من الحيوانات ١٩٧/٦ دار الكتب العلمية بيروت، الهداية مع حاشية العلامة عبد الحي اللكهنوي، كتاب الذبائح / فصل فيما يحل أكله وما لا يحل ١٣٨/٧ إدارة القرآن كراچی، تبيين الحقائق / كتاب الذبائح ٤٦٦/٦-٤٦٧ دار الكتب العلمية بيروت، وكذا في الفتاوىٰ السراجية ٨٧ كراچی، بحواله: تعليقات فتاوىٰ محمودية ٢٢١/١٨-٢٢٤ ڈابهيل) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۷/۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پھتوری نامی پرندے کا حکم؟

سوال (۲۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: ایک سانس کا مریض ہے، علاج کرنے والے ہندو ہیں، مریض کو پھتوری پکار کر کھلاتے ہیں اور بھی دوائیں اُس میں استعمال کرتے ہیں، تو کیا پھتوری جائز ہے یا ناجائز؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پھتوری کے بارے میں تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ ایک پرندہ اُلو کے مانند ہوتا ہے، جو دن بھر سوتا ہے اور رات میں جاگتا ہے، اِس لئے اُس کا حکم بھی اُلو کے مانند ہوگا، یعنی حنفیہ کے نزدیک اس کا کھانا درست ہے۔

قال الشامي: عندنا يؤكل الخطاف والبوم. (شامي / كتاب الحظر والإباحة ٣٠٦/٦ كراچی)

وفي الهندية: والبوم يؤكل. (الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية / الباب الثاني ٢٩٠/٥)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۲/۳ھ

سوکھی مچھلی کھانا؟

سوال (۲۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سوکھی مچھلی کا کھانا کیسا ہے؟ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ مکروہ ہے، اگر مکروہ ہے تو تنزیہی یا تحریمی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آلائش نکال کر مچھلی کو سکھایا گیا، تو اُس کے کھانے میں کسی طرح کی کراہت نہیں ہے، اور اگر آلائش نکالے بغیر سکھایا گیا ہے، تو اِس بارے میں اختلاف ہے، بعض علماء کے نزدیک مکروہ ہے، بعض کے نزدیک مکروہ نہیں ہے، اِس لئے اختلاف سے بچنے کے لئے بہتر یہی ہے کہ ایسی سوکھی ہوئی مچھلیوں کے کھانے سے احتراز کیا جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲۰۹/۱۸ ڈابھیل، احسن الفتاویٰ ۳۸۹/۷)

وفي السمک الصغار التي تقلی من غیر أن یشق جوفه، فقال أصحابه أي أصحاب الشافعي: لا یحل أکله؛ لأن رجیعه نجس، وعند سائر الأئمة یحل.
(شامي / کتاب الذبائح ۳۰۹/۶ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۶/۱۱/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بازار میں فروخت ہونے والی مری ہوئی مچھلی کا حکم؟

سوال (۲۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل جو مچھلی بازار میں فروخت ہوتی ہے وہ دور دراز علاقوں سے ہفتوں کی مسافت بعد بازار میں فروخت ہوتی ہے، کیا اُس مچھلی کا کھانا جائز ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اُس مچھلی کا کھانا جائز نہیں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بازار میں فروخت ہونے والی مچھلیاں خود بخود نہیں مرتیں؛ بلکہ جال سے پکڑنے کے بعد خشکی میں رکھے جانے، یا پانی کی کمی کی وجہ سے مرتی ہیں اور پھر اُنہیں برف یا فریزر میں رکھا جاتا ہے؛ تاکہ اُن کا گوشت خراب نہ ہو، اِس لئے ایسی مچھلیوں کو فروخت کرنا اور اُن کا کھانا بلاشبہ حلال ہے۔

أحلت لنا المیتتان: السمک والجراد. (مشکاۃ المصابیح، کتاب الصید / باب ما یحل أکله وما یحرم، الفصل الثاني ۳۶۱، سنن ابن ماجة، أبواب الصید / باب صید الحیتان والجراد ۲۳۲)

أي في حال الاختیار والاضطرار. (مرقاۃ المفاتیح ۱۴۲/۸ المکتبة الأشرفیة دیوبند)

وقال الحصکفي رحمه اللّٰہ تعالیٰ: بخلاف السمک (وأنواع السمک بلا ذکاۃ) لحدیث: ''أحلت لنا میتتان: السمک والجراد''. (الدر المختار) وقال الشامي رحمه اللّٰہ تعالیٰ: وهو مشهور مؤید بالإجماع، فیجوز تخصیص الکتاب به، وهو قوله تعالیٰ: ﴿حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةُ وَالدَّمُ﴾ علی أن حل السمک ثبت

بـمـطـلـق قوله تعالىٰ: ﴿وَتَأْكُلُوْنَ مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا﴾ كفاية. وما عدا أنواع السمک من نـحو إنسان الماء وخنزيره خبيث، فبقي داخلاً تحت التحريم، وحديث: ”هو الطهـور ماءه والحل ميتته“. المراد منه السمک كاٰية: ﴿أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ﴾ لأن السـمک مـراد بالإجماع، وبه تنتفي المعارضة بين الأدلة، فإثبات الحل فيما سواه يحتاج إلى دليل. (الدر المختار مع الشامي / كتاب الذبائح ٣٠٧/٦ كراچی)

ويستثـنـى من ذٰلک: ميتة السمک والجراد، فإنها طاهرة، لحديث ابن عمر رضي اللّٰه تعالىٰ عنهما ...... الخ. (فقه السنة / كتاب الأطعمة ٢٤١/٣ دار الكتاب العربي بيروت، وكذا في البحر الرائق، كتاب الذبائح / فصل فيما يحل وما لا يحل زكريا، ١٧٢/٨ كراچی)

ولا يحل حيوان مائي، إلا السمک غير الطافي. (شامي ٣٠٧/٦ كراچی، زيلعي ٤٦٩/٦، البحرا لرائق ١٧٢/٨ كوئٹه، الهداية ٤٤٢/٤)

وكـذا إذا مـات فـي شبـكة لا يـقـدر عـلى التخلص منها جميع ما ذكر، وهو الأصـل فـي الـحـل ...... وأنـواع الـسـمـک بـلا ذكـاةٍ لـحـديث أحلت لنا ميتان: السمک والجراد ودمان: الكبد والطحال. (شامي ٤٤٥/٩-٤٤٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۵/۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دریائی جھینگا حلال ہے؟

سوال (۲۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایضاح المسائل کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ دریائی جھینگا حلال ہے، اَب اِس کی دو قسمیں ہیں: ایک کالا، دوسرا سفید۔ کیا دونوں حلال ہیں یا کچھ فرق ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اکثر علماء کے نزدیک دریائی جھینگے کی سبھی اقسام حلال

ہیں۔ (امداد الفتاویٰ/کھانے پینے کی حلال وحرام ومکروہ ومباح چیزوں کا بیان ۱۰۳/۴-۱۰۴ زکریا)

تاہم اختلاف علماء کی وجہ سے کوئی شخص اُسے کھانے سے پرہیز کرے تو بات الگ ہے۔

الروبیان: هو سمک صغيرٌ جدًا أحمر. (حياة الحيوان ٤٧٣/١)

الدود الذي يقال له ''جھینگا'' حرام عند بعض العلماء؛ لأنه لا يشبه السمک، فإنما يباح عندنا من صيد البحر أنواع السمک، وهٰذا لا يكون كذٰلک، وقال بعضهم: حلال؛ لأنه يسمى باسم السمک. (مجموعة الفتاویٰ / كتاب الأكل والشرب ٢٩٧/٢ كراچی)

وأما الروبيان أو الإربيان الذي يسمى في اللغة المصرية: ''جمبري'' وفي اللغة الأردية: ''جھینگا'' وفي الإنكليزية: "SHRIMP" أو "PRAWN" فلا شک في حلته عند الأئمة الثلاثة؛ لأن جميع حيوانات البحر حلال عندهم. وأما عند الحنفية، فيتوقف جوازه على أنه سمک أو لا، فذكر غير واحد من أهل اللغة أنه نوع من السمک، قال ابن دريد في جمهرة اللغة: ٤١٤/٣: وإربيان ضربٌ من السمک، وأقره في القاموس وتاج العروس: ١٤٦/١. وكذٰلک قال الدميري في حياة الحيوان: ٤٧٣/١: الروبيان هو سمک صغيرٌ جدًا أحمر. وأفتى غير واحد من الحنفية بجوازه بناءً على ذٰلک، مثل صاحب الحمادية.

وقال شيخ مشايخنا التهانويؒ في إمداد الفتاویٰ: ١٠٣/٤: لم يثبت بدليل أن للسمک خواصٌ لازمةٌ تنتفى السمكيةُ بانتفائها، فالمدار على قول العدول المبصرين ...... وإن حيوة الحيوان'' للدميري الذي يبحث عن ماهيات الحيوان يصرّ بأن الروبيان هو سمک صغير ...... فإني مطمئن إلى الآن بأنه سمک – ولعل اللّٰه يحدث بعد ذٰلک أمرًا ......

ولكن خبراء علم الحيوان اليوم لا يعتبرونه سمكًا، ويذكرونه كنوع

مستقل، ويقولون: إنه من أسرة السرطان دون السمک. وتعريف السمک عند علماء الحيوان – على ما ذكر في دائرة المعارف البريطانية: ٣٠٥/٩، طبع ١٩٥٠م – هو حيوان ذو عمود فقرى، يعيش في الماء ويسبح بعوّاماته، ويتنفس بغلصمته، وإن الإربيان ليس له عمود فقرى، ولا يتنفس بغلصمته. وإن علم الحيوان اليوم يقسم الحيوانات إلى نوعين كبيرين: الأول: الحيوانات الفقرية (VERTEBRATE)، وهي التي لها عمود فقري في الظهر، ولها نظام عصبي يعمل بواسطته. والثاني: الحيوانات غير الفقرية (INVERTEBRATE) التي ليس لها عمود فقري، وإن السمک يقع في النوع الأول، والإربيان في النوع الثاني.

الذي ذكر في دائرة المعارف ٣٦٣/٦، طبع ١٩٨٨: أن التسعين في المائة من الحيوانات الحية تتعلق بهٰذا النوع، وأنه يحتوي على الحيوانات القشرية والحشرات، وكذٰلک عرّف البستاني السمک في دائرة المعارف ٦٠/١٠، بقوله: ”حيوان من خلق الماء، وآخر رتبة الحيوانات الفقرية، دمه أحمر، يتنفس في الماء بواسطة خياشيم، وله كسائر الحيوانات الفقرية هيكل عظمي“. وكذٰلک محمد فريد وجدي عرّفه بقوله: ”السمک من الحيوانات البحرية، وهو يكوّن الرتبة الخامسة من الحيوانات الفقرية، دمها بارد أحمر، تتنفس من الهواء الذائب في الماء بواسطة خياشيمها، وهي محلاة بأعضاء تمكنها من المعيشة دائمًا، وتعوم فيه بواسطة عوّامات، ولبعضها عوامة واحدة ...... الخ“.

وإن هٰذه التعريفات لا تصدق على الإربيان، وإنه ينفصل عن السمک بأنه ليس من الحيوانات الفقرية، فلو أخذنا بقول خبراء علم الحيوان، فإنه ليس سمكًا، فلا يجوز على أصل الحنفية. ولكن السوال هنا: هل معتبر في هٰذا الباب التدقيق العلمي في كونه سمكًا، أو يعتبر العرف المتفاهم بين الناس؟ ولا شک أن عند

اختلاف العرف يعتبر عرف أهل العرب؛ لأن استثناء السمک من ميتات البحر، إنما وقع باللغة العربية، وقد أسلفنا أن أهل اللغة أمثال ابن دريد، والفيروز آبادي، والزبيدي، والدميري كلهم ذكروا أنه سمک. فمن أخذ بحقيقة الإربيان حسب علم الحيوان، قال: بمنع أكله عند الحنفية، ومن أخذ بعرف أهل العرب، قال: بجوازه.

وربما يرجع هٰذا القول بأن المعهود من الشريعة في أمثال هٰذه المسائل الرجوع إلى العرف المتفاهم بين الناس، دون التدقيق في الأبحاث النظرية، فلا ينبغي التشديد في مسئلة الإربيان عند الإفتاء، ولا سيما في حالة كون المسئلة مجتهدًا فيها من أصلها، ولا شک أنه حلال عند الأئمة الثلاثة، وأن اختلاف الفقهاء يورث التخفيف كما تقرر في محله، غير أن الاجتناب عن أكله أحوط وأولىٰ وأحرىٰ، والله سبحانه أعلم. (تكملة فتح الملهم، كتاب الصيد والذبائح / باب إباحة ميتات البحر ۳/۳ ١٥٠٤ ٥١ مكتبة دار العلوم كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۹/۷ھ

یکے بعد دیگرے کئی مرغی ذبح کرکے گرم پانی میں ڈالنا؟

سوال (۲۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک برتن میں گرم پانی ہے، مرغی ذبح کرکے اُس میں ڈالتے ہیں، اِس طرح کئی مرغیاں ڈال کر نکالتے ہیں، لیکن پانی بدلا نہیں جاتا، کیا یہ جائز ہے؟ ایک دو مرغی ڈالنے کی اِجازت ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرغی جب پانی میں ڈالی جائے گی، تو دمِ مسفوح اور نجاست بھی اُس میں شامل ہوگی اور وہ پانی ناپاک ہوجائے گا؛ اِس لئے دوسری مرغی اُس میں نہیں ڈالنی چاہئے، اور جتنی مرغیاں بھی اُس میں ڈالی جائیں اُنہیں نکال کر صاف پانی سے پاک کرنا

لازم ہے؛ تاکہ گوشت تک ناپاکی کا اثر نہ پہنچے۔

وفي فتح القدير: ولو ألقيت دجاجة حال الغليان في الماء قبل أن يشق بطنها لتُنتَفَ أو كَرِشٌ قبل الغسل لايطهرُ أبدًا، لكن على قول أبي يوسف يجب أن يُطهَّر على قانون ما تقدم في اللحم، قلت: وهو – سبحانه أعلم – هو معلل بتشربهما النجاسةَ المتخللة بواسطة الغليان، وعلى هٰذا اشتهر أن اللحم السميط بمصر نجس لا يطهَر، لكن العلة المذكورة لا تثبت حتى يصل الماء إلى حد الغليان، ويمكث فيه اللحم بعد ذٰلك زمانًا يقع في مثله التشرب والدخول في باطن اللحم، وكل من الأمرين غير متحقق في السميط الواقع، حيث لا يصل الماء إلى حد الغليان، ولا يترك فيه إلا مقدار مَا تَصِلُ الحرارة إلى سطح الجلد، فتنحل مسام السطح من الصوف بل ذلك الترك يمنع من وجوده انقلاع الشعر، فالأولى في السميط أن يطهر بالغَسل ثلاثا لِتَنَجُّسِ سطح الجلد بذلك الماء؛ فإنهم لا يحترسون فيه من المنجس، وقد قال شرف الأئمة بهذا في الدجاجة والكَرِشِ، والسميطُ مثلهما. (البحر الرائق / باب الأنجاس ۲۳۹/۱ كوئٹه، كذا في درر الحكام شرح غرر الأحكام ٤٥/١ الشاملة، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح ١٦٠/١، فتح القدير / باب الأنجاس وتطهيرها ٢١٠/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۴/۱۱/۲۷ھ

اگر مرغی میں نجاست یا دمِ مسفوح لگا ہو تو پانی میں ڈالنا کیسا ہے؟

سوال (۳۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آلائش نکالنے کے بعد گرم کھولتے ہوئے پانی میں مرغی ڈالی، لیکن ظاہری گندگی جو پاخانہ کے مقام پر اور پاؤں میں ہوتی ہے اور خون جو ذبح کے بعد اس کے گردن پر لگا رہتا ہے ان گندگیوں اور نجاستوں

کوصاف نہیں کیا گیا، تو کیا پھر بھی گوشت پاک رہے گا اور ایسے گوشت فروش کی کمائی جائز رہے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مرغی کے پاخانے کے مقام پر نجاست لگی ہو، یا دمِ مسفوح گردن پر لگا ہو تو اُس کے پانی میں پڑتے ہی پانی یقیناً ناپاک ہوجائے گا؛ اِس لئے اُس مرغی کو نکال کر پاک پانی میں دھونا لازم ہے، اور جو گوشت فروش اِن شرعی حدود کی رعایت رکھتے ہوئے احتیاط سے کاروبار کرے تو اُس کی کمائی بلاشبہ حلال ہے۔

وكذا دجاجةٌ مُلقاةٌ حَالَّةٌ على الماء لِلنَّتفِ قبل شقها (الدر المختار) قال الشامي: لكن على قول أبي يوسف تطهرُ، والعلة – والله أعلم – تشربها النجاسة بواسطة الغليان، وعليه اُشتُهِرَ أن اللحم السميط بمصر نجس، لكن العلة المذكورة لا تثبت ما لم يمكث اللحم بعد الغليان زمانًا، يقع في مثله التشرب والدخول في باطن اللحم، وكل منهما غير متحقق في السميط حيث لا يصل إلى حد الغليان، ولا يترك فيه إلا مقدار ما تصل الحرارة إلى ظاهر الجلد لتنحلَّ مسامُّ الصوف؛ بل لو ترك يمنع انقلاع الشعر. (الدر المختار مع الشامي / باب الأنجاس ۱/ ٥٤٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۲/۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ذبح کے بعد گندگی نکالنے سے پہلے مرغوں کو گرم پانی میں ڈالنا؟

سوال (۳۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل بازاروں میں مرغ کے گوشت کا بہت رواج ہوگیا ہے، اور اکثر دوسرے گوشت کے مقابلہ میں لوگ اِسی گوشت کو پسند کرتے ہیں، اور حال یہ ہے کہ اِس گوشت کی صفائی میں وہ احتیاط برتی نہیں جاتی، جو علماء کرام سے ہم سنتے ہیں، یعنی سو فیصد دکان دار مرغ کو ذبح کرنے کے بعد

پیٹ کے اندر کے حصہ کو صاف کئے بغیر ہی پروں کی صفائی کے لئے گرم کھولتے ہوئے پانی میں اُس کو ڈالتے ہیں، پہلے پروں کی صفائی ہوتی ہے، بعد میں پیٹ کے اندر کے حصے صاف کئے جاتے ہیں۔

اَب سوال یہ ہے کہ اِس صورتِ حال سے کیسے نمٹا جائے؟ کیا اِسی طرح گوشت کی خریداری درست ہے؟ کیا اُس کا پکانا اور کھانا درست ہے؟ اور آج کل تو پروں کی صفائی کے لئے مشین بھی تیار ہوکر آ گئی ہے، اُس کی ترتیب بھی یہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی، تو آخر اِس مسئلہ کا حل کیا ہے؟ برائے کرم از روئے شرع تفصیلی اَحکام سے مطلع فرمائیں؛ تاکہ اِس فتویٰ کی بصورِ اشتہار اِشاعت کی جائے، اور عام لوگ حکم شرعی سے واقف ہوں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں مرغی کا گوشت اُس وقت ناپاک ہوگا جب کہ مرغی کو تیز گرم کھولتے ہوئے پانی میں اتنی دیر ڈال کر رکھا جائے کہ پانی نجاست تک سرایت کرکے گوشت میں جذب ہوجائے؛ لیکن اگر پانی زیادہ گرم نہ ہو، یا گرم ہو مگر بہت مختصر وقت کے لئے پانی میں ڈالا گیا کہ گرمی کا اثر صرف کھال تک رہا اندر نہ پہنچا، تو ایسی مرغیوں کا گوشت پاک رہے گا، اور اُس کی خرید وفروخت حلال ہوگی، مشین سے پروں کی صفائی کی صورت میں یہی تفصیل پیشِ نظر رکھی جائے گی۔

لكن العلة المذكورة لا تثبت ما لم يمكث اللحم بعد الغليان زمانًا يقع في مثله التشرب، والدخول في باطن اللحم، وكل منهما غير متحقق في السميط، حيث لا يصل إلى حد الغليان، ولا يترك فيه إلا مقدار ما تصل الحرارة إلى ظاهر الجلد لتنحل مسام الصوف. (شامي، كتاب الصلاة / باب الأنجاس، مطلب: في تطهير الدهن والعسل ۱/۳۳٤ كراچی، ۱/٥٤٤ زكريا، البحر الرائق ۱/۲۳۸ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۰/۸/۱۸ھ

مرغ ذبح کرکے گرم پانی میں ڈالنا اور اُس کی کھال کا حکم؟

سوال (۳۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مہینوں سے ہمارے یہاں آندھراپردیش ضلع کنٹور اور اُس کے آس پاس جتنے گاؤں شہر ہیں، سب جگہوں سے مرغ کی کھال کے بارے میں بہت سارے لوگوں نے پوچھا کہ شرعی اعتبار سے اس کا کھانا کیسا ہے؟ کوئی حرام کہتا ہے اور کوئی مکروہ تحریمی کہتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ مکروہ ہے، کوئی کہتا ہے اِس میں کیا نقصان ہے؟ ہمارے یہاں سب کھال کے ساتھ ہی کھاتے ہیں، برائے کرم اِس کو کھال کے ساتھ کھانے کے جواز کی کوئی صورت ہو تو اُس کو بتائیں۔ کوئی کہتا ہے کہ مرغ کو ذبح کرکے اُس کے پیٹ کو چاک کرکے اُس کے اندر کی غلاظت کو نکال کر گرم پانی میں ڈال دو، تو یہ صورت جائز ہے، ہم نے کہا پانی تو کئی مرغ ڈالنے کی وجہ سے ناپاک ہوجاتا ہے، اُس کے اثرات گوشت میں چلے جاتے ہیں، کیا یہ صورت صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرغ وغیرہ کا گوشت کھال سمیت کھانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، اَب رہ گیا ذبح کرنے کے بعد گرم پانی میں ڈالنے کا مسئلہ تو اس میں درج ذیل صورتیں ہیں، اور ہر صورت کا حکم الگ الگ ہے:

(۱) اگر ذبح کرنے کے بعد آلائش نکال کر اور دمِ مسفوح ٹھنڈے پانی سے اچھی طرح دھوکر گرم پانی میں ڈالا، پھر اُس کے بعد پَر وغیرہ اُکھیڑ لیا، تو شرعاً اُس میں نہ کوئی ناپاکی ہے اور نہ کوئی کراہت۔

(۲) اگر ذبح کرنے کے بعد آلائش نکالی؛ لیکن دمِ مسفوح جو گردن پر لگا ہوا تھا اُس کو پاک نہیں کیا، اور اسی حالت میں ہلکے گرم پانی میں ڈال دیا، تو ایسی صورت میں پاک کرنے کے بعد اُس مرغ کو استعمال کرنا جائز ہوجائے گا۔

(۳) اگر ذبح کرنے کے بعد آلائش نہیں نکالی اور اِسی طرح تیز کھولتے ہوئے پانی میں ڈال دیا؛ لیکن اتنے کم وقت کے لئے ڈالا کہ پانی کا اثر صرف کھال تک پہنچا گوشت تک سرایت

نہیں ہوا، تو اِس صورت میں بھی اوپر سے اچھی طرح دھونے اور آلائش نکالنے کے بعد گوشت کا استعمال کرنا درست رہے گا (اکثر دوکانوں میں یہی صورت پیش آتی ہے)

(۴) اگر ذبح کرنے کے بعد آلائش نہیں نکالی یا بغیر دھوئے اِس قدر تیز گرم پانی میں دیر تک ڈالے رکھا کہ اُس نجاست کے اثرات گوشت میں پہنچ گئے (اکثر ایسا نہیں ہوتا) تو اِس صورت میں نجاست سرایت کرنے کی وجہ سے گوشت ناپاک ہوجائے گا، اور اِس کا استعمال کسی طرح درست نہ گا۔

وذكر بكر رحمه الله أن الجلد كاللحم. (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوىٰ الهندية ٢٩٤/٦)

واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح. (البحر الرائق ١٧٨/٨، فتح القدير ٥١٨/٩)

إن الزكاء مؤثرة في إزالة الرطوبات والدماء السيالة، وهي النجسة دون ذات الجلد واللحم، وهٰذا الحكم مقصود في الجلد كالتناول في اللحم. (فتح القدير ٥٠٢/٩)

وكذا دجاجةٌ مُلقاةٌ حَالَّةٌ على الماء لِلنَّتفِ قبل شقها (الدر المختار) قال الشامي: لكن على قول أبي يوسف تطهرُ، والعلة – والله أعلم – تشربها النجاسة بواسطة الغليان، وعليه اُشتُهِرَ أن اللحم السميط بمصر نجس، لكن العلة المذكورة لا تثبت ما لم يمكث اللحم بعد الغليان زمانًا، يقع في مثله التشرب والدخول في باطن اللحم، وكل منهما غير متحقق في السميط حيث لا يصل إلى حد الغليان، ولا يترك فيه إلا مقدار ما تصل الحرارة إلى ظاهر الجلد لتنحلَّ مسامُّ الصوف؛ بل لو ترك يمنع انقلاع الشعر. (الدر المختار مع الشامي / باب الأنجاس ٥٤٤/١ زكريا)

وفي فتح القدير: ولو ألقيت دجاجة حال الغليان في الماء قبل أن يشق بطنها لُتُنتَفَ أو كَرِشٌ قبل الغسل لايطهرُ أبدًا، لكن على قول أبي يوسف يجب أن يُطهَّر على قانون ما تقدم في اللحم، قلت: وهو – سبحانه أعلم – هو معلل بتشربهما النجاسةَ المتخللة بواسطة الغليان، وعلى هٰذا اشتهر أن اللحم

السميط بمصر نجس لا يطهَر، لكن العلة المذكورة لا تثبت حتى يصل الماء إلى حد الغليان، ويمكث فيه اللحم بعد ذٰلک زمانًا يقع في مثله التشرب والدخول في باطن اللحم، وكل من الأمرين غير متحقق في السميط الواقع، حيث لا يصل الماء إلى حد الغليان، ولا يترک فيه إلا مقدار مَا تَصِلُ الحرارة إلى سطح الجلد، فتنحل مسام السطح من الصوف بل ذلک الترک يمنع من وجوده انقلاع الشعر، فالأولى في السميط أن يطهر بالغَسل ثلاثا لِتَنَجُّسِ سطح الجلد بذلک الماء؛ فإنهم لا يحترسون فيه من المنجس، وقد قال شرف الأئمة بهذا في الدجاجة والكَرِشِ، والسميطُ مثلهما. (البحر الرائق / باب الأنجاس ۲۳۹/۱، كذا في درر الحكام شرح غرر الأحكام ٤٥/۱ الشاملة، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح ١٦٠/١، فتح القدير / باب الأنجاس و تطهيرها ٢١٠/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۱/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ولایتی گائے کے دودھ اور گوشت کا حکم؟

سوال (۳۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ولایتی گائے کا دودھ وغیرہ استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ کیا شرعی نقطۂ نظر سے جائز ہے یا نہیں یا حرام ہے؟ چوں کہ معلوم ہوا ہے کہ ولایتی گائے خنزیر کے ذریعہ تیار کی جاتی ہے، یعنی نر خنزیر ہوتا ہے اور مادہ گائے ہوتی ہے، اُس سے بچہ ہوتا ہے، وہی گائے ''جرسی'' بھی بولی جاتی ہے، لوگ یہاں یہ بیان کرتے ہیں کہ اِسی وجہ سے اُس گائے کی بناوٹ بھی اُس سے ملی جلی ہوتی ہے اور دودھ بھی ۲۰/۳۰/۳۱ / لیٹر تک دیتی ہے، اور بعض نے تو اِس طرح مشاہدہ بیان کیا کہ ضلع بارہ بنکی میں ایک جگہ ہے، جہاں پر ایک بلڈنگ میں اِسی طرح گائے تیار کی جاتی ہے، بہرکیف جو بھی صورت ہو واضح فرمادیں کہ اِن گایوں کا دودھ اور گوشت وغیرہ جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ولایتی گائے کا دودھ استعمال کرنا شرعاً جائز اور درست ہے؛ اِس لئے کہ شرعاً حلت وحرمت میں مادہ کا اعتبار ہوتا ہے اور مادہ یہاں بہرحال گائے ہے۔

والمولود بين الأهلي والوحشي يتبع الأم؛ لأنها هي الأصل في التبعية، حتى إذا نزا الذئب على الشاة يضحي بالولد. (الهداية ٤/٤٣٣)

وقال في البناية: قوله: يتبع الأم أي الذي ولد بين الحيوانات الأهلي كالشاة مثلاً وبين الحيوان الوحشي كالظبي مثلاً يتبع أمه؛ لأنها جزء الأم، فإن الفحل صار مستهلكًا بحضانتها، والمنفصل من الفحل هو المال، ومن الأم الحيوان فلذٰلک اعتبرت حتى إذا نزا الذئب على الشاة يضحي بالولد اعتبارًا بالأم. (البناية شرح الهداية ١٢/٤٨، هكذا في الدر المختار / كتاب الأضحية ٩/٤٦٦ زكريا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۳/۷/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَمریکن گائے کا دودھ اور گوشت کھانا؟

سوال (۳۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اَمریکن گائے کا دودھ پینا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اُس کا گوشت کھانا اور اُس کے جانور سے کھیتی وغیرہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اَمریکن گائے حلال ہے، اس کا دودھ پینا، گوشت کھانا اور دیگر نفع اُٹھانا درست ہے؛ اِس لئے کہ جانوروں میں نسل کا اعتبار ''مادہ'' سے کیا جاتا ہے۔

والمولود بين الأهلي والوحشي يتبع الأم؛ لأنها هي الأصل في التبعية حتى إذا نزأ الذئب على الشاة يضحى بالولد. (الهداية ٤/٤٣٣، الدر المختار / كتاب الأضحية ٦/٣٢٢ كراچی، ٩/٤٦٦ زكريا)

والمولود بين الأهلي والوحشي يتبع الأم؛ لأنها هي الأصل في التبعية فيجوز بالبغل الذي أمه بقرة وبالظبي الذي أمه شاة. (مجمع الأنهر ٥١٩/٢ دارإحياء التراث العربي بيروت، ١٧١/٤ مكتبة فقيه الأمة ديوبند)

فإن كان متولدًا من الوحش والإنس، فالعبرة بالأم، فإنت كانت أهلية يجوز وإلا فلا. (بدائع الصنائع ٢٠٥/٤ زكريا، جديد فقهى مسائل ٣٤١/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۳/۹/۲ھ

انجکشن سے گائے گابھن کرانا اور اُس کا دودھ پینا؟

سوال (۳۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گائے کو انجکشن کے ذریعہ سے گابھن کرکے اُس گائے کے دودھ کو پینا یا دوسرے کام میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی گائے کے دودھ پینے اور دیگر استعمال میں لانے کے متعلق کوئی ممانعت احقر کی نظر سے نہیں گزری۔

لبن المأكول حلال. (الدر المختار / كتاب الأشربة ٤٥٦/٦ كراچی)

واعلم أن الأصل في الأشياء كلها سوى الفروج الإباحة ...... إنما تثبت الحرمة بعارض نص مطلقٌ أو خبر مروي، فما لم يوجد شيء من الدلائل المحرّمة، فهي على الإباحة. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر / كتاب الأشربة ٥٦٨/٢ دار إحياء التراث العربي بيروت، ٢٤٤/٢ مكتبة فقيه الأمة ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۳/۴/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

انجکشن سے جانور کو حاملہ کرنا؟

سوال (۳۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بھینس، گائے، بکری کے حاملہ کرنے کا طریقہ پہلے سے جفتی کے ذریعہ سے چلا آرہا ہے؛ لیکن اَب بھینس گائے اور بکری کے حاملہ کرنے کا طریقہ یہ چل رہا ہے کہ انجکشن لگادیتے ہیں، اور یہ مادہ حاملہ ہوجاتی ہے، کسی سرکاری جانوروں کے ہسپتال سے ڈاکٹر انجکشن لگاتے ہیں۔

معلوم یہ کرنا ہے کہ اِس طرح انجکشن سے اپنے جانوروں کو حاملہ کراسکتے ہیں؟ بہت سارے شکوک وشبہات آرہے ہیں، معلوم نہیں کہ وہ مادۂ منویہ کس جانور کا ہے، اور کیسے لیا گیا ہے، بہرحال ہم لوگ اپنے مفتیانِ کرام کی ہدایات کے پابند ہیں، اگر اجازت ملی تو یہ کام کریں گے، ورنہ اُسی پرانے طریقہ سے جفتی کراکر حاملہ کرائیں گے، آں محترم کے فیصلہ کا انتظار ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انجکشن سے جانور کو حاملہ کرانے کا طریقہ خلافِ فطرت ہے، اِس سے اجتناب لازم ہے، اور اِس کے بجائے باقاعدہ جفتی کا طریقہ اپنانا چاہئے؛ تاہم اگر انجکشن کے ذریعہ حاملہ کرالیا گیا تو اُس سے جو بچہ پیدا ہوگا وہ حرام نہیں کہلائے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۸/ ۲۴۷ ڈابھیل)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ﴾ [الروم، جزء آیت: ۳۰]

يعني لا تبدلوا خلق اللّٰه. (تفسير المظهري ۲/ ۴۵۶)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ﴾ [النساء، جزء آیت: ۱۱۹]

مستفاد: المتولد بين الأهلي والوحشي يتبع الأم. (شامي / كتاب الأضحية ۶/ ۳۲۲ دار الفكر بيروت، ۹/ ۴۶۶ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/ ۲/ ۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جو گائے خنزیر کے نطفہ سے بچہ دے اُس کے دودھ کا حکم؟

سوال (۳۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جو گائیں خنزیر کے نطفے سے بچہ دیتی ہیں، اُن کا دودھ استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اَولاً تو یہ متعین نہیں کہ اَمریکن گائے خنزیر کے نطفہ سے پیدا ہوتی ہے، اور اگر بالفرض ایسا ہو تو جب تک اُس میں خنزیر سے صورۃً وسیرۃً مشابہت نہ پائی جائے، اُس کے استعمال کو ممنوع نہیں کہا جاسکتا۔

ولو نزا كلب على شاةٍ فولدت، قال عامة العلماء: لا يجوز، وقال الإمام الخير: العبرة للمشابهة. (بزازية على هامش الفتاوىٰ الهندية ٢٨٩/٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۶/۱۱/۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جرسی گائے کے دودھ اور گوشت کا حکم؟

سوال (۳۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جرسی گائے کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اُس کے دودھ کے سلسلہ میں شرعاً کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جرسی گائے؛ گائے کی نسلوں میں سے ایک نسل ہے، جس کی ہیئت وصورت اور غذا وغیرہ دیگر گایوں جیسی ہی ہوتی ہے؛ لہٰذا اُس کا گوشت کھانا اور دودھ پینا سب بلاشبہ حلال ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲۹۷/۱۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۷/۲/۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حلال جانوروں کے حرام اَجزاء

حرام مغز جائز ہے یا ناجائز؟

سوال (۳۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حرام مغز کا کھانا جائز ہے یا ناجائز؟ جب کہ فتاویٰ محمودیہ کی تین الگ الگ جلد میں اِس کو ممنوعات میں شمار کیا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۱/۳۴۱، ۱۴/۴۵۸ اور طحطاوی کا بھی حوالہ مذکور ہے۔

ویزید نخاع الصلب الخ. (طحطاوي ٤/٣٦٠)

نیز ''فتاویٰ رشیدیہ ۵۵۲'' پر حرام مغز ممنوعات میں شمار کیا گیا ہے؛ البتہ کفایت المفتی میں اِس کے برعکس ہے، جس سے جواز معلوم ہوتا ہے براہِ کرم صحیح اور تحقیقی قول سے مطلع فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حرام مغز کی حرمت کے سلسلہ میں کوئی روایت نظر سے نہیں گذری؛ البتہ بعض فقہاء نے اُسے محرمات میں شامل کیا ہے، اِسی وجہ سے فتاویٰ میں اختلاف ہوگیا۔ تطبیق کی شکل یہ ہوسکتی ہے کہ حرام مغز میں طبعی کراہت مراد لی جائے نہ کہ شرعی کراہت، پھر کوئی تعارض نہ رہے گا۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۸/۲۸۷، فتاویٰ محمودیہ ۱۴/۳۵۸، ۱۱/۳۴۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۵/۲/۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جانور کے حرام اجزاء اور حرام مغز کی تفصیل؟

سوال (۴۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جواب نامہ ب ۱/۸۶۵ ملا، فتویٰ میں حرام مغز کو حرام نہیں بتایا گیا ہے، جب کہ فتاویٰ رشیدیہ

میں ۴۵۴ پر حرام مغز کو ممنوع لکھا ہے، فتاویٰ رشیدیہ کے مسئلہ کا مطلب سمجھایا جائے، اور بہشتی زیور میں درمختار کے حوالہ سے حسبِ ذیل عبارت کا مطلب سمجھا دیا جائے:

وكره تحريمًا من الشاة سبع: الحياء، والخصية، والغدة، والمثانة، والمرارة، والدم المسفوح، والذكر. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الخنثى / مسائل شتىٰ ٧٤٩/٦ كراچی)

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہم نے جو فتویٰ لکھا تھا، وہ تمام کتبِ فقہ کی صراحتوں کے موافق ہے، آپ نے جو عبارت نقل کی ہے اُس میں بھی حرام مغز کا ذکر نہیں ہے، حضرت گنگوہیؒ نے حرام مغز کو جو ممنوع کہا ہے اُس کا مأخذ ہمیں معلوم نہیں ہوسکا۔ ۷؍ حرام چیزیں یہ ہیں: (۱) مادہ جانور کی شرم گاہ (۲) غدود: جو خون جم کر گٹھلی بن جاتا ہے (۳) مثانہ (۴) پتہ (۵) بہنے والا خون (۶) نر جانور کا ذکر (۷) خصیہ۔ آپ کی نقل کردہ عبارت کا یہی ترجمہ ہے۔

وكره رسول الله صلى الله عليه وسلم من الشاة الذكر والأنثيين والقبل والغدة والمرارة والمثانة والدم. قال أبوحنيفة: الدم حرام وأكره الستة. (شامي ٤٧٧/١٠ زكريا، البحر الرائق ٤٨٥/٨، مجمع الأنهر ٤٨٩/٤ بيروت)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: كره تحريمًا، وقيل: تنزيهًا – والأول أوجه – من الشاة سبع: الحياء، والخصية، والغدة، والمثانة، والمرارة، والدم المسفوح، والذكر، للأثر الوارد في كراهة ذٰلك. وجمعها بعضهم في بيت واحد، فقال: فقل ذكر والأنثيان مثانة كذٰلك دم ثم المرارة والغدود.

وقال غيره:

إذا ما ذكيت شاةً فكلها ❖ سوى سبع ففيهن الوبال

فحاء ثم خاء ثم غين ❖ ودال ثم ميمان و ذال

(الدر المختار)

قال الشامي رحمه الله تعالیٰ: قوله: کره تحريمًا، لما روى الأوزاعي عن واصل بن أبي جميلة عن مجاهد قال: كره رسول الله صلى الله عليه وسلم من الشاة الذكرَ والأنثيين، والقبل، والغدة، والمرارة، والمثانة، والدم. قال أبو حنيفة رحمه الله تعالیٰ: الدم حرام وأكره الستة، وذٰلک لقوله عزوجل: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ﴾ فلما تناوله النص، قطع بتحريمه، وكره ما سواه؛ لأنه مما تستخبثه الأنفس وتكرهه. وهٰذا المعنیٰ سبب الكراهية، لقوله تعالیٰ: ﴿وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾ زيلعي.

وقال في البدائع آخر كتاب الذبائح: وما روي عن مجاهد، فالمراد منه كراهة التحريم بدليل أنه جمع بين الستة وبين الدم في الكراهة، والدم المسفوح محرم. والمروي عن أبي حنيفة رحمه الله تعالیٰ أنه قال: الدم حرام وأكره الستة. فأطلق الحرام على الدم، وسمى ما سواه مكروهًا؛ لأن الحرام المطلق ما ثبتت حرمته بدليل مقطوع به، وهو المفسر من الكتاب، قال الله تعالیٰ: ﴿أَوْ دَمًا مَسْفُوْحًا﴾ وانعقد الإجماع على حرمته. وأما حرمة ما سواه من الستة، فما ثبت بدليل مقطوع به؛ بل بالاجتهاد أو بظاهر الكتاب المحتمل للتأويل أو الحديث، فلذا فصل، فسمى الدم حرامًا وذا مكروهًا ...... الخ. (رد المحتار، كتاب الخنثیٰ / مسائل شتى ٧٤٩/٦ كراچی، وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الذبائح / فصل فيما يحرم أكله من أجزاء الحيوان ٢٧٢/٦ دار الكتب العلمية بيروت، وكذا في الفتاوىٰ الهندية، كتاب الذبائح / الباب الثالث في المتفرقات ٢٩٠/٥ زكريا)

قوله: والدم المسفوح، وزيدَ نخاع الصلب. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الخنثیٰ / مسائل شتى ٣٦٠/٤ دار المعرفة بيروت)

وكره من الشاة الحياء والخصية والغدة ...... ونخاع الصلب. (كنز الدقائق / مسائل شتى ٤٣٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۱۰/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حلال جانور کے کون سے اَعضاء کھانا منع ہے؟

سوال (۴۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حلال جانور (بھینس وغیرہ) کے اندر کون کونسی چیزیں کھانا جائز ہے اور کونسی ناجائز؟ اور اوجھڑی کی بٹ وغیرہ کھانا مکروہ ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حلال جانوروں کی سات چیزیں کھانا منع ہے، جن میں سے چھ چیزیں مکروہ تحریمی ہیں اور ساتویں چیز قطعاً حرام ہے: (۱) مذکر کی شرم گاہ (۲) مؤنث کی شرم گاہ (۳) خصیتین (۴) غدود یعنی جسم کے اندر کی گانٹھی (۵) پتہ (۶) مثانہ، یعنی پیشاب کی تھیلی (۷) بہنے والا خون جو کہ قطعاً حرام ہے، اور اوجھڑی کی بٹ کھانا بلاکراہت جائز ہے، اِن مذکورہ سات چیزوں کے علاوہ سب چیزیں کھانا حلال اور جائز ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۷/۴۰۶، فتاویٰ محمودیہ ۱۴/۳۵۸)

وروى الأوزاعي عن واصل بن أبي جميل عن مجاهد قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يكره من الشاة سبعًا: الدم، والمرارة، والذكر، والأنثيين، والحياء، والغدة، والمثانة. (السنن الكبرى للبيهقي ١١/١٠ رقم: ١٩٧٠٠- ١٩٧٠١، كذا في كتاب الآثار / باب ما يكره من الشاة الدم وغيره ١٧٩)

ويكره من الشاة الحيا، وهو الفرج، والخصية، والمثانة، والذكر، والمرارة، والغدة، والدم المسفوح. قال الإمام: الدم حرامٌ وأكره الستة. (مجمع الأنهر، كتاب الخنثىٰ / مسائل شتىٰ ٤/٤٨٩ دار الكتب العلمية بيروت)

وكره تحريمًا من الشاة سبع: الحياء، والخصية، والغدة، والمثانة، والمرارة، والدم المسفوح، والذكر. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الخنثى / مسائل شتىٰ ٦/٧٤٩ كراچی)

فالذي يحرم أكله منه سبعة: الدم المسفوح، والذكر، والأنثيان، والقبل،

والغدة، والمثانة، والمرارة، لقوله تعالىٰ: ﴿وَيُحَرِّمُ عَلَيۡهِمُ الۡخَبَآئِثَ﴾ وهٰذه السبعة مما تستخبثه الطبائع السليمة، فكانت محرمةً. (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح / فصل فيما يحرم أكله من أجزاء الحيوان ٦/٢٧٢ دار الكتب العلمية بيروت، ٤/١٩٠ زكريا، وكذا في إعلاء السنن، كتاب الذبائح / فصل فيما يحرم أكله من أجزاء الحيوان ١٧/١٣٠ إدارة القرآن كراچی، وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الخنثىٰ / مسائل شتى ٦/٤٦٣ كراچی، ٧/٤٦٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۶/۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حلال جانور کے کون کون سے اجزاء حرام ہیں؟

سوال (۴۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حلال جانور کی جو سات چیزیں کھانی مکروہِ تحریمی ہیں، اُس سلسلہ میں یہاں کچھ غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں، اُمید کہ اُنہیں دور فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے، آپ کے مسائل اور ان کا حل ۴/۲۵۵ میں بحوالہ مصنف عبد الرزاق مراسیل ابی داؤد، اور سنن کبریٰ بیہقی حلال جانور کی سات چیزوں کو مکروہ تحریمی لکھا ہے: (۱) بہتا ہوا خون (۲) غدود (۳) مثانہ (۴) پتہ (۵) نر کی پیشاب گاہ (۶) مادہ کی پیشاب گاہ (۷) کپورے۔

اور تذکرۃ الرشید میں مذکور ہے کہ حلال جانور کی سات چیزیں کھانی منع ہیں: (۱) ذکر (۲) فرج مادہ (۳) مثانہ (۴) غدود (۵) حرام مغز (جو پشت کے مہرے میں ہوتا ہے) (۶) خصیہ (۷) پتہ۔

اور آگے تحریر ہے کہ خون سائل قطعی حرام ہے، بعض روایات میں گردہ کی بھی کراہت لکھتے ہیں، اور کراہتِ تنزیہی پر حمل کرتے ہیں، نیز فتاویٰ رحیمیہ ۲/۲۳ میں یوں ہے، سات چیزیں حلال جانور کی کھانی منع ہیں: (۱) ذکر (۲) فرج مادہ (۳) مثانہ (۴) غدود، یعنی حرام مغز جو پشت کے مہرے میں ہوتا ہے (۵) خصیہ (۶) پتہ مرارہ جو کلیجی میں تلخ پانی کا ظرف ہے، اور خون سائل قطعی حرام ہے، مگر بعض روایات میں کڑوے پتے کی کراہت لکھتے ہیں، اور کراہت تنزیہی پر حمل کرتے

ہیں۔ کفایت المفتی ۲۸/۷/۶، میں لکھا ہے کہ حرام مغز نہ حرام ہے نہ مکروہ، مذکورہ فتاویٰ کے پیشِ نظر چند باتیں قابلِ استفسار ہیں:

(۱) مغز حرام کا کیا حکم ہے؟ کفایت المفتی اور تذکرۃ الرشید کی عبارت میں ٹکراؤ معلوم ہورہا ہے، نیز تطہیر مادۂ منویہ کے قائل حضرات کی اِس بارے میں کیا رائے ہے؟

(۲) غدود اور حرام مغز ایک ہی چیز ہے یا علیحدہ علیحدہ؛ کیوں کہ فتاویٰ رحیمیہ میں غدود پر نمبر (۴) کا عدد ڈال کر اور لکھ کر اُس کی گویا تشریح حرام مغز سے کی گئی ہے۔

(۳) آپ کے مسائل وغیرہ میں پتے کو مکروہ تحریمی لکھا ہے، اور فتاویٰ رحیمیہ میں بعض روایات کے حوالہ سے اِس کو کراہتِ تنزیہی پر محمول کیا ہے، اِس طرح مکروہِ تحریمی کی فہرست سے ایک چیز ہٹ کر چھ چیزیں باقی رہ جائیں گی۔

(۴) گردہ کھانے کے سلسلہ میں مفتی بہ قول کیا ہے؟

(۵) اُمید کہ لفظ غدود اور حرام مغز کی ذرا کھل کر تشریح فرماتے ہوئے حلال جانور کی سخت پیلی رگوں کا حکم بھی تحریر فرمائیں؟

(۶) بعض حضرات قوت مردانگی اور قوتِ باہ میں اِضافہ کرنے کے لئے کپورے ہوٹلوں میں اسپیشل پکا کر کھلایا کرتے ہیں، اِس کا کیا حکم ہے؟ کیا مسلم قصائی کپورے فروخت کرسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) حرام مغز کی کراہت کے بارے میں قرآن وحدیث سے کوئی صریح دلیل دستیاب نہیں ہوسکی، بعض فقہی کتابوں میں ''نخاع الصلب'' کی کراہت کا ذکر ہے، مگر اُس کی دلیل مذکور نہیں، اِسی وجہ سے کفایت المفتی میں یہ لکھا گیا ہے کہ ''حرام مغز نہ حرام ہے نہ مکروہ''، یہ دراصل حرام مغز کے بارے میں شرعی حکم کا اظہار ہے، اور تذکرۃ الرشید میں حرام مغز کو مکروہات میں شمار کیا ہے، غالبًا اِس سے مراد طبعی کراہت ہے، اِس اعتبار سے دونوں کتابوں میں تطبیق دی جاسکتی ہے۔

لما روی الأوزاعي عن واصل بن جمیلة عن مجاهد قال: کره رسول اللّٰه

صلى الله عليه وسلم من الشاة: الذكر والأنثيين والقبل والغدة والمرارة والمثانة والدم. (شامي ۱۰/٤٧٧ زكريا)

الحديث نص في كراهة هٰذه الأشياء السبع، وهو مذهب الحنفية، فإن قلت لا يجوز أن تكون الكراهة طبعية لا شرعية، قلنا: لو كان كذلك لكانت الأمعاء أولى بالكراهة، فدل ذٰلك على أنها ليست بطبعية بل شرعية. (إعلاء السنن ۱۷/۱٤٤ بيروت، ۱۷/۱۳۰ إدارة القرآن كراچی)

اورحرام مغز کے بارے میں تطہیر مادہ منویہ کے قائل حضرات کی کیا رائے ہے، ہمیں معلوم نہیں۔

(۲) غدود اور حرام مغز دونوں الگ الگ چیز ہیں، دونوں کو ایک قرار دینا بے دلیل ہے، تذکرۃ الرشید جس کا فتاویٰ رحیمیہ میں حوالہ دیا گیا ہے، اُس میں بھی دونوں کو الگ الگ ذکر کیا گیا ہے۔ (تذکرۃ الرشید ۱۷۴)

(۳) پتہ کھانا مکروہ تحریمی ہے، اور فتاویٰ رحیمیہ میں بعض حضرات کے حوالہ سے اُس کو جو مکروہ تنزیہی کہا گیا ہے، وہ مفتی بہ نہیں ہے۔

وقيل: إن الكراهة في الأجزاء الستة تنزيهًا، لكن الأوجه كما في الدر المختار: أنها تحريمية. (الموسوعة الفقهية ٥/١٥٣، الدر المختار مع رد المحتار ۱۰/٤٧٨)

(۴) گردہ کھانا مطلقاً حلال ہے؛ اِس لئے کہ اس کو حدیث میں مکروہ اعضاء میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

كره رسول الله صلى الله عليه وسلم من الشاة: الذكر والأنثيين والقبل والغدة والمرارة والمثانة والدم. (شامي ۱۰/٤٧٧ زكريا)

(۵) غدود غدہ کی جمع ہے، اِس کے معنی جمے ہوئے خون کی گٹھلی کے ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۷/۲۹۷ ڈابھیل)

اورحرام مغز اس گودے کو کہتے ہیں جو ریڑھ کی ہڈی میں ہوتا ہے۔ (فیروز اللغات ۵۶۵)

اورحلال جانور کی پیلی رگیں جنہیں پٹھہ بھی کہا جاتا ہے، حرام یا مکروہ قرار نہیں دی جائیں گی ؛اِس لئے کہ وہ مستثنیات میں داخل نہیں ہیں۔

(٦) کپورے کھانا کسی حال میں جائز نہیں ہے، اوراس کی بیع بھی مکروہ ہے، اور اس کو کھانے پکانے والے اوراس کا کاروبار کرنے والے سب گنہگار ہوں گے۔

وأما بيع الخمر وشراءها فحرام أيضًا عند الفقهاء بأسراهم. (تكملة فتح الملهم ١/٥٥٠)

إن الذي حرم شربها حرم بيعها. (مستفاد: تكملة فتح الملهم ١/٥٥٣) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۸/ ۱۱/ ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حلال جانور کے مکروہ اَعضاء

سوال (۴۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حلال شدہ جانور کے کون کون سے اعضاء حلال ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حلال جانوروں میں درج ذیل سات چیزیں حرام ہیں: (۱) بہتا ہوا خون (۲) نر جانور کا عضو مخصوص (۳) خصیتین (۴) مادہ جانور کی پیشاب گاہ (۵) غدود (٦) مثانہ (۷) پتہ، ان اشیاء کے علاوہ کوئی چیز حرام نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/ ۴۰٦)

عن مجاهد قال: كره رسول الله صلى الله عليه وسلم من الشاة سبعًا: المرارة والمثانة والغدة والحياء والذكر والأنثيين والدم، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحب من الشاة مقدمها. أخرجه محمد في كتاب الآثار ص: ١١٦.

(إعلاء السنن، كتاب الذبائح / باب ما يكره من الحيوان المزكى ١٧/ ١٤٤ رقم: ٥٥٢٢ دار الكتب العلمية بيروت)

وأما بيان مايحرم أكله من أجزاء الحيوان سبعة: الدم المسفوح،

والذكر، والانثيان، والقبل، والغدة، والمثانة، والمرارة، كذا في البدائع. (الفتاویٰ الهندية ٢٩٠/٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۳/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیل اور مرغ کی حرام اور مکروہ چیزیں کیا ہیں؟

سوال (۴۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بیل یا مرغ کے اندر کیا کیا چیزیں نا جائز ہیں، یا مکروہ ہیں، یا حرام ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حلال جانوروں کی درج ذیل سات چیزیں کھانا حرام اور مکروہِ تحریمی ہے: (۱) بہتا ہوا خون (۲) ذکر (۳) خصیتین (۴) شرم گاہ (۵) غدود (۶) مثانہ (۷) پتہ۔

وأما بيان ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان سبعة: الدم المسفوح والذكر والأنثيان والقبل والغدة والمثانة والمرارة. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الذبائح / الباب الثاني ٢٩٠/٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۷/۱۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مرغی کے کون کون سے اَعضاء حرام ہیں؟

سوال (۴۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مرغی میں کن چیزوں کا کھانا حلال ہے اور کن چیزوں کا کھانا حرام؟ ایک عالم سے سنا ہے کہ اگر مرغی کو چھیلنے کے بعد بغیر کاٹے اور اُس کی مغلظات کو نکالنے سے پہلے آگ میں دھونی دی جائے، تو اُس مرغی کا کھانا حرام ہوجاتا ہے اور جس پلیٹ میں پکانے کے بعد رکھی جائے، وہ پلیٹ بھی نجس

ہوجاتی ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ اور اُنہوں نے صحیح طریقہ یہ بتلایا کہ چھیلنے کے بعد اُس کو کاٹ کر اُس کے مغلظات کو نکالا جائے اور پھر اُس کو دھونی دی جائے گی، تو گوشت کا مزہ بدل جائے گا، اور یہ شکل مشکل الحصول ہے۔ اور یہ بھی سنا ہے کہ اُس کے اندر ایک سفید گودا ہوتا ہے جس کو عام طور سے لوگ نکالتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ حرام ہے اور مرغہ میں انڈا کی شکل میں کاٹتے وقت ایک انڈا نکلتا ہے، خون کی شکل میں اُس کا کھانا بھی جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اَعضاء مرغی میں سے سات چیزوں کا کھانا حرام ہے، بہتا خون، عضوتناسل، خصیتین قبل، گلٹی، مثانہ اور پتہ اُس کے علاوہ چیزیں کھائی جاسکتی ہیں۔

ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان سبعة: الدم المسفوح، والذكر، والأنثيين، والقبل، والغدة، والمثانة، والمرارة. (الفتاویٰ الهندية ٥/٢٩٠)

اور عالم صاحب کی باتیں اُس وقت درست ہیں، جب کہ نہایت تیز گرم پانی میں دیر تک ڈال دیا جائے؛ البتہ صرف دھونی دینے سے مرغی حرام نہیں ہوتی؛ لیکن زائد دیر تک دھونی نہ دینی چاہئے۔ (فتاویٰ احیاء العلوم ۲۳۹)

وكل منهما غير متحقق في السميط حيث لا يصل إلى حد الغليان. (شامي ٣٣٤/١ كراچی، ٥٤٤/١ زكريا)

سفید گودا سے مراد اگر حرام مغز ہے تو اُس گودے کا کھانا درست ہے، اور انڈے سے مراد خصیہ ہے تو اُس کا کھانا جائز نہیں۔ (کفایت المفتی ۲۶۲/۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۱۲/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر ماکول اللحم جانور

زہر نکال کر سانپ کو کھانا؟

سوال (۴۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا مذہب اِسلام میں سانپ کا زہر نکال کر کھانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سانپ کسی حال میں کھانا جائز نہیں ہے؛ اِس لئے کہ وہ حشرات الارض میں سے ہے۔

وکذٰلک ما لیس له دم سائل مثل الحیة. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الکراهیة / الباب الثاني ۲۸۹/۵)

وکرهوا أیضًا جمیع الهوام التي سکناها في الأرض نحو …… والحیات. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۴۴۹/۱۸ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۱۰/۱۹ھ

لاعلمی میں خنزیر کا گوشت کھالیا؟

سوال (۴۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: چند مسلمان جو باجا بجانے کا کام کرتے ہیں، ایک بھنگی کی بارات میں باجا بجانے جارہے تھے، اتفاق سے راستہ میں اُنہیں رومال ملا جس میں کھانا بندھا ہوا تھا، اُن سب لوگوں نے اُس کھانے کو کھالیا، اَب اُس شخص کے یہاں جہاں اُن لوگوں کو جانا تھا یہ گئے، اور اُس نے رومال کو پہنچان لیا،

اور اُن لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ رومال تمہیں کہاں سے ملا؟ تو اُنہوں نے بتایا کہ راستہ میں پڑا ہوا ملا، اُس نے دریافت کیا کہ اِس میں کھانا بھی تھا، اُس کا کیا ہوا؟ تو اُنہوں نے بتایا کہ ہم نے کھالیا، تو اُس نے بتایا کہ اُس کھانے میں سور کا گوشت تھا۔

اَب سوال یہ ہے کہ اُن لوگوں کو کیا کرنا چاہئے؟ وہ حضرات بہت زیادہ پریشانی میں پڑے ہوئے ہیں، ازراہِ کرم اِس کا جواب رسالہ ندائے شاہی کی قریبی اشاعت میں شائع کردیں؛ تاکہ سب ہی لوگوں کو معلوم ہوجائے، عین کرم ہوگا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خنزیر سے کسی قسم کا بھی انتفاع مسلمان کے لئے قطعاً حرام ہے، صورتِ مسئولہ میں جن لوگوں نے لاعلمی میں خنزیر کا گوشت کھالیا ہے، اُنہیں اِس بارے میں احتیاط لازمی تھی، اَب اُنہیں چاہئے کہ انتہائی تضرع وزاری کے ساتھ بارگاہِ ایزدی میں اِس غلطی پر توبہ واستغفار کریں، اور آئندہ ہر قسم کے گناہ خاص کر باجے گانے سے بچنے کا پختہ عزم کریں، اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے گناہ معاف فرمائے گا اور خیر کی توفیق سے نوازے گا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَاسْتَغْفِرُوْا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَحِیْمٌ﴾ [المزمل، جزء آیت: ۲۰]

وقال تعالیٰ: ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحًا فَاُوْلٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّئٰتِہِمْ حَسَنٰتٍ، وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَحِیْمًا﴾ [الفرقان، جزء آیت: ۷۰] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۱/۷/۱۴۱۷ھ

کچھوے کا حکم؟

سوال (۴۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کچھوا کھانا کیسا ہے، جائز ہے یا ناجائز؟ اگر ناجائز ہے تو کیوں؟ حرمت کی دلیل کیا ہے؟ ائمہ اَربعہ میں سے کس کے نزدیک جائز ہے؟

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ کے نزدیک طبعاً حلال ہے، اور جو مسلمان حلال سمجھ

کر کھائے، تو ایسے مسلمان کو کسی مسجد کا متولی، سکریٹری، خازن یا ممبر بنانا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حنفیہ کے نزدیک کچھوا کھانا حلال نہیں ہے؛ اِس لئے کہ سمندری جانوروں میں مچھلی کے علاوہ کسی اور جاندار کی حلت ثابت نہیں ہے، دوسرے یہ کہ یہ جانور خبائث میں سے ہے خواہ بری ہو یا بحری۔

ویحرم أکل ...... والسلحفاۃ البریۃ والبحریۃ؛ لأنہا من الخبائث. (مجمع الأنہر ۲/۵۱۳ دار إحیاء التراث العربي، الفتاویٰ التاتارخانیۃ ۱۸/۴۵۰ زکریا)

قال في الدر: ولا یحل ...... والسلحفاۃ بریۃ وبحریۃ ......، ثم قال: والخبیث ما تستخبثہ الطباع السلیمۃ. (الدر المختار / کتاب الذبائح ۶/۳۰۵ کراچی، ۹/۴۴۳ زکریا)

ولا ینعقد بیع الحیۃ ...... والسلحفاۃ ...... ونحو ذٰلک؛ لأنہا محرمۃ الانتفاع بہا شرعًا؛ لکونہا من الخبائث، فلم تکن أموالاً فلم یجز بیعُہا. (بدائع الصنائع في ترتیب الشرائع ۴/۳۳۵ دار الکتاب)

ویکرہ أکل الضبع والضب والسلحفاۃ والزنبور والحشرات کلہا ...... والسلحفاۃ من خبائث الحشرات؛ ولہٰذا لا یجب علی المحرم بقتلہ شيء. (الہدایۃ شرح بدایۃ المبتدي ۴/۴۴۱)

لأن الأکل: الأصل إنما أبیح للغذاء، أو للخبث طبعًا کالضفدع والسلحفاۃ فما یستخبثہ الناس قبل ورود الشرع، وإلیہ أشیر بقولہ تعالیٰ: ﴿وَیُحَرِّمُ عَلَیۡهِمُ الۡخَبَآئِثَ﴾ [الأعراف: ۱۵۷] (تبیین الحقائق ۱/۳۲، العنایۃ شرح الہدایۃ ۹/۵۰۰)

لہٰذا جو حنفی شخص حلال جان کر کچھوا کھاتا ہو تو بوجہِ فسق اُس کو ہر ایسے عہدہ پر فائز کرنا مذموم ہوگا جس سے اُس کی تعظیم مستفاد ہوتی ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۳/۷/۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیکڑے کی خرید وفروخت کرنا؟

سوال (۴۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مغربی بنگال میں مچھلی کاروبار کے لئے دریا سے پانی لے کر زمین علاقہ کی کھود کر کے مچھلی پرورش کر کے فروخت کرتے ہیں؛ لیکن مچھلیوں کے ساتھ ساتھ کیکڑا اَپنے آپ آکر بڑا ہوجاتا ہے، اِس کیکڑا کو کھانا، فروخت کرنا اور کاروبار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کیکڑا کی خرید وفروخت اور اس کا کھانا پینا سب ناجائز ہے۔

ولا يجوز بيع ما يكون في البحر كالضفدع ولا سرطان. (الفتاویٰ الهندية ۱۱٤/۳، وهٰكذا في الشامي ٦٨/٥ کراچی)

ولا يؤكل ما في البحر سوىٰ السمك وطير الماء عندنا. (فتاویٰ قاضي خان على هامش الهندية ۳٥٧/۳، فتاویٰ إحياء العلوم ٢٣٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۲/۱۱/۱۴۱۴ھ

دمِ مسفوح اور مردہ جانور کے گوشت سے غذا دی جانے والی گائے، مرغی کا حکم؟

سوال (۵۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں ملک ”ملاوی“ میں آخری تین سالوں سے یہ مذکورہ تنظیم گوشت اور مرغیوں کی نگرانی کا کام کر رہی ہے؛ تاکہ عوام کو حلال گوشت اور مرغیاں مہیا ہوسکیں، اِدھر چند سوالات اِسی سے متعلق درپیش ہیں، مہربانی فرما کر مفتیانِ کرام اِس سلسلہ میں ہماری رہنمائی فرمائیں، **فجزاکم الله خيرًا** ۔ فارم کی مرغیاں یا فارم کی وہ گائیں جو خاص طور سے گوشت کے لئے تیار کی جاتی ہیں،

اگر اُس کی غذا دمِ مسفوح سے تیار کی گئی یا کسی مرے ہوئے گائے بکرے کے گوشت کا قیمہ اسی فارم کے جانوروں کے لئے بطورِ غذا کے استعمال کیا جائے، پھر انہیں حلال جانوروں کو کھانا شرعاً جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اُن جانوروں کی صرف نجس غذا ہی سے پرورش کی جاتی ہے اور کوئی حلال چیز اُن کی غذا میں شامل نہیں ہوتی، تو یہ جانور ''جلالہ'' کے درجہ میں آجائیں گے، اُن کا کھانا مکروہِ تحریمی ہوگا، ہاں اگر چندروز اُنہیں صرف حلال غذا کھلا کر ذبح کیا جائے، تو کوئی کراہت نہ ہوگی، اور اگر اُن جانوروں کی غذا میں نجاست کے ساتھ کچھ حلال اشیاء بھی شامل ہیں، تو اُن کا کھانا مکروہ نہیں ہے، پھر بھی اولیٰ یہ ہے کہ اُنہیں کچھ دن حلال غذا پر رکھ کر ہی ذبح کریں۔ (بہشتی زیور ۹/۱۰۹)

عن عمرو بن شعيب رضي الله عنه قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم: عن لحوم الإبل الجلالة وألبانها، وكان يكره أن يحج عليها. (المصنف لعبد الرزاق ٥٢١/٤ رقم: ٨٧١٢)

عن مجاهد أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن لحوم الجلالة وألبانها. (المصنف لعبد الرزاق ٥٢١/٤ رقم: ٨٧١٣، المصنف لابن أبي شيبة ١٤٧/٥ رقم: ٢٤٦٠٤)

عن ابن عمر أنه كان يحبس الدجاجة الجلالة ثلاثًا. (المصنف لابن أبي شيبة ١٤٨/٥ رقم: ٢٤٦٠٨، إعلاء السنن ١٩٥/١٧ كراچی)

الجدي إذا كان يربي بلبن الأتان والخنزير إن اعتلف أيامًا فلا بأس؛ لأنه بمنزلة الجلالة، والجلالة إذا حبست أيامًا فعلفت لا بأس بها فكذا، هٰذا كذا في الفتاوىٰ الكبرىٰ. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب الثاني ٢٩٠/٥)

لو أكلت النجاسة وغيرها بحيث لم ينتن لحمها حلت. (الدر المختار ٤٩١/٩، بدائع الصنائع ١٥٤/٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۴/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مغربی ممالک سے آنے والے جانوروں کی مخلوط غذا کا حکم؟

سوال (۵۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مغربی ممالک سے آنے والے فارم کے جانوروں کی تیار غذا کا کیا حکم ہے؟ مہربانی فرما کر مع اَدلۂ شرعیہ کے اُس کے حکم سے نوازیں؛ تاکہ خود بھی مطمئن ہوں اور دوسروں کو بھی قابل اطمینان جواب دے سکیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مغربی ممالک سے آنے والی غذا میں حلال اَشیاء بھی شامل ہیں، تو اُس کی خرید وفروخت اور جانوروں کو کھلانا سب جائز ہے، اور اگر اِس بات کا یقینی علم ہوجائے کہ وہ غذا خالص حرام اَشیاء پر مشتمل ہے، تو اس کی خرید وفروخت تو درست نہ ہوگی؛ لیکن اگر وہ غذا جانور کو کھلا دی گئی تو اَثر ختم ہونے کے بعد اُس جانور کا کھانا بلا کراہت درست ہوگا۔

عن ابن عمر رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الجلالة وألبانها وظهرها. (المعجم الكبير للطبراني ١٢/٢٣٤ رقم: ١٣١٨٧)

والمعتبر في جواز أكل الجلالة زوال رائحة النجاسة بعد أن تُعلف بالشيء الطاهر على الصحيح، وجاء عن السلف فيه توقيت. فعند ابن أبي شيبة عن ابن عمر أنه كان يحبس الجلالة ثلاثًا ...... وأخرج البيهقي بسند فيه نظر عن عبد الله بن عمرو مرفوعًا أنها لا تؤكل حتى تعلف أربعين يومًا. (فتح الباري ٩/٦٤٨ دار الكتب العلمية بيروت)

وصح بيعها مخلوطة بتراب أو رماه غلب عليها، كما صح الانتفاع بمخلوطها. (شامي ٩/٥٥٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۰/۴/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جلالہ کسے کہتے ہیں اور اُس کا حکم کیا ہے؟

سوال (۵۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نیز کتبِ فقہ میں ’’جلالہ‘‘ کا جو لفظ آتا ہے اُس کی تشریح فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جلالہ اُس جانور کو کہتے ہیں جس کی غذا صرف نجاست ہو؛ تا آں کہ اُس نجاست کا اثر اُس کے گوشت میں ظاہر ہوجائے، اُس کا حکم یہ ہے کہ مرغی میں ۳؍دن، بکری میں ۴؍دن، اور گائے میں ۱۰؍دن روک کر حلال غذا کھلاکر اسے استعمال کیا جائے۔

والجلالة ...... التي تأكل القذرة دائمًا، وأما التي تأكلها أحيانًا فليست بجلالة، ولا يحرم أكلها، وقال: وإن كان غالب علفها منها حتى ظهر ذٰلک على لحمها وبدنها، فقال الشافعي وأبوحنيفة وأحمد: لا يحل أكلها إلا أن يحبس أيامًا وتعلف منغيرها حتى يطيب لحمها. (شرح سنن ابن ماجة للسيوطي ۲۳۰/۱ الشاملة)

وفي الفتاوىٰ الكبير: كان يحبس الدجاجة المخلاة ثلاثة أيامٍ، والجلالة عشرة أيام لا يحل أكلها. (مرقاة المفاتيح ۲۶۷۳/۷ تحت رقم: ۴۱۲۶)

قال ابن رسلان في شرح السنن: وليس للحبس مدة مقدرة وعن بعضهم في الإبل والبقر أربعون يومًا، وفي الغنم سبعة أيامٍ، وفي الدجاج ثلاثة، واختاره في المهذب والتحرير. (نيل الأوطار للشوكاني ۱۴۰/۸)

وإنما يشترط ذٰلک في الجلالة التي لا تأكل إلا الجيف، وفي الكتاب قال: تحبس أيامًا على علف طاهر، قيل: ثلاثة أيام، وقيل: عشرة أيام، والأصلح أنها تحبس إلى أن تزول الرائحة المنتنة عنها؛ لأن الحرمة لذٰلک، وهو شيء محسوس، ولا يتقدر بالزمان لاختلاف الحيوانات في ذٰلک، فيصار فيه إلى اعتبار زوال المضر، فإذا زال

بالعلف الطاهر حل تناوله والعمل عليه بعد ذٰلک. (المبسوط للسرخسي / كتاب الصيد ۲۵٦/۱۱)

وتحبس الجلالة حتى يذهب نتن لحمها، وقدر بثلاثة أيامٍ لدجاجةٍ، وأربعة لشاة، وعشرة لإبل وبقر على الأظهر. (الدر المختار / كتاب الحظر والإباحة ٤٩١/۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۴/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

آزاد پھرنے والی مرغیوں کا حکم

سوال (۵۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آزاد پھرنے والی مرغیوں کو کھانا مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آزاد پھرنے والی مرغیوں کو ذبح کرنے سے پہلے کچھ وقت تک نجاست وغیرہ سے دور رکھ کر محبوس رکھنا افضل وبہتر ہے، اگر اِس کے خلاف کیا جائے تو کراہتِ تنزیہی کا ارتکاب ہوگا۔

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنه أنه كان يحبس الدجاجة الجلالة ثلاثة أيام.

(رواه ابن أبي شيبة في المصنف كما في الفتح ۵۵۸/۹، إعلاء السنن ۱۹۵/۱۷ کراچی)

فليس فيه توقيت؛ بل اختار رضي اللّٰه عنه ثلاثة أيامٍ؛ لأنه علم بالتجربة أو الظن أن هٰذه المدة تزيل أثر الجلة عن الدجاج التي كانت في دياره ...... فإن أطعم الجلالة طعامًا طاهرًا وطاب لحمها لم يكره لما روي عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: تعلف الجلالة علفًا طاهرًا ...... وإن كانت دجاجة، فثلاثة أيام ...... وقال الحافظ في الفتح: ورجح أكثرهم أنها كراهة تنزيه. (إعلاء السنن، كتاب الذبائح / باب ما جاء في الجلالة ۲۱۵/۱۷-۲۱٦ دار الكتب العلمية بيروت، ۱۹٦/۱۷ إدارة القرآن كراچی)

ولا يكره أكل الدجاج المخلى، وإن كان يتناول النجاسة؛ لأنه لا يغلب عليه أكل النجاسة؛ بل يخلطها بغيرها وهو الحب فيأكل ذاوذا ...... والأفضل أن تحبس الدجاج حتى يذهب ما في بطنها من النجاسة. (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح والصيود / فصل: وأما بيان ما يكره من الحيوانات ١٥٤/٤ زكريا)

ولا تكره الدجاجة المخلاة وإن أكلت النجاسة يعني إذا لم تنتن بها لما تقدم؛ لأنها تخلط ولا يتغير لحمها وحبسها أيامًا تنزيهية. (شامي / كتاب الذبائح ٤٤٥/٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۵/ ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شراب، خنزیر، کتوں کے فضلات اور حرام غذاؤں سے پرورش کردہ مچھلیوں کا حکم؟

سوال (۵۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں آندھرا پردیش میں مچھلیوں کے کاروبار کی ایک نئی صورت چل پڑی ہے کہ مچھلیوں کو صرف حرام غذاؤں سے پالا جاتا ہے، اُس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کنویں میں مچھلیوں کو ڈال دیا جاتا ہے، اُوپر سے جالی بچھا دی جاتی ہے، جالی سے کنویں میں شراب ڈالی جاتی ہے، اِسی طرح جالی کے اُوپر خنزیر اور کتوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے، اُن کے فضلات کنویں میں گرتے ہیں، مچھلیاں اُن کو کھاتی ہیں، اِس طرح کی حرام غذاؤں سے مچھلیاں جلدی پھلتی اور پھولتی ہیں۔ اَب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسلمانوں کو اِس طرح کا کاروبار کرنا یا اُن کو خرید کر کھانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شراب خنزیر اور کتوں کے فضلات چوں کہ عین نجاست ہیں؛ لہٰذا ایسی حرام غذاؤں سے مچھلیوں کو پالنا اور اُس کا کاروبار کرنا جائز نہیں ہے، مسلمانوں کو اِس

طرح کے کاروبار سے احتراز کرنا چاہئے۔ رہی بات ایسی مچھلیوں کے کھانے کی تو اگر اُن مچھلیوں کے گوشت میں نجس غذا کی وجہ سے بدبو پیدا ہو جائے تو پھر اُن کا کھانا اور بیچنا بھی جائز نہیں؛ البتہ اگر اُنہیں کچھ دن حلال اور صاف غذا کھلائی جائے جس سے نجاست کی بدبو گوشت سے جاتی رہے، تو پھر اُن کا کھانا اور بیچنا جائز ہوگا۔ (عزیز الفتاویٰ ۷۶۰)

وفي المنتقیٰ: الجلالة المكروهة التی إذا قربت وجدت منها رائحة فلا تؤكل، ولا يشرب لبنها ولا يعمل عليها وتلك حالها ويكره بيعها وهبتها وتلك حالها. (رد المحتار علی الدر المختار / كتاب الحظر والإباحة ۴۹۱/۹ زكريا)

وتحبس الجلالة حتى يذهب نتن لحمها ...... ولو أكلت النجاسة وغيرها بحيث لم ينتن لحمها حلت كما حل أكل جدی غذی بلبن خنزير. (الدر المختار علی هامش رد المحتار ۴۹۱/۹ زكريا)

واللحم إذا أنتن يحرم أكله. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب الحادي عشر في الكراهية ۳۳۹/۵ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۲/۱۱/۲۸ھ

حرام اَجزاء سے تیار شدہ غذا کھانے والے چوزوں کا حکم؟

سوال (۵۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: چوزوں (مرغی کے بچوں) کے لئے میلوں میں جو مرغی دانہ تیار ہوتا ہے اُس کے اجزاء میں چاول پالش مچھلی کی آنت اوجھڑی اور خنزیر کی چربی وغیرہ شامل ہوتی ہے، یہ دانہ اگر چوزوں کو کھلایا جائے تو بہت تیز پرورش ہوتی ہے، اور بچہ چالیس دن میں ڈیڑھ کلو کا ہو جاتا ہے؛ لہٰذا معلوم یہ کرنا ہے کہ جو چوزے اس مرغی دانہ سے پرورش پاتے ہیں اُن کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اُن چوزوں کا جن کی پرورش مذکورہ دانہ سے ہوئی ہے،

کھانا حلال ہے؛ البتہ ذبح سے پہلے چندروز حلال چارہ کھلایا جائے تو بہتر ہے۔ (مستفاد: امدادالفتاویٰ ۴/۱۰۵، احسن الفتاویٰ ۸/۱۲۶-۷/۴۰۸)

أخرج الإمام أبوبكر بن أبي شيبة بسند صحيح عن ابن عمر رضي الله عنهما أنه كان يحبس الدجاجة الجلالة ثلاثة أيامٍ. (إعلاء السنن ۱۷/۲۱۵ دار الكتب العلمية بيروت، ۱۷/۱۹۵ كراچی)

لو علفها علفاً حراماً لم يحرم لبنها ولحمها وإن كان الورع الترك. (الأشباه والنظائر ۱۵۷)

حل أكل جدي غذي بلبن خنزير؛ لأن لحمه لا يتغير، وما غذي به يصير مستهلكًا لا يبقى له أثر. (الدر المختار / كتاب الحظر والإباحة ۹/۴۹۲ زكريا)

والجدي إذا كان يربى بلبن الأتان والخنزير إن اعتلف أيامًا فلا بأس؛ لأنه بمنزلة الجلالة – والجلالة إذا حبست أيامًا فعلفت لا بأس بها. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الذبائح / الباب الثاني ۵/۲۹۰)

ولو سقي ما يؤكل لحمه خمرًا فذبح من ساعته حل أكله ويكره. (تنوير الأبصار مع الدر المختار / كتاب الحظر والإباحة ۹/۴۹۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱۱/۵ھ

حرام اَجزاء سے تیار شدہ غذا کا چوزوں کو کھلانا ؟

سوال (۵۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حرام اجزاء سے تیار شدہ دانہ کا چوزوں کو کھلانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ دیکھا جائے کہ اُس دانہ میں حلال اَشیاء غالب ہیں یا حرام، اگر حلال غالب ہیں تو پھر یہ دانہ چوزوں کو کھلانا جائز ہے، اور اگر حرام غالب ہو تو پھر چوزوں

کو یہ دانہ کھلانا جائز نہیں ہے۔(عزیز الفتاویٰ ۱/۶۱۷)

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ﴾ [البقرة، جزء آيت: ۱۷۳]

بخلاف الودک أي دهن الميتة؛ لأنه جزؤها فلا يكون مالاً، وكذا الانتفاع به. (شامي ٦٦/٧ زكريا)

وقول الفقهاء: ودک الميتة من ذٰلک، وحاصله أنه الدهن الخاص وهو دهن الشحم أو اللحم. (البحر الرائق ٣٥٠/٤)

بخلاف دهن الميتة؛ لأنه عين النجاسة، فلا بد من زوالها. (درر الحكام شرح غرر الأحكام ٤٤/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ
۱۸/۳/۱۴۲۲ھ

موذی جانور مارنا

گرگٹ مارنا جائز ہے؟

سوال (۵۷):- کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گرگٹ کا مارنا جائز ہے یا نہیں؟ مشہور رہے کہ اُسے مارنا چاہئے؛ اِس لئے کہ جس وقت نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تھا تو گرگٹ اُس میں پھونک مار رہا تھا؛ تاکہ آگ بھڑکے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گرگٹ مارنا نہ صرف جائز؛ بلکہ باعثِ اَجر ہے، حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ میں اُسے ماردے اُس کے نامہ اَعمال پر سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں، اور جو دو مرتبہ میں مارے اُسے پہلی مرتبہ سے کم اور جو تیسری مرتبہ میں مارے اُسے دوسری مرتبہ سے کم نیکیاں ملتی ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ۲/۳۶۱)

نیز حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گرگٹ مارنے کا حکم دیتے تھے؛ اِس لئے کہ اِس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے جلائی جانے والی آگ میں پھونک مار کر اسے بھڑکانے کی کوشش کی تھی۔ (مشکوٰۃ شریف ۲/۳۶۱) یہ عمل اِس جانور کی طبعی خباثت کی دلیل ہے۔

عن أم شریک رضي اللّٰه عنها أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم أمر بقتل الوَزَغِ، وسماه فویسقًا، وقال: کان ینفخ علی إبراهیم علیه السلام. (صحیح البخاري / کتاب أحادیث الأنبیاء رقم: ۳۳۵۹ دار الفکر بیروت)

عن عامر ابن سعد عن أبیه رضي اللّٰه عنه أن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم أمر بقتل الوزغ، وسماه فویسقًا. (صحیح مسلم، کتاب الحیوان / باب استحباب قتل الوزغ

رقم: ۲۲۳۸ بیت الأفکار الدولیة)

عن أبي هریرة رضي اللّٰه عنه عن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم قال: من قتل وزغًا في أول ضربة کتبت له مائة حسنة، وفي الثانیة دون ذٰلک، وفي الثالثة دون ذٰلک. (مشکاة المصابیح / باب ما یحل أکله وما یحرم، الفصل الأول ۳۶۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۷/۴/۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نقصان پہنچانے والے کتوں کو مارنا؟

سوال (۵۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کتے زیادہ پریشان کرنے لگیں تو اُنہیں ہلاک کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ حدیث میں کتے مارے جانے کا ذکر ملتا ہے، شرعاً اَب کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کتے نقصان پہنچانے لگیں تو اُن کو ہلاک کرنے کی شرعاً اِجازت ہے، اگر آوارہ کتے ہوں تو کوئی بھی مار سکتا ہے، اور اگر پالتو کتے پریشان کریں تو اُن کے مالکین پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ خود اپنے کتوں کو مار ڈالیں۔ اور دورِ نبوت میں کتوں کے قتل عام کی علت یہ تھی کہ عرب میں کتوں کی محبت دلوں میں راسخ تھی، اُس محبت کو دل سے نکالنے کے لئے وہ اَحکام دئے گئے تھے، پھر جب کتوں کی برائی دل میں بیٹھ گئی تو خواہ مخواہ قتل سے منع کردیا گیا۔

قریة فیها کلابٌ کثیرةٌ ولأهل القریة منها ضررٌ یؤمر أرباب الکلاب بأن یقتلوا کلابهم؛ لأن دفع الضرر واجب، وإن أبوا لزمهم القاضي. (تکملة: البحر الرائق ۲۰۴/۸)

وجاز قتل ما یضر منها ککلب عقورٍ وهرة تضر، ویذبحها: أي الهرة ذبحًا، ولا یضر بها؛ لأنه لا یفید ولا یحرقها (الدر المختار) وقال الشامي تحت قوله: وهرة تضر: کما إذا کانت تأکل الحمام والدجاج. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الخنثیٰ / مسائل شتی ۷۵۲/۶ کراچی)

وقال الحصكفي رحمه اللّٰه تعالیٰ: لا يحل قتل ما لا يؤذي، ولذا قالوا: لم يحل قتل الكلب الأهلي إذا لم يؤذ، والأمر بقتل الكلاب منسوخ، كما في الفتح: أي إذ لم تضر (الدر المختار) وقال العلامة الشامي رحمه اللّٰه تعالیٰ: قوله: أي إذا لم تضر، تقييد للنسخ، ذكره في النهر أخذًا مما في الملتقط: إذا كثرت الكلاب في قرية وأضرت بأهلها، أمر أربابها بقتلها، فإن أبوا، رفع الأمر إلى القاضي حتى يأمر بذٰلك. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الحج / باب الجنايات ۵۷۰/۲ كراچی، الفتاویٰ الهندية / الباب الحادي والعشرون فيما يسع من جراحات بني آدم ۳٦۰/۵ زكريا، الفتاویٰ البزازية على هامش الهندية، كتاب الكراهية / الثامن في القتل ۳۷۰/٦ زكريا، وكذا في البحر الرائق مع منحة الخالق على البحر، كتاب الحج / فصل: إن قتل محرم صيدًا ٦۰/۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۲۳/۱۱/۱۴۲۰ھ

موذی کتوں کو زہر دے کر مارنا؟

سوال (۵۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: روزانہ ہمارے کھیت میں چالیس پچاس کتے گوبھی کے پودے کافی تعداد میں توڑ دیتے ہیں، جس سے گوبھی کا کافی نقصان ہورہا ہے، کیا اُن کو زہریلی چیز سے مارا جاسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اگر کتوں کے ضرر سے بچاؤ کی کوئی اور صورت نہ ہو تو اُنہیں جان سے مارنا درست ہے، اور اِس کے لئے دیگر ذرائع کے علاوہ زہر کا استعمال بھی کیا جاسکتا ہے؛ لیکن زہر ایسا ہونا چاہئے جو فوری اثر کرے اور جلد از جلد موجبِ ہلاکت بن جائے، ورنہ معمولی زہر الٹا لوگوں کے لئے مزید خطرہ کا باعث بن جائے۔

وجاز قتل ما يضر منها ككلب عقور وهرة تضر. (الدر المختار ۴۸۲/۱۰ زكريا)

وفي القنية: يجوز ذبح الهرة والكلب لنفع ما. (الدر المختار) أي ولو قليلاً،

والهـرة لو مؤذية لا تضرب ولا تفرك أذنها؛ بل تذبح. (الدر المختار مع الشامي ٦٤/١٠ زكريا، الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب الحادي والعشرون الخ ٣٦١/٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴/۱۱/۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بلی اور مرغیاں پکڑنے والی بلی اور کتے کو مارنا؟

سوال (۶۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: چوہے کو اور ایسی بلیوں اور کتوں کو جو مرغیوں کو پکڑ کر مارنے کھانے کے عادی ہو گئے ہوں، کسی بھی طریقہ سے ہلاک کرنا جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جائز ہے، بہتر ہے کہ اُنہیں ایسے طریقہ سے مارا جائے کہ اُنہیں کم سے کم تکلیف ہو، مثلاً پکڑ کر تیز چھری سے ذبح کر دیں یا گولی سے مار دیں، ایسے موذی جانوروں کے بچوں کا بھی یہی حکم ہے۔

الهرة إذا كانت مؤذية لا تضرب ولا تحرك أذنها بل تذبح بسكين حاد. (بزازية مع الهندية، كتاب الكراهية / الباب الثامن في القتل ٣٧٠/٦، الفتاویٰ الهندية / الباب الحادي والعشرون من الكراهية ٣٦١/٥ زكريا)

وكره كل تعذيب بلا فائدة، مثل قطع الرأس والسلخ قبل أن تبرد، أي تسكين عن الاضطراب وهو تفسير باللازم. (الدر المختار / كتاب الذبائح ٤٢٧/٩ زكريا، ٢٩٦/٦ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۲/۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیڈمنٹن مشین سے مچھروں کو مارنا؟

سوال (۶۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: آج کل ایک قسم کے ہاتھ والی مشین (مثل بیڈمنٹن) نکلی ہے، جس کا استعمال مچھر کو مارنے کے لئے کیا جاتا ہے، اس میں کرنٹ کا تار ہوتا ہے مچھر اُس میں لگتے ہی جل کر مر جاتا ہے، تو کیا مچھر مارنے کے لئے ایسی مشین کا استعمال درست ہے؟ کیا یہ سراسر ظلم نہیں ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو کیا تعذیب بالنار کے حکم میں نہیں آئے گا؟ جو بھی حکم شرعی ہو مدلل مرحمت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کرنٹ والے بلے کو ہلا کر مچھروں کو مارنا مکروہ ہے؛ اِس لئے کہ اِس میں بلاضرورت جاندار کو آگ سے جلانا لازم آتا ہے، جس کی حدیث میں ممانعت ہے، اور مچھروں کو دفع کرنے کی اِس کے علاوہ اور بھی بہت سی تدبیریں موجود اور مؤثر ہیں، اُنہیں استعمال میں لانا چاہئے، مثلاً: مچھردانی، کچھوا چھاپ، یا آلاؤٹ وغیرہ؛ البتہ اگر کرنٹ والی مشین کسی جگہ رکھی ہے اور مچھر وہاں جاکر خود بخود مرتے رہیں تو اِس میں حرج معلوم نہیں ہوتا؛ کیوں کہ یہاں جلانا نہیں پایا جارہا ہے؛ بلکہ خود جلنا پایا جارہا ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے کہیں آگ جل رہی ہو اور اُس میں پروانے جاکر خود بخود جل جائیں۔

عن عبد اللّٰہ ابن عباس رضي اللّٰہ عنهما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: إن النار لا یعذب بها إلا اللّٰہ. (مشکاۃ المصابیح ۳۰۷)

عن عبد الرحمٰن بن عبد اللّٰہ عن أبیه رضي اللّٰہ عنه قال: کنا مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم في سفرٍ فانطلق لحاجة ...... ورأی قریة نمل قد حرقناها فقال: من حرق هٰذه؟ قلنا: نحن، قال: إنه لا ینبغي أن یعذب بالنار إلا رب النار. (سنن أبي داؤد ص: ۳۶۲-۳۶۳)

وإحراق القمل والعقرب بالنار مکروه. (الفتاویٰ الهندیة ۳۶۱/۵)

یکره إحراق جراد و قمل وعقرب، ولا بأس بإحراق حطب فیها نمل. وفي الشامی: یکره أي تحریمًا ومثل القمل البرغوث ومثل العقرب الحیة.

(شامي ۱۰/ ٤٨٢ زكريا، المسائل المهمة ٤/ ٢٥٠)

المختار أن النملة: إذا ابتدأت بالأذى لا بأس بقتلها وإلا يكره، وإلقاؤها في الماء يكره مطلقًا ...... الهرة إذا كانت مؤذيةً لا تضرب ولا تحرك أذنها؛ بل تذبح بسكين حاد. (الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية / الفصل الثامن في القتل ٦/ ٣٧٠ زكريا)

وقد أمرنا بضررهم قتل الزنبور والحشرات. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب الحادي والعشرون ٥/ ٣٦١ زكريا، وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الخنثیٰ / مسائل شتى ٦/ ٧٥٢ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۵/۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ذبح کے مسائل

قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت کس طرح لٹایا جائے

سوال (٦٢) :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قربانی کے جانور کو ذبح کے وقت قبلہ رخ کر کے جنوبی جانب لٹایا جاتا ہے، کیا یہ طریقہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے؟ جب کہ میت کو دفنانے کے وقت قبلہ رخ کر کے شمالی جانب لٹایا جاتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ذبح کرتے وقت جانور کو بائیں پہلو پر لٹا کر اُس کے پیروں کا رخ قبلہ کی جانب کیا جاتا ہے، اِس طرح ذبح کیا جانا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اور اِس میں سہولت کا پہلو بھی پایا جاتا ہے، اور اِس کو انسانی میت پر قیاس نہیں کر سکتے؛ کیوں کہ وہاں کی سنت الگ ہے۔ (مستفاد: محمود یہ ۱۷/۲۴۴ ڈابھیل، کتاب المسائل ۳۲۲/۲)

في البذل في بيان أضحيته ﷺ وأخذ الكبش، فأضجعه على اليسار وهو الظاهر؛ لأنه أيسر؛ لأنه أسهل على الذابح في أخذ السكين باليمين وإمساك رأسها باليسار. (تكملة فتح الملهم ٥٦٣/٣ مكتبة دار العلوم كراچی، بذل المجهود / باب ما يستحب في الضحايا ٥٣٨/٩ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي)

أدب الذبح سبعة أشياء: أحدها: إضجاع الشاة بالرفق على الأرض. والثاني: إضجاعها على اليسار. (النتف في الفتاوىٰ، كتاب الذبائح والصيد / أدب الذبح ١٤٨ كراچی)

ويشدّ قوائمه وليُلقِه على شقه الأيسر وليوجه نحو القبلة. (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح / فصل في شرط حل الأكل في الحيوان المأكول ٢٧٠/٦ دار الكتب العلمية بيروت)

وأن يضجع بالرفق، وعلى اليسار، ويوجه إلى القبلة. (مجمع الأنهر / كتاب الذبائح ٤/١٥٩ المكتبة الغفارية) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۲/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ذبح کرنے کیلئے جانور کس رخ لٹائیں اور سر کس جانب ہو؟

سوال (۶۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قربانی میں ذبح کیا جانے والا جانور قبلہ رخ تو ہونا ہی ہے؛ لیکن جانور کا سر اُتر جانب رہنا چاہیے یا دکھن کی جانب؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مستحب ہے کہ ذبح کے وقت جانور کو بائیں پہلو پر لٹایا جائے، اِس طرح ہندوستان جیسے علاقوں میں (جہاں قبلہ پچھّم کی جانب ہے) جانور کا سر دکھن کی طرف ہوگا اور پیر پچھّم کی جانب ہوں گے اور ذبح کرنے والا اپنا داہنا پیر جانور کے داہنے شانہ پر رکھ کر ذبح کرے گا۔

قال في حاشية أبي داؤد: واستحباب وضع الرجل على صفحة عنق الأضحية الأيمن واتفقوا على أن إضجاعها يكون على الجانب الأيسر فيضع رجله على الجانب الأيمن ليكون أسهل على الذابح في أخذ السكين باليمين وإمساك رأسها بيده اليسار. (سنن أبي داؤد، كتاب الضحايا / باب ما يستحب من الضحايا ٣٨٦/٢)

"وأخذ الكبش، فأضجعه على اليسار" وهو الظاهر؛ لأنه أيسر في الذبح. (بذل المجهود، كتاب الضحايا / باب ما يستحب في الضحايا ٧٠/٥ المكتبة الإمدادية ملتان، ٥٣٨/٩ مركز الشيخ أبي الحسن علي الندوي أعظم جراه)

أدب الذبح سبعة أشياء: أحدها: إضجاع الشاة بالرفق على الأرض.

والثاني: إضجاعها على اليسار. (النتف في الفتاویٰ، کتاب الذبائح والصيد / أدب الذبح ١٤٨ کراچی، ١٨٨/٤ زکریا)

ويشدّ قوائمه، وليُلقه على شقه الأيسر، وليوجهه نحو القبلة. (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح / فصل في شرط حل الأكل في الحيوان المأكول ٢٧٠/٦ دار الكتب العلمية بيروت، ١٨٨/٤ زكريا)

وأن يضجع بالرفق، وعلى اليسار، ويوجه إلى القبلة. (مجمع الأنهر / كتاب الذبائح ١٥٩/٤ المكتبة الغفارية كوئٹه)

وعمل المسلمين على أن إضجاعها يكون على جانبها الأيسر؛ لأنه أسهل على الذابح في أخذ السكين باليمين وإمساك رأسها باليسار. (تكملة فتح الملهم، كتاب الأضاحي / باب استحباب الضحية وذبحها مباشرةً بلا توكيل والتسمية والتكبير ٥٦٣/٣ مكتبة دار العلوم كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۵/۱۲/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الحمدللہ، سبحان اللہ پڑھ کر جانور ذبح کرنے کا حکم؟

سوال (۶۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ''الحمدللہ، سبحان اللہ'' کہہ کر کسی نے ذبح کیا، تو کیا اِس سے بھی ذبیحہ حلال ہوجائے گا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ''الحمدللہ، سبحان اللہ'' پڑھ کر جانور کو ذبح کرنے سے بھی ذبیحہ حلال ہوجاتا ہے، بشرطیکہ اُس میں تسمیہ کی بھی نیت ہو۔

عن أنس رضي الله عنه قال: ضحى النبي صلى الله عليه وسلم بكبشين أملحين أقرنين، ذبحهما بيده، وسمى، وكبر، ووضع رجله على صفاحهما.

(صحيح مسلم، كتاب الأضاحي / باب استحباب التضحية وذبحها مباشرة بلا توكيل ۱۵۵/۲ رقم: ۱۹۶۶ بيت الأفكار الدولية، صحيح البخاري، كتاب الأضاحي / باب التكبير عند الذبح ۸۳۵/۲ رقم: ۵۵۵۳ دار الفكر بيروت)

ولو سبح أو حمد اللّٰه أو كبّر يريد بالتسمية على الذبيحة تحل، وإن لا فلا؛ لأن هٰذه الألفاظ كناية من التسمية، والكناية إنما تقوم مقام الصريح بالنية. (البحر الرائق ۳۰۷/۹ ديوبند)

ومنها: التسمية حالة الذكاة عندنا أي اسم كان، وسواء قرن بالإسم الصفة بأن قال: اللّٰه أكبر، اللّٰه أعظم، اللّٰه أجل، اللّٰه الرحمٰن، اللّٰه الرحيم ونحو ذٰلك، أو لم يقرن بأن قال: اللّٰه أو الرحمن أو الرحيم أو غير ذٰلك، وكذا التهليل والتحميد والتسبيح، وسواء كان لا يحسن العربية أو يحسنها، كذا روى بشر عن أبي يوسف رحمه اللّٰه تعالىٰ. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الذبائح / الباب الأول في ركنه وشرائطه وحكمه وأنواعه ۲۸۵/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۱۴۳۵/۶/۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ٹیپ ریکارڈ سے دعا سن کر ذبح کرنا؟

سوال (۶۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر ذبیحہ کو نوک دار گولی سے اَدھ مرا کیا اور فوراً بجلی کی چھری سے ذبح کیا، حال یہ ہے کہ ٹیپ ریکارڈ سے دعاء ذبیحہ تلاوت ہوئی، تو کیا اُس کا کھانا حلال ہے یا حرام؟ جیسا کہ آج کل یورپ میں ہوتا ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ ذبیحہ حلال نہیں؛ اس لئے کہ اِس میں ٹیپ ریکارڈ سے بسم اللہ پڑھی گئی، جس کا اعتبار نہیں ہے۔

قال اللّٰه تبارک وتعالیٰ: ﴿كُلُوْا مِمَّا اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ [المائدة، جزء آيت: ٤]

وقال اللّٰه تعالیٰ: ﴿فَاذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ﴾ [الحج، جزء آيت: ٣٦]

وقال تعالیٰ: ﴿لاَ تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ [الأنعام، جزء آيت: ١٢١]

وقال اللّٰه تعالیٰ: ﴿لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ عَلىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ﴾ [الحج، جزء آيت: ٣٤]

عن رافع بن خديج رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ...... ما أنهر الدمَ وذُكرَ اسمُ اللّٰه عليه، فكل ليس السن والظُفر الخ.

(صحيح البخاري، كتاب الذبائح والصيد والتسمية على الصيد / باب: التسمية على الذبيحة ومن ترك متعمدًا رقم: ٥٤٩٨ دار الفكر بيروت)

ومن شرائط التسمية أن تكون التسمية من الذابح حتى لو سمىّ غيره والذابح ساكت، وهو ذاكر غير ناس لا يحل. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الذبائح / الباب الأول ٢٨٦/٥)

وما يكون من الدعاء ينبغي أن يكون قبل الذبح أو بعده، لما روي أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان إذا أراد أن يذبح أضحيته، قال: اللّٰهم هٰذا منک ولک، إن صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي للّٰه رب العالمين، لا شريک له، وبذٰلک أمرت، وأنا أول المسلمين باسم اللّٰه، واللّٰه أكبر. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الذبائح / الفصل الرابع فيما يتعلق بالتسمية على الذبح ٤٠٠/١٧ رقم: ٢٧٦٢٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۹/۱۰/۱۴۱۳ھ

بسم اللہ پڑھ کر چھری چلائی اور نہ چلنے پر بغیر بسم اللہ کے دوسری چھری سے ذبح کر دیا؟

سوال (٦٦):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: ایک شخص نے عقیقہ کا بکرا ذبح کیا، اُس چھری پر ''بسم اللہ اللہ اکبر'' پڑھ کر ذبح کیا، چھری تیز نہ ہونے کی بناء پر کچھ بھی نہ کٹا، پھر دوبارہ چھری تیز کر کے اُسی چھری سے ذبح کیا اور دوبارہ ''بسم اللہ اللہ اکبر'' کہہ کر ذبح نہیں کیا، تو اَب اُس بکرے کا کھانا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی مسلمان نے اگر ذبح کرتے وقت بھول کر ''بسم اللہ اللہ اکبر'' چھوڑ دیا، تو بھی اُس کا ذبیحہ حلال ہے، اور عقیقہ بھی درست ہوگیا۔

فإن تركها ناسيًا حل قدمنا عن الحقائق و البزازية أن في معنى الناسي من تركها جهلاً بشرطيتها. (تنوير الأبصار مع الدر المختار / كتاب الذبائح ٩/٤٣٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۸/۱۲/۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بسم اللہ پڑھ کر تین رگیں کاٹ کر چھری قصاب کو دینا؟

سوال (٦٧): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی شخص نے ''بسم اللہ اللہ اکبر'' کہہ کر بکرے کو ذبح کیا، اور اس نے تین رگیں کاٹ دیں تھیں، تین رگیں کاٹنے کے بعد اُس سے چھری قصاب نے لے لی یا اُس نے دے دی، پھر باقی رگ قصاب نے بغیر بسم اللہ پڑھے کاٹ دی، تو کیا اُس کا گوشت کھانا حلال ہوگیا یا حرام؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ذابح نے بسم اللہ کہہ کر تین رگیں کاٹ دیں، تو اگر حلقوم اور مرئی دونوں کٹ گئیں اور بقیہ دونوں رگوں میں سے ایک رگ کا اکثر حصہ کٹ گیا ہو، تو جانور حلال ہوگا ورنہ نہیں۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: الذكاة في الحلق و اللبة. (المصنف لعبد الرزاق، كتاب المناسك / باب ما يقطع من الذبيحة ٤/٤٩٥ رقم: ٨٦١٥)

أصح الأجوبة في الأكثر عنه إذا قطع الحلقوم والمرئي والأكثر من كل ودجين يؤكل ومالا فلا. (شامي ٤٢٦/٩ زكريا، ٣٥٦/٩ بيروت)

والعروق التي تقطع في الذكاة أربعة: الحلقوم: وهو مجرى النفس، والمرئي: وهو مجرى الطعام، والودجان: وهما عرقان في جانبي الرقبة يجري فيهما الدم، فإن قطع كل الأربعة حلت الذبيحة، وإن قطع أكثرها فكذٰلک عند أبي حنيفة رحمه اللّٰه تعالیٰ، وقالا: لا بد من قطع الحلقوم والمرئي وأحد الودجين، والصحيح أبي حنيفة لما أن للأكثر حكم الكل، كذا في المضمرات.

(الفتاویٰ الهندية / أول كتاب الذبائح ٢٨٧/٥، البحر الرائق ٣١٠/٩ زكريا، الفتاویٰ التاتارخانية ٣٩٣/١٧ زكريا، بدائع الصنائع ١٥٧/٤ المكتبة النعيمية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۱۴۳۵/۶/۱۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دو نس کٹنے کے بعد اگر جانور کھڑا ہو جائے تو کیا وہی شخص اُسے بغیر تسمیہ کے ذبح کر سکتا ہے؟

سوال (۶۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جانور کو ذبح کرتے وقت ابھی دو ہی نس کٹی تھی کہ جانور بے قابو ہو کر کھڑا ہو گیا اب وہی شخص کھڑے جانور کو دوبارہ ذبح کر رہا ہے تو کیا اس کو دوبارہ بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے یا پہلا ہی تسمیہ کافی ہوگا؟ اور اگر کوئی دوسرا شخص ذبح کر رہا ہے تو اس کے لیے بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے یا پہلے والے شخص کا بسم اللہ کافی ہوگا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب جانور کو ذبح کرنا شروع کر دیا تھا، پھر وہ اُٹھ کر بھاگ گیا، اور پھر دوبارہ اُس کو پکڑ کر لٹا کر ذبح کیا جا رہا ہے، تو چاہے ذابح وہی شخص ہو یا کوئی دوسرا

شخص ہو، اُس کو ازسرنو بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے، اور اگر ذبح شروع کرنے کے بعد جانور بھاگا نہیں؛ بلکہ صرف کھڑا ہوا تھا پھر وہی ذابح اُس کو ذبح کرے، تو اُس کے لئے ازسرنو بسم اللہ پڑھنا ضروری نہیں؛ لیکن اگر کوئی دوسرا شخص ذبح کرے گا تو اُس کے لئے بسم اللہ پڑھنا ضروری ہوگا۔

ولو سمى ثم انفلتت الشاة وقامت من مضجعها ثم أعادها مضجعها، فقد انقطعت التسمية. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الذبائح / الباب الأول في ركنه وشرائطه وحكمه وأنواعه ٢٨٩/٥ زكريا، وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية ٤٠٢/١٧ زكريا)

والمعتبر أن يذبح عقيب التسمية قبل أن يتبدل المجلس، حتى إذا سمى واشتغل بعمل آخر من كلام قليل أو شرب ماء أو أكل لقمة أو تحديد شفرةٍ، ثم ذبح تحل، وإن كان كثيرًا لا تحل، والعمل القليل لا يقطع المجلس، والكثير يقطع، وهي على الذبيحة. (تبيين الحقائق / كتاب الذبائح ٤٥٢/٦، الفتاوىٰ الهندية، كتاب الذبائح / الباب الأول في ركنه وشرائطه وحكمه وأنواعه ٢٨٨/٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۲/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مجلسِ واحد میں متعدد بار چھری چلانے پر ایک بسم اللہ کافی ہے

سوال (۶۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک آدمی ایک ہی جانور پر کئی دفعہ چاقو چلاتا ہے، تو کیا ہر دفعہ چاقو کے ساتھ بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے؟ یا ایک ہی دفعہ پڑھ لینا کافی ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک جانور پر ایک مجلس میں کئی دفعہ چاقو چلاتے وقت پہلی مرتبہ بسم اللہ پڑھنا کافی ہے، ہر مرتبہ بسم اللہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

وإذا أضجع شاة ليذبحها وسمى عليها ثم كلم إنسانا، أو شرب ماء، أو

حـدّد سـكيـنـا، أو أكـل لـقمة، أو ما أشبه ذٰلک من عمل لم يكثر حلت بتلک التسـمية وإن طال الحديث. (الـفتـاوىٰ الهـندية / الباب الأول من كتاب الذبائح ٢٨٨/٥، تبيين الحقائق / كتاب الذبائح ٤٥٢/٦، الفتاوىٰ التاتارخانية ١٠٤/١٧ رقم: ٢٧٦٣٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۳/۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک مرتبہ بسم اللہ پڑھ کر سو مرغ ذبح کرنا

سوال (۷۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے ایک مرتبہ ’’بسم اللہ اللہ اکبر‘‘ پڑھ کر سو مرغ یا اُس سے زیادہ ذبح کئے، تو کیا ذبح شدہ مرغ کھانا درست ہوئے یا نہیں؟ شادی اور عقیقہ کے موقعوں پر یہی ہو رہا ہے؛ کیوں کہ ذبح کرنے والا ایک منٹ میں دس مرغ ذبح کرتا ہے، اور پہلے ہی دعا کر لیتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہر ذبیحہ پر الگ سے بسم اللہ پڑھنا لازم ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں جن مرغوں پر ذبح کرتے وقت قصداً بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دیا گیا ہے وہ شرعاً حلال نہ ہوں گے، اِس بارے میں احتیاط لازم ہے، اور ہر ذبیحہ پر خیال کر کے بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے، ایک بسم اللہ کئی ذبیحوں کے لئے کافی نہ ہوگی۔

وإذا أراد أن يـذبـح عددًا من الذبائح لم تجزئه التسمية الأولىٰ عما بعدها.

(الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الذبائح / الفصل الرابع فيما يتعلق بالتسمية على الذبح ٤٠/١٧ رقم: ٢٧٦٣١ زكريا)

ومـنها تعيين المحل بالتسمية في الذكاة الاختيارية، وعلى هٰذا يخرج ما إذا ذبـح وسـمـى ثم ذبح أخرىٰ يظن أن التسمية الأولىٰ تجزئ عنهما لم تؤكل، فـلا بـد أن يـجدد لكل ذبيحه تسمية على حدة. (الـفتـاوىٰ الهـندية / أول كتاب الذبائح ٢٨٦/٥ زكريا)

لو سمى وذبح بها واحدة ثم ذبح أخرىٰ، وظن أن الواحدة تكفي لها لا تحل. (شامي / كتاب الذبائح ٤٣٤/٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۱۱/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اُونٹ کے ذبح کا طریقہ

سوال (۱۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اُونٹ کے ذبح کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اُونٹ کی سب رگیں اُس کے سینہ میں لٹکی رہتی ہیں؛ اِس لئے اُسے ذبح کرنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ اُونٹ کو کھڑا رکھا جائے اور ضرورت ہوتو پیروں میں رسی باندھ دی جائے اور کھڑے ہونے کی حالت میں اُن ہی رگوں پر چھری چلائی جائے؛ تا کہ جلد از جلد اُس کا دمِ مسفوح نکل جائے اور اُونٹ ٹھنڈا پڑ جائے، عرب میں آج بھی اِسی طریقہ پر اُونٹوں کو ذبح کرنے کا دستور ہے۔ اِس کے برخلاف معلوم ہوا کہ ہندوستان کے بعض علاقوں میں اُونٹ کو گرا کر گردن کو تین جگہ کاٹ کر ذبح کیا جاتا ہے، اِس میں جانور کو ضرورت سے زیادہ خواہ مخواہ تکلیف دینا لازم آتا ہے، جو شرعاً جائز نہیں۔

عن زياد بن جبير أن ابن عمر رضي الله عنهما أتى على رجل، وهو ينحر بدنته باركة، فقال: ابعثها قيامًا مقيدةً سنة نبيكم صلى الله عليه وسلم. (صحيح مسلم، كتاب الحج / باب استحباب نحر الإبل قيامًا معقولة ٤٢٤/١ رقم: ١٣٢٠، صحيح البخاري، كتاب المناسك / باب نحر الإبل المقيدة ٢٣١/١ رقم: ١٦٨٢ ف: ١٧١٣)

عن عبد الرحمن بن سابط أن النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه كانوا ينحرون البدنة معقولة، اليد اليسرىٰ قائمة على ما بقي من قوائمها. (سنن أبي داؤد،

كتاب المناسك / باب كيف تنحر البدن ١٤٦/٢ رقم: ١٧٦٧)

السنة في الجزور أن تنحر قائمًا، وفي الشاة والبقرة أن يذبح مضطجعة.

(الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الذبائح / الفصل الثاني في صفة الزكاة ٣٩٥/١٧ رقم: ٢٧٦١٦ زكريا)

والسنة نحر الإبل أي قطع عروقها الكائنة في أسفل عنقها عند صدورها؛ لأنه موضع النحر عنها لا لحم عليه ما سوى ذٰلك من الحلق عليه لحم غليظٌ، فالنحر أسهل من الذبح. (مجمع الأنهر ٥١٠/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۲/۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جانور کو کھڑے ہونے کی حالت میں ذبح کرنے کا حکم

سوال (۷۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گائے بھینس، بکرے وغیرہ کو کھڑے ہونے کی حالت میں ذبح کرنا کیسا ہے؟ کیا اونٹ کی طرح اِن جانوروں کو کھڑے ہونے کی حالت میں ذبح کر سکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گائے بھینس بکرے وغیرہ کو لٹا کر ذبح کرنا سنت ہے، اور اُنہیں کھڑے ہونے کی حالت میں ذبح کرنا خلافِ سنت اور مکروہ ہے؛ تاہم اگر گلے کی چاروں نسیں (حلقوم مرئی ودجین) یا اِن میں سے اکثر کٹ جائیں اور ذبح شرعی متحقق ہو جائے تو جانور حلال ہو جائے گا، اُونٹ کو کھڑا کر کے ذبح کرنا اَولیٰ ہے؛ اِس لئے کہ اُونٹ کی سب رگیں سینہ سے ملے ہوئے گردن حصہ میں جمع ہوتی ہیں، اور کھڑے ہونے کی حالت میں انہیں کاٹنا آسان ہوتا ہے اور اس سے دم مسفوح نکلنے میں سہولت رہتی ہے اور اس طریقۂ ذبح کو نحر کہا جاتا ہے۔

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما أتى على رجلٍ قد أناخ بدنتَه ينحرها، قال: ابعثْها قيامًا مقيدةً سنةَ أبي القاسم صلى اللّٰه عليه وسلم. (صحيح البخاري، كتاب الحج /

باب نحر الإبل مقيدةً رقم: ١٧١٣ دار الفكر بيروت، صحيح مسلم / باب نحر البدن قيامًا رقم: ١٣٢٠)

وصرح صاحب الهداية من الحنفية: أن الأفضل أن ينحرها قيامًا لما ورد أنه صلى اللّٰه عليه وسلم نحر الهدايا قيامًا، وأصحابه رضي الله عنهم كانوا ينحرونها قيامًا معقولة اليد اليسرىٰ عملاً بظاهر قوله تعالىٰ: ﴿فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا﴾ والوجوب السقوط، وتحققه في حال القيام أظهر. (إعلاء السنن ١٧/ ١٥٠ دار الكتب العلمية بيروت)

السنة في الجزور أن تنحر قائمًا، وفي الشاة والبقرة أن يذبح مضطجعة. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الذبائح / الفصل الثاني في صفة الزكاة ١٧/ ٣٩٥ رقم: ٢٧٦١٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۲/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بے قابو جانور کو زنجیر سے باندھ کر ذبح کرنا؟

سوال (۷۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کوئی جانور بے قابو ہو تو اُس کے ایک پیر میں زنجیر وغیرہ لگا کر کسی چیز سے اُوپر اُٹھا کر ذبح کریں تو کیا اِس طرح کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: بے قابو جانور کو زنجیر سے باندھ کر ذبح کرنا جائز ہے۔

عن رافع بن خديج رضي الله عنه قال: أصبنا نهب إبل وغنم، فند منها بعير فرماه رجل بسهم فحبسه، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن لهٰذه الإبل أوابد كأوابد الوحش، فإذا غلبكم منها شيء فافعلوا به هٰكذا. (صحيح البخاري رقم: ٥٥٠٩، صحيح مسلم / كتاب الأضاحي ٢/ ١٥٧ رقم: ١٩٦٨ بيت الأفكار الدولية)

قـال ابـن عباس رضي اللّٰه عنهما: ما أعجزک من البهائم مما في يديک فهو كالصيد. (صحيح البخاري، كتاب الصيد / باب ما ندّ من البهائم ۸۲۸/۲)

قال أبو بكر الجصاص الرازي: إن لهٰذه الإبل أوابد كأوابد الوحش، فإذا ندّ منها شيءٌ فاصنعوا به ذٰلک، وأيضًا قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لو طعنت في فخذها لأجزاء منک. وهٰذا على الحال التي لا يقدر فيها على ذبحها إذ لا خلاف أن المقدور على ذبحه لا يكون ذٰلک ذكاته. (أحكام القرآن للجصاص، المائدة / باب في شرط الذكاة ۳۰۹/۲ دار الكتب العلمية بيروت)

لأنه قد تحقق العجز عن الذكاة الإختيارية فصار إلى البدل. (البحر الرائق ۱۷۱/۸)

ويشد قوائمها. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳۹۷/۱۷ رقم: ۲۷۶۲۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۳/۳۴ ۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بے قابو جانور کو کرنٹ لگا کر ذبح کرنا؟

سوال (۴۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جانور کو کرنٹ لگا کر ذبح کرنا کیسا ہے؟ اگر کوئی جانور قابو میں نہیں آرہا ہے تو اس کو کرنٹ لگا کر قابو میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: عام حالات میں کرنٹ لگا کر جانوروں کو ذبح کرنا سخت مکروہ ہے؛ اس لئے کہ اِس سے ذبح سے قبل موت کا احتمال ہے؛ البتہ اُس کو قابو میں کرنے کے لئے ہلکا سا کرنٹ لگانے کی اِجازت ہوگی؛ لیکن یہ بہرحال لازم ہے کہ ذبح کے وقت وہ زندہ رہنا چاہئے، اور اُس سے دمِ مسفوح نکلنا چاہئے، اگر ذبح سے قبل جانور مر جائے گا تو قطعاً حلال نہ ہوگا۔

عن شداد بن أوس رضي اللّٰه عنه قال: ثنتان حفظتهما عن رسول اللّٰه

صلى الله عليه وسلم قال: إن الله تعالىٰ كتب الإحسان على كل شيءٍ، فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة، وإذا ذبحتم فأحسنوا لذبح، وليحد أحدكم شفرته فلير ح ذبيحته. (صحيح مسلم ۱۵۲/۲ رقم: ۱۹۵۵)

لا بد من أحد شيئين: أما التحرك وأما خروج الدم، فإن لم يوجد لا يحل كأنه جعل وجدد أحدهما بعد الذبح علامة الحياة وقت الذبح. (بدائع الصنائع / كتاب الذبائح والصيود ۱۷۵/٤)

فإذا لم يوجد لم تعلم حياته وقت الذبح فلا تحل. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الذبائح / الباب الأول ۲۸۵/٥ فقهی مقالات ۲۸٦/٤-۲۸۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۲/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا جانور کے کسی بھی عضو کو کاٹ کر خون بہایا جاسکتا ہے؟

سوال (۵۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جانور کے اندر اصل مقصود خون بہانا ہے، تو کیا گلا کاٹ کر خون بہانا ضروری ہے یا کسی بھی عضو کو کاٹ کر خون بہایا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو جانور اپنے قابو میں ہو اُس کو حلال کرنے کے لئے ذبح اختیار ضروری ہے، اور ذبح اختیاری کا مطلب یہ ہے کہ اُس کے گلے کی چار رگیں (حلقوم، مرئی، ودجین) یا اِن میں سے اکثر کٹ جائیں؛ تاکہ دمِ مسفوح بآسانی نکل جائے، اِس کے بغیر کسی دوسرے عضو کو کاٹ کر خون بہانے سے وہ جانور حلال نہ ہوگا۔

عن أبي واقد الليثي قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما قطع من البهيمة وهي حية فهو ميتة. (رواه أحمد وأبو داؤد والترمذي، كذا في التفسير لابن كثر ۸۹۹)

الذكاة نوعان: إختياري حالة القدرة و ذٰلک في اللبة و ما فوق ذلک إلى اللحيين ......، ثم في حالة القدرة إذا قطع الحلقوم و المرئي والودجين فقد أتم الزكاة. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الذبائح / الفصل الثاني في صفة الذكاة ١٧/ ٣٩٢ رقم: ٢٧٦٠٣ -٢٧٦٠٧ زكريا)

أصح الأجوبة في الأكثر عنه إذا قطع الحلقوم و المرئي من كل و دجين يؤكل و مالا فلا. (شامي / كتاب الذبائح ٩/ ٤٢٦ زكريا، الفتاویٰ الهندية / الباب الأول من كتاب الذبائح ٥/ ٢٨٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷/۲/۱۴۳۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ذبح کرنے کے بعد جلد ٹھنڈا کرنے کے لئے ریڑھ کی نس میں چاقو گھونپنا؟

سوال (۷٦): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جانور کو ذبح کرنے کے بعد فوراً ایک چھوٹی چاقو سے جانور کو جلد ٹھنڈا کرنے اور اُس کا تیزی سے خون بہانے کے لئے ایک چھوٹے چاقو کی نوک سے ریڑھ کی نس میں گھونپتے ہیں، اگر ایسا نہ کریں تو وقت زیادہ برباد ہوتا ہے اور مال کم کٹتا ہے، تو کیا اِس طرح کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ جب کہ ڈاکٹر لوگ کہتے ہیں کہ اِس طرح کرنے سے جسم سے خون پوری طرح نہیں نکلتا، تو اِس بارے میں بتائیں کہ شرعی حکم کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقہاء نے لکھا ہے کہ ذبح کے بعد جانور کے ٹھنڈا ہونے سے پہلے، ریڑھ کی ہڈی کی سفید نس کا کاٹنا مکروہ ہے؛ کیوں کہ اِس میں جانور کو ضرورت سے زائد تکلیف دینا لازم آتا ہے۔ بریں بنا مسئولہ صورت میں ذبح کرتے ہی یہ عمل مکروہ ہوگا،

اِس طرح ٹھنڈا ہونے سے پہلے جانور کی کھال اُتارنا بھی مکروہ ہے، اور آپ کو اگر وقت بچانا ہے تو اِس کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ جتنے جانور ذبح کرنے ہیں، اُن کو ایک ساتھ ذبح کرکے چھوڑ دیا جائے اور کچھ وقفہ کے بعد بالترتیب اُن کی کھال اُتار لی جائے اور گوشت بنالیا جائے۔

عن نافع قال: كان ابن عمر رضي الله عنهما لا يأكل الشاة إذا نخعت. (المصنف لعبد الرزاق ٤/٤٩٠ رقم: ٨٥٨٩)

عن ابن عباس رضي الله عنهما نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الذبيحة أن تفرس قبل أن تموت. (السنن الكبرىٰ للبيهقي / باب كراهة النخع والفرس ١٤/٢١٠ رقم: ١٩٦٧٠)

عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال: لا تجعلوا النفوس أن تزهق. (رواه الثوري في جامعه، كذا في التفسير لابن كثير ٨٩٩ دار السلام رياض)

عن عمر أنه نهى عن الفرس في الذبيحة ثم حكى عن أبي عبيدة أن الفرس هو النخع يقال: فرست الشاة ونخعتها وذٰلک أن ينتهي بالذبح إلى النخاع وهو عظم في الرقبة. (إعلاء السنن ١٧/١٤٥ دار الكتب العلمية بيروت)

ويكره أن يضجعها ثم يحد الشفرة وأن يبلغ بالسكين النخع وهو عرق أبيض في عظم الرقبة، أما الكراهية فلما روي عن النبي صلى الله عليه وسلم نهى أن ينخع الشاة إذا ذبحت. (الفتاوىٰ التاتارخانية ١٧/٣٩٦ رقم: ٢٧٦٢٠ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۴/۲/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ذبح کرتے ہی ٹھنڈا ہونے سے پہلے جانور کی کھال اُتارنا؟

سوال (۷۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض فیکٹریوں میں جانوروں کو اِس انداز پر ذبح کیا جاتا ہے کہ چھری پھیرتے ہی فوراً چین

پر لٹکا دیا جاتا ہے، اور فوراً کھال اُتار دی جاتی ہے اِس لئے ایسا کرتے ہیں، اُن کے بدن سے پورا خون نہیں نکل پاتا، چوں کہ ہزاروں کی مقدار میں جانور ذبح ہوتے ہیں، اور اُن کا گوشت ایکسپورٹ کیا جاتا ہے۔

غور طلب امر یہ ہے کہ پورا خون باہر نہیں نکلا تو اُس ذبیحہ کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اُس کا کھانا یا فروخت کرنا شرعاً کیسا ہے؟ نیز پورا خون نکلنے کے لئے ذبح کرنے اور کھال اُتارنے کے درمیان کتنا وقفہ ضروری ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر جانور کی شہ رگیں (حلقوم، مرئی، ودجان) کٹ چکی ہیں تو جانور تو حلال ہوگیا، اَب دمِ مسفوح (بہنے والا خون) جانور سے نکل جائے گا؛ لیکن مستحب یہ ہے کہ جب تک جانور پرسکون نہ ہو اُس کی کھال وغیرہ نہ اُتاری جائے، اگر اِس کے خلاف کیا جائے گا جیسا کہ سوال میں درج ہے، تو یہ عمل مکروہ اور خلافِ سنت ہوگا؛ لیکن جانور حلال کہلائے گا، اُس کے کھانے اور فروخت کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

عن ابن عباس رضي اللّٰہ عنہما قال: الذکاۃ في الحلق واللبۃ. (المصنف لعبد الرزاق، کتاب المناسك / باب ما یقطع من الذبیحۃ ۴۹۵/۴ رقم: ۸۶۱۵)

ثم في حالۃ القدرۃ إذا قطع الحلقوم والمرئي والودجین فقد أتم الذکاۃ.

(الفتاویٰ التاتارخانیۃ، کتاب الذبائح / الفصل الثاني في صفۃ الذکاۃ ۳۹۲/۱۷ رقم: ۲۷۶۰۷ زکریا)

أصح الأجوبۃ في الأکثر عنہ إذا قطع الحلقوم والمرئي، والأکثر من کل ودجین یؤکل، وما لا فلا. (شامي ۴۲۶/۹ زکریا)

وکرہ کل تعذیب بلا فائدۃ، مثل قطع الرأس والسلخ قبل أن تبرد، أي تسکن عن الاضطراب وھو تفسیر باللازم. (الدر المختار / کتاب الذبائح ۴۲۷/۹ زکریا، ۲۹۶/۶ دار الفکر بیروت)

مكروهات التذكية التعذيب أو زيادة الألم بلا فائدة. (الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث الثاني: الذبح والتذكية / المطلب: الثامن مكروهات التذكية ٤/ ٢٧٧ زكريا)

والحاصل أن كل ما فيه زيادة ألم لا يحتاج إليه في الذكاة مكروهةٌ. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الذبائح / الباب الأول ٥/ ٢٨٨ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۲۳/ ۱۴۳۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ذبح کرنے کے بعد فوراً کھال اُتارنا مکروہ ہے

سوال (۷۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جانور کو ذبح کرنے کے بعد فوراً اُس کی کھال اُتارنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ذبح کے فوراً بعد جانور کے ٹھنڈا ہونے سے پہلے اُس کی کھال اُتارنا مکروہ ہے۔

وكره كل تعذيب بلا فائدةٍ مثل قطع الرأس والسلخ قبل أن تبرد أي تسكن عن الإضطراب. (الدر المختار / كتاب الذبائح ٩/ ٤٢٧ زكريا)

ويكره سلخ الجلد بعد الذبح قبل أن تبرد. (الفتاویٰ التاتارخانية ١٧/ ٣٩٧ رقم: ٢٧٦٢١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳/۶/ ۱۴۳۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مرغ ذبح کرتے وقت گردن بالکل الگ کردینا؟

سوال (۷۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مرغ ذبح کرتے وقت اس کی گردن بالکل الگ ہوگئی، تو کیا اُس کے کھانے میں اور ذبیحہ

میں گناہ تو لازم نہیں آیا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ذبح کرتے وقت جس مرغی کی گردن پوری کٹ جائے اُس کا کھانا حلال ہے؛ لیکن اس طرح بالقصد کاٹنا مکروہ ہے۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن الذبيحة أن تفرس. أخرجه الطبراني.

عن سعيد بن المسيب رضي الله عنه قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن تنخع الشاة إذا ذبحت.

عن عمر أنه نهى عن الفرس في الذبيحة.

عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من قتل عصفورًا إلا بحقه سأله الله عنه يوم القيامة، قيل: يا رسول الله! وما حقه؟ قال: يذبحه ذبحًا ولا يأخذ بعنقه فيقطعه. (إعلاء السنن، كتاب الذبائح / باب كراهة النخع، وباب كراهة قطع العنق عند الذبح ١٧/ ١٤٥-١٤٦ رقم: ٢٠٢٣-٢٠٢٤-٢٠٢٥-٢٠٢٦ دار الكتب العلمية بيروت، ١٣١-١٣٢ كراچی)

ومن بلغ بالسكين النخاع أو قطع الرأس كره له ذلک، وتوكل ذبيحته. (الهداية / كتاب الذبائح ٤/ ٤٣٨ ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۲/ ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اہلِ کتاب کا ذبیحہ؟

سوال (۸۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا اہلِ کتاب کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا ذبیحہ کھانا جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اہلِ کتاب یہود ونصاریٰ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر جانور ذبح کریں تو وہ ذبیحہ حلال ہے، اور اگر اللہ کا نام لئے بغیر ذبح کریں یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کریں، تو اُن کا ذبیحہ حلال نہیں۔ (مستفاد: معارف القرآن ۳؍۵۴)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ﴾ [المائدة، جزء آيت: ٥]

عن قيس بن سكن الأسدي قال: قال عبد اللّٰه: إنكم نزلتم بين فارس والنبط، فإذا اشتريتم لحمًا، فإن كان ذبيحة يهودي أو نصراني فكلوه، وإن ذبحه مجوسي فلا تأكلوه. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب السير / ما قالوا في طعام اليهودي والنصراني ١٧/ ٤٢٠ رقم: ٣٣٣٦٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱؍۸؍۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مقطوع اللحیہ، بدعتی اور بریلوی کا ذبیحہ

سوال (۸۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جس شخص کی داڑھی نہیں ہے تو اُس کا ذبیحہ کیسا ہے؟ نیز بدعتی، بریلویوں کا ذبیحہ کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص مسلمان ہو اُس کا ذبیحہ حلال ہے، خواہ اُس کے داڑھی ہو یا نہ ہو، اِس طرح بدعتی مسلمان کا ذبیحہ بھی حلال ہے۔

قال تعالیٰ: ﴿وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ﴾ [المائدة، جزء آيت: ٥]

وشرط كون الذابح مسلمًا. (الدر المختار ٩/ ٤٢٧ زكريا، الفتاویٰ التاتارخانية ١٧/ ٣٨٩ رقم: ٢٧٥٩١ زكريا، فتاویٰ دار العلوم ١٥/ ٤٢٢-٤٢٣)

شروط الذابح ...... وهي أن يكون مميزًا عاقلاً ...... ولو كان مكرها على

الـذبـح ذكـرًا أو أنثى طاهرًا ...... عدلاً أو فاسقًا لعموم الأدلة وعدم المخصص. (الـفـقـه الإسـلامـي وأدلتـه / البـاب التـاسـع الذبائح والصيد ٢٧٦٣/٤ رشيدية، المبحث الأول ٦٤٩/٤ تهانوى ديو بند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۳/۳۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس کو اَول کلمہ یاد نہ ہو اُس کا ذبیحہ

سوال (۸۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی شخص کو اَول کلمہ بھی یاد نہیں ہے تو اُس کا ذبح کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اِیمان کا تعلق دل کے عقیدہ سے ہے، پس جو شخص دل سے مؤمن ہو تو اُسے اگرچہ اول کلمہ یاد نہ ہو تو صرف ''اللہ'' کا نام لینے سے بھی ذبیحہ حلال ہوجائے گا۔

وشـرط كـون الذابح مسلمًا. (الـدر الـمـختـار ٤٢٧/٩ زكـريـا، الفتاوىٰ التاتارخانية ٣٨٩/١٧ رقم: ٢٧٥٩١ زكريا)

أهل الذبح من له ملة التوحيد دعوى وإعتقادًا كالمسلم. (فتاوىٰ دار العلوم ٤٢٢/١٥)

فـإن ذبـح كـل مسـلـم وكل كتابي حلال ...... برًا كان أو فاجرًا. (النتف في الفتاوىٰ / كتاب الذبائح ١٤٧، بحواله: تعليقات فتاوىٰ محموديه ٢٣١/١٧ ڈابهيل) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۳/۳۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورت کا ذبیحہ؟

سوال (۸۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا کوئی مسلمان عورت اپنے ہاتھ سے جانور ذبح کرسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلمان عورت اپنے ہاتھ سے جانور ذبح کرسکتی ہے، اور اُس کا ذبیحہ بلا شبہ حلال ہے۔

عن ابن لكعب بن مالک عن أبيه رضي اللّٰه عنه أن امرأة ذبحت شاة بحجر، فسئل النبي صلى اللّٰه عليه وسلم عن ذلک، فأمر بأكلها. (صحيح البخاري ٨٢٧/٢، سنن ابن ماجة ص: ٢٢٩)

عن إبراهيم النخعي أنه قال في ذبيحة المرأة والصبي: لا بأس إذا أطاق الذبح وحفظ التسمية. أخرجه سعيد بن منصور بسند صحيح وهو قول الجمهور. (إعلاء السنن، كتاب الذبائح / باب جواز ذبح المرأة والصبي ١٠٤/١٧ رقم: ٥٤٩٦ دار الكتب العلمية بيروت، ٩٣/١٧ كراچی)

حل ذبيحة مسلم وكتابي وصبي وامرأة. (كنز الدقائق ٤١٦، ديهات وقصبات كے مسائل ٣٦٣، احسن الفتاوىٰ ٤٠٨/٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۵/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسلمان عورت کا ذبیحہ؟

سوال (۸۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی مسلمان عورت کے ہاتھوں ذبح کیا ہوا جانور کا گوشت حلال ہے یا حرام؟ مرد کی غیر موجودگی میں عورت کوئی جانور ذبح کرسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلمان عورت کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے، مرد کی موجودگی میں بھی عورت ذبح کرسکتی ہے، شرعاً اِس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عـن ابـن كـعـب بـن مـالک عن أبيه رضي اللّٰه عنه أن المرأة ذبحت شاة بـحجر، فسئل النبي صلى اللّٰه عليه وسلم عن ذلک فأمر بأكلها. (صحيح البخاري، كتاب الذبائح / باب ذبيحة الأمة والمرأة ٨٢٧/٢)

عـن إبـراهيـم النخعي أنه قال في ذبيحة المرأة: لا بأس إذا أطاق الذبيحة وحـفظ التسمية وهو قول الجمهور. (فتـح البـاري، كتـاب الذبائح / باب ذبحة الأمة والمرأة ٦٣٢/٩ دار الفكر بيروت)

عـن جـابـر رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم رخص في ذبيحة المرأة. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٢١٧/١٤، ٥٢٦/٩ القاهرة، المصنف لعبد الرزاق ٤٨٢/٤ رقم: ٨٥٥٢)

ولـو الـذابـح مجنونًا أو امرأة أو صبيًا يعقل التسمية والذبح ويقدر. (الدر المختار / كتاب الذبائح ٤٣٠/٩ زكريا، البحر الرائق / كتاب الذبائح ٣٠٥/٨ زكريا)

وتـحل ذبيحة مسلم وكتابي ذمي أو حربي ولو امرأة أو صبيًا أو مجنونًا يعقلان. (مـجـمـع الأنهـر / كتـاب الـذبـائح ١٥٣/٤-١٥٤، إعلاء السنن، كتاب الذبائح / باب جواز ذبح المرأة ٩٣/١٧ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۸/۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورت اور لڑکی کا ذبیحہ؟

سـوال (۸۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عورت یا لڑکی جانور پر چھری پھیر سکتی ہے یا نہیں؟ اگر پھیر دے اور اسے کچھ معلوم نہ ہو کہ میرا چھری پھیرنا صحیح ہے یا نہیں؟ تو کوئی کفارہ تو دینا نہیں پڑے گا؟ جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت یا لڑکی کے لئے قربانی کا جانور ذبح کرنا شرعاً

درست ہے، اُس کی وجہ سے کوئی کفارہ واجب نہیں ہوتا، بشرطیکہ وہ اچھی طرح ذبح کرنے پر قادر ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۷/۲۲۸ ڈابھیل)

عن المسيب بن رافع أن أبا موسىٰ كان يأمر بناته أن يذبحن نسائك من بأيديهن. (إعلاء السنن ۱۷/۲۷۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۱۰/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گونگے بچے کا ذبیحہ

سوال (۸۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک بچہ مکمل گونگا ہے، زبان سے کچھ بھی حروف ادا نہیں ہوتے، اُس کے ذبیحہ کا کیا حکم ہے، نیز اگر کسی دوسرے کے ہوتے ہوئے جو تسمیہ پر قدرت رکھتا ہے، گونگا ہی ذبح کرے تو کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گونگے شخص کا ذبیحہ شرعاً درست ہے، شریعت میں اُس کو ناسی کے درجہ میں رکھا گیا ہے، اُسے چاہئے کہ ذبح کرتے وقت آسمان کی طرف اِشارہ کرے، یہی اُس کے لئے اللہ تعالیٰ کا نام لینے کے قائم مقام ہوگا۔

عن جابر رضي الله عنه قال: سألت الشعبي عن ذبيحة الأخرس؟ فقال: يشير إلى السماء. (المصنف لعبد الرزاق، كتاب المناسك / باب ذبيحة الأقلف والأخرس ٤/٤٨٥ رقم: ٨٥٦٦)

وأخرس ...... يعني تحل ذبيحة هٰؤلاء ...... والأخرس عاجزٌ عن الذكر فيكون معذورًا وتقوم الملة مقامه كالناسي؛ بل أولىٰ لأنه ألزم. (البحر الرائق / كتاب الأضحية ٨/١٦٨ كراچی، مجمع الأنهر / كتاب الذبائح ٢/٥٠٨ دار إحياء التراث العربي، ٤/١٥٤ مكتبة فقيه الأمة ديوبند، شامي / كتاب الذبائح ٩/٤٣١ زكريا، المبسوط للسرخسي ١٢/٥)

وذبيحة الأخرس حلال. (الفتاویٰ التاتارخانية ۱۷/ ۳۹۰ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۲/۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی کا جانور امام صاحب یا مولانا صاحب سے ذبح کرانے کو ضروری سمجھنا؟

سوال (۸۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے گاؤں میں یہ ماحول ہے کہ قربانی کے جانور کو خود اپنے ہاتھ سے ذبح نہیں کرتے، نمازی بھی حافظ بھی حاجی بھی، پڑھے لکھے بھی بغیر پڑھے بھی، ہر ایک یا تو امام صاحب یا مولانا صاحب ہی ذبح کریں گے، حالاں کہ خود بھی اپنی قربانی ذبح کرسکتے ہیں، یہاں تک جو لوگ جانوروں کے ٹکڑے اور بوٹیاں کرنا بھی جانتے ہیں، وہ بھی اپنی قربانی کا جانور دوسرے ہی سے ذبح کراتے ہیں، اِس سلسلہ میں شرعی حکم کیا ہے؟

کیا اپنی قربانی کا جانور اپنے ہی ہاتھ سے ذبح کرنا زیادہ ثواب ہے؟ اگر دوسرے سے کرایا تو کیا ثواب گھٹ جائے گا؟ اور ہمارے گاؤں کا یہ ماحول کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو ذبح کرنا جانتا ہو اُس کے لئے مستحب یہی ہے کہ اپنا جانور خود ذبح کرے، اور اگر خود اچھی طرح ذبح نہ کرسکتا ہو یا کسی اور وجہ سے کسی دوسرے سے ذبح کرائے، تو اِس کی بھی گنجائش ہے؛ لیکن ذبح کرتے وقت خود سامنے رہنا بہتر ہے، اور دوسرے سے ذبح کرانے کو ضروری سمجھنا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، اِس کی شرعاً کوئی اصل نہیں ہے۔

وأن يذبح بيده إن علم ذٰلک، وإلا يعلمه شهدها بنفسه، ويأمر غيره بالذبح، كي لا يجعلها ميتة. (شامي ۹/ ٤٧٤ زكريا)

الأفضل أن يضحي الرجل بيده إذا قدر عليه، وإن لم يقدر فوض إلى غيره، حكى أن أبا حنيفة فعل بنفسه، وفي الزاد: وإن كان لا يحسن الذبح يكره له، وفي الهداية: وإذا استعان بغيره يستحب أن يشهدها بنفسه. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الأضحية / الفصل الخامس في بيان ما يجوز من الضحايا وما لا يجوز ۱۷/ ٤۳٥ رقم: ۲۷۷٤۸ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۷/ ۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی کا خون دفن کرنا کیسا ہے؟

سوال (۸۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضرت مفتی صاحب قربانی کے خون کو دفن کرنے سے متعلق ایک سوال وجواب ارسالِ خدمت ہے، غور فرما کر جواب تحریر فرمائیں:

سوال:- قربانی کا خون زمین میں گڑھا کھود کر دفن کرنا کیسا ہے؟

جواب: -درست نہیں ہے؛ کیوں کہ قرآن وحدیث میں خون بہانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور دیہاتوں میں زمین کھود کر دفن کرنے کا عمل جو رائج ہے، وہ من گھڑت ہے۔

مذکورہ سوال وجواب ے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ دلیل کے ساتھ تحریر فرمادیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کا خون گڑھا کھود کر زمین میں دفن کرنا اگرچہ لازم نہیں ؛لیکن ناجائز بھی نہیں ہے؛ بلکہ مباح ہے، مجیب صاحب کا اُسے ناجائز کہنا بے دلیل ہے، اور عدمِ جواز کی جو دلیل اُنہوں نے پیش کی ہے، اُس کا تعلق زمین پر خون بہانے سے نہیں ہے؛ بلکہ جانور کا خون بہانے سے ہے، اِس بے جوڑ دلیل سے استدلال خود مجیب صاحب کی ناواقفیت کی دلیل ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲۶/ ۳۹۶ میرٹھ)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿قُلْ لَا أَجِدُ فِيْ مَا أُوْحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا

اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ [الأنعام: ١٤٥]

وقال اللّٰه تعالىٰ: ﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ [النحل: ١١٥]

ويدفن أربعة: الظفر والشعر وخرقة الحيض والدم. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / فصل في البيع ٦/٤٠٥ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۵/۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مہمان نوازی کے لئے بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرنا؟

سوال (۸۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی مسلمان کسی جانور کو اللہ کا نام لے کر مہمان نوازی کے واسطے ذبح کرے، تو کیا اُس کے اندر شرک شامل ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مہمان کی ضیافت کے لئے اللہ کے نام پر جانور کو ذبح کرنے میں شرک کا کوئی شبہ نہیں پایا جاتا ہے؛ کیوں کہ مہمان کا اکرام بجائے خود سنت اور موجبِ تقرب ہے، اِس اعتبار سے مہمان کا اکرام اللہ کے اکرام کے مثل ہے۔

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ. اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا، قَالَ سَلٰمٌ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ. فَرَاغَ اِلٰى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ. فَقَرَّبَهٗ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ﴾ [الذريت: ٢٤-٢٥-٢٦-٢٧]

ولو ذبح للضيف لا يحرم؛ لانه سنة الخليل، وإكرام الضيف إكرام اللّٰه تعالىٰ. (شامي / كتاب الذبائح ٩/٤٤٩ زكريا)

رجل ذبح للضيف شاة فذكر اسم الله عليها، فقال: يحل أكله. (البحرالرائق / كتاب الذبائح ١٦٨/٨ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۴/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہندوستان سے دوسرے ممالک جانے والے ذبیحہ گوشت کا حکم؟

سوال (۹۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہندوستان سے جو گوشت دوسرے ممالک میں جاتا ہے اس کے ساتھ کوئی مسلمان نہیں ہوتا، غیر مسلم ہی اُس کو لے جانے والے اور نگرانی کرنے والے ہوتے ہیں، ایسی صورت میں اُس گوشت کو استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان سے جو ذبیحہ گوشت مسلم ممالک میں جاتا ہے اُن میں جانوروں کو ذبح کرنے والے مسلمان ہی ہوتے ہیں اور کسی مقامی مسلم تنظیم کے تصدیقی سرٹفیکیٹ کے بعد ہی اُس کو ایکسپورٹ کیا جاتا ہے؛ اِس لئے درمیان میں لے جانے والے اگرچہ غیر مسلم ہوں، پھر بھی اُس گوشت کا استعمال شرعاً حلال ہوگا۔

ويقبل قول كافر ولو مجوسيًا، قال: اشتريت اللحم من كتابي فيحل. (الدر المختار / كتاب الأضحية ٤١٩/٩ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۱۰/۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر اللہ کی نسبت پر جانور ذبح کرنا

غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے جانور ذبح کرنا؟

سوال (۹۱) :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: غیر اللہ کے نام پر کوئی جانور تقرب حاصل کرنے کی نیت سے منسوب کرنا مگر عین ذبح کے وقت اُن بزرگ کے نام پر ذبح نہ کر کے اللہ کے نام پر ذبح کرنا اور اِیصالِ ثواب اُن بزرگ (ولی اللہ) کے نام پر کرنا کیسا ہے؟

بعض لوگ ایسا کرنے کو منع کرتے ہیں، تو اُن کو دیوبندی اور وہابی کہا جاتا ہے، بتایا جائے کہ منع کرنے والے لوگ سیدھے راستہ پر ہیں یا یہ فعل کرنے والے حضرات؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر کے تقرب کے لئے جانور کو ذبح کرنا حرام ہے، اگرچہ بوقتِ ذبح اُس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو، اور اِس طرح ذبح کردہ جانور مردار کے حکم میں ہے، کسی کے لئے اُس کا کھانا بھی درست نہیں ہے۔ (جواہر الفقہ ۶/۲۳۷ زکریا)

ذبح لقدوم الأمیر ونحوه کواحد من العظماء یحرم؛ لأنه أهل به لغیر اللّٰه، ولو ذکر اسم اللّٰه تعالیٰ. (الدر المختار / کتاب الذبائح ۹/۳۰۶ بیروت، ۹/۴۴۹ زکریا، البحر الرائق / کتاب الذبائح ۸/۱۶۸ کراچی، کذا في مجمع الأنهر ۴/۱۵۵ دار الکتب العلمیة بیروت)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۱/۲/۱۲ھ

صدقہ کے نام پر بکرا ذبح کر کے کھانا؟

سوال (۹۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے صدقہ کے نام سے اپنے گھر کے اندر ایک بکرا ذبح کیا، اور گوشت کو اپنے استعمال میں لایا، اور کچھ گوشت اپنے قریبی رشتہ داروں کے یہاں بھی پہنچا دیا، کیا اُس گوشت کو کھانا زید کے لئے درست ہے یا نہیں؟ اور یہ عمل زید کا اکثر رہا کرتا ہے، ایسے بکرے کے گوشت اور کھال کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر یہ بکرا بطور صدقہ نافلہ کے ذبح کیا گیا ہے، یعنی نذر یا منت کا نہیں ہے، تو اُس کا گوشت اور کھال ذاتی استعمال میں لانا اور رشتہ داروں کو دینا جائز اور درست ہے، مگر بکرا وغیرہ کے ذبح کا التزام اچھا نہیں، بہتر یہ ہے کہ روپئے پیسے غرباء اور مساکین کو بطور صدقہ دے دئے جائیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳۰۸/۵)

ثم كل دم يجوز أن يأكل منه لا يجب عليه أن يتصدق به بعد الذبح. (بدائع الصنائع ٢٢٤/٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۲/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جان بخشی کے بدلہ میں ذبح کیا ہوا بکرا کھانا؟

سوال (۹۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ ہٰذا میں غریب نادار بیرونی طلبہ رہتے ہیں، جن کا تکفل من جانب مدرسہ ہے، بعض مرتبہ بچوں کے لئے صدقات کے بکرے آتے ہیں جس میں یہ شکل ہوتی ہے:

(۱) زید سخت بیمار رہے یا اچانک کسی حادثہ کا شکار ہوا یا اور کوئی ایسی اہم بات پیش آئی جس کی وجہ سے تابڑ توڑ (فوراً) صدقہ کے طور پر مدرسہ میں بکرا بھیج دیا۔

(۲) یا زید کی صحت یابی یا حادثہ کے ٹل جانے کے بعد بطور شکرانہ کے مدرسہ میں بکرا بھیج دیا۔

(۳) یا منت نذر پوری ہونے کے بعد طلبہ کے لئے بکرا بھیج دیا، اس کا استعمال کیسا ہے، شرعی حیثیت کیا ہے؟

نیز مطبخ میں من جانب مدرسہ موجودہ مدرسین بھی کھانا کھاتے ہیں، اُس میں اُن کی شمولیت کیسی ہے؟ اگر طلبہ خود شریک کر لیتے ہوں چوں کہ شرعی حکم معلوم نہیں، مگر طبعی طور پر مدرسین کو انقباض ہوتا ہے، بعض بدرجہ مجبوری شریک ہوجاتے ہیں اور بعض احتراز کرتے ہیں، اِس کی مدلل وضاحت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر بیماری کے وقت جان کا بدلہ جان سمجھ کر ذبح کر کے بکرا بھیجا گیا ہے، تو یہ بکرا کسی کے لئے حلال نہیں، مردار کے حکم میں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴/۷۰۴)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ [المائدة، جزء آیت: ۳]

اور صدقہ اور منت کا بکرا صرف غرباء کے لئے حلال ہے، مال داروں کو اُس میں سے کھانا درست نہیں ہے، اگر مال دار اور صاحبِ استطاعت مدرسین اُس میں سے کھالیں گے تو اُن پر اُس کی قیمت ادا کرنی لازم ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۲/۲۲۳)

وقيد بالزكاة؛ لأن النفل يجوز للغني كما للهاشمي، وأما بقية الصدقات المفروضة والواجبات كالعشر والكفارات والنذور وصدقة الفطر، فلا يجوز صرفها للغني، لعموم قوله عليه الصلوة والسلام: لا تحل صدقة لغني. خرج النفل منها؛ لأن الصدقة على الغني هبة. (البحر الرائق ۲/ ۲٤٥، ومثله في الدر المختار ۳/ ۳۰۰ زكريا)

البتہ جو بکرا خوشی کے موقع پر شکرانہ کے لئے بھیجا جائے اُس میں سب لوگ شریک ہو سکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۵/ ۳٦٧)

أما صدقة التطوع فيجوز دفعها إلى هؤلاء (الوالدين وإن علوا

والمولودين وإن سفلوا) والدفع إليهم أولى؛ لأن فيه أجرين: أجر الصدقة، وأجر الصلة، وكونه دفعًا إلى نفسه من وجه لايمنع صدقة التطوع، قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: نفقة الرجل على نفسه صدقة، وعلى عياله صدقة الخ. (بدائع الصنائع ۱٦۲/۲ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱٦/۵/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

روح نکلنے میں آسانی ہونے کے عقیدہ سے بکرا ذبح کرنا؟

سوال (۹۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایسا آدمی کہ جس کی جان نکلنے میں بہت پریشانی ہورہی ہو، تو بکرا ذبح کرنے سے فوراً روح قبض ہوجاتی ہے، اِدھر چھری بکرے کی گردن پر چلائی، اُدھر فوراً روح قبض ہوگئی، ایسے بکرے کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اِس بکرے کی کھال گوشت وغیرہ کے بارے میں تحریر فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں بھی بکرا ذبح کرنا ناجائز اور حرام ہے؛ اِس لئے کہ اُس میں جانور کے ذبح کرنے کو ہی دفع مصیبت سمجھا جاتا ہے، جو ''ما اهل لغير اللّٰه'' کی ہی ایک صورت ہے، نیز اس ذبیحہ کی وجہ سے روح کے آسانی سے نکلنے کا عقیدہ غلط ہے۔ ایسے عقیدہ سے توبہ کرنا لازم ہے، یہ اتفاق کی بات ہے کہ بکرا ذبح کرتے کرتے روح نکل جائے، شریعت میں اِس قسم کے عقائد کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اور اُس جانور کا گوشت حرام ہے، اور دباغت کے بعد اُس کی کھال کا استعمال اور فروختگی جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۵۷۰/۳)

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ [المائدة، جزء آیت: ۳]

ذبح لقدوم الأمير ونحوه يحرم لأنه أهل به لغير اللّٰه. (الدر المختار مع الشامي

/ كتاب الذبائح ٩/ ٤٤٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۴/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نزع کی حالت میں موت کی سختی سے بچانے کیلئے بکرا ذبح کرنا؟

سوال (۹۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نزع کی حالت میں مرنے والے کے نام سے صدقہ کیا جاتا ہے، وہ صدقہ رقم اور غلہ کی شکل میں بھی ہوتا ہے، اور کبھی حالتِ نزع والے شخص کے نام سے بکرا ذبح کرکے اُس کا گوشت مدارس وغیرہ میں بھیج دیا جاتا ہے، اور نیت بکرا ذبح کرنے سے یہ ہوتی ہے کہ موت کی وجہ سے جو سختی ہوتی ہے وہ ختم ہوجائے اور روح آسانی نکل جائے۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ ایسی حالت میں بکرا ذبح کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غلہ وغیرہ صدقہ کرنے میں تو کوئی حرج نہیں؛ لیکن اِس نیت سے جانور ذبح کرنا کہ ذبح کرنے سے میت کی روح آسانی سے نکلے گی، جائز نہیں ہے۔ اور اِس طرح ذبح شدہ بکرے کے گوشت کا استعمال بھی کسی کے لئے حلال نہیں ہے، اور یہ ﴿وَمَآ أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ میں داخل ہوکر حرام ومردار ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۵۷۰)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ [المائدة، جزء آيت: ۳]

ذبح لقدوم الأمير ونحوه يحرم لأنه أهل به لغير الله. (الدر المختار مع الشامي / كتاب الذبائح ٩/ ٤٤٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۴/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کسی مہمان کی آمد پر جانور ذبح کرنا؟

سوال (۹٦):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ﴿وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے مفتی محمد شفیع صاحبؒ معارف القرآن میں شامی کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: "**ذبح لقدوم الأمير ونحوه كواحد من العلماء يحرم؛ لأنه أهل به لغير الله، ولو ذكر اسم الله وأقره الشامي**" ۔اِس کو لکھنے کے بعد اپنی رائے کا بھی اظہار فرمایا ہے کہ اِس ذبیحہ کا کھانا حرام ہے؛ لیکن ہم اپنے بڑے بڑے مہمانوں کے واسطے جو بکری یا مرغی ذبح کرتے ہیں، تو کیا اُس کا کھانا حرام ہوجائے گا، اِس کی صحیح تشریح مرحمت فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی کی آمد پر جانور کے ذبح کرنے کی دو شکلیں بالکل الگ الگ ہوتی ہیں:

(۱) آنے والے کے پرتپاک استقبال اور اعزاز میں صرف جانور کا خون بہانا مقصود ہوتا ہے، گوشت نہ خود کھانا مقصد ہوتا ہے اور نہ آنے والے کو کھلانا مقصد ہوتا ہے؛ بلکہ صرف جانور ذبح کرکے آنے والے کا اعزاز اور عزت مقصود ہوتی ہے، تو ایسا جانور مردار اور میتہ کے حکم میں ہے، اور معارف القرآن اور شامی میں جس جانور کو مردار کے حکم میں بتایا گیا ہے اُس سے ایسا ہی جانور مراد ہے۔

(۲) آنے والے کی ضیافت کے لئے جانور ذبح کیا جاتا ہے؛ تاکہ اُس کو عمدہ ترین کھانا کھلاکر اعزاز کیا جائے، اور یہ مقصد جانور ذبح نہ کرکے بازار سے خرید کردہ گوشت سے بھی حاصل ہوجاتا ہے، اور میزبان بازار کے گوشت کھلانے میں ضیافت میں کوئی کمی نہیں سمجھتا، تو اِس طرح برائے ضیافت جو جانور ذبح کیا جاتا ہے وہ بلاتردد حلال اور پاک ہے، دونوں کے درمیان واضح فرق سامنے آگیا کہ پہلی شکل میں برائے عظمت ذبح کیا گیا ہے، اور دوسری شکل میں برائے

ضیافت ذبح کیا گیا، اِس لئے پہلی شکل ﴿مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ میں شامل ہے اور دوسری شکل اس میں داخل نہیں ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه خرج النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في ساعة لا يخرج فيها و لا يلقاه فيها أحد، فأتاه أبوبكر، فقال: ما جاء بک يا أبا بكر؟ فقال: خرجت إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، وأنظر في وجهه والتسليم عليه فلم يلبث أن جاء عمر، فقال: ما جاء بک يا عمر؟ قال: الجوع يا رسول اللّٰه، قال: وأنا قد وجدت بعض ذٰلک، فانطلقوا إلى أبي الهيثم بن النيهان الأنصاري، وكان رجل كثير النخل والشاءِ ...... فذبح لهم عناقًا أو جديًا، فأتاهم بها فأكلوا الخ. (سنن الترمذي، أبواب الزهد / باب ما جاء في معيشة أصحاب النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ٦٢/٢)

ولو ذبح للضيف لا يحرم. (شامي ٤٤٩/٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۳/۴/۱۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کتاب الاضحیۃ

قربانی سے متعلق مسائل

عشرۂ ذی الحجہ کی فضیلت

سوال (۱): -کیافرماتے ہیں علماءدین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:
ماہنامہ ''ندائے شاہی'' مارچ ۲۰۰۰ء کے شمارے میں ''عشق کے امتحان کا موسم'' کے عنوان کے تحت صفحہ ۹ر پرعشرہ ذی الحجہ کی فضیلت بیان فرماتے ہوئے مولانا اختر صاحب نے بخاری شریف کی حدیث کا حوالہ تحریرفرمایاہے کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا، اللہ تعالیٰ کوعبادت کے اعمال کسی دوسرے دن میں اتنے محبوب نہیں ہیں، جتنے اِن دس دنوں میں محبوب ہیں،خواہ وہ نفل نماز ہو یاذکروتسبیح یاصدقہ وخیرات''۔(بخاری شریف ۹۶۹)

احقر کے پاس بخاری شریف کانسخہ میں حدیث ۹۶۹ اِستفتاء سے متعلق ہے۔ میں نے کاتب کی غلطی سوچ کرکہ شاید باب کی جگہ حدیث لکھا گیا ہو،تو میں نے باب ۹۶۹ دیکھا تو وہ **میقات اهل المدينة ولا يهلوا قبل ذي الحليفة** ہے،پھرمیں نےایامِ تشریق کی فضیلت سے متعلق **باب فضل العمل فی ايام التشريق** دیکھا،وہاں بھی نقل کی گئی مذکورہ حدیث مکمل نہ مل سکی۔آپ سے گذارش ہے کہ تھوڑی سی زحمت فرماکرتحریرفرمائیں کہ مذکورہ حدیث مکمل طورپر بخاری شریف میں کس باب کے تحت ہے،انشاءاللہ آپ کومن جانب اللہ جزاءِخیرسےنوازاجائے گا؟
باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اِس مضمون کی روایت بخاری شریف **باب فضل العمل فی ايام التشريق** ۱۳۲/۱میں ہے،اورآگے کاجملہ خواہ وہ نفل نماز ہوالخ، یہ حدیث کا ترجمہ نہیں؛ بلکہ تشریحی جملہ ہے؛اِس لئے کہ بخاری شریف یاکسی اورکتاب میں اگلا جملہ موجودنہیں

ہے، بات گوکہ اپنی جگہ صحیح ہے؛ لیکن اسے بین القوسین ہونا چاہئے تھا؛ تاکہ اِس کے حدیث ہونے کا اشتباہ نہ ہوتا۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: ما العمل في أيام أفضل منها في هٰذه، قالوا ولا الجهاد؟ قال: ولا الجهاد، إلا رجل خرج يخاطر بنفسه وماله فلم يرجع بشيء. (صحيح البخاري، كتاب العيدين / باب فضل العمل في أيام التشريق ۱۳۲/۱ رقم: ۹۵۹ ف: ۹۶۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۲/۲۱/۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی کے لئے صاحبِ نصاب ہونا شرط ہے

سوال (۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دو بھائی ہیں، دونوں کا زیور ماں کے قبضہ میں ہے، اَبا انتقال کر چکے ہیں؛ لہٰذا ایسی صورت میں قربانی سبھوں پر واجب ہوگی یا صرف ماں پر؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سوال گنجلک ہے، اِس لئے ممکنہ دو شقوں کا جواب درج ذیل ہے، اگر زیور بھائیوں کی ملک ہے اور اُنہوں نے بطور اَمانت ماں کے پاس اُسے رکھوا رکھا ہے، اور زیور اتنا ہے کہ ہر ایک مستقل طور پر صاحبِ نصاب ہو جائے، تو اِس صورت میں بھائیوں پر قربانی واجب ہوگی۔ اور اگر یہ زیور صرف ماں کی ملک ہے وہی اُس کی مختار ہے، تو قربانی اُسی پر لازم ہوگی، بھائیوں پر اُس زیور کی بنا پر قربانی کا حکم نہ ہوگا۔

وإن شرط الوجوب منها وهو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر. (الفتاوىٰ الهندية ۲۹۲/۵)

قال العلامة الحصكفي رحمه اللّٰه تعالىٰ: فتجب التضحية على حر مسلم

مقيم موسر. (الدر المختار / كتاب الأضحية ٦/ ٣١٢-٣١٥ كراچی)

وأما شرائط الوجوب: منها: اليسار، هو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر دون ما يتعلق به وجوب الزكاة ...... والموسر في ظاهر الرواية، مَن له مأتا درهم أو عشرون دينارًا، أو شيء يبلغ ذٰلک مسکنه ومتاع مسکنه ومرکوبه وخادمه في حاجته التي لا يستغني عنها. (الفتاویٰ الهندية / الباب الأول ٥/ ٢٩٢ زكريا، وكذا في البحر الرائق ٩/ ٣١٨ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۳/۱۱/۳ھ

قربانی گھر کے ہر صاحبِ نصاب پر الگ الگ واجب ہے

سوال (۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کہتا ہے کہ قربانی ہر سال گھر کے مالک پر واجب ہے؛ لہٰذا اُس کو اپنی طرف سے قربانی کرنی چاہئے، جب کہ بکر کہتا ہے کہ نہیں قربانی گھر کے ہر فرد کی طرف سے ہونی چاہئے، تو شرعی حکم کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی صرف گھر کے مالک پر نہیں؛ بلکہ گھر میں رہنے والے ہر صاحبِ نصاب اور ذی استطاعت شخص پر الگ الگ قربانی لازم ہے۔

الأضحية واجبة على كل حرٍ مسلمٍ مقيمٍ موسرٍ في يوم الأضحى عن نفسه. (الهداية ٤/ ٤٤٣)

وفي أجناس الناطفي: قال أبو حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ: الموسر الذي له مائتا درهم أو عرض يساوي مائتي درهم سوى المسكن والخادم والثياب التي يلبس، ومتاع البيت الذي يحتاج إليه. (خلاصة الفتاویٰ / الفصل الثاني نصاب الأضحية ٤/ ٣٠٩ امجد اکیڈمی لاهور)

وأمـا شرائط الوجوب: منها: اليسار، هو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر دون مـا يتعلق به وجوب الزكاة ...... والموسر في ظاهر الرواية، مَن له مأتا درهم أو عشـرون دينـارًا، أو شيء يبلغ ذٰلک مسکنه ومتاع مسکنه ومرکوبه وخادمه في حاجته التي لا يستغنی عنها. (الفتاویٰ الهندية / الباب الأول ۲۹۲/۵ زکريا، وکذا في البحر الرائق ۳۱۸/۹ زکريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۴/۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

''من وجد سعةً فلم يضح'' میں ''سعةً'' سے کتنی حیثیت کا مالک مراد ہے؟

سـوال (۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ حدیث میں ہے کہ ''**من وجد سعةً فلم يضح**'' اِس حدیث کی وجہ سے کہتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی صاحبِ نصاب نہ بھی ہو؛ لیکن اُس کے پاس قربانی کی وسعت ہو، یعنی چار پانچ ہزار روپئے کا مالک ہو، تو بھی اُس کے اوپر قربانی واجب ہے، تو کیا اُن کا یہ کہنا صحیح ہے؟ جب کہ فقہ کی کتابوں میں ہے کہ اگر وہ صاحبِ نصاب ہے تب تو قربانی واجب ہے ورنہ نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شارحین حدیث اور فقہاء کرام نے ''**من وجد سعة فلم يضح**'' کی تشریح بقدر نصاب مالیت سے کی ہے، جو منشاء شریعت کے عین مطابق ہے؛ اِس لئے کہ شریعت میں غنا کا معیار بقدر نصاب مالیت کو بتلایا گیا ہے؛ لہٰذا جن لوگوں نے اس تشریح کے برخلاف محض قربانی کا جانور یا حصے کے بقدر مالیت مراد لی ہے اُن کی رائے درست نہیں ہے۔

قـال الـکـاسـاني: ومـنـهـا الـغني: لما روي عن رسول الله صلى الله عليه وسـلم أنه قال: ''من وجد سعةً فليضح'' شرط عليه الصلاة والسلام السعة، وهي

الغنى؛ ولأنا أوجبناها بمطلق المال.

ومن الجائز أن يستغرق الواجب جميع ماله فيؤدي إلى الحرج فلابد من اعتبار الغني، وهو أن يكون في ملكه مائتا درهمٍ أو عشرون دينارًا أو شيء تبلغ قيمته ذٰلک سوى مسكنه، وما يتأثث به وكسوته وخادمه وفرسه وسلاحه وما لا يستغنى عنه، وهو نصاب صدقة الفطر. (بدائع الصنائع / كتاب التضحية ٤/١٩٦ زكريا)

وفي الهداية: واليسار لقوله عليه السلام : لا صدقة إلا عن ظهر غني وهو حجة على الشافعي في قوله: تجب على من يملک زيادة عن قوت يومه لنفسه وعياله، وقدر اليسار بالنصاب لتقدير الغني في الشرع فاضلاً عما ذكر من الأشياء؛ لأنها مستحقة بالحاجة الأصلية فيتعلق بهذا النصاب حرمان الصدقة ووجوب الأضحية والفطر. (نصب الراية مع الهداية ٢/٤٢٩ مكتبة دار الإيمان)

ويتعلق بهذا النصاب وجوب الأضحية ووجوب نفقة الأقارب. (الفتاویٰ الهندية ١/١٩١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۱/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اگر کسی خاص قصبہ میں قربانی کی اِجازت نہ ملے تو کیا پورا ملک دارالحرب کہلائے گا؟

سوال (۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: لنڈھورہ قصبہ میں قربانی کی اِجازت نہیں ملی، تو ایسی صورت میں ہندوستان کو کیا دارالحرب کہا جائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی خاص قصبہ میں قربانی کی اِجازت نہ ملنے کی وجہ

سے پورے ملک کو دارالحرب نہیں کہا جاسکتا؛ اِس لئے کہ عموماً قربانی کی اِجازت نہ ملنے کی بنیاد مذہبی ممانعت نہیں ہوتی؛ بلکہ نقضِ اَمن کا خطرہ ہوتا ہے۔

أما أن يغلب أهل الحرب على دار من دورنا وارتد أهل مصر، وغلبوا وأجروا أحكام الكفر – إلى قوله – ففي كل من هٰذه الصور لا تصير دار حرب.

(الفتاویٰ الهندية ٢/٢٣٢، كذا في الشامي ٤/١٧٤ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱/۱/۴۳۱اھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

باپ بیٹوں کے مشترکہ کاروبار میں قربانی کا حکم

سوال (٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک باپ کے چار بیٹے ہیں، چاروں شرکت میں ہیں اور صاحبِ نصاب ہیں، اگر باپ سب کو الگ کرتا ہے تو سب کے پاس اتنا زر رہے کہ وہ صاحبِ نصاب کے دائرہ میں آتے ہیں، اَب باپ کی طرف سے ایک ہی قربانی کفایت کرے گی یا بصورتِ مذکورہ شرکت میں بھی چاروں کو علیحدہ علیحدہ کرنی ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں اگر کاروبار کا اصل ذمہ دار باپ ہے اور لڑکے اُس کے معاون کے طور پر ہیں، اور لڑکوں کے پاس شرکت کے علاوہ بقدر نصاب مال بھی نہیں ہے، تو صرف باپ پر قربانی واجب ہوگی، لڑکوں پر نہیں۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: إن أطيب ما أكلتم أي أحله، وما من كسبِكم، وإن أولادكم من كسبكم. (رواه الترمذي والنسائي وابن ماجة) وفي رواية أبي داؤد والدرامي: إن أطيب ما أكل الرجل من كسبه وإن ولَدَه من كسبه. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب البيوع / باب الكسب

وطلب الحلال، الفصل الثاني ١٦/٦ رقم: ٢٧٧٠ دار الكتب العلمية بيروت، ٤١/٦ المكتبة الأشرفية ديوبند)

أب وابن يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما مالٌ، فالكسب كله للأب إذا كان الابن في عيال الأب لكونه معيناً له. (الفتاویٰ الهندية ٣٢٩/٢) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۳/۱۲/۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

چار بھائیوں کے مشترکہ کاروبار میں قربانی کس پر واجب ہوگی؟

سوال (۷) :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: چار بھائی شامل رہتے سہتے ہیں، اور کاروبار بھی ایک ساتھ کرتے ہیں، تو کیا چاروں بھائی پر قربانی واجب ہے یا صرف ایک پر؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کاروبار کی مالیت چار حصوں پر تقسیم کرنے سے ہر حصہ دار مالکِ نصاب ہوجاتا ہے، تو ہر شریک بھائی پر قربانی واجب ہے، اور اگر شریک کا حصہ نصاب سے کم بیٹھتا ہے، تو کسی پر بھی قربانی واجب نہیں۔ (امداد الفتاویٰ ۵۲/۲)

والموسر في ظاهر الرواية من له مائتا درهم أو عشرون دينارًا أو شيء يبلغ ذٰلک. (الفتاویٰ الهندية، کتاب الأضحية / الباب الأول ٢٩٢/٥)

وشرط وجوبها اليسار عند أصحابنا رحمهم اللّٰه، والموسر في ظاهر الرواية من له مائتا درهم، أو عشرون دينارًا، أو شيء يبلغ ذٰلک سوی مسکنه، ومتاع مسکنه، ومرکوبه، وخادمه في حاجته التي لا يستغني عنها. (الفتاویٰ التاتارخانية، کتاب الأضحية / الفصل الأول في بيان وجوب الأضحية ومن تجب عليه ومن لا تجب ٤٠٥/١٧ رقم: ٢٧٦٤٩ زکريا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۳/۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

ایک دوکان میں چار بھائی شریک ہوں تو قربانی کس طرح واجب ہوگی؟

سوال (۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہر دو دوکان پر چار بھائی بیٹھتے ہیں، باپ حیات ہے کاروبار پورا ہم ہی سنبھالتے ہیں، اور گھر کی عورتوں کے پاس اُن کی رقمیں الگ ہیں، تو وضاحت فرمائیں کہ زکوٰۃ وقربانی ہم سبھی پر واجب ہوگی یا صرف باپ پر؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ وقربانی کے وجوب کا مدار نصاب کے مالک ہونے پر ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں اگر باپ اور کاروبار میں شریک ہر بھائی اِسی طرح گھر کی عورتوں کی ذاتی ملکیت میں بقدرِ نصاب (ساڑھے باون تولہ چاندی یا اُس کی قیمت) مال موجود ہے، تو اُن میں سے ہر ایک پر قربانی اور سال گذرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی، یہ اُس وقت ہے جب کہ دوکانوں پر مالکانہ حقوق بھائیوں کو حاصل ہوں۔ اِس کے برخلاف اگر پورا کاروبار باپ کی عملی نگرانی میں ہوتا ہے، اور حساب وکتاب اِسی کے ہاتھ میں ہے اور لڑکے کاروبار میں اُس کے معاون کی حیثیت رکھتے ہیں، تو ایسی صورت میں مجموعی کاروبار باپ کی ملک ہوگا، اور یہ دیکھا جائے گا کہ الگ الگ طور پر بیٹوں کی ملکیت بقدر نصاب ہے یا نہیں؟ اگر بقدر نصاب ہے تو ان پر قربانی وزکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

نصاب الذهب عشرون مثقالاً والفضة مائتا دراهم. (شامي، كتاب الذهاب / باب زكاة المال ۲۹۵/۲ كراچی، ۲۲٤/۳ زكريا)

وفي القنية: الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيء فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله لكونه معيناً له ألا ترى! لو غرس شجرة تكون للأب. (شامي، كتاب الشركة / مطلب: اجتمعها في دارٍ واحدةٍ واكتسبا الخ ۵۰۲/٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۱/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسافر پر وطنِ اِقامت میں قربانی کا حکم؟

سوال (۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) زید بجنور کا رہنے والا ہے، صاحب نصاب ہے، بقرعید سے پندرہ دن پہلے ممبئ چلا گیا اور ممبئ میں صرف ۲۰/دن رہے گا، بقرعید کے بعد واپس آجائے گا۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ ممبئ جاکر زید پر قربانی کرنا واجب ہے، جب کہ پیسہ تو سب بجنور میں اُس کے گھر پر ہے، زید تو خالی ہاتھ ممبئ میں ہے؟

(۲) خالد بغرض ملازمت پونہ رہتا ہے، جب کہ پونہ میں زید کے پاس اتنے پیسے نہیں ہوتے کہ وہ صاحبِ نصاب ہوجائے، اور گھر پر چھوٹے بچے اور اہلیہ ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا خالد پر پونہ رہتے ہوئے قربانی واجب ہے؟ یہ قربانی اُس کے پونہ میں رہنے کی ہے یا بجنور میں؟ چوں کہ اُس کا مال واسباب اور اہل وعیال وہاں ہیں؟

(۳) مسائلِ عیدین ۱۳۸ پر مولانا رفعت علی صاحب نے بحوالہ عالمگیری ۲۹۲/۵ لکھا ہے کہ مسافر پر قربانی واجب نہیں؛ لیکن اگر کہیں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرلی، تو اَب قربانی کرنا واجب ہوگئی۔

معلوم یہ کرنا ہے کہ جب مسافر کہیں پر پندرہ دن یا اس سے زائد ٹھہر گیا جب کہ اُس کے پاس وطنِ اِقامت میں پیسہ نہیں ہے، پیسہ تو وطنِ اصلی میں ہے، تو اُس پر کیسے قربانی واجب ہوگی؟ قربانی جہاں پر مال واسباب ہے وہاں واجب ہے؟ یا صاحبِ مال جہاں ہے وہاں واجب ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کوئی صاحبِ نصاب شخص ایامِ قربانی میں اپنے وطن سے باہر کہیں جاکر مقیم ہو، وہاں اُس کے پاس قربانی کرنے کی وسعت بھی ہو، یعنی اتنی رقم موجود ہو کہ قربانی کرسکے، تو ایسے شخص پر قربانی کا وجوب یقیناً متحقق ہے؛ لیکن جو شخص مال دار ایامِ قربانی میں اپنے وطن سے دور مقیم ہو، اور وہاں اس کے پاس قربانی کرنے کے بقدر رقم دستیاب نہ ہو تو اُصولی اعتبار سے اُس پر قربانی واجب ہونی چاہئے؛ اس لئے کہ وہ صاحبِ نصاب بھی ہے، اور مسافر بھی

نہیں ہے؛ بلکہ مقیم ہے، چناں چہ درج ذیل جزئیات سے یہی حکم مستفاد ہوتا ہے۔

تجب الأضحية علی حر مسلمٍ مقیمٍ بمصر، أو قریة أو بادیة، فلا تجب علی حاج مسافر موسر عن نفسه. (الدر المختار / کتاب الأضحية ٤٥٧/٩ زکریا)

تاہم بعض جزئیات ایسے بھی ملتے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی مالدار شخص ایامِ قربانی میں اپنے مال سے دور ہو کر وہ اُس میں وقت کے اندر تصرف نہ کرسکتا ہو، تو ایسے شخص پر قربانی واجب نہیں ہے، وہ جزئیات درج ذیل ہیں:

وکذا لو کان له مال غائب لایصل إلیه في أیام النحر؛ لأنه فقیر وقت غیبة المال حتی تحل له الصدقة. (بدائع الصنائع ١٩٦/٤ زکریا)

ومن کان غائبًا عن ماله في أیام الأضحية فهو فقیر. (البحر الرائق ١٧٥/٨ کراچی)

مذکورہ بالا دونوں طرح کی عبارات کو سامنے رکھ کر مسئولہ صورت کا حکم بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر زید ٹیلی فون وغیرہ سے اطلاع کرا کر نیابۃً قربانی کراسکتا ہے، تو اُس پر قربانی واجب ہے، اور اگر ایسی جگہ ہو کہ گھر والوں سے رابطہ ممکن نہ ہو اور خود اُس کے پاس اپنا مال موجود بھی نہ ہو، تو ایسے شخص پر قربانی واجب نہ ہوگی۔

اِس تفصیل کی روشنی میں آپ کے تینوں سوالات حل کئے جاسکتے ہیں، باقی مزید اطمینان کے لئے دیگر مفتیانِ کرام سے بھی رابطہ کرلیں تو بہتر ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۱۱/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی کا جانور گم ہوگیا؟

سوال (۱۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عبد اللہ ایک مسکین شخص ہے، جس نے قربانی کے لئے ایک بکرا رکھا تھا، قربانی کا مصمم اِرادہ تھا، اتفاق سے قربانی کے کچھ دن پہلے وہ بکرا گم ہوگیا، تو ایسی صورت میں عبد اللہ کو دوسرا بکرا لے کر قربانی

کرنا ضروری ہوگیا ہے یا نہیں؟ نیز محض اِرادہ سے عبداللہ کو بغیر قربانی کئے اَجر ملے گا یا نہیں؟ اور اگر عبداللہ کی جگہ کوئی صاحبِ نصاب ہو تو کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عبداللہ فقیر پر دوسرا جانور خرید کر قربانی کرنا واجب نہیں ہے؛ البتہ اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید رکھنی چاہئے، اور اگر کوئی مستطیع ہو تو گم ہوجانے پر اُس کے لئے دوسرا جانور خرید کر قربانی کرنا ضروری ہوگا۔

وكذا لو ماتت فعلى الغني غيرها لا الفقير. (الدر المختار / كتاب الأضحية ٣٢٥/٦ كراچی، ٤٧١/٩ زكريا، كذا في تبيين الحقائق / كتاب الأضحية ٤٨٢/٦ دار الكتب العلمية بيروت)

إذا ماتت المشتراة للتضحية على موسر، تجب مكانها أخرىٰ، ولا شيء على الفقير. (مجمع الأنهر ٥٢٠/٢ دار إحياء التراث العربي بيروت، وكذا في تبيين الحقائق / كتاب الأضحية ٤٨٢/٦ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۱۱/۵ھ

ایامِ قربانی گزر جانے کے بعد قربانی کے جانور کا کیا کریں؟

سوال (۱۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک بڑے جانور میں سات لوگ بنیت اُضحیہ شریک ہوئے، اُن میں چھ صاحبِ نصاب غنی تھے اور ایک فقیر تھا، اتفاق سے ایامِ اُضحیہ گزر گئے اور قربانی نہ ہوسکی اور جانور موجود ہے، تو اَب فقیر کیلئے اپنے حصہ نذر سے عہدہ برآ ہونے کی کیا صورت ہوگی؟ کتاب کا حوالہ مزید تسکین کا باعث ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں ایام قربانی گزرنے کے بعد اگر پورا جانور صدقہ کردیا جائے تو سبھی شرکاء غنی ہوں یا فقیر، سب کی طرف سے ذمہ ساقط ہوجائے گا، اور

اگر بعینہٖ جانور صدقہ نہ کیا گیا، تو ہر ایک پر بکری کی قیمت کا صدقہ کرنا ضروری ہوگا، اگر فقیر شخص بھی اپنے متعینہ حصے کے بدلے میں ایک بکری کی قیمت کا صدقہ کردے گا، تو اُس کے حصۂ نذر کی طرف سے بھی ادائیگی ہوجائے گی۔

ولو تركت التضحية ومضت أيامها تصدق بها حية ناذر وفقير وبقيمتها غني شراها لها. (تنوير الأبصار مع الدر المختار / كتاب الأضحية ٦/ ٣٢٠ دار الفكر بيروت، ٩/ ٤٦٣ زكريا)

ولو لم يضح حتى مضت أيام النحر وكان غنيًا، وجب عليه أن يتصدق بالقيمة، سواءٌ كان اشترى أولم يشتر؛ لأنها واجبةٌ في ذمته فلا يخرج عن العهدة إلا بالأداء ...... وإن كان فقيرًا فإن كان اشترى الأضحية أو أوجب على نفسه بالنذر وجب عليه أن يتصدق بذلك الذي أوجبه أو اشتراه؛ لأنها تعينت بالشراء بنية الأضحية أو بالنذر، فلا يجزئه غيرها إلا إذا كان قدر قيمتها ...... بخلاف الغني. (تبيين الحقائق / كتاب الأضحية ٦/ ٤٧٨ زكريا)

وفي الأضاحي للزعفراني اشترى أضحية فأوجبها ثم باعها ولم يضح ببدلها حتى مضى أيام النحر تصدق بقيمة التي باع؛ فإن لم يبعها حتى مضت أيام النحر تصدق بها حية الخ. (المحيط البرهاني ٨/ ٤٦٤ رقم: ١٠٨١٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۵/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی کا جانور گم ہوگیا تو مال دار اور غریب کا کیا حکم ہے؟

سوال (۱۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جیسا کہ جنوری ۲۰۰۶ء ندائے شاہی کے شمارہ میں اَحکامِ عید الاضحیٰ کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے قربانی واجب نہ ہونے کے باوجود قربانی کا جانور خریدا، اور وہ گم ہوگیا یا چوری ہوگیا یا مر

گیا،تو اُس پر اَب دوسری قربانی واجب نہیں ایسا کیوں؟ جب کہ جس پر واجب تھی تو وہ دوسری قربانی کرے؛ لیکن بہشتی زیور حصہ سوم صفحہ: ۱۶۴۱ مسئلہ ۱۶ پر کچھ اِس طرح ہے غور فرمائیں: اگر قربانی کا جانور گم ہوگیا اِس لئے دوسرا خریدا پھر وہ پہلا بھی مل گیا، اگر امیر آدمی کو ایسا اتفاق ہو تو ایک ہی جانور کی قربانی اُس پر واجب ہے، جو کہ آپ کے شمارے کے مسئلہ سے میل کھاتا ہے، اور اگر غریب آدمی کو ایسا اتفاق ہو تو اس پر دوسرے جانور کی قربانی واجب ہوگی، اور اگر پہلا بھی مل گیا تو دونوں کی قربانی واجب ہوگی، جیسا کہ ہم کو بھی اَب تک یہی معلوم تھا، آپ کا شمارہ پڑھ کر دل میں خیال آیا کہ آپ سے اِس کی کچھ معلومات کی جائے، مثلاً غریب آدمی جو صاحبِ استطاعت نہیں تھا، اُس نے ایک بچھڑا یا بکرا پالا، اور وہ قربانی کی نیت سے پالتا رہا، مگر اُس پر قربانی واجب نہ تھی اور نہ ہے، اور وہ بکرا قربانی سے پہلے گم ہوگیا یا چوری ہوگیا یا مرگیا، مگر نیت کر چکا ہے قربانی کرنے کی، اَب وہ اتنی جلدی اُس واجب کے ادا کرنے کا انتظام نہیں کرسکتا، تو کیا اُس کو قربانی کرنا واجب ہے، جیسا کہ بہشتی زیور کی مسئلہ سے معلوم ہوتا ہے وہ کیا کرے؟ آپ سے مخلصانہ درخواست ہے کہ وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کسی غریب شخص نے قربانی کی نیت سے جانور خریدا اور وہ قربانی سے پہلے گم ہوگیا، تو اس پر کچھ واجب نہیں رہا؛ اِس لئے کہ اُس کا وجوب خاص جانور کے ساتھ تھا، اور جب جانور ہی نہیں رہا تو وجوب کہاں رہا؟ لیکن پھر مسئلہ یہ ہے کہ اگر وہ پہلا جانور گم ہونے کے بعد نیا جانور خرید لے تو نئے جانور کی قربانی بھی اُس پر واجب ہوجائے گی، اَب اتفاق سے پہلا جانور بھی مل گیا تو چوں کہ وجوب اُس جانور کے ساتھ متصل ہوگیا تھا، اِس لئے اُس غریب شخص پر دونوں جانوروں کی قربانی ضروری ہے، یہی بات بہشتی زیور میں لکھی ہے۔ اور ندائے شاہی کے شائع شدہ مسئلہ میں اِس سے کوئی تعارض نہیں، آپ دوبارہ بغور دونوں عبارتیں پڑھ لیں، اِس کے برخلاف امیر اور صاحبِ نصاب شخص پر قربانی کا وجوب وسعت مالی کی بنیاد پر ہوتا ہے نہ

کہ کسی جانور کی خریداری پر، اِس لئے بہرحال اس پر ایک حصہ کی قربانی واجب رہتی ہے، خواہ جانور گم ہوجائے یا گم ہوکر دوبارہ مل جائے، عبارات درج ذیل ہیں:

اشترى الفقير لها ثم سرقت، واشترى أخرىٰ لها فوجد الأولىٰ ضحى بهما، ولو غنيًا بالواحدة؛ لأنها على الغني بإيجاب الشرع وهو واحد لا غير، وعلى الفقير بالشراء وهو متعدد. (بزازية على الفتاوىٰ الهندية، كتاب الأضحية / الرابع فيما يجوز من الأضحية ٢٩٢/٦)

وإذا اشترى الغني أضحية فضلت فاشترى أخرىٰ ثم وجد الأولى في أيام النحر كان له أن يضحي بأيتهما شاء، ولو كان معسرًا فاشترى شاة وأوجبها، ثم وجد الأولى، قالوا: عليه أن يضحى بهما، كذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الأضحية / الباب الثاني في وجوب الأضحية بالنذر الخ ٢٩٤/٥)

ولو اشترىٰ الموسر شاةً للأضحية فضلت فاشترى شاة أخرى ليضحى بها، ثم وجد الأولى في الوقت، فالأفضل أن يضحي بهما؛ فإن ضحى بالأولى أجزأه ولا تلزمه التضحية بالأخرىٰ، ولاشيء عليه غير ذلک، سواء كان قيمة الأولى أكثر من الثانية أو أقل ...... لأن التضحية بها لم تجب بالشراء؛ بل كانت الأضحية واجبة في ذمته بمطلق الشاة، فإذا ضحىٰ بالثانية فقد أدى الواجب بها بخلاف المتنفل بالأضحية إذا ضحى بالثانية أنه يلزمه التضحية بالأولى أيضًا؛ لأنه لما اشتراها للأضحية فقد وجب عليه التضحية بالأولى أيضًا بعينها فلا يسقط بالثانية. (بدائع الصنائع، كتاب الأضحية / فصل في كيفية الوجوب ١٩٩/٤-٢٠٠ زكريا)

ولو اشترى المؤسر شاةً للأضحية فضاعت حتى انتقص نصابه وصار فقيرًا فجاء ت أيام النحر، فليس عليه أن يشتري شاة أخرىٰ. (بدائع الصنائع، كتاب الأضحية / شرائط الوجوب ١٩٦/٤ زكريا)

وظاهر هٰذا يقتضي بأن الفقير لو سرق مشتراه ليس عليه أخرى؛ لأنها عليه صار بالشراء، والوجوب المتعلق بالعين يسقط بهلاكه، أما على الغني بالشرع فلم يسبق تعيين الفعل. (بزازية على الفتاوىٰ الهندية، كتاب الأضحية / الرابع فيما يجوز من الأضحية ٢٩٢/٦)

وفي فتاوىٰ أهل سمرقند: الفقير إذا اشترى شاة للأضحية فسرقت فاشترى مكانها ثم وجد الأولىٰ فعليه أن يضحي بهما، ولو ضلت فليس عليه أن يشتري أخرىٰ مكانها، وإن كان غنيًا فعليه أن يشتري أخرىٰ مكانها. (البحر الرائق / كتاب الأضحية ١٧٥/٨ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۱/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا فقیر پر محض قربانی کی نیت سے جانور خریدتے ہی قربانی واجب ہوجائے گی؟

سوال (۱۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی فقیر جس پر شرعاً قربانی واجب نہ ہو، اُس نے بنیت اُضحیہ جانور خرید لیا، تو آیا خریدنے کی وجہ سے اُس پر قربانی واجب ہوجائے گی یا اُس جانور کا فروخت کرنا جائز ہے؟

مذکورہ مسئلہ میں دو امر خصوصاً قابل دریافت ہیں: (۱) محض شراء سے وجوب ہوجائے گا یا زبان سے تلفظ ضروری ہے یا شراء قبل ایام النحر اور شراء فی ایام النحر کے حکم میں فرق ہے؟ استثناء کی وجہ یہ ہے کہ اِن دونوں مذکورہ اُمور میں کتبِ فتاویٰ کے اندر دونوں قسم کی روایات ہیں، البحر الرائق، عالمگیری، فتاویٰ قاضی خاں، عنایہ شرح ہدایہ، بزازیہ اور شامی وغیرہ میں دونوں قسم کی روایات ہیں، نیز البحر الرائق میں مشائخ سے علی الاختلاف دونوں روایت پر ظاہر الروایۃ ہونے کا حکم لگایا، جب کہ علامہ اکمل الدین بابرتی نے عنایہ میں زعفران کی روایت کو نوادر کی روایت قرار دیا ہے، اور امر

ثانی کے سلسلہ میں بدائع الصنائع، البحر الرائق، عالمگیری، فتاویٰ قاضی خاں اور بزازیہ وغیرہ تمام کتب میں شراء قبل ایام النحر اور شراء فی ایام النحر کی کوئی قید نہیں ہے؛ بلکہ مطلق شراء فقیر کو سبب وجوب بتلایا ہے؛ لیکن علامہ شامیؒ نے فتاویٰ تاتارخانیہ کی عبارت نقل کر کے فرمایا:

وظاهره أنه لو شراها لها قبلها لا تجب ولم أره صريحًا فليراجع. (شامي / كتاب الأضحية ٦/ ٣٢١ دار الفكر بيروت، ٩/ ٤٦٥ زكريا)

نیز ہمارے اکابرین کے اُردو فتاویٰ بھی مختلف ہیں، مفتی محمود صاحبؒ نے اپنے فتاویٰ میں شراء قبل ایام النحر اور فیہا کے حکم میں فرق لکھا ہے، جب کہ مفتی رشید احمد صاحب نے احسن الفتاویٰ میں شامی کی عبارت کی تردید کی، اور تاتارخانیہ کی عبارت کو قبل مضیٰ ایام النحر پر محمول کیا، اور شراء فیہا وقبلہا کا ایک حکم لکھا۔

بہر حال کتبِ فقہ کی عبارات مختلف ہونے کی وجہ سے آنجناب سے کافی وشافی تشفی بخش تشریح مقصود ہے، جس سے تمام عبارات حل ہو جائیں اور مفتی بہ قول معلوم ہو جائے، کیا شامی کی عبارت مذکورہ پر فتویٰ دیا جائے، جب کہ وہ بالجزم نہیں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اِس مسئلہ میں اگرچہ عبارات مختلف ہیں؛ لیکن اَحوط یہی معلوم ہوتا ہے کہ فقیر کے لئے محض اُضحیہ کی نیت سے خریداری کو وجوب کے لئے کافی قرار دیا جائے۔ بدائع کی درج ذیل عبارات اِس بارے میں زیادہ واضح ہے۔

أن الشراء للأضحية ممن لا أضحية عليه يجري مجرى الإيجاب، وهو النذر بالتضحية عرفًا؛ لأنه إذا اشترىٰ للأضحية مع فقره، فالظاهر أنه يضحي فيصير كأنه قال جعلت هٰذه الشاة أضحية. (بدائع الصنائع / أول كتاب التضحية ٤/ ١٩٢ ديوبند)

احسن الفتاویٰ میں بھی اسی قول کو احوط کہا ہے، اور علامہ رافعی نے خزانۃ الاکمل کے حوالہ سے اِسی کو مختار کہا ہے۔

وفي خزانة الأكمل أنه المختار. (تعليقات الرافعي مع الشامي ٩/٣٠٤ زكريا)

(۲) جب شراء کو نذر کے درجہ میں مان لیا گیا تو اس سے خود بخود یہ لازم آیا کہ اس حکم میں ایام النحر ، یا قبل ایام النحر میں کوئی فرق نہ ہونا چاہئے ، دونوں صورتوں میں اضحیہ کی تعیین ہو جائے گی ۔ درمختار کی مطلق عبارات ذیل میں درج ہے۔

فقير شراء ها لها لوجوبها عليه بذٰلک حتی يمتنع عليه بيعها. (الدر المختار مع الشامي / كتاب الأضحية ٩/٤٦٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۱۱/۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غریب شخص کا قربانی کا جانور دو دن پہلے گم ہو گیا؟

سوال (۱۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک غریب آدمی نے قربانی کے لئے جانور خریدا، پھر وہ قربانی سے ایک دو دن قبل گم ہو گیا، تو کیا اِس صورت میں وہ آدمی قرض لے کر دوسرے جانور کی قربانی کر سکتا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غریب آدمی نے جب ایک مرتبہ قربانی کا جانور خریدا اور وہ گم ہو گیا، تو اس پر دوسرا جانور اُس کی جگہ پر خریدنا ضروری نہیں؛ لہٰذا قرض لے کر قربانی کی ضرورت نہیں ہے۔

عن ابن عمر رضي الله عنهما يقول: أيما رجل أهدىٰ هديةً فضلت، فإن كانت نذرًا أبدلها، وإن كانت تطوّعًا، فإن شاء أبدلها وإن شاء تركها. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الضحايا / باب الرجل يشتري أضحية فتموت أو تسرق أو تضل ١٤/٢٣١ رقم: ١٩٧٣٤)

وكذا لو ماتت فعلى الغني غيرها لا الفقير. (الدر المختار / كتاب الأضحية ٦/٣٢٥ كراچی، ٩/٤٧١ زكريا، كذا في تبيين الحقائق / كتاب الأضحية ٦/٤٨٢ دار الكتب العلمية بيروت)

إذا ماتت المشتراة للتضحية على الموسر، تجب مكانها أخرىٰ، ولا شيء على الفقير. (مجمع الأنهر ۲/ ۰ ۵۲ دار إحياء التراث العربي بيروت، وكذا في تبيين الحقائق / كتاب الأضحية ٦/ ٤٨٢ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/ ۷/ ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تنگ دست کا جانور قربانی کے ایام سے پہلے غائب ہوگیا؟

سوال (۱۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید پر قربانی واجب نہیں تھی؛ لیکن اُس نے کچھ جوڑ توڑ کرنے کے بعد قربانی کے لئے ایک جانور خرید لیا؛ لیکن قربانی کے ایام سے پہلے ہی اُس کا جانور غائب ہوگیا، تو کیا زید پر دوسرا جانور لے کر قربانی کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں زید پر دوسرا جانور خریدنا ضروری نہیں ہے۔

وإن كان معسرًا فاشترىٰ شاةً للأضحية فهلكت في أيام النحر أو ضاعت سقطت عنه ليس عليه شيء اٰخر. (بدائع الصنائع ٥/ ٦٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/ ۱۲/ ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مال دار شخص کا قربانی کا جانور عین وقت پر گم ہوگیا

سوال (۱۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص مال دار ہے اُس نے قربانی کے لئے جانور خریدا، پھر وہ عین وقت پر گم ہوگیا، تو کیا اُس کے لئے قربانی فی الفور واجب ہے یا بعد میں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مال دار آدمی کا قربانی کا جانور اگر خرید نے کے بعد گم ہو گیا تو اُس پر دوسرے جانور کی قربانی کرنا واجب ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۷/۵۰۴، امداد الفتاویٰ ۳/۵۶۶)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها أنها ساقت بدنتين فضلتا فأرسل إليها ابن الزبير بدنتين مكانهما فنحرتهما، ثم وجدت الأولتين فنحرتهما أيضًا، ثم قالت: هٰكذا السنة في البدن. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الضحايا / باب الرجل يشتري أضحية فتموت أو تسرق أو تضل ١٤/٢٣١ رقم: ١٩٧٣٦)

وإن سرقت أو ضلت، فشرى أخرىٰ ثم وجدها في أيام النحر، ذبح إحداهما لو غنيًا. وكلاهما لو فقيرًا، إلا إذا نواها عن الأولىٰ، لعدم تعدد الالتزام بالشراء حينئذٍ. (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر / كتاب الأضحية ٢/٥٢٠ دار إحياء التراث العربي بيروت، ٤/١٧٢ مكتبة فقيه الأمة ديوبند)

الفقير إذا اشترىٰ للأضحية فسرقت فاشترىٰ مكانها ثم وجد الأولىٰ فعليه أن يضحي بها، ولو ضلت فليس عليه أن يشتري أخرى مكانها، وإن كان غنيًا فعليه أن يشتري أخرىٰ مكانها. (البحر الرائق ٨/١٧٥ كراچی)

رجل اشترىٰ أضحية وأوجبها للأضحية فضلت عنه، ثم اشترىٰ مثلها، وأوجبها أضحية أخرىٰ، ثم وجد الأولىٰ، قال: إن كان أوجب الأخرىٰ إيجابًا مستانفًا فعليه أن يضحي بهما، وإن كان أوجبها بدلاً عن الأولىٰ فله أن يذبح أيهما شاء، ولم يفصل بين الغني والفقير. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الأضحية / الفصل الثاني في وجوب الأضحية بالنذر وما هو في معناه ١٧/٤١٣ رقم: ٢٧٦٧٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۸/۷/۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۸/ذی الحجہ کو قربانی کا جانور مرجانے کی وجہ سے وکیل نے دوسرا جانور خرید کر قربانی کردی؟

سوال (۱۷) :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے زید کے پاس قربانی کے لئے رقم پہنچائی، اور زید نے قربانی کا جانور خرید لیا، اتفاق سے ۸/ ذی الحجہ کو وہ جانور مرگیا، زید نے دوسرا جانور خرید کر اپنے مؤکل کی طرف سے قربانی کردی، آیا مرنے والے جانور کی قیمت بھی مؤکل پر واجب ہوگی یا نہیں؟ اور وکیل کا یہ فعل درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عالمگیری کے ایک جزئیہ سے یہ حکم مستفاد ہوتا ہے کہ صورتِ مسئولہ میں دوسرے جانور کی قیمت بھی مؤکل پر ہی واجب ہوگی اور مجبوری کی وجہ سے وکیل کا یہ فعل بھی درست قرار دیا جائے گا۔

دفع إلی رجل ألف درهم وأمره أن يشتري له به عبدًا فوضع الوكيل الدراهم في منزله، وخرج إلى السوق واشترىٰ له عبدًا بألف درهم وجاء بالعبد إلىٰ منزلهٖ، وأراد أن يأخذ الدراهم ليدفعها إلى البائع، فإذا الدراهم قد سرقت وهلك العبد في منزله، فجاء البائع وطلب منه الثمن، وجاء المؤكل يطلب منه العبد، قالوا يأخذ الوكيل من المؤكل ألف درهم ويدفعه إلى البائع، والعبد والدراهم هلكا في يدهٖ على الأمانة. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الوكالة / الباب الثاني في التوكيل بالشراء ۳/ ۵۸۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۲/۲/۲ھ

قربانی کا وکیل قربانی سے بچے ہوئے پیسوں کا کیا کرے؟

سوال (۱۸) :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے قربانی کا ایک حصہ لینے کے لئے چارسو روپئے ایک صاحب کے سپرد کئے، ایک حصہ قربانی پر ۲۰۳/روپئے خرچ ہوئے اور ۱۹۷/روپئے بچ گئے، کیا زید باقی ماندہ رقم کو اپنے استعمال میں لاسکتا ہے؟ یا اس کا خیرات کرنا ضروری ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مابقیہ رقم زید اپنے استعمال میں لاسکتا ہے، اُس کا صدقہ کرنا ضروری نہیں ہے؛ کیوں کہ زید کی جانب سے حصۂ قربانی مذکورہ رقم سے ادا ہوچکا ہے، اور قربانی میں خرچ کے بعد مابقیہ رقم زید کی ملکیت سے خارج نہیں ہوئی ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ / کتاب الوکالت ۳/۳۱۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱/۱/۱۴۱۲ھ

قربانی نہ کرکے قربانی کا پیسہ غریب کو دینا؟

سوال (۱۹) :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر وجوبِ قربانی کے بعد قربانی نہ کی جائے اور کسی غریب کو پیسہ دے دیا جائے، تو کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اَیامِ قربانی ۱۰/۱۱/۱۲/ ذی الحجہ میں قربانی کا جانور یا اُس کی قیمت صدقہ کرنے سے قربانی ادا نہ ہوگی، اور اگر کسی شخص پر قربانی واجب تھی؛ لیکن اُس نے نہ تو وقت پر قربانی کی اور نہ جانور خریدا تو اَیامِ قربانی گذرنے کے بعد اُس پر قربانی کے جانور کی قیمت صدقہ کرنی واجب ہوگی، اور اگر اُس نے جانور خرید لیا تھا اِسی طرح کسی فقیر شخص نے قربانی کی نیت سے کوئی جانور خرید لیا تھا؛ لیکن اُس کی قربانی نہ کی، تو اُس جانور ہی کو صدقہ کرنا واجب ہے؛

تاہم اِن صورتوں میں تاخیر واجب کا گناہ ضرور ہوگا۔

ومنها أنه لايقوم غيرها مقامها في الوقت حتى لو تصدق بعين الشاة أو قيمتها في الوقت لا يجزئه عن الأضحية، وفيه: ومنها أنها تقضي إذا فاتت عن وقتها ثم قضائها قد يكون بالتصدق بعين الشاة حية، وقد يكون بالتصدق بقيمة الشاة؛ فإن كان قد أوجب التضحية علىٰ نفسه بشاة بعينها فلم يضحها حتى مضت أيام النحر فيتصدق بعينها حيةً، سواء كان معسرًا أو مؤسرًا. (الفتاویٰ الهندية / كتاب الأضحية ٥/٢٩٣-٢٩٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۱/۵/۹ھ

مدرسہ والوں کو قربانی کے پیسے دینا؟

سوال (۲۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل لوگ اپنی آسانی کے لئے مدرسہ کو پیسہ دے دیتے ہیں، مدرسہ والے قربانی کردیتے ہیں، کیا اِس طریقے سے قربانی ہوجائے گی یا نہیں؟ تفصیل بخش جواب سے نوازیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ والے قربانی کرانے والوں کی طرف سے وکیل ہوتے ہیں؛ لہٰذا وکالۃً اُن کے ذریعہ قربانی کرانا درست ہے، شرعاً اِس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور مدرسہ والوں کو یہ ذمہ داری پوری دیانت سے ادا کرنی چاہئے۔

أن كل ما جاز للإنسان أن يتصرف بنفسه في شيء جاز له أن يؤكل فيه غيره. (الفقه على المذاهب الأربعة ٣/١٨٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۱۰/۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حجاجِ کرام کا بینک کے ذریعہ حج کی قربانی کرانا؟

سوال (۲۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بینک کے توسط سے قربانی کے متعلق مفتی شبیر احمد صاحب فرماتے ہیں کہ بینک کے توسط سے جو قربانی ہوتی ہے، اُس میں لاکھوں حجاج کی قربانی بروقت بہت مشکل ہے، یہ بات بالکل صحیح ہے؛ لیکن بندۂ ناچیز کو وثوق کے ساتھ علم ہے کہ بہت ہی قابلِ اعتماد وسیلہ اختیار کرنے پر ایک معقول تعداد میں حجاجِ کرام کا قیمتی وقت بھی ضائع ہوا، پریشانی بہت زیادہ ہوئی، اور رقم بھی خرد برد ہوئی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پوری کوشش کرنی چاہئے کہ بینک کے توسط سے قربانی نہ کرائی جائے؛ تاکہ ترتیب کا وجوب باقی رہے؛ لہٰذا یا تو خود قربانی کریں یا معتبر ذریعہ سے قربانی کرائیں؛ لیکن اگر کوئی شخص ایسا مجبور ہوجائے کہ اُس کے لئے بینک کا کوپن خریدے بغیر کوئی چارۂ کار نہ رہے، مثلاً وہ خود قربان گاہ نہ جاسکتا ہو اور نہ اُس کا کوئی ایسا با اعتماد ساتھی ہو جو اُس کی طرف سے قربانی کر سکے، تو ایسے شخص کے لئے صاحبین کے قول پر عمل کرتے ہوئے ترتیب کے واجب نہ ہونے کا قول کیا جائے گا اور بینک کی قربانی اُس کے لئے کافی ہوجائے گی۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۳۳۲/۳، انوار مناسک ۵۰۸)

وعندهما لا يلزمه شيء بتقديم نسك على نسك للحديث السابق إلا أنه مسيءٌ. (البحر الرائق ۲٤/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۶/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز چھوڑنے والے کی قربانی؟

سوال (۲۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نماز نہیں پڑھتا ہے، صرف جمعہ کی پڑھتا ہے؛ لیکن جب عید الاضحیٰ آتی ہے تو بہت زور

وشور سے قربانی کرتا ہے، اِس میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ اِس طرح قربانی کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے شخص کی قربانی درست ہے، نماز چھوڑنے کا گناہ الگ ہے۔

عن أنس بن مالک رضي اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من ترک الصلاۃ متعمداً فقد کفر جهاراً. (المعجم الأوسط ۲۹۹/۲ رقم: ۳۳۴۸ مکتبۃ دار الفکر عمان، أردن)

و أما شرائط الوجوب منہا الیسار. (الفتاویٰ الہندیۃ / أول کتاب الأضحیۃ ۲۹۲/۵)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/۳/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نفلی قربانی

اپنی واجبی قربانی کرنے کے بعد دوسروں کی طرف سے تطوعاً قربانی کرنا؟

سوال (۲۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قربانی سب سے پہلے کس کے نام سے کرنی چاہئے؟ کچھ لوگ اپنے والدین کے لئے قربانی کرتے ہیں، تو انتقال کے بعد اُن کے نام سے قربانی کرنا کیسا ہے؟ اور اگر گھر میں سب کے نام سے قربانی ہوگئی ہے تو اَب کیا کریں؟ کس کے نام سے قربانی کریں؟ گھر کا جو مالک ہے وہ اپنی بالغ اور نابالغ اولاد کے نام سے قربانی کرسکتا ہے یا نہیں؟ یا کسی ولی و بزرگ جو دنیا سے رخصت ہوگئے ہیں، کیا اُن کے نام سے بھی قربانی ہوسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پہلے اپنی واجب قربانی کرے، اُس کے بعد دوسرے لوگوں کی طرف سے قربانی کی جائے، اگر دل چاہے تو نابالغ اولاد کی طرف سے بھی قربانی کرسکتا ہے، اور بالغ اولاد کی اِجازت سے اُن کی طرف سے قربانی درست ہے، گزرے ہوئے لوگوں کی طرف سے بھی قربانی کی جاسکتی ہے۔

عن علي رضي الله عنه قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أضحي عنه، فأنا أضحي عنه أبدًا. (المسند للإمام أحمد ۱۰۷/۱ دار الفکر، إعلاء السنن / باب التضحية ۲۹٦/۱۷ رقم: ٥٦٠٢ دار الكتب العلمية بيروت، ۲۷۲/۱۷ إدارة القرآن كراچی)

عن ابن عمر رضي الله عنهما أنه كان لا يضحي عن حبل، ولكن كان يضحي عن ولده الصغار والكبار، ويعقّ عن ولده كلهم. (المصنف لعبد الرزاق، کتاب

المناسك / باب الضحايا ٣٨٠/٤-٣٨١ رقم: ٨١٣٦)

وإن كان أولاده صغارًا، جاز عنه وعنهم جميعًا في قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما اللّٰه تعالىٰ. وإن كانوا كبارًا، إن فعل بأمرهم، جاز عن الكل في قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما اللّٰه تعالىٰ، وإن فعل بغير أمرهم أو بغير أمر بعضهم، لا يجوز لا عنه ولا عنهم في قولهم جميعًا. (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ الهندية، كتاب الأضحية / فصل فيما يجوز من الضحايا وما لا يجوز ٣٥٠/٣ زكريا)

من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز.

(شامي / باب صلاة الجنائز، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له ٢٤٣/٢ کراچی)

وتجب عن نفسه؛ لأنه أصل في الوجوب عليه على ما بيناه، وعن ولده الصغير؛ لأنه في معنى نفسه، فيلحق به كما في صدقة الفطر. وهٰذه رواية الحسن عن أبي حنيفة رحمهما اللّٰه تعالىٰ، وروي عنه أنه لا يجب عن ولده، وهو ظاهر الرواية. (الهداية / كتاب الأضحية ٤٤٢/٤ إدارة المعارف ديوبند)

وقوله: عن نفسه؛ لأنه أصل في الوجوب. وقوله: لا عن طفله، يعني لا يجب عليه عن أولاده الصغار؛ لأنها عبادة محضة. (البحر الرائق / كتاب الأضحية ٣١٩/٨ زكريا، ١٧٤/٨ کوئٹه)

وليس على الرجل أن يضحي عن أولاده الكبار وامرأته إلا بإذنهم، وعن أبي يوسف أنه يجوز بغير أمرهم استحسانًا. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الأضحية / الفصل الأول في بيان وجوب الأضحية ومن تجب عليه ومن لا تجب ٤٠٥/١٧ رقم: ٢٧٦٤٨ زكريا)

وليس على الرجل أن يضحى عن أولاده الكبار وامراته إلا بإذنه، وفي الولد الصغير عن أبي حنيفةؒ روايتان في ظاهر الرواية تستحب ولا تجب. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الأضحية / الباب الأول ٢٩٣/٥ زكريا)

من ضحى عن الميت يصنع كما يصنع في أضحية نفسه من التصدق والأكل والأجر للميت، والملک للذابح. (شامي، كتاب الأضحية / ٦/ ٣٢٦ كراچی، ٩/ ٤٧٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۴؍۱۱؍۱۴۱۳ھ

کیا میت کی طرف سے نفل قربانی کرنے سے واجب قربانی ساقط ہوجاتی ہے؟

سوال (۲۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا صاحبِ نصاب کے اُوپر سے قربانی کا وجوب میت کے لئے قربانی کرنے سے ساقط ہوجائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس شخص پر اپنی قربانی واجب ہو وہ اگر میت کی طرف سے نفلی قربانی کرے، تو اُس سے بھی اُس کی ذاتی قربانی ذمہ سے ساقط ہوجائے گی، فقہ کی جزئیات سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ (کفایت المفتی ۸؍۲۲۳)

وإن تبرع بها عنه له الأكل؛ لأنه يقع على ملك الذابح والثواب للميت؛ ولهذا لو كان على الذابح واحدة سقطت عنه أضحيته كما في الأجناس. (شامي / كتاب الأضحية ٩/ ٤٨٤ زكريا)

سئل عمن يضحي عن الميت، قال: يصنع به كما يصنع بأضحيته يريد به أنه يتناول من لحمه كما يتناول من لحم أضحيته، فقيل له أتصير عن الميت؟ قال: الأجر للميت، والملك للمضحي، وبه قال سلمة وابن مقاتل وأبو مطيع، وقال عصام: يتصدق بالكل، وفي الكبرىٰ: المختار أنه لا يلزمه. (الفتاویٰ

التاتارخانية، كتاب الأضحية / الفصل السابع في التضحية عن الغير وفي التضحية بشاة الغير عن نفسه ۱۷/٤٤٤ رقم: ۲۷۷۷۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲؍۳؍۱۴۲۴ھ

اپنی قربانی کے بجائے مرحومین کی طرف سے قربانی کرنا؟

سوال (۲۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کتاب ''دینی مسائل اور اُن کا حل'' کے ص: ۴۱۳ پر اپنی قربانی کے بجائے مرحومین کی طرف سے قربانی کے عنوان کے تحت ذکرکردہ سوال کے جواب کا اصل حصہ محل نظر ہے اور حوالہ بھی بالکل بے ربط ہے۔ مجیب عالی مقام کے جواب سے بھی حوالے کو کوئی مس نہیں، غالباً ناقل عبارت سے ایسی بھول ہوئی ہے، جواب کا اصل حصہ یہ ہے: ''مرحومین کی طرف سے قربانی کرنے سے اُس کی اپنی واجب قربانی ادا نہیں ہوگی''۔ ناچیز کے خیال میں یہ جواب فقہاء کرام کی عبارتوں سے متصادم ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

قوله: (وعن ميت) أي لو ضحى عن ميت وارثه بأمره ألزمه بالتصديق بها وعدم الأكل منها، وإن تبرع بها عنه له الأكل؛ لأنه يقع على ملك الذابح والثواب للميت؛ ولهذا لو كان على الذابح واحدة سقطت عنه أضحيته كما في الأجناس. قال الشرنبلالي: لكن في سقوط الأضحية عنه تأمل. أقول: صرح في فتح القدير في الحج عن الغير بلا أمر أنه يقع عن الفاعل فيسقط به الفرض عنه وللآخر الثواب فراجعه. (شامي ۹/٤۸٤ زكريا)

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

ولو ضحى عن ميت من مال نفسه بغير أمر الميت جاز، وله أن يتناول منه ولا يلزمه أن يتصدق به؛ لأنها لم تصر ملكًا للميت؛ بل الذبح حصل على ملكه،

ولهٰذا لو كان على الذابح أضحية سقطت عنه. (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ الهندية ۳۵۲/۳ زكريا)

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کتاب ''دینی مسائل اور اُن کا حل'' ص:۱۳ ۴ میں مرحومین کی طرف سے تبرعاً قربانی والے مسئلہ میں احقر سے واقعتاً تسامح ہوا ہے، اور آپ کی ذکر کردہ فقہی عبارت سے یہی واضح ہوتا ہے کہ تبرعاً میت کی طرف سے قربانی کی شکل میں اصل قربانی ذابح کی طرف سے ہوگی اور میت کو صرف ثواب پہنچے گا، اور جب اصل قربانی ذابح کی طرف سے درست مانی جائے، تو اُس کے ذمہ سے اپنا وجوب بھی ساقط ہوجائے گا، آنجناب کے توجہ دلانے پر احقر بصمیم قلب مشکور ہے۔ آئندہ اشاعت میں انشاء اللہ اِس کی تصحیح کردی جائے گی۔ اِس بارے میں مزید عبارات بھی پیش ہیں۔

وأجاز نحير بن يحيى ومحمد بن سلمي ومحمد بن مقاتل فيمن يضحي عن الميت أنه يصنع به مثل ما يصنع بأضحية نفسه من التصدق والأكل والأجر للميت والملك للذابح. (بزازية على هامش الهندية ۲۹۵/٦، الفتاویٰ التاتارخانية ٤٤٤/۱۷ زكريا)

تبرع بالأضحية عن ميت، جاز له الأكل منها والهدية والصدقة؛ لأن الأجر للميت والملك للمضحي، وهو المختار، بخلاف ما لو كان بأمر الميت، حيث لا يأكل في المختار. (فتح المعين / كتاب الأضحية ۳۸۲/۳ كراچی، فتاویٰ قاضي خان على الهندية / فصل فيما يجوز من الضحايا وما لا يجوز ۳۵۲/۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۲۵/۲/۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا پہلے والدین کی طرف سے قربانی کرانا ضروری ہے؟

سوال (۲۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ:(۱) زید شادی شدہ ہے اور والدین سے علیحدہ ہے، زید نے گذشتہ سال قربانی کے لئے بکرا لیا، زید کو کسی نے بتایا کہ پہلے قربانی والد صاحب اور والدہ صاحبہ کے نام سے کرانے کے بعد وہ اپنے نام سے قربانی کرسکتا ہے؛ لہٰذا زید نے گذشتہ سال جو قربانی کی وہ والد صاحب کی جانب سے کی، اِس سال زید پھر بکرا لایا ہے۔ اَب سوال یہ ہے کہ زید کو قربانی کے بارے میں جو کچھ بتایا گیا کیا وہ صحیح ہے؟

(۲) کیا زید والد صاحب کے نام سے قربانی کر کے اپنے فرض کی ادائیگی سے سبک دوش ہوگیا؟ یا پھر اپنے نام سے دوسری قربانی کرنی چاہئے تھی؟

(۳) کیا اِس طرح والد صاحب نے قربانی کا فرض ادا کر دیا، جب کہ والد صاحب کی معاشی حالت قربانی کے لائق نہیں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) قربانی اُسی پر واجب ہوتی ہے جو مالکِ نصاب ہو، اگر لڑکا نصاب والا ہے اور باپ صاحبِ نصاب نہیں ہے، تو قربانی صرف لڑکا اپنی جانب سے کرے گا، والد کی قربانی کسی بھی حال میں اُس کے ذمہ لازم نہیں ہے؛ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں زید کو جو بتایا گیا وہ صحیح نہیں ہے۔

فتجب الأضحية على حرّ مسلم مقيم مؤسر عن نفسه. (الدر المختار / كتاب الأضحية ٣١٥/٦ دار الفكر بيروت، ٤٥٤/٩ زكريا، مجمع الأنهر / كتاب الأضحية ١٦٦/٤ دار الكتب العلمية بيروت، البحر الرائق / كتاب الأضحية ١٧٣/٨ كراچی)

أما شرائط الوجوب، منها: اليسار؛ وهو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر. (الفتاویٰ الهندية ٢٩٢/٥)

(۲) زید نے والد صاحب کی طرف سے جو قربانی کی، وہ خود اُسی کی طرف سے سمجھی جائے گی، والد صاحب کی طرف سے نہیں؛ لہٰذا اُس پر دوسری قربانی واجب نہیں۔

ذكر في فتاویٰ أبي الليث رحمه اللّٰه: إذا ضحیٰ بشاة نفسه عن غيره بأمر

ذلک الغیر أو بغیر أمره لا تجوز؛ لأنه لا یمکن تجویز التضحیة عن الغیر إلا بإثبات الملک لذلک الغیر في الشاة، ولن یثبت الملک له في الشاة إلا بالقبض، ولم یوجد قبض الآمر هٰهنا لا بنفسه ولا بنائبه، کذا في الذخیرة.

(الفتاویٰ الهندیة، کتاب الأضحیة / الباب السابع في التضحیة عن الغیر وفي التضحیة بشاة الغیر عن نفسه ۳۰۲/۵ دار إحیاء التراث العربي بیروت، کذا في الخانیة / فصل فیما یجوز في الضحایا وما لا یجوز ۳۵۲/۳ زکریا، المحیط البرهاني / الفصل السابع في التضحیة ۴۷۳/۸-۴۷۴ إدارة القرآن کراچی)

(۳) والد صاحب پر جب قربانی واجب ہی نہیں اور نہ اُنہوں نے اپنے مال سے قربانی کی ہے، تو وہ قربانی اُن کی طرف سے نہ ہوئی۔

فتجب الأضحیة علی حرّ مسلم مقیم مؤسر عن نفسه. (الدر المختار / کتاب الأضحیة ۳۱۵/۶ دار الفکر بیروت، ۴۵۴/۹ زکریا، مجمع الأنهر / کتاب الأضحیة ۱۶۶/۴ دار الکتب العلمیة بیروت، البحر الرائق / کتاب الأضحیة ۱۷۳/۸ کراچی)

أما شرائط الوجوب، منها: الیسار؛ وهو ما یتعلق به وجوب صدقة الفطر.

(الفتاویٰ الهندیة ۲۹۲/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۱۱/۲۹ھ

اَولاد کی قربانی والدین پر موقوف نہیں

سوال (۲۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا شریعت کا ایسا کوئی حکم ہے کہ جب تک والدین کے نام سے قربانی نہ کرے، کوئی فرد اپنے نام سے قربانی نہیں کرسکتا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت میں ایسا کوئی حکم نہیں ہے، قربانی صرف

صاحبِ نصاب پر واجب ہوتی ہے، خواہ وہ کوئی بھی ہو اور ایک کے واجب کی ادائیگی دوسرے پر موقوف نہیں ہوتی۔

فتجب الأضحية على حرّ مسلم مقيم مؤسر عن نفسه. (الدر المختار / كتاب الأضحية ٣١٥/٦ دار الفكر بيروت، ٤٥٤/٩ زكريا، مجمع الأنهر / كتاب الأضحية ١٦٦/٤ دار الكتب العلمية بيروت، البحر الرائق / كتاب الأضحية ١٧٣/٨ كراچى)

أما شرائط الوجوب، منها: اليسار؛ وهو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر. (الفتاوىٰ الهندية ٢٩٢/٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۳/۱۱/۲۹ھ

باپ کا بیٹے کی جانب سے قربانی کرنا؟

سوال (۲۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم اپنے باپ کے نام سے پوری ایک راس کی قربانی کر چکے ہیں، اب بیٹا چاہتا ہے کہ میں اپنے نام سے قربانی کروں، تو کیا باپ کی موجودگی میں میری قربانی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ مجھ کو قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازئے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں اگر باپ اور لڑکوں کا کاروبار مشترکہ ہے اور باپ ہی ساری آمدنی کا مالک ہے، اُس نے ہر ہر بیٹے کو الگ الگ حصہ نہیں دیا ہے اور نہ کوئی لڑکا صاحبِ نصاب ہے، تو پھر صرف باپ پر قربانی واجب ہے جب کہ وہ مالکِ نصاب ہو، اس پر یہ لازم نہیں کہ وہ اپنی بالغ اولاد کی جانب سے بھی قربانی کرے؛ البتہ اگر کسی بیٹے کے پاس باپ کے مال کے علاوہ اتنا مال ہو، جو نصاب تک پہنچ سکے تو اس پر اپنی قربانی کرنا الگ سے واجب ہوگا۔ (کتاب المسائل ۳۰۷/۲، مسائل قربانی وعقیقہ ۳۷)

عن ابن عمر رضي الله عنهما أنه كان لا يضحي عن حبل، ولكن كان

يضحي عن ولده الصغار والكبار ويعقّ عن ولده كلهم. (المصنف لعبد الرزاق، كتاب المناسك / باب الضحايا ٤/ ٣٨٠ رقم: ٨١٣٦)

وليس على الرجل أن يضحي عن أولاده الكبار إلا وامرأته بإذنه. (الفتاویٰ الهندية ٥/ ٢٩٣، شامي ٩/ ٤٥٧ زكريا، ٦/ ٣١٥ كراچی، الفتاویٰ التاتارخانية ١٧/ ٤٤٤ زكريا، المحيط البرهاني ٨/ ٤٧٣، بزازية ٦/ ٢٩٥، البحر الرائق ٩/ ٣٢٦ زكريا)

تاہم اگرباپ اپنے بیٹوں کی جانب سے یا بیٹے خود باپ کی اجازت سے اس کے مال سے قربانی کریں تو ان کی طرف سے مستحب قربانی درست ہو جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۰/۱۲/۶ھ

اپنی واجب قربانی اور والدین کی طرف سے نفل قربانی ۱۰/ ذی الحجہ کو مکہ میں کرانا؟

سوال (۲۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے کچھ عزیز مکہ مکرمہ میں رہتے ہیں، زید اپنے عزیز کے ذریعہ اپنی واجب قربانی اور والدین کی طرف سے نفلی قربانی بھیج کر مکہ ہی میں ۱۰/ ذی الحجہ کو کرادی۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا زید کی طرف سے یہ واجب اور نفلی قربانیاں درست ہوگئی ہیں؟ جب کہ ہمارے یہاں اس دن ذی الحجہ کی ۹/ تاریخ تھی، ابھی قربانی کے دن بھی شروع نہیں ہوئے تھے، اور مکہ میں اس دن ذی الحجہ تھی، وہاں ایام نحر شروع ہوگئے، ہمارے علاقہ کے لوگ اکثر ایسا کرتے ہیں، دار الافتاء سے اس سلسلہ میں وضاحت مطلوب ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: واجب قربانی کی ادائیگی کے لئے مالک کے جائے مقام پر سببِ وجوب یعنی ایام قربانی کا شروع ہونا شرط ہے، اور مسئولہ صورت میں چوں کہ مالک کے ملک میں ایامِ قربانی شروع نہیں ہوئے تھے؛ اِس لئے اِس دن اُس کی طرف سے سعودی عرب

میں کی گئی قربانی سے اُس کا واجب ذمہ سے ساقط نہ ہوگا؛ البتہ نفلی قربانی درست ہوسکتی ہے؛ اِس لئے کہ اِس کا سببِ وجوب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

وسببها: الوقت وهو أيام النحر. (الدر المختار مع الشامي ٤٥٣/٩ زكريا)

وسببها طلوع فجر يوم النحر. (البحر الرائق ١٧٤/٨)

وأما وقت الوجوب فأيام النحر فلا تجب قبل دخول الوقت (بدائع الصنائع ١٩٨/٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۱/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی کا جانور دوسرے کے نام سے ذبح کرنا؟

سوال (۳۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: راشد صاحبِ نصاب ہے، ہر سال اپنے نام سے قربانی کرتا ہے اور گھر کا مالک بھی ہے، وہ چاہتا ہے کہ میں ہر سال اپنے نام سے قربانی دیتا آیا ہوں، اَب اپنے گھر والوں کے نام بیوی، بچوں کے نام سے قربانی دوں، اور قربانی کا جانور ایک ہی ہے، تو کیا بکر کا یہ عمل درست ہے، اور مالک ہونے کی حیثیت سے واجب کی ادائیگی ہوجائے گی، یا مالک کے نام قربانی ہونا ضروری ہے، تبھی واجب ذمہ سے ساقط ہوگا؟ اور بکر اتنا مالدار ہے کہ اپنے اہل وعیال میں دس آدمی الگ الگ مالک ہوجائیں تو سب صاحبِ نصاب ہوجائیں گے، تو کیا اُن کے ذمہ ایک ہی قربانی واجب ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بکر کی قربانی اُسی وقت ادا ہوگی جب کہ قربانی میں اُس کا نام لیا جائے، دوسروں کا نام لینے سے اس کا وجوب ساقط نہ ہوگا، اور جب تک بکر اپنا مال اور کاروبار اہل وعیال پر تقسیم نہ کرے اُس وقت تک صرف وہی مالک ہے، اور صرف اُسی پر قربانی واجب ہے، ہاں اگر بچے یا دیگر رشتہ داروں کے پاس نصاب کے بقدر مال ہو، تو اُن پر الگ سے

قربانی کا وجوب ہوگا۔

فتجب التضحية علی حرٍ مسلمٍ مقيمٍ موسرٍ عن نفسهٖ لا عن طفله. (تنویر الأبصار على الدر المختار ۳۱۳/٦-۳۱۵ کراچی، ۴۵۷/۹ زکریا)

ذكر في فتاویٰ أبي الليث رحمه اللّٰه: إذا ضحیٰ بشاة نفسه عن غيره بأمر ذٰلک الغير أو بغير أمره لا تجوز؛ لأنه لا يمكن تجويز التضحية عن الغير إلا بإثبات الملک لذٰلک الغير في الشاة، ولن يثبت الملک له في الشاة إلا بالقبض، ولم يوجد قبض الآمر هٰهنا لا بنفسه ولا بنائبه، كذا في الذخيرة. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الأضحية / الباب السابع في التضحية عن الغير وفي التضحية بشاة الغير عن نفسه ۳۰۲/۵ دار إحياء التراث العربي بيروت، كذا في الخانية / فصل فيما يجوز في الضحايا وما لا يجوز ۳۵۲/۳ زكريا، المحيط البرهاني / الفصل السابع في التضحية ۴۷۳/۸-۴۷۴ إدارة القرآن كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۲/۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جو شخص قربانی کی گنجائش نہ رکھے اُس کا بال منڈوانا؟

سوال (۳۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مشکوٰۃ شریف، باب السیرہ میں روایت ہے کہ جو قربانی کی گنجائش نہ رکھتا ہو تو وہ بال منڈوالے، اِس کی اصل کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: محولہ بالا روایت کا مفہوم یہ ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا کہ مجھے اِس بات کا حکم ہوا ہے کہ میں اِس بات کا اعلان کردوں کہ قربانی کا دن اللہ تعالیٰ نے اِس اُمت کے لئے عید کا دن بنایا ہے، یہ سن کر ایک صحابی نے عرض کیا کہ اگر میرے پاس عاریت پر لی ہوئی اونٹنی یا بکری ہو، تو کیا میں اُس کی

قربانی کروں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی قربانی سے منع فرمایا، اور یہ ارشاد فرمایا کہ اِس کے بجائے اگر تم اپنے غیر ضروری بال، ناخن، مونچھ اور موئے زیر ناف کاٹ لو تو اِس کی وجہ سے بھی تمہیں قربانی کا ثواب مل جائے گا۔

اِس روایت سے دو باتیں معلوم ہوئیں: پہلی بات یہ کہ جو شخص استطاعت نہ رکھتا ہو اُس پر قربانی واجب نہیں۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جس طرح قربانی کرنے والے حضرات کے لئے عشرۂ ذی الحجہ میں قربانی سے پہلے بال وغیرہ نہ کاٹنے کا حکم ہے، اِسی طرح اگر کوئی غیر مستطیع شخص اُن کی مشابہت اختیار کرتے ہوئے قربانی کے وقت سے پہلے پہلے تک اپنے بال وغیرہ نہ کاٹے اور قربانی کے دن اِن کاموں کو انجام دے، جیسا کہ مستطیع قربانی کرنے والے عمل کرتے ہیں، تو اُن کی مشابہت کی وجہ سے اسے بھی حدیث بالا کی رو سے ثواب ملے گا، بعض شراح حدیث کی عبارات سے یہی مستفاد ہوتا ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: أمرت بیوم الأضحی عیدًا جعلہ اللّٰہ عزوجل لھذہ الأمۃ، قال الرجل: یا رسول اللّٰہ! أرأیت إن لم أجد إلا منیحۃ انثي أفأضحي بھا؟ قال: لا، ولکن تأخذ من شعرک وأظفارک، وتقص شاربک، وتحلق عانتک، فتلک تمام أضحیتک عند اللّٰہ عزوجل. (سنن أبي داؤد ۳۸۵/۲ رقم: ۲۷۸۹، سنن النسائي ۱۷۹/۲، مشکاۃ المصابیح ۱۲۹)

قال الشارح السندھي في شرحہ: أرشدہ إلی أن یشارک المسلمین في العید والسرور وإزالۃ الوسخ – إلی قولہ – ھو ما یتم بہ أضحیتک بمعنی أنہ یکتب لک بہ أضحیۃً تامۃً. (حاشیۃ السندھي علی سنن النسائي ۱۷۹/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۸/۱۱/۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر حاجیوں کا قربانی کے بعد حلق یا قصر کرانا اور ناخن کاٹنا؟

سوال (۳۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: ذی الحجہ کو چاند دیکھنے کے بعد سے قربانی کرنے والوں کے لئے اپنے جسم کے بال نہ کاٹنا مستحب ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا قربانی کرنے کے اُسی وقت یا اُسی دن اپنے سر کے بال یا جسم کے بال کاٹنا بھی مستحب ہے، یا صرف عشرۂ ذی الحجہ میں بالوں کے کاٹنے سے رکنا مستحب ہے؟ ہمارے یہاں قربانی کرکے سب اپنے سر کو منڈاتے ہیں یا قصر کراتے ہیں، کیا یہ مستحب ہے؟ اِس سلسلہ میں وضاحت مطلوب ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حاجیوں کے لئے قربانی کے بعد احرام کھولنے کے لئے حلق کرنا واجب ہے؛ لیکن غیر حاجیوں کو قربانی کے بعد بال وغیرہ کٹانے کو ضروری سمجھنا کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے؛ اِس لئے غیر حاجیوں کو قربانی کے بعد سر کے حلق وقصر کا اہتمام لازم نہیں ہے؛ البتہ اگر کسی کو واقعی ضرورت ہو تو وہ بلا کسی اہتمام کے غیر ضروری بال اور ناخن وغیرہ کاٹ سکتا ہے؛ کیوں کہ قربانی کے بعد بال وغیرہ بنانے کی ممانعت مرتفع ہوچکی ہے۔

عن أم سلمة رضي اللّٰه عنها ترفعه قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا دخل العشرُ وعنده أضحية يريد أن يضحي فلا يأخذنَّ شعرًا ولا يقلمن ظُفرًا.

وعنها أيضًا أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إذا رأيتم هلال ذي الحجة وأراد أحدكم أن يضحي فليُمسک عن شعره وأظفاره. (صحيح مسلم، كتاب الأضاحي / باب نهي من دخل عليه عشرُ ذي الحجة وهو مريد التضحية أن يأخذ من شعره أو أظفاره شيئًا رقم: ۱۹۷۷ بيت الأفكار الدولية) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۱/۱/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی کے حصے

ہر حصہ دار کو مکمل قربانی کا ثواب؟

سوال (۳۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قربانی کے ایک جانور میں سات حصے ہوتے ہیں، تو ہر حصہ دار کو ایک قربانی کا ثواب ملے گا، یا سات سال تک حصہ ڈال کر ایک قربانی کا ثواب حاصل کیا جائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہر حصہ دار کو ایک مکمل قربانی کا ثواب ملے گا، سات سال تک حصہ لینے کی بات محض جہالت ہے۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم في سفر، فحضر الأضحىٰ فاشتركنا في البقرة سبعةً، وفي الجزور عشرةً. (نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية، كتاب الأضحية / الحديث الثالث ٤/٥٠٠ المكتبة الحقانية پشاور)

وصح اشتراک ستة في بدنة شريت لأضحية. (الدر المختار مع الشامي ٦/٣١٧ كراچی، ٩/٤٥٩ زكريا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۶/۱۲/۱۴۱۰ھ

جانور میں حضور ﷺ کے نام پر لئے گئے حصہ کا مصرف کیا ہے؟

سوال (۳۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: چھ افراد نے مل کر ایک گائے خریدی اور سبھی برابر کے شریک رہے، پانچ فریق نے اپنا اپنا

حصہ لیا، چھٹے فریق نے اپنا حصہ لے کر ساتویں حصہ کا بھی خرچ دیا، اور بنام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کی، ایسی شکل میں کیا کیا جائے؟ کیا ساتواں حصہ چھٹے حصہ دار لیں گے یا برابر تقسیم کر دیا جائے؟ اور اگر نہیں تو اُس گوشت کا کیا کیا جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس فریق نے ساتویں حصہ کا خرچہ دیا ہے، اُسی کو اس حصہ کے خرچ کرنے کا اختیار ہوگا، چاہے تو خود رکھے یا صدقہ کردے یا دیگر شرکاء میں تقسیم کردے۔

كذا تستفاد من العبارة الآتية: وإن نوى بعض الشركاء التطوع، وبعضهم يريد الأضحية ......، جاز الكل وتكون عن الواجب عمن نوى الواجب عن عام ذلك، وتكون تطوعاً عمن نوى القضاء عن العام الماضي. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الأضحية / الباب الثامن ۳۰۵/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۴/۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۶/ آدمیوں کا بڑے جانور میں اپنے اپنے حصہ کے بعد ساتواں حصہ حضور ﷺ کی طرف سے کرنا؟

سوال (۳۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) ۶/ افراد مل کر ایک بڑا جانور خریدتے ہیں، ایک ایک حصہ اپنے لئے اور ایک حصہ میں سب شریک ہوکر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام قربانی کرتے ہیں۔

(۲) چھ بھائی ایک بڑا جانور خرید کر ایک ایک حصہ اپنے لئے اور ایک اپنی والدہ (خواہ مرحومہ ہو یا زندہ) قربانی کرتے ہیں، نیز اُس ساتویں حصہ کی قیمت سب مل کر ادا کرتے ہیں، کیا ایسی قربانی جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کیوں اگر نہیں تو کیوں؟

نیز بدائع الصنائع کی عبارت: **بعد أن لا ينقص عن السبع.** (بدائع الصنائع ۲۰۷/۴)

اورعلامہ شامیؒ کی عبارت: **أو سبع بدنة ......، ولو لأحدهم أقل من سبع لم يجز عن أحد، وتجزئ عما دون سبعة ...... لكن بعد أن لا ينقص عن السبع، ولو اشترك سبعة في خمس بقرات، أو أكثر صح ......، لأن كل بقرةٍ على ثمانية أسهم، فلكل منهم أقل من السبع.** (شامي ۹/۴۵۷ زكريا) کا کیا مطلب ہے؟ یعنی ساتویں حصے کی شرط ''نظراً الی الملک'' ہے کہ صرف سات آدمی ایک بڑے جانور میں شریک ہوں دراں حالیکہ کسی کا حصہ ساتویں حصے سے کم نہ ہو، یا جس کی جانب سے قربانی کی جارہی ہے اُس کا اعتبار ہوگا کہ ایک بڑے جانور کی قربانی صرف سات آدمیوں کی طرف ہوسکتی ہے، مالک خواہ سات سے زائد ہی ہوں، اگر ''نظراً الی الملک'' ملحوظ ہے، تو چھ آدمیوں کا ایک حصہ میں شریک ہوکر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرنا۔ (فتاوی محمودیہ ۲۶/۳۱۰ میرٹھ) پر درست لکھا ہے، جب کہ ایک فرد نہیں چھ افراد مل کر ساتویں حصہ کے مالک بن رہے ہیں، اگر دوسری شق ملحوظ ہے، تو پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بکری پوری امت کی جانب سے ذبح فرمائی ہے، آنجناب واضح فرمائیں کہ واجب ونفل میں کوئی فرق ہے کہ وجوب کی صورت میں صرف سات آدمی کی طرف سے ہوگی، اور ہر نفر کم از کم ساتویں حصے کا مالک بنے اور نفل میں کچھ گنجائش ہے؟ یا فرق نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مسئولہ صورت میں قیاس کا تقاضا تو یہی ہے کہ ایک بڑے جانور میں سات سے زیادہ حصہ دار شریک ہوجائیں، تو کسی کی بھی قربانی درست نہ ہو؛ لیکن استحساناً نفلی قربانی میں ایک حصۂ سبع کے اندر متعدد افراد کی شرکت جائز قرار دی گئی ہے، اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ اِس صورت میں کسی کا مجموعی حصہ ساتویں حصہ سے کم نہیں رہتا، جو فساد کی بنیاد ہے؛ بلکہ سب شرکاء بنیتِ ثواب ایک فرد کے لئے قربانی کرتے ہیں، گویا کہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ چند افراد مل کر کسی شخص کو ایک حصہ کے بقدر پیسے ہبہ کردیں اور وہ شخص اُن پیسوں سے اپنے لئے قربانی کا حصہ خرید لے، تو اَنجام کے اعتبار سے مسئولہ صورت بھی اِسی طرح کی ہے۔

وإن مات أحد السبعة المشتركين في البدنة، وقال الورثة: إذبحوا عنه وعنكم صح عن الكل استحسانًا لقصد القربة من الكل، ولو ذبحوها بلا إذن الورثة لم يجزهم؛ لأن بعضها لم يقع قربة. (الدر المختار مع الشامي ٤٧١/٩ زكريا)

(۲) اورآپ نے بدائع اورشامی کی جوعبارت لکھی ہیں، وہ اس کے معارض نہیں ہیں، وہ اُن صورتوں سے متعلق ہیں جب کہ شرکاء کے مجموعی حصے زائد اشتراک کی وجہ سے سبع سے کم رہ جائیں، مثلاً ایک بڑے جانور میں آٹھ آدمی برابر کے شریک ہوجائیں وغیرہ۔

ولا يجوز بعير واحد، ولا بقرة واحدة عن أكثر من سبعة. (بدائع الصنائع ٢٠٦/٤)

(۳) اور رہ گئی یہ بات کہ پیغمبر علیہ السلام نے ایک بکری میں پوری اُمت کے لئے ثواب کی نیت کی، تو اِس میں شرعاً کوئی اشکال نہیں؛ اِس لئے کہ نفلی قربانی دراصل ذابح ہی کی طرف سے ہوتی ہے، اور اِس کا ثواب وہ جن لوگوں کو چاہے پہنچا سکتا ہے۔

فإن قيل: أليس أنه روى أن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم ضحى بكبشين أملحين أحدهما عن نفسه والآخر عمن لايذبح من أمته، فكيف ضحى بشاة واحدة عن أمته عليه الصلاة والسلام، فالجواب أن عليه الصلاة والسلام إنما فعل ذٰلک لأجل الثواب وهو أنه جعل ثواب تضحيته بشاة واحدة لأمته لا للأجزاء، وسقوط التعبد عنهم. (بدائع الصنائع ٢٠٦/٤ زكريا)

(۴) اور واجب اور نفل میں استحساناً فرق ہے، واجب کی ادائیگی جب بھی ہوگی ایک ہی شخص کی طرف سے ہوگی، جب کہ نفل کا ثواب متعدد کو بھی پہنچایا جاسکتا ہے۔

وقيل: لا يجوز في الفرائض. (شامي ١٥٢/٣ زكريا)

وإن مات أحد السبعة المشتركين في البدنة، وقال الورثة: إذبحوا عنه وعنكم صح عن الكل استحسانًا لقصد القربة من الكل، ولو ذبحوها بلا إذن الورثة لم يجزهم؛ لأن بعضها لم يقع قربة. (الدر المختار مع الشامي ٤٧١/٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۲/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر لیا ہوا حصہ کس کی طرف سے شمار ہوگا؟

سوال (۳۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قربانی کے جانور میں جو حصہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے کیا جاتا ہے وہ قربانی میں شریک تمام حضرات کی طرف سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ یا وہ حصہ صرف ایک ہی آدمی لے سکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: یہ حصہ سب کی طرف سے بھی صحیح ہے؛ کیوں کہ سب مل کر جس ذات کی طرف سے قربانی کر رہے ہیں، وہ ذاتِ واحد ہے اور اُس کا حصہ ساتویں سے کم نہیں ہے۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ ۱/۳۴۳)

وإن مات أحد السبعة الذين شاركوا في البدنة، وقال ورثته وهم كبار: اذبحوها: أي البدنة عنكم وعنه: أي عن الميت، صح. (مجمع الأنهر / كتاب الأضحية ١٧٣/٤ المكتبة الغفارية كوئٹه)

وإن مات أحد السبعة ......، وقال الورثة: اذبحوها عنه وعنكم، صح عن الكل استحسانًا (الدر المختار) وقال ابن عابدين رحمه الله: قوله: وقال الورثة: أي الكبار منهم. (الدر المختار مع الشامي ٣٢٦/٦ كراچی، وكذا في تبيين الحقائق / كتاب الأضحية ٤٨٤/٦ دار الكتب العلمية بيروت، وكذا في البحر الرائق / كتاب الأضحية ٣٢٥/٨ زكريا)

وذكر في الأصل إذا اشترك سبعة في بدنة، فمات أحدهم قبل الذبح فرضي ورثته أن يذبح عن الميت جاز استحسانًا. (بدائع الصنائع ٢٠٩/٤ زكريا، كذا في الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الأضحية / الفصل الثامن ٤٥٣/١٧ رقم: ٢٧٨٠٧ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۹/۱۱/۲۴ھ

قربانی کے جانور میں ساتواں حصہ والد مرحوم کی طرف سے کرنا؟

سوال (۳۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کا انتقال ہوگیا اور اُس کے چار لڑکے ہیں، اُن لڑکوں نے اپنا حصہ الگ الگ لیا ہے اور اُس جانور میں دو اور آدمیوں نے بھی حصہ لیا ہے۔

معلوم یہ کرنا ہے کہ باقی جو ایک حصہ بچ گیا ہے، کیا اُس میں چاروں لڑکے شریک ہوکر والد مرحوم کی طرف سے قربانی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کر سکتے ہیں۔

عن علي رضي الله عنه قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أضحي عنه، فأنا أضحي عنه أبدًا. (المسند للإمام أحمد ۱۰۷/۱، إعلاء السنن / باب التضحية عن الميت ۲۹۶/۱۷ رقم: ۵۶۰۲ دار الكتب العلمية بيروت، ۲۷۲/۱۷ كراچی)

وإذا اشترى سبع بقرةً ليضحوا بها فمات أحد السبعة، وقالت الورثة: وهم كبار إذبحوها عنه وعنكم جاز استحساناً. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الأضحية / الباب الثامن ۳۰۵/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۱/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سات شرکاء میں سے کسی ایک کا اپنے حصہ کے نصف میں آٹھویں کو شریک کرنا؟

سوال (۳۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سات آدمیوں نے شرکت میں ایک گائے قربانی کے لئے خریدی؛ لیکن ساتویں شریک نے

اپنے ساتویں حصہ میں اپنے بھائی کو آدھے کا شریک کرلیا، قیمت بھی دونوں بھائیوں نے نصفا نصف ادا کی،تو کیا حصہ کٹ جانے کی وجہ سے اُن کی قربانی درست ہوجائے گی؟ دوسرے شرکاء کو اس کا کوئی علم نہیں تھا،قربانی کے اَیام گذرجانے کے بعد علم ہوا، اِس صورت میں کس کی قربانی درست ہے اور کس کی نہیں؟ اگر کسی کی بھی قربانی درست نہیں تو اَب اُن کو کیا کرنا پڑے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئولہ صورت میں کسی کی بھی قربانی درست نہیں ہوئی۔

عن جابر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: البقرة عن سبعة، والجزور عن سبعة. (مشكاة المصابيح / باب الأضحية، الفصل الأول ١٢٧/١)

ولو لأحدهم أقل من سبع لم يجز عن أحد. (الدر المختار / كتاب الأضحية ٤٥٧/٩ زكريا)

وإذا كان الشركاء في البدنة أو البقرة ثمانية لا يجزئهم؛ لأن نصيب أحدهم أقل من السبع. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الأضحية / الفصل الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا ٤٥٣/١٧ رقم: ٢٧٨٠٤ زكريا)

الشاة لا تجزئ إلا عن واحد، وإن كانت عظيمة، والبقر والبعير كل واحد منهما يجزئ عن سبعة، إذا كانوا يريدون بها وجه الله اتفقت جهات القربة أو اختلفت، وقال زفر: إذا اختلفت جهات القرب لا يجوز. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الأضحية / الفصل الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا ٤٥٠/١٧ رقم: ٢٧٧٩٢ زكريا)

ولا يجوز بعير واحد ولا بقرة واحدة عن أكثر من سبعة، ويجوز ذٰلك عن سبعة أو أقل من ذٰلك، وهٰذا قول عامة العلماء ...... والصحيح قول العامة لما روي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم: البدنة تجزئ عن سبعة والبقرة تجزئ عن سبعة ...... ولأن القياس يأبى جوازها عن أكثر من واحد لما ذكرنا أن القربة في الذبح، وأنه فعل واحد لا يتجزأ، لكنا تركنا القياس بالخبر المقتضي

للجواز عن سبعة مطلقًا، فيعمل بالقياس فيما وراءه؛ لأن البقرة بمنزلة سبع شياه. (بدائع الصنائع، كتاب الأضحية / محل إقامة الواجب ٢٠٦/٤-٢٠٧ زكريا)

اور ہر شریک پر واجب قربانی کی ادائیگی کے لئے ایک ایک بکری کی قیمت کا صدقہ کرنا لازم ہے۔

وتصدق بقيمتها غني شراها أو لا. (الدر المختار / كتاب الأضحية ٤٥٦/٩ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۲/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی کے جانور میں ایک حصہ میں دو کا شریک ہونا؟

سوال (۳۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دو ایسے آدمیوں نے جن پر قربانی واجب نہیں ہے، آپس میں طے کر کے برابر روپئے ملا کر بڑے جانور میں ایک حصہ خرید کر کے قربانی کی، قربانی ایک ہی کے نام سے کی گئی، اور قربانی کا گوشت برابر تقسیم کر کے ہر ایک نے لے لیا، تو کیا اُن کی یہ قربانی صحیح ہوئی یا نہیں؟ اور جن کے ساتھ مل کر قربانی دی ہے اُن کی قربانی صحیح ہوئی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب دونوں ایک حصہ میں شریک رہے تو اُن کی قربانی جائز نہیں ہوئی؛ کیوں کہ ہر ایک کا حصہ ساتویں حصہ سے کم رہ گیا اور ساتھ میں دیگر شرکاء کی بھی قربانی درست نہیں ہوئی؛ اِس لئے کہ شرکاء سات سے بڑھ کر آٹھ ہوگئے۔

عن جابر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: البقرة عن سبعة، والجزور عن سبعة. (مشكاة المصابيح / باب الأضحية، الفصل الأول ١٢٧/١)

ولو لأحدهم أقل من سبع لم يجز عن أحد. (الدر المختار / كتاب الأضحية ٤٥٧/٩ زكريا)

وإذا كان الشركاء في البدنة أو البقرة ثمانية لا يجزئهم؛ لأن نصيب أحدهم أقل من السبع. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الأضحية / الفصل الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا ١٧/٤٥٣ رقم: ٢٧٨٠٤ زكريا)

الشاة لا تجزئ إلا عن واحد، وإن كانت عظيمة، والبقر والبعير كل واحد منهما يجزئ عن سبعة، إذا كانوا يريدون بها وجه اللّٰه اتفقت جهات القربة أو اختلفت، وقال زفر: إذا اختلفت جهات القرب لا يجوز. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الأضحية / الفصل الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا ١٧/٤٥٠ رقم: ٢٧٧٩٢ زكريا)

ولا يجوز بعير واحد ولا بقرة واحدة عن أكثر من سبعة، ويجوز ذٰلک عن سبعة أو أقل من ذٰلک، وهٰذا قول عامة العلماء ...... والصحيح قول العامة لما روي عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: البدنة تجزئ عن سبعة والبقرة تجزئ عن سبعة ...... ولأن القياس يأبى جوازها عن أكثر من واحد لما ذكرنا أن القربة في الذبح، وأنه فعل واحد لا يتجزأ، لكنا تركنا القياس بالخبر المقتضي للجواز عن سبعة مطلقًا، فيعمل بالقياس فيما وراءه؛ لأن البقرة بمنزلة سبع شياه. (بدائع الصنائع، كتاب الأضحية / محل إقامة الواجب ٤/٢٠٦-٢٠٧ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۲۰/۲/۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی کا جانور ذبح کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ آٹھ حصہ دار تھے؟

سوال (۴۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قربانی کا جانور جس میں سات حصے ہوتے ہیں، ذبح کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ آٹھ حصے ہیں، یہ قربانی درست ہوئی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو اَب کیا کیا جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں کسی حصہ دار کی قربانی درست نہیں

ہوئی، اِس لئے کہ ہرایک کا حصہ ساتویں حصہ سے کم رہ گیا، اَب تلافی کی صورت یہ ہے کہ ہرایک حصہ دار اَوسط درجہ کی بکری کی قیمت صدقہ کرے۔

عن جابر رضي اللّٰہ عنه قال: نحرنا مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بالحدیبیة البدنة عن سبعة، والبقرة عن سبعة. (سنن الترمذي / باب ما جاء في الاشتراك في الأضحية ۱/۲۷٦، صحیح البخاري / باب الأضحية للمسافر والنساء ۲/۸۳۲، وکذا في إعلاء السنن، کتاب الأضاحي / بابٌ: أن البدنة عن سبعة ۱۷/۲۰٦ إدارة القرآن کراچی)

ونقل ابن حزم عن الشعبي قال: أدرکت أصحاب محمد صلی اللّٰہ علیه وسلم وهم متوافرون، کانوا یذبحون البقرة، والبعیر عن سبعة. (المحلي / کتاب الأضاحي ٦/٤٧ تحت رقم: ۹۸٤)

إذا کان الشرکاء في البدنة أو البقرة ثمانية لا یجزئهم؛ لأن نصیب أحدهم أقل من السبع. (الفتاویٰ التاتارخانية، کتاب الأضحية / الفصل السابع فیما یتعلق بالشرکة في الضحایا ۱۷/٤۵۳ رقم: ۲۷۸۰٤ زکریا)

والتقدیر بالسبع یمنع الزیادة ولا یمنع النقصان، …… ولا تکون عن قضائه؛ بل یتصدق بقیمة شاة وسط لما مضی. (الفتاویٰ الهندية / الباب الثامن فیما یتعلق بالشرکة في الضحایا ۵/۳۰٤-۳۰۵، کذا في الفتاویٰ التاتارخانية ۱۷/٤۵۰ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۱۲/۲۸ھ

گائے فروخت کرکے خریداروں کے ساتھ قربانی کے حصہ میں شریک ہونا؟

سوال (۴۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بکر نے ایک گائے سات سو روپئے میں خریدی تھی، اور قربانی کے موقع پر تین سو روپئے فائدہ

کے ساتھ قربانی کرنے والوں کے ہاتھ فروخت کر دیا، جس میں چھ آدمی تھے، اور ساتواں شریک گائے میں خود بکر ہوگیا، اُس نے ایک حصہ خود لے لیا، تو کیا بکر کی قربانی ان چھ شریکوں کے ساتھ درست ہوگی یا نہیں؟ چوں کہ بکر نے اپنی اس گائے کو تین سو روپئے فائدہ کے ساتھ اُن چھ شریکوں کے ہاتھ فروخت کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہاں دو معاملے الگ الگ ہیں: اول یہ کہ بکر نے سات سو روپئے میں گائے خریدی اور تین سو روپئے نفع کے ساتھ ایک ہزار روپئے میں بیچ دی، یہ ایک معاملہ مکمل ہوگیا۔ اور دوسرا معاملہ یہ ہے کہ بکر خریدنے والوں کے ساتھ قربانی کے ساتویں حصہ میں شریک ہوگیا، تو گویا کہ اُس نے اُن خریدنے والوں سے ساتواں حصہ اپنے لئے خرید لیا اِس میں بھی شرعاً کوئی رکاوٹ نہیں ہے؛ لٰہذا یہ دونوں معاملے اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۹/ ۳۳۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/ ۴/ ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی کا جانور خرید کر بعد میں دوسرے لوگوں کو اُس میں شریک کرنا؟

سوال (۴۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تین آدمی نے مل کر قربانی کے واسطے ایک گائے خریدی، اُن میں سے دو آدمی مال دار ہیں اور ایک آدمی غریب، بعد میں چوتھا آدمی اُس میں شریک ہونا چاہتا ہے، تو کیا قربانی کے مذکورہ جانور میں چوتھے آدمی کو شریک کرلینا درست ہوگا، نیز یہ بھی بتائیں پہلے سے شریک تین آدمیوں میں سے اگر دو آدمی غریب ہوں اور ایک آدمی مال دار ہوں، تو کیا اُس کا بھی وہی حکم ہے جو پہلی صورت کا ہے، ساتھ ساتھ یہ بھی واضح فرمائیں کہ مذکورہ دونوں صورتوں میں بعد میں شریک ہونے والے کا غریب یا مال دار ہونے سے مسئلہ کے حکم میں فرق ہوگا یا نہیں؟ عربی کتابوں کے

حوالہ سے جواب مرحمت فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بہتر تو یہی ہے کہ جانور کی خریداری سے پہلے ہی حصہ داروں کو شریک کرلیا جائے؛ لیکن اگر بعد میں بھی شریک کرلیا تو کراہت کے ساتھ یہ عمل درست ہوجائے گا، اور سب حصہ داروں کا قربت کی نیت کرنا ضروری ہے، مال دار یا غریب ہونے سے مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۴/۳۰۱)

ولو اشترى بقرة يريد أن يضحي بها، ثم اشترك فيها ستة يكره، ويجزيهم؛ لأنه بمنزلة سبع شياه حكمًا ......، وإن فعل ذٰلک قبل أن يشتريها كان أحسن. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الأضحية / الباب الثاني فيما يتعلق بالشركة في الضحايا ۵/۳۰٤)

ولو شرى بدنة للأضحية، ثم أشرک فيها ستة جاز استحسانًا، والاشتراک قبل الشراء أحب. (مجمع الأنهر ٤/١٦٩ مكتبة فقيه الأمة ديوبند)

ولو أرادوا القربة الأضحية أو غيرها من القرب أجزأهم، سواء كانت القربة واجبة أو تطوعًا، أو وجب على البعض دون البعض. (الفتاویٰ الهندية / الباب الثاني من الأضحية ۵/۳۰٤)

وإذا اشترى الرجل بقرة، أو بعيرًا يريد أن يضحي بها عن نفسه، ثم اشترک فيها ستة بعد ذٰلک، القياس أن لا يجزيهم، ويصير الكل لحمًا، وفي الاستحسان: يجزيهم؛ لأن البقرة قائمة مقام سبع شياه، وكذٰلک البدنة فصار شرائها بنية الأضحية كشراء سبع شياه. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الأضحية / الفصل الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا ١٧/٤٥١ رقم: ٢٧٧٩٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲/۷/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حصہ دار اور جانوروں کی تعیین کے بغیر غیر ملکی باشندوں کی طرف سے اہلِ مدارس کا قربانی کرنا؟

سوال (۴۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: صوبہ ایم پی سے جانب شمال تقریباً دوسو کلومیٹر دور ضلع اندور مقام چوپائی مہو میں آج سے پندرہ سال قبل ایک مکتب کی بنیاد رکھی گئی ہے، جو بحمد اللہ اَب ایک بڑے ادارہ کی شکل میں ہے، اور کم وبیش پانچ سو طلبہ کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے، اِس مدرسہ میں ہر سال عید الاضحیٰ کے موقع پر ایک بڑی تعداد میں بڑے جانوروں کی قربانی کا نظم کیا جاتا ہے، جس کے اندر قربانی کے ہزاروں حصے آتے ہیں، بالخصوص زیادہ تر حصے بیرونِ ہند کے ہوتے ہیں، قربانی کے لئے جو رقمیں بیرونِ ہند سے آتی ہے وہ کسی کی معرفت سے ہی آتی ہے، صرف حصوں کی تعداد کی فہرست اور اُس کی رقمیں مدرسہ میں آجاتی ہیں، فہرست میں صرف تعداد لکھی ہوتی ہے، حصہ داروں کے نام نہیں ہوتے ہیں، اِن رقموں سے اہلِ مدرسہ جانوروں کی خریداری کر لیتے ہیں، اور وقتِ مقررہ پر اُن جانوروں کو مذبح پہنچا دیا جاتا ہے، اَب چوں کہ حصہ داروں کے نام نہیں ہوتے ؛ اِس لئے اہلِ مدرسہ اُس شخص کے نام یا معرفت سے قربانی کردیتے ہیں، جس کے توسط سے رقمیں موصول ہوتی ہیں۔

اَب یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ بایں صورت جب کہ قربانی کے جانور غیر متعین ہوں اور حصہ داروں کے نام بھی مجہول ہوں، تو اِس طرح قربانی درست ہے یا نہیں؟ نیز بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ نیت پہنچانے والا کوئی نہیں ہوتا، صرف قصاب جانوروں کو بسم اللہ پڑھ کر ذبح کردیتا ہے، جانوروں کے غیر متعین ہونے کی صورت میں قربانی کی یہ شکل سمجھ میں نہیں آتی، اِن مذکورہ بالا جملہ شقوں میں قربانی کے جواز کی کیا صورت ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی صحیح ہونے کے لئے دو باتوں میں سے ایک کا

ہونا لازم ہے، اول یہ جانور متعین ہو جائے کہ یہ کس کی طرف سے ہے؟ اور دوسرے یہ کہ قربانی کرتے وقت آمر کی طرف سے نیت کی جائے، اور آپ نے سوال میں جو تفصیل لکھی ہے اُس کے مطابق نہ تو جانور متعین ہیں اور نہ قربانی کے وقت معین افراد کی طرف سے قربانی کی گئی ہے؛ لہٰذا اِس طرح کسی کی قربانی ادا نہیں ہوگی؛ اِس لئے جو صاحب باہر سے رقم بھیجتے ہیں، اُن پر لازم ہے کہ رقم بھیجنے کے ساتھ وہ حصہ داروں کے نام یا کم از کم حصہ نمبر لکھ کر ضرور بھیجیں؛ تاکہ خریداری کے وقت یا قربانی کرتے وقت اُن کی طرف سے نیت کرنا درست ہو سکے۔

إذا وكّل رجلاً بأن يضحى عنه ولم يسم شيئًا ولا ثمنًا فإنه لا يجوز.

(الفتاویٰ الهندية، كتاب الأضحية / الباب الرابع فيما يتعلق بالمكان والزمان ٢٩٧/٥)

إذا ذبح أضحية الغير ناويًا مالكها بغير أمره جاز ولا ضمان عليه وهٰذا استحسان لوجود الإذن دلالةً. (شامي / كتاب الأضحية ٣٣٠/٦ كراچی، ٤٧٨/٩ زكريا)

ولو ذبح أضحية غيره عن المالك بغير أمره صريحًا، يقع عن المالك، ولا ضمان على الذابح استحسانًا ...... رجل ذبح أضحية غيره عن نفسه بغير أمره، فإن ضمنه المالك قيمتها، يجوز عن الذابح دون المالك؛ لأنه ظهر أن الإراقة حصلت على ملكه، وإن أخذها مذبوحةً تجزئ عن المالك؛ لأنه قد نواها، فليس يضره ذبح غيره لها. كذا في محيط السرخسي. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الأضحية / الباب السابع في التضحية عن الغير ٣٠٢/٥ زكريا، وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ الهندية، كتاب الأضحية / فصل فيما يجوز في الضحايا وما لا يجوز ٣٥٣/٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۳/۱۱/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی کے جانور میں دعوتِ ختنہ کا حصہ لینا؟

سوال (۴۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: قربانی کے بڑے جانور میں جس طرح ولیمہ عقیقہ کی نیت کرنا اور اُس میں حصہ رکھنا درست ہے، کیا دعوتِ ختنہ کے لئے بھی قربانی کے جانور میں حصہ لیا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ختنہ کی دعوت قربتِ منصوصہ نہیں ہے؛ لہٰذا قربانی کے حصوں میں اُس کی شرکت پوری قربانی کے لئے مفسد ہوگی۔

روي أن عثمان بن أبي العاص دعي إلى ختانٍ فأبىٰ أن يُجيب، فقيل له: فقال: إنا كنا لا نأتي الختان على عهد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ولا نُدعىٰ إليه. (رواه الإمام أحمد بإسناده) ولأن التزويج يستحب إعلانه وكثرة الجمع فيه بخلاف غيره. (أوجز المسالك / باب ما جاء في الوليمة ٤٠٦/٤ يحيوي سهارنفور)

قد علم أن الشرط قصد القربة من الكل. (شامي ٣٢٦/٦ كراچی، ٤٧٢/٩ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۱۵/۲/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی کے جانور میں ایک شریک کا حرام مال سے شرکت کرنا؟

سوال (۴۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر قربانی کے بڑے جانور میں کوئی ایک شریک مال حرام کے ساتھ شرکت کرتا ہے، تو کیا سب کی قربانی نہیں ہوگی؟ ایک مولوی صاحب احسن الفتاویٰ کے حوالہ سے ایسا ہی مسئلہ بتاتے ہیں، شرعاً کیا حل ہے، دلیل بھی لکھ دیں تو اچھا ہو؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر صریح مال حرام ہے، تو اُس میں مالک کی ملکیت نہیں ہوتی، جیسے: سود قمار وغیرہ، تو ایسے متعین پیسے سے قربانی میں شرکت کرنے سے کسی کی بھی

قربانی درست نہ ہوگی، احسن الفتاویٰ کے مسئلہ کا محمل یہی صورت ہے؛ لیکن اگر قطعی حرام پیسے نہیں ہیں؛ بلکہ مکروہ ہیں جس میں مالک کی ملکیت شرعی طور پر پائی جاتی ہے، تو ایسی صورت میں قربانی درست ہوجائے گی۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/۵۰۳)

وإن مات أحد السبعة المشتركين في البدنة، وقال الورثة: إذبحوا عنه وعنكم صح عن الكل استحسانًا لقصد القربة من الكل، ولو ذبحوها بلا إذن الورثة لم يجزهم؛ لأن بعضها لم يقع قربة، وإن كان شريك الستة نصرانيًا، أو مريد اللحم لم يجز عن واحد منهم؛ لأن الإراقة لا تتجزى. (الدر المختار ۹/ ۴۷۱ -۴۷۲ زكريا)

وإن كان شريك الستة نصرانيًا أو مريد اللحم لم يجز عن واحد منهم.

(البحر الرائق / كتاب الأضحية ۸/۱۷۷ كوئٹه، مجمع الأنهر / كتاب الأضحية ۲/ ۵۲۱ دار إحياء التراث العربي بيروت، ۴/۱۷۳ مكتبة فقيه الأمة ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۱/۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی کے وقت نام کی تعیین نہیں کی؟

سوال (۴۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ میں کچھ حضرات قربانی کے لئے رقم بھیجتے ہیں، اِمسال بھی ایسا ہی ہوا کہ جانور خریدے گئے؛ لیکن بارش اور سردی کی وجہ سے اُن جانوروں میں سے دو جانور گر گئے اور مدرسہ میں نہ آسکے، جن صاحب کے یہاں وہ جانور تھے، اُنہوں نے مدرسہ والوں کو اطلاع کی اور مدرسہ سے کہہ دیا گیا کہ اُن کی قربانی کردیں؛ لہٰذا اُن صاحب نے بغیر ناموں کی تعیین کے اُن جانوروں کی قربانی کردی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ رقم بھیجنے والوں کی قربانی ہوئی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو اَب کیا شکل اختیار کرنی چاہئے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جانور خریدتے وقت یا اُس کی قربانی کا حکم دیتے وقت

اہل مدرسہ نے اگر رقم دینے والوں کی نیت کرلی تھی تو یہ قربانیاں سب درست ہوگئیں؛ تاہم اِس کا لحاظ رکھنا ہوگا کہ گرنے کی وجہ سے وہ جانور ایسے معذور تو نہیں ہوگئے تھے کہ اُن کی قربانی ہی درست نہ ہو، اگر وہ عیب دار ہوگئے ہوں تو قربانی معتبر نہ ہوگی۔

لو ذبح المشترا ة لها بلا نية الأضحية جازت اكتفاء بالنية عند الشراء الخ. (شامي / كتاب الأضحية ۴۵۲/۹)

لا بالعمياء ...... والعرجاء التي لا تمشي إلى المنسک (الدر المختار) أي التي لا يمكنها المشي برجلها العرجاء، إنما تمشي بثلاث قوائم، حتى لو كانت تضع الرابعة على الأرض وتستعين بها جاز. (الدر المختار مع الشامي / كتاب الأضحية ۴۶۸/۹ زكريا)

العرجاء التي تمشي بثلاثة قوائم وتُجافي الرابع عن الأرض لا تجوز الأضحية بها. وإن كانت تضع الرابع على الأرض وتستعين به إلا أنها تتمايل مع ذلک وتضعه وضعًا خفيفًا يجوز. وإن كانت ترفعه رفعًا أو تحمل المنكسر لا تجوز. (البحر الرائق / كتاب الأضحية ۳۲۳/۸ زكريا، وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الأضحية / الباب الخامس في المعيوب ۳۲۱/۴ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱/۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کئی لوگوں کا مل کر پیغمبر علیہ السلام کی طرف سے قربانی کرنا؟

سوال (۴۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قربانی کے موقع پر کچھ لوگ مل کر ایک خصی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام قربانی کرتے ہیں، کسی ایک کو مالک نہیں بناتے، تو ایسی قربانی کا شرعی حکم کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ نفلی قربانی کی صورت ہے، اِس عمل کا ثواب پیغمبر علیہ

الصلوٰۃ والسلام کو پہنچایا جا سکتا ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ اِس کو فقراء پر صرف کیا جائے؛ تا کہ صدقہ کا مصرف تام ہو جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۳۳۶/۱۴، فتاویٰ رحیمیہ ۹۰/۲)

من ضحى عن الميت، يصنع كما يصنع في أضحية نفسه من التصدق والأكل، والأجر للميت، والملك للذابح. قال الصدر: والمختار أنه إن بأمر الميت لا يأكل منها، وإلا يأكل، بزازية. (شامي / كتاب الأضحية ٣٢٦/٦ كراچی)

وقال الصدر: المختار أنه إن ضحى بأمر الميت، لا يأكل منها، وإن بغيرها يأكل. (الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ الهندية، كتاب الأضحية / السابع في التضحية عن الغير ٢٩٥/٦ زكريا)

قلت: وقول علمائنا: له أن يجعل ثواب عمله لغيره، يدخل فيه النبي صلى اللّٰه عليه وسلم؛ فإنه أحق بذٰلك حيث أنقذنا من الضلالة، ففي ذٰلك نوع شكر وإسداء جميل له. (شامي، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنازة، مطلب: في إهداء ثواب القراءة للنبي صلى الله عليه وسلم ٢٤٤/٢ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۱/۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی کا وقت

عیدالاضحیٰ کی نماز سے پہلے قربانی کرنا؟

سوال (۴۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عیدالاضحیٰ کی نماز ادا کرنے سے پہلے قربانی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عیدالاضحیٰ کی نماز سے پہلے دیہات (جہاں کے لوگوں پر جمعہ وعیدین وجب نہیں) میں قربانی کر سکتے ہیں؛ البتہ ایسے گاؤں جہاں کے لوگوں پر جمعہ وعیدین واجب ہے وہاں نماز سے قبل قربانی نہیں کر سکتے، اور یہی حکم قصبات اور شہروں کا ہے۔

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه قال: قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: من ذبح قبل الصلاة؛ فإنما يذبح لنفسه، ومن ذبح بعد الصلاة فقد تم نسكه، وأصاب سنة المسلمين. (صحيح البخاري، كتاب الأضاحي / باب سنة الأضحية رقم: ٥٥٤٦ دار الفكر بيروت، ٨٣٢/٢ رقم: ٥٣٣١ نسخة هندية)

وأول وقتها بعد الصلاة إن ذبع في مصر (الدر المختار) وفي الشامي: فأما أهل السواد والقرىٰ والرباطات عندنا يجوز لهم التضحية بعد طلوع الفجر. (الدر المختار مع الشامي ٣١٨/٦ كراچی، ٤٦١/٩-٤٦٢ زكريا)

وذبح غيره: أي غير أهل المصر يجوز لهم ذبحها بعد طلوع الفجر قبل أن يصلي الإمام صلاة العيد. (تبيين الحقائق / كتاب الأضحية ٤٧٧/٦ زكريا)

ويجوز لأهل القرىٰ والبادية أن يذبحوا بعد صلاة الفجر قبل أن يصلي

الإمام صلاة العيد. (البحر الرائق / كتاب الأضحية ۳۲۱/۸ زکریا، وكذا في رد المحتار / كتاب الأضحية ٣١٨/٦ كراچی، وکذا في الفتاویٰ السراجية / كتاب الأضحية ٨٩ كراچی)

ويذبح غير المصري كأهل القرىٰ قبل الصلاة. (مجمع الأنهر ١٦٩/٤ المكتبة الغفارية كوئٹه) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۱۱/۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شہر والوں کا نماز عید سے قبل قربانی کرنا؟

سوال (۴۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر شہر والے نماز عید سے قبل قربانی کردیں تو کیا نماز عید کے بعد دوبارہ قربانی کرنی ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اہلِ شہر کے لئے نماز عید سے قبل قربانی درست نہیں ہے، اگر کرلی اور کرنے والا صاحبِ نصاب ہے تو دوبارہ کرنی ہوگی۔

ولو ذبح والإمام في خلال الصلاة لا يجوز. (الفتاویٰ الهندية / الباب الثالث في وقت الأضحية ٢٩٥/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱۲/۲۳ھ

گاؤں والوں کا شہر میں جاکر نماز سے پہلے قربانی کرنا؟

سوال (۵۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک گاؤں جمال پور ہے، یہاں شرعی اعتبار سے جمعہ ہوتا ہے؛ البتہ عیدگاہ دوسرے گاؤں میں ہے، وہیں پر نماز عید پڑھتے ہیں؛ لیکن قربانی جمال پور ہی میں بعد نماز عید ہوتی ہے، اور قریبی

دیہات کے لوگ آتے ہیں، اور نماز عید سے پہلے ہی قربانی کر لیتے ہیں، تو کیا اُن کی قربانی درست ہے؟ مثلاً فتح پور بڑی بستی ہے؛ لیکن گورنمنٹ کی طرف سے وہاں پر قربانی کی اِجازت نہیں ہے، یہ لوگ جمال پور جا کر نماز عید سے پہلے قربانی کر لیتے ہیں، تو کیا یہ درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسبِ تحریر سوال جب کہ جمال پور میں شرعی طور پر اِقامتِ جمعہ وعیدین کی شرائط پائی جاتی ہیں، تو وہاں مقامی لوگوں یا آس پاس کے دیہات سے آنے والوں کے لئے عید کی نماز سے قبل قربانی کرنا درست نہیں ہے؛ بلکہ لازم ہے کہ عید کی نماز کے بعد ہی وہاں قربانی کی جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲۶/۳۴۲ میرٹھ)

عن البراء رضي اللّٰه عنه قال: خطبنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يوم النحر بعد الصلاة، فقال: من صلى صلاتنا ونسک نسكنا فقد أصاب النسک، ومن نسک قبل الصلاة فتلک شاة لحم. (سنن أبي داؤد / باب ما يجوز من السن في الضحايا ۳۸۷/۲ رقم: ۲۸۰۰ دار الفكر بيروت، صحيح البخاري رقم: ۹۸۳ دار الفكر بيروت، صحيح مسلم رقم: ۱۹۶۱ بيت الأفكار الدولية، سنن الترمذي رقم: ۱۵۰۸)

فلو كانت في السواد والمضحي في المصر، جازت قبل الصلاة، وفي العكس لم تجز. (شامي / كتاب الأضحية ۳۱۸/۶ كراچی)

والمعتبر في ذٰلک مكان الأضحية، حتى لو كانت في السواد والمضحي في المصر، يجوز كما انشق الفجر، في العكس لا يجوز، إلا بعد الصلاة. (البحر الرائق / كتاب الأضحية ۳۲۱/۸ زكريا، وكذا في تبيين الحقائق / كتاب الأضحية ۴۷۷/۶ دار الكتب العلمية بيروت، وكذا في مجمع الأنهر / كتاب الأضحية ۱۷۰/۴ مكتبة فقيه الأمة ديوبند، وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الأضحية / فصل في شروط جواز إقامة الواجب ۳۰۵/۵ دار الكتب العلمية بيروت، ۲۱۳/۴ زكريا)

ولو كان الرجل بالسواد وأهله بالمصر لم تجز التضحية عنه إلا بعد صلاة الإمام. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الأضحية / الباب الرابع ٢٩٦، ومثله في الشامي / كتاب الأضحية ٣١٨/٦ كراچی، البحر الرائق / كتاب الأضحية ٣٢١/٨ زكريا، وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية ٤٢٢/١٧ رقم: ٢٧٧٠٣ زكريا)

فأول وقتها في حق المصري والقروي طلوع الفجر، إلا أنه شرط للمصري تقديم الصلاة عليها، فعدم الجواز لفقد الشرط لا لعدم الوقت. (شامي ٣١٨/٦ كراچی، ٤٦٠/٩ زكريا)

قال أبوعيسیٰ: وقد رخّص قوم من أهل العلم لأهل القریٰ في الذبح، إذا طلع الفجر وهو قول ابن المبارك. (سنن الترمذي / باب في الذبح بعد الصلاة ٢٧٧/١ رقم: ١٥٤٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۳/۱۱/۳ھ

دیہات میں صبح صادق کے بعد قربانی کا ثبوت؟

سوال (۵۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فقہ حنفی کا مسئلہ ہے کہ اگر دیہات میں قربانی صبح صادق کے بعد کر لی جائے تو قربانی درست ہوجاتی ہے، کیا حدیث شریف سے اِس کا ثبوت ہے؟ نیز کیا عہدِ رسالت میں ایسا واقعہ پیش آیا ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اِس کو بھی بحوالہ کتب تحریر فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اَحادیثِ شریفہ میں عید الاضحیٰ کے دن اَفعال کی یہ ترتیب بیان فرمائی گئی ہے کہ اَولاً نماز پھر قربانی؛ لہٰذا اِس سے یہ معلوم ہوا کہ جہاں عید کی نماز ہی نہیں ہوتی، وہاں یہ ترتیب بھی ملحوظ نہ ہوگی اور شرعی دن کی ابتداء یعنی صبح صادق کے بعد ہی سے

وہاں قربانی جائز ہو جائے گی۔

والصحيح قولنا لحديث من ذبح قبل الصلاة فليعد أضحيته، وقال: أول نسكنا في يومنا هٰذا الصلاة ثم الذبح، وليس لأهل القرىٰ صلاة العيد فلا يثبت الترتيب في صحتهم. (بذل المجهود ١٣/٢٤ مصر)

چوں کہ یہ حکم خود اَلفاظِ حدیث سے مستفاد ہو رہا ہے، اِس لئے عہدِ رسالت میں کسی صریح واقعہ کا ثبوت ضروری نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۱۹/۱/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بڑی بستی والوں کا چھوٹی بستی میں اپنا جانور لے جاکر نمازِ عید سے پہلے ذبح کرنا؟

سوال (۵۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارا گاؤں سیڈھا بڑی بستی ہے، جمعہ وعیدین بھی ہوتے ہیں، قربانی کے موقع پر ہماری بستی والے اپنے اپنے جانور صبح سویرے فجر کے بعد عید کی نماز سے پہلے ہی قریب کی ایک چھوٹی سے بستی دوگھری میں جہاں جمعہ وغیرہ نہیں ہوتا ہے، وہاں جاکر قربانی کر لیتے ہیں اور جو بکروں کی قربانی کرتے ہیں وہ عید کی نماز کے بعد گاؤں سیڈھا ہی میں اپنے اپنے گھر کر لیتے ہیں۔

معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا یہ بکروں کی قربانی کرنے والے بھی اگر اس چھوٹی بستی دوگھری میں جاکر نمازِ عید سے پہلے فجر کے بعد ہی قربانی کرلیں، تو کیا یہ بھی درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں گاؤں سیڈھا والوں کا قریب کی چھوٹی بستی دوگھری میں جاکر بقرعید کے دن صبح صادق کے بعد قربانی کرنا شرعاً درست ہے، اُس

میں بڑے اور چھوٹے جانور کے حکم میں کوئی فرق نہیں ہے؛ البتہ بڑی آبادی میں جہاں عید کی نماز ہوتی ہو، عید کی نماز سے قبل قربانی درست نہیں ہے۔

وحيلة المصري إذا أراد التعجيل أن يخرج بها إلى خارج المصر، فيضحي بها، كما طلع الفجر، اعتبارًا بالزكاة، بخلاف صدقة الفطر. (مجمع الأنهر ٥١٨/٢، شامي ٤٦١/٩ زكريا)

ثم المعتبر في ذٰلک مكان الأضحية حتى لو كانت في السواد والمضحي في المصر يجوز كما انشق الفجر، ولو كان على العكس لا يجوز إلا بعد الصلاة. وحيلة المصري إذا أراد التعجيل أن يبعث بها إلى خارج المصر فيضحي بها كما طلع الفجر، هٰذا لأنها تشبه الزكاة، من حيث أنها تسقط بهلاک المال قبل مضي أيام النحر، كالزكاة بهلاک النصاب، فيعتبر في الصرف مكان المحل لا مكان الفاعل اعتبارًا بها، بخلاف صدقة الفطر؛ لأنها لا تسقط بهلاک المال بعد ما طلع الفجر من يوم الفطر. (الهداية / كتاب الأضحية ٤٣٠/٤)

فأما أهل السواد والقرى والرباطات عندنا يجوز لهم التضحية بعد طلوع الفجر، والمعتبر مكان الأضحية، فلو كانت في السواد والمضحى في المصر جازت قبل الصلاة، وفي العكس لم تجز. (شامي ٤٦١/٩ زكريا، البحر الرائق ١٧٥/٨)

ولو أخرج الأضحية من المصر فذبح قبل صلاة العيد، قالوا: إن خرج من المصر مقدار ما يباح للمسافر قصر الصلاة في ذٰلک المكان جاز الذبح قبل صلاة العيد وإلا فلا، كذا في خزانة المفتيين. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الأضحية / الباب الرابع فيما يتعلق بالمكان والزمان ٢٩٦/٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۷/۱/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عیدگاہ سے پہلے مسجد میں نمازعید الاضحیٰ پڑھ کر قربانی کرنا؟

سوال (۵۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر عید کی نماز سے پہلے مسجد میں نماز عید ادا کر لی، کیا مسجد کی ادا کی گئی عید کی نماز کے بعد قربانی کی جاسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر عیدگاہ سے پہلے کسی مسجد میں عیدالاضحیٰ کی نماز پڑھ لی جائے، تو اُس نماز کے بعد قربانی کرنا بلا شبہ جائز ہے۔ (کتاب المسائل ۲۱۶/۲، فتاویٰ رحیمیہ ۳۹/۱۰ زکریا)

إن كان يصلي في المصر في موضعين إذا صلى أهل أحد المسجدين أيهما كان جاز ذبح الأضاحي. (بدائع الصنائع ٢١١/٤ زكريا)

وأول وقتها بعد الصلاة إن ذبح في مصر أي بعد لم أسبق صلاة عيد (الدر المختار) وفي الشامية: ولو ضحى بعد ما صلى أهل المسجد ولم يصل أهل الجبانة أجزأه استحسانًا. (الدر المختار مع الشامي ٤٦٠/٩ زكريا)

ولو ضحى بعد ما صلى أهل المسجد ولم يصل أهل الجبانة أجزأه استحساناً والمعتبر هي الصلاة. (الفتاویٰ الهندية ٢٩٥/٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۱/۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۰/ذی الحجہ کی رات میں قربانی کرنا؟

سوال (۵۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کچھ مسلمان گوجر ضلع نینی تال کے جنگلوں میں عام آبادیوں سے دور رہتے ہیں، اور اپنی بھینس وغیرہ پال کر اپنی زندگی بسر کرتے ہیں، موضع نظام گڑھ سے تقریباً ۵/کلومیٹر کی دوری پر بھوانی پور جنگل میں بھی کچھ لوگ آباد ہیں، اُن میں کے بعض لوگ کبھی دوسرے جنگلوں میں چلے

جاتے ہیں اور کبھی یہاں آجاتے ہیں، اُس علاقہ میں گورنمنٹ کی طرف سے صرف موضع نظام گڑھ میں قربان گاہ ہے، اُن لوگوں نے پریشانی سے بچنے کے لئے وہیں قربانی کی اور گورنمنٹ کی پکڑ سے بچنے کے لئے رات میں قربانی کی، ایک جانور کی ۹/ذی الحجہ کا دن گزار کر جورات آئی یعنی نویں ودسویں ذی الحجہ کی رات میں تقریباً ڈھائی بجے اور دوسرے جانور کی دوسری رات میں قربانی کی، اِس صورت میں وہ قربانیاں درست ہوئیں یانہیں؟ اگر صحیح نہ ہوئی ہوں تو اَب کیا کریں؟ کچھ لوگ اِس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ ہماری قربانی صحیح ہوئی ہے، تو کیا اُن کا یہ کہنا درست ہے؟ اور ہندوستان کے موجودہ حالات کے تحت اُن کا یہ فعل درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عیدالاضحیٰ کے دن یعنی دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق سے پہلے قربانی کسی کے لئے جائز نہیں ہے، جوقربانیاں رات میں کی گئی ہیں وہ شرعاً درست نہیں ہوئیں؛ البتہ دوسری رات میں جوقربانیاں کی گئیں وہ درست ہوگئیں، اگرچہ رات میں قربانی کرنا مکروہ تھا۔

عن الحسن قال: نهى عن جداد الليل، وحصاد الليل، والأضحى بالليل؛ وإنما كان ذٰلک من شدة حال الناس كان الرجل يفعله ليلاً فنهي عنه، ثم رخص في ذٰلک. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الضحايا / باب التضحية في الليل من أيام منى ١٤/٢٣٢ رقم: ١٩٧٤٠)

عن ابن عباس رضي الله عنهما أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم نهى أن يضحى ليلاً. (المعجم الكبير للطبراني ١١/١٥٢ رقم: ١١٤٥٨)

وكره تنزيهًا الذبح ليلاً لاحتمال الغلط. (الدر المختار / كتاب الأضحية ٦/٣٢٠ كراچی)

ويجوز في نهارها ولياليها بعد طلوع الفجر من يوم النحر إلى غروب الشمس من اليوم الثاني عشر، إلا أنه يكره الذبح في الليل. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الأضحية / الباب الثالث في وقت الأضحية ٥/٢٩٥ زكريا)

ويكره التضحية والذبح في الليالي. (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ الهندية، كتاب الأضحية / فصل في صفة الأضحية ووقت وجوبها ومن تجب عليه ٣٤٥/٣ زكريا، وكذا في إعلاء السنن، كتاب الأضاحي / باب أضحية مباشرة التضحية بنفسه وجواز الاستنابة والاستعافة، فوائد شتى ٢٧٩/١٧ إدارة القرآن كراچی، وكذا في تبيين الحقائق / كتاب الأضحية ٤٧٨/٦ دار الكتب العلمية بيروت)

ووقت الأضحية يدخل بطلوع الفجر من يوم النحر إلا أنه لا يجوز لأهل الأمصار الذبح حتى يصلي الإمام العيد، فأما أهل السواء فيذبحون بعد الفجر، ويجوز الذبح في لياليها إلا أنه يكره. (الهداية ٤٤٥/٤ الأمين كتابستان ديوبند)

ولا يجوز التضحية في الليلة الأولى من أيام النحر، ويجوز في الليلة الثانية والثالثة، فلم يجعل الليلة الأولىٰ هنا تبعًا للنهار، إنما جعلها تبعًا لنهار ماضٍ، وفي سائر الأوقات جعل الليل تبعًا للنهار الآتي من أيام النحر؛ إنما جعل ذٰلک رفقًا بالناس حتى لا يفوتهم الحج لو وقفوا في الليلة الأولىٰ من يوم النحر. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الأضحية / الفصل الثالث في وقت الأضحية ٤١٩/١٧ رقم: ٢٧٦٩٨ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۱۲/۲۵ھ

سعودی عرب میں رہنے والے کا ۱۳ر ذی الحجہ کو مرادآباد فون کرکے قربانی کرانا

سوال (۵۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید سعودی عرب میں رہتا ہے وہاں کی تاریخ کے اعتبار سے ۱۳ر ذی الحجہ ہوچکی ہے، اور اُس نے ابھی تک قربانی نہیں کی ہے، مرادآباد کے اعتبار سے ابھی قربانی کے ایام باقی ہیں، تو کیا ایسا شخص فون کرکے مرادآباد میں اپنی قربانی کراسکتا ہے؟ جب کہ سعودی عرب جہاں وہ رہتا ہے قربانی کا وقت ہوچکا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سعودیہ میں رہنے والا شخص سعودی عرب میں رہتے ہوئے وہاں کی ۱۳؍ذی الحجہ کو ہندوستان میں وکالۃً اپنی قربانی کراسکتا ہے، جب کہ یہاں پر ذی الحجہ کی ۱۲تاریخ ہے،تو اُس کی قربانی بلاتردد درست ہوجائے گی،اس لیے کہ:

الف:- سببِ وجوب بعض ایامِ نحر میں مستطیع ہونا اُس کے حق میں پہلے ہی پایا جاچکا ہے، اور جس جگہ قربانی کا جانور موجود ہے وہاں شرطِ ادا (قربانی کا وقت) متحقق ہے؛ لہٰذا قربانی کی صحت میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۵۱۲/۱۵)

ب:- فقہاء نے لکھا ہے کہ قربانی کے معاملے میں اختلافِ مطالع بہرحال معتبر ہوگا، عبارت ملاحظہ ہو:

وهٰذا بخلاف الأضحية، فالظاهر أنها كأوقات الصلاة يلزم كل قوم العمل بما عندهم، فتجزئ الأضحية في اليوم الثالث عشر، وإن كان على رؤيا غيرهم هو الرابع عشر (شامي) وفي حاشية من ولده: قوله: الثاني عشر، وقوله: هو الرابع عشر صوابه، الثالث عشر: لأنه اليوم الثالث عشر من ذي الحجة هو اليوم الرابع من عيد الأضحى، والأضحية في ذٰلك اليوم لا تصح عندنا، ولعل جناب سيدي الوالد المؤلف أراد أن يكتب في اليوم الثالث فسها قلمه، فكتب الثالث عشر. (شامی، كتاب الصوم / مطلب في اختلاف المطالع ۳۶٤/۳ زكريا)

اس کی حکم کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ آج کے دور میں اگر سعودیہ کا رہنے والا شخص وہاں کی ۱۳؍ذی الحجہ کو بذریعہ ہوائی جہاز روانہ ہوکر ہندوستان کی ۱۲؍ذی الحجہ کے غروب سے قبل ہندوستان پہنچ جائے تو اس کے لیے بذاتِ خود اپنی قربانی کرنے کا امکان موجود ہے، پس جس عمل کو وہ خود انجام دے سکتا ہے اس میں دوسرے کو وکیل بنانے میں بھی تردد ہونا چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۳/۱۱/۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۳؍ذی الحجہ کو سعودی سے فون کر کے ہندوستان میں قربانی کرانا؟

سوال (۵۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ردالمحتار ج:۹ میں لکھا ہے:

والمعتبر مكان الأضحية لا مكان من عليه، فحيلة مصري أراد التعجيل أن يخرجها لخارج المصر فيضحي بها إذا طلع الفجر. (الدر المختار ٤٦١/٩ زكريا)

تو کیا اگر کوئی آدمی ۱۳؍ذی الحجہ کو سعودی سے ہندوستان فون کرے، دراں حالیکہ یہاں ۱۲؍ذی الحجہ رہے، تو کیا واجب قربانی جو وہ وقت ختم ہونے کی وجہ سے نہ کر سکا، یہاں ہندوستان میں وقت باقی ہے، اُس کے حکم سے قربانی کرنے سے قربانی ہوجائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سعودی عرب میں رہنے والے شخص پر چوں کہ قربانی کا سبب وجوب یعنی صاحبِ نصاب ہونا اور وجوبِ ادا یعنی وقت قربانی میں باحیات رہنا ثابت ہو چکا ہے؛ اِس لئے اَب وہ جو قربانی کرے گا اُس میں قربانی کا جانور جہاں موجود ہے، وہاں کے وقت کا اعتبار کیا جائے گا، اور ۱۳؍تاریخ کو اُس کا اپنی مالی قربانی ہندوستان میں کرانا جب کہ یہاں ۱۲؍ذی الحجہ ہوگی، شرعاً درست ہوگا۔

ولو كان هو في مصر وقت الأضحية، وأهله في مصر آخر، فكتب إلى الأهل وأمرهم بالتضحية، في ظاهر الرواية يعتبر مكان الأضحية. (الخانية على هامش الفتاوىٰ الهندية ٣٤٥/٣، المكتبة الماجدية پاكستان) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۶/۱۱/۲۱ھ

اَیامِ اُضحیہ کے بعد قربانی کا خط ملا تو کیا کیا جائے؟

سوال (۵۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: سائل کی لڑکی اور داماد جدہ رہتے ہیں، ہر سال بقرعید کے موقع پر سائل کو بذریعہ خط مطلع کردیا کرتے ہیں کہ اِمسال ہماری جانب سے اتنے حصوں کی قربانی کردی جائے، سائل قربانی کردیتا تھا؛ لیکن اِس سال بقرعید کے موقع پر کوئی خط موصول نہیں ہوا، اِس لئے سائل نے اُن کی جانب سے قربانی نہیں کی۔

اَب ماہِ رواں محرم الحرام میں ایک حاجی صاحب کے ذریعہ خط ملا، جس میں لکھا ہے کہ: ’’امید ہے کہ ہماری جانب سے دوحصہ قربانی کردی ہوگی‘‘ خط پڑھ کر معلوم ہوا کہ ہر سال کی طرح اُنہوں نے خط ضرور روانہ کیا ہوگا، مگر ڈاک کی خرابی کی وجہ سے سائل کو نہیں مل سکا؛ لہٰذا سوال ذیل کا جواب عنایت فرمائیں کہ اگر دوحصہ قربانی کی رقم صدقہ کردی جائے تو کیا واجب ادا ہو جائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں دوقربانی کے جانوروں کی قیمت صدقہ کرنی واجب ہوگی۔

ومنها أنها تقضي إذا فاتت عن وقتها ثم قضاء ها قد يكون بالتصدق بعين الشاة حية، وقد يكون بالتصدق بقيمة الشاة. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الأضحية / الباب الأول ٥/٢٩٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۱/۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اگر عذر کی وجہ سے نماز عیدالاضحیٰ مؤخر ہوجائے تو قربانی کا کیا حکم ہے؟

سوال (۵۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دینی تعلیم کا رسالہ ۱۰/۱۸۶ سطر ۵ میں لکھا ہے کہ اگر کسی مجبوری سے بقرعید کی نماز ۱۰-۱۱ کو نہ پڑھی جاسکے، تو بارہ کو پڑھی جاسکتی ہے بعد میں نہیں، تو قربانی کی کیا صورت ہوگی؟ آیا ۱۲/۱۳/۱۴ کو کریں گے یا صرف ۱۲ رہی کو؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرکسی عذر کی وجہ سے دسویں تاریخ کونماز عیدالاضحیٰ نہ پڑھی جاسکے،تو قربانی مؤخرنہیں ہوتی ہے؛ بلکہ دسویں تاریخ کوزوال کے بعد سے قربانی کرنا درست ہے،اور یہ اِجازت بارہویں تاریخ کے غروب تک باقی رہے گی،اُس کے بعد قربانی کا وقت ختم ہوجائے گا۔(احسن الفتاویٰ ۷/۴۸۴)

وبعد مضي وقتها لو لم يصلوا بعذر، يجوز في الغد وبعده، قبل الصلاة؛ لأن الصلاة في الغد تقع قضاءً لا أداءً، وفي الشامي: لأنه بالزوال فات وقت الصلاة. (شامي / كتاب الأضحية ٩/٤٦١ زكريا)

إذا أخر الإمام يوم العيد الصلاة، فينبغي للناس أن يؤخروا التضحية إلى وقت الزوال، فإن فاتت الصلاة إما سهوًا أو عمدًا، جاز لهم التضحية في هٰذا اليوم، فإن خرج الإمام إلى الصلاة من الغد أو من بعد الغد، فضحى الناس قبل أن يصلي الإمام، أو بعد ما صلى جاز. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الأضحية / الفصل الثالث في وقت الأضحية ١٧/٤١٨ رقم: ٢٧٦٩٠ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۷/۵/۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

UK کا رہنے والا آدمی اگر ہندوستان میں قربانی کرائے تو کس دن کا اعتبار ہوگا؟

سوال (۵۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے بیرون ملک والے حضرات اپنی قربانیاں یہاں ہندوستان میں اپنے اپنے رشتہ داروں کو وکیل بنا کر کرواتے ہیں،تو قربانی کرنے کے لئے کون سے دن کا اعتبار رہوگا، جانور جس جگہ ہے وہاں کا یا مؤکل جہاں ہے؟ کیوں کہ ہمیشہ UK وغیرہ اور ہندوستان میں ایک دو دن کا فرق رہتا

ہے، وہاں پہلے ہوتی ہے اور ہمارے یہاں بعد میں ہوتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تک ہندوستان میں قربانی کے اَیام شروع نہ ہوں یہاں دوسرے ملک والوں کی طرف سے قربانی کرنے سے قربانی ادا نہ ہوگی، اور قربانی میں مالک اور جانور دونوں کا فی الجملہ اعتبار ہے، یعنی مؤکل پر نفسِ وجوب ہو چکا ہو اور جانور ایسی جگہ ہو، جہاں قربانی کے ایام آ چکے ہوں؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں UK کے رہنے والے مؤکل کی قربانی ہندوستان میں ایک دن پہلے نہیں ہوسکتی؛ بلکہ دس تاریخ کے بعد ہی ہوسکتی ہے۔ (انوار رحمت ۳۸۷-۳۹۴)

ویقوم البلد الذي المال فیه الخ، وفي الشامیة: فلو بعث عبدًا للتجارة في بلدٍ آخر یقوم في البلد الذي فیه العبد بحر. (الدر المختار مع الشامي ۳/ ۲۱۱ زکریا)

وأما الذي یرجع إلی وقت التضحیة فهو إنها لا تجوز قبل دخول الوقت؛ لأن الوقت کما هو شرط الوجوب فهو شرط جواز إقامة الواجب کوقت الصلاة فلا یجوز لأحدٍ أن یضحي قبل طلوع الفجر الثاني من الیوم الأول من أیام النحر، ویجوز بعد طلوعه، سواء کان من أهل المصر أو من أهل القریٰ غیر أن للجواز في حق أهل المصر شرطًا زائدًا، وهو أن یکون بعد صلاة العید لا یجوز تقدیمها عندنا. (بدائع الصنائع ٤/ ۲۱۱ زکریا)

أما وقت الوجوب فأیام النحر فلا تجب قبل دخول الوقت؛ لأن الواجبات المؤقتة لا تجب قبل أوقاتها کالصلاة والصوم ونحوهما وأیام النحر ثلاثة یوم الأضحیٰ، وهو الیوم العاشر من ذي الحجة والحادي عشر والثاني عشر ......، وذٰلک بعد طلوع الفجر من الیوم الأول إلی غروب الشمس من الثاني عشر، قوله: فإذا طلع الفجر من الیوم الأول فقد دخل وقت الوجوب، فتجب عند استجماع شرائط الوجوب، ثم لجواز الأداء بعد ذٰلک شرائط آخر

نذكرها في مواضع إن شاء اللّٰه. (بدائع الصنائع ١٩٨/٤ زكريا)

وسببها: الوقت، وهو أيام النحر. (مجمع الأنهر ٥١٦/٢)

إن سبب وجوب الأضحية الوقت وهو أيام النحر. (فتح القدير ٥٠٩/٩)

ويعتبر مكان المذبوح لإمكان المالک، ولو كان هو في مصر وقت الأضحية وأهله في مصر آخر فكتب إلى الأهل وأمرهم بالتضحية في ظاهر الرواية يعتبر مكان الأضحية. (خانية على الفتاویٰ الهندية ٣٤٥/٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۸/۱۰/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

❍❖❍

قربانی کے اَیام

قربانی کے کتنے دن ہیں؟

سوال (٦٠):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اَیامِ قربانی کتنے ہیں اور کون کون سے دن ہیں؟ ہمارے غیر مقلدین بھائیوں کا کہنا ہے کہ ایام قربانی چار ہیں، حوالے کے طور پر تین کتابوں کو پیش کرتے ہیں: (۱) تفسیر ابن کثیر میں قرآنِ کریم کی آیت: ﴿اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ﴾ کی تفسیر کو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے۔ (۲) فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ (۳) شیخ عبد القادر جیلانی کی کتاب ”غنیۃ الطالبین“ کو پیش کرتے ہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: حضرت امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک قربانی کے ایام ۳ر ہیں، یعنی ذی الحجہ کی ۱۰/۱۱/۱۲ر تاریخیں، اور امام شافعیؒ کے نزدیک ایام قربانی چار ہیں، اِسی کو غیر مقلدین نے اختیار کرلیا ہے۔ حضراتِ حنفیہؒ وغیرہم کے پاس ایامِ قربانی کی تعیین کے متعلق صریح اَحادیث وآثار موجود ہیں، جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کے اَیام صرف ۳ر ہیں، نمونہ کے طور پر چند دلائل پیش ہیں:

الف:- مسلم شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں قربانی کا گوشت ۳ر دن سے زیادہ جمع کر کے رکھنے سے منع فرمایا تھا۔

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم نهی أن

تـؤ كـل لحوم الأضاحي بعد ثلاث. (صحيح مسلم، كتاب الأضاحي / باب بيان ما كان من النهي عن أكل لحوم الأضاحي بعد ثلاثٍ ١٥٨/٢ رقم: ١٩٧٠ بيت الأفكار الدولية)

اور اِن تین دنوں کی ابتداء ذی الحجہ کی دسویں تاریخ سے ہوگی، جیسا کہ امام نوویؒ نے قاضی عیاضؒ سے نقل فرمایا ہے۔

ويحتمل من يوم النحر وإن تأخر ذبحها إلى أيام التشريق قال وهٰذا أظهر. (نووي على شرح مسلم ١٥٨/٢)

اَب اگرچہ تین دن سے زیادہ تک گوشت جمع کرنے کی ممانعت ختم ہوچکی ہے؛ لیکن حدیث میں ۳/دن کی صراحت کرنا خود اِس بات کی دلیل ہے کہ قربانی کے اَیام یہی تین دن ہیں، ورنہ اِس سے زیادہ دنوں کا ذکر کیا جاتا۔

ب:- علاوہ ازیں سیدنا حضرت عمر، حضرت عبد اللہ ابن عمر، حضرت انس، حضرت علی، حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے صراحۃً مروی ہے کہ قربانی کے ایام ۳/ ہیں، ان اقوال میں ۳/ کا عدد صاف موجود ہے، اور ان تین دنوں کی تعیین بھی کی گئی ہے یعنی ذی الحجہ کی دسویں تاریخ اور اس کے بعد دو دن، جس میں دوسرے کسی احتمال کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

عن عمر رضي الله عنه: إنما النحر في هٰذه الأيام الثلاثة. (إعلاء السنن ٢٣٥/١٧)

عن عبد اللّٰه ابن عمر رضي اللّٰه عنهما: الأضحى يومان بعد يوم الأضحى. (المؤطا للإمام مالك ١٨٨، إعلاء السنن ٢٣٣/١٧)

عن أنس رضي الله عنه: الأضحى يوم النحر ويومان بعده. (إعلاء السنن ٢٣٦/١٧)

عن أبي هريرة رضي الله عنه: الأضحى ثلاثة أيام. (إعلاء السنن ٢٣٦/١٧)

ج:- بہت سے اکابر تابعین سے بھی ۳/دن ایام قربانی ہونے کا قول مروی ہے۔

وروى النحر ثلاثة أيام عن عمر وأنس بن مالک وسعيد ابن المسيب وسعيد بن جبير وعن الحسن وإبراهيم النخعي. (عيني شرح الهداية ١٤٤/٤)

۵:- اورایک عقلی دلیل یہ ہے کہ ابتدائی تین دن پر تو بالاتفاق قربانی کے ایام ہونے پر اجماع ہے،اختلاف چوتھے دن کے بارے میں ہے؛لہٰذا احتیاط پر عمل کا تقاضا یہی ہے کہ چوتھے دن سے پہلے پہلے ہی قربانی کر دیں؛ تاکہ وقت قضا نہ ہو۔

اِس کے برخلاف شافعیہ اور غیر مقلدین اُن اَحادیث وآثار سے استدلال کرتے ہیں جن میں تمام ایام تشریق کو ''ایامِ ذبح'' قرار دیا گیا ہے۔

أيام التشريق كلها أيام ذبح. (نصب الراية ٤/٥٠٤ مكتبة دار الإيمان سهارنپور)

نیز اَیامِ معدودات کی تفسیر میں بھی بعض حضرات نے ایام تشریق کا ذکر فرمایا ہے، سائل کے بقول یہی دلائل تفسیر ابن کثیر، ہدایہ، اور غنیۃ الطالبین میں امام شافعیؒ کی طرف سے نقل کئے گئے ہیں، مگر ان کو ترجیح نہیں دی گئی ہے؛ کیوں کہ ایامِ معدودات کا تعلق ذبح سے نہیں ہے؛ بلکہ ذکر خداوندی سے ہے، اور وہ بقول ابن عباس تشریق کے ۳/دن ہیں، جن میں زیادہ سے زیادہ ذکر خداوندی کی تلقین کی گئی ہے، ہدایہ میں ایام ذبح اور ایام تشریق کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے:

وأيام النحر ثلاثة: وأيام التشريق ثلاثة: والكل يمضي بأربعة أولها نحر لا غير، وآخرها تشريق لا غير، والمتوسطان نحر وتشريق. (الهداية ٤/٤٤٦ الأمين كتابستان ديوبند)

اِس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ تمام ایامِ تشریق ذبح کے لئے نہیں ہیں؛ بلکہ ایام تشریق کے تین دنوں میں سے ابتدائی دو دن نحر کے ہیں، اور تشریق کا تیسرا دن نحر میں شامل نہیں ہے۔ اور غنیۃ الطالبین میں شیخ المشائخ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ نے صاف لکھا ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک قربانی کے ایام صرف ۳/دن ہیں، ان کی عبارت ملاحظہ ہو:

وأيام النحر ثلاثة يوم العيد بعد الصلاة أو قدرها ويومان بعده هو مذهب أكثر الفقهاء، وقال الشافعي: يوم العيد وأيام التشريق الثلاثة والذين ذكرنا من أنه ثلاثة أيام منقول عن عمر وعلي وابن عباس وأبي هريرة رضوان الله عليهم

أجمعين. (غنية الطالبين ٥٦٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۸/۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی کے اَیام تین دن ہیں یا چار دن؟

سوال (۶۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قربانی کے اَیام تین دن ہیں یا چار؟ غیر مقلدین قربانی چار دن کی بتلاتے ہیں، یعنی ۱۳/ ذی الحجہ کو بھی شامل کرتے ہیں، آپ حدیث شریف کی روشنی میں تحریر فرمائیں کہ ۱۳/ ذی الحجہ کو قربانی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ عہدِ رسالت میں چار دن قربانی ہوئی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اَیامِ قربانی صرف ۳/ دن ہیں، ۴/ دن کا ذکر معتبر اور صحیح اَحادیث میں نہیں ہے؛ لہٰذا ۱۳/ ذی الحجہ کو قربانی کی اِجازت نہیں ہے، نیز عہدِ رسالت میں بھی چوتھے دن قربانی کی کوئی معتبر صراحت ہماری نظر سے نہیں گذری۔

عن عبد اللّٰہ بن عمر رضي اللّٰہ عنہما قال: الأضحی یومان بعد یوم الأضحی. (المؤطا للإمام مالک ١٨٨، إعلاء السنن ٢٣٣/١٧)

یہ روایت اصح الاسانید سے مروی ہے، اور اِس کی تائید حضرت انس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کی روایات سے بھی ہوتی ہے۔ (اعلاء السنن ۲۳۳/۱۷)

اور اِس کے مقابلہ میں ۴/ دن والی روایات جو حضرت جبیر ابن مطعم اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما وغیرہ سے منقول ہیں، اُن کی اَسانید میں محدثین نے انقطاع اور ضعف ثابت کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ۱۴۸/۱۱)

وقیل: أیام الذبح یوم النحر وثلاثۃ أیام بعدہ، ورجحہ الشوکاني، واحتج بما روي عن جبیر بن مطعم وأبي ہریرۃ وأبي سعید رضي اللّٰہ عنہم، أن أیام

التشريق كلها ذبح.

والجواب عنه أن ما روي عن أبي هريرة وأبي سعيد ففي سنده معاوية بن يحییٰ الصدفي، وهو واہٍ، ومع ذٰلک فقد اضطرب في الإسناد فقال تارة: عن الزهري عن سعيد بن المسيب عن أبي هريرة. وأخرىٰ عن الزهري عن سعيد عن أبي سعيد. ورواه ابن أبي حاتم في العلل من طريق معاوية عن الزهري عن سعيد عن أبي سعيد، وحكى عن أبيه أنه قال: هو موضوع. …… وقال ابن القيم في الهدي: إن حديث جبير بن مطعم منقطع لا يثبت أصله. (إعلاء السنن، كتاب الأضاحي / باب أن الأضحية يومان بعد يوم الأضحىٰ ۱۷/۲۵۴-۲۵۵ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۰/۱/۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَیامِ قربانی تین دن کیوں ہیں؟

سوال (۶۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو قربانی کی تھی، یہ اُمت ۳؍ روز تک کیوں کرتی ہے؟ اَیامِ اُضحیہ ۳؍ روز ہی ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی اگرچہ اِس معنی کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے کہ اُن کے ذریعہ اِس عملِ خیر کی ابتداء ہوئی؛ لیکن اِس عبادت کی شرائط وتفصیلات کے بارے میں ہم سنتِ ابراہیمی کے نہیں؛ بلکہ سنتِ محمدی کے پابند ہیں، اور چوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین دن قربانی کا ثبوت ہے؛ اِس لئے ہم بلا چوں وچرا اِن تین دنوں میں قربانی کرنے کو درست سمجھتے ہیں۔

ما روي عن عمر وعلي وابن عباس رضي الله عنهم، قالوا: أيام النحر ثلاثة: أفضلها أولها، وقد قالوه سماعًا؛ لأن الرأي لا يهتدي إلى المقادير. (الهداية / الأضحية ٤/ ٤٣٠ إدارة المعارف ديو بند، ٤/ ٤٤٦ الأمين كتابستان) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۹/ ۱۱/ ۱۴۲۶ھ

اَیامِ اُضحیہ سے متعلق مسائل پر ایک غیر مقلد کا اشتہار

سوال (۶۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے شہر قنوج میں غیر مقلدین ہر سال کچھ نہ کچھ اشتہار شائع کرتے ہیں، اِس سال بھی اُنہوں نے ایک اشتہار شائع کیا جو بعینہٖ ہم آپ کی خدمت میں بھیج رہے ہیں، جس میں بعض مسائل عوام کے لئے بالکل نئے ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ تشویش میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ حضرت والا سے درخواست ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں کہ اُن میں سے کون سا جواب درست ہے اور کون سا غلط؟ تاکہ عام مسلمانوں کو گمراہی وضلالت سے بچایا جاسکے۔

(۱) عید قربان کا چاند نظر آنے کے بعد کون سا عمل محبوب ہے؟

جواب:- ”الله أكبر الله أكبر، لا إله إلا الله والله أكبر الله أكبر ولله الحمد“ کا پڑھنا اور بال اور ناخن نہ ترشوانا محبوب ہے۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی)

(۲) کیا قربانی کے جانور کو کسی دوسرے سے ذبح کرواسکتے ہیں؟

جواب:- بحالتِ مجبوری قربانی کے جانور کو کسی دوسرے سے ذبح کرواسکتے ہیں بشرطیکہ قربانی کرنے والا وہاں موجود رہے، مگر خود ذبح کرنا افضل ہے۔

(۳) میت کی طرف سے قربانی کرنا کیسا ہے؟

جواب:- میت کی طرف سے قربانی کسی حدیث مرفوع سے ثابت نہیں ہے، اِس کے لئے اَحوط یہ ہے کہ اِس سے اجتناب کیا جائے؛ تاکہ ”إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله

إلا من ثلاث‘‘، پرعمل ہوسکے۔

(۴) کیا حاملہ جانور کی قربانی جائز ہے؟

جواب:- حاملہ جانور کی قربانی جائز ہے، اور اِس میں کوئی مضائقہ نہیں، جنین اگر زندہ نکلے تو ایسی صورت میں اُسے ذبح کیا جائے، بصورت دیگر اُسے ماں کے ساتھ مذبوح مانا جائے گا۔

(ابوداؤد و ترمذی)

تو آپ درج بالا سوالات و جوابات کے بارے میں قرآن وسنت کی روشنی میں اپنی رائے ظاہر کریں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) عید الاضحیٰ کا چاند نظر آنے کے بعد پہلے عشرہ میں صرف تکبیرِ تشریق ہی پڑھنا افضل نہیں؛ بلکہ ہر نیک عمل اَفضل ہے، خواہ وہ تلاوت ہو، نماز ہو، روزہ ہو؛ البتہ نو ذی الحجہ سے لے کر ۱۳؍ ذی الحجہ تک ہر نماز کے بعد تکبیرِ تشریق پڑھنا الگ خصوصیت رکھتا ہے۔ دوسری قابلِ لحاظ بات یہ ہے کہ عشرۂ ذی الحجہ میں بال وغیرہ نہ کتروانے کا حکم عام نہیں ہے؛ بلکہ یہ صرف اُس شخص کے لئے ہے جو قربانی کا اِرادہ کرے اور جو اپنی غربت یا سفر وغیرہ کی وجہ سے قربانی کا اِرادہ نہ رکھتا ہو، اُس کے لئے اِن ایام میں بال منڈانا یا کتروانا منع نہیں۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما من أيام أعظم عند الله ولا أحب إلى الله العمل فيهن من أيام العشر، فأكثروا فيهن من التسبيح والتهليل والتحميد والتكبير. (المعجم الكبير للطبراني) ورجاله رجال الصحيح. (مجمع الزوائد ٤/١٦-١٧)

عن أم سلمة رضي الله عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا رأيتم هلال ذي الحجة وأراد أحدكم أن يضحي، فليُمسِک عن شعره وأظفاره. (صحيح مسلم، كتاب الأضاحي / باب نهي من دخل عليه عشرُ ذي الحجة الخ ٢/١٦٠ رقم: ١٩٧٧ بيت الأفكار الدولية)

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ما من أيام أحب إلى الله أن يُتعَبد له فيها من عشر ذي الحجة، يعدل صيام كل يوم منها صيام سنة، وقيام كل ليلة منها بقيام ليلة القدر . (سنن الترمذي، أبواب الصيام / باب ما جاء في العمل في أيام العشر ١٥٨/١)

(۲) اگر آدمی خود اچھی طرح ذبح کرسکتا ہے تو اُس کو اپنی قربانی خود ذبح کرنا مطلقاً افضل ہے، اور اگر خود اچھی طرح ذبح نہ کرسکتا ہو تو دوسرے تجربہ کار شخص سے قربانی کرانا اَفضل ہے، اور اگر خود ذبح کرسکتا ہے؛ لیکن پھر بھی اپنے بجائے دوسرے سے قربانی کراتا ہے تو یہ مطلقاً جائز ہے، خواہ کوئی مجبوری ہو یا نہ ہو، ہر حال میں یہ عمل درست ہے۔ سوالِ مذکور کے جواب میں مجیب نے اِس رخصت کو مجبوری اور خود سامنے رہنے کی شرط کے ساتھ مشروط کیا ہے وہ بلا دلیل ہے؛ بلکہ اِس کے خلاف دلائل اَحادیثِ شریفہ میں موجود ہیں۔

والأفضل أن يذبح أضحيته بيده إن كان يحسن الذبح، وإن كان لا يحسنه فالأفضل أن يستعين بغيره، وإن استعان بغيره ينبغي أن يشهدها بنفسه، لقوله عليه السلام لفاطمة: قومي فاشهدي أضحيتک، فإنه يغفر لک بأول قطرة من دمها كل ذنب. (الهداية / كتاب الأضحية ٤٣٤/٤ إدارة المعارف ديوبند، ٤٥٠/٤ الأمين كتابستان ديوبند)

أن النبي صلى الله عليه وسلم ذبحها بيده، الحديث. قال الملا علي القاري: وهو المستحب لمن يعرف آداب الذبح ويقدر عليه وإلا فليحضر عند الذبح للخبر الحسن بل صححه الحاكم. (مرقاة المفاتيح ٢٦٠/٢)

عن أنس رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يضحي بكبشين أملحين أقرنين، ويضع رجله على صفحتهما، يذبحهما بيده. (صحيح البخاري، كتاب الأضاحي / باب وضع القدم على صفحة الذبيحة رقم: ٥٥٦٤ دار الفكر بيروت)

عن عمران بن حصين رضي الله عنهأن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:

يـا فـاطـمة! قـومـي إلى أضحيتک فاشهديها؛ فإنه يغفر لک عند أول قطرة تقطر من دمها، کل ذنب عملته قولي إن صلاتي ونسکي ومحياي ومماتي للّٰه رب العالمين، لا شـريک لـه، وبـذٰلک أمـرتُ وأنا من المسلمين. قال عمران: قلت: يا رسول اللّٰه! هٰـذا لک، ولأهـل بيتک خـاصة فـأهـل ذٰلک أنتـم أم لـلـمسلمين عامة؟ قال: بل لـلـمسلمين عامة. (الـمستـدرك لـلـحـاکم / کتاب الأضاحي ٤/٢٦٨ رقم: ٧٥٢٤، المعجم الأوسط للطبراني ٢/٦٠ رقم: ٢٥٠٩، السنن الکبریٰ للبيهقي / کتاب الضحايا ١٤/٢١٨ رقم: ١٩٦٩٦-١٩٦٩٧)

الأفـضل أن يضحي الرجل بيده إذا قدر عليه، وإن لم يقدر فوض إلى غيره، حـکی أن أبا حنيفة فعل بنفسه، وفي الزاد: وإن کان لا يحسن الذبح يکره له، وفي الهـداية: وإذا استعـان بـغيره يستحب أن يشهدها بنفسه. (الـفتـاویٰ التـاتارخانية، کتاب الأضحية / الفصل الخامس في بيان ما يجوز من الضحايا وما لا يجوز ١٧/٤٣٥ رقم: ٢٧٧٤٨ زکريا)

(۳) میت کی طرف سے قربانی کرنا شرعاً ثابت ہے، خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری اُمت (جس میں مردہ وزندہ سب شامل ہیں) کی طرف سے اپنی حیاتِ طیبہ میں ایک مینڈھے کی قربانی فرمائی، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنی وفات کے بعد بھی آپ کی طرف سے قربانی کرنے کا حکم دیا تھا، چناں چہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بعد میں برابر اِس حکم کی تعمیل فرماتے رہے۔ یہ روایت مستدرک حاکم نے نقل کی ہے، اور اِس کو صحیح الاسناد کہا ہے؛ لٰہذا مجیب صاحب کا میت کی طرف سے قربانی کو غیر ثابت کہنا صحیح نہیں ہے، اور غیر کی طرف سے قربانی کا صحیح ہونا حدیث: ''إذا مـات الإنسان الخ'' کے معارض بھی نہیں ہے؛ کیوں کہ اِس حدیث کا تعلق اپنے ذاتی عمل سے ہے، جب کہ قربانی وغیرہ اَعمال دوسرے شخص کی طرف سے کئے جاتے ہیں، اور اس کا نفع غیر کو پہنچایا جاتا ہے جو شرعاً ثابت ہے۔

حـدثـنـا شريک عن أبي الحسناء عن الحکم عن حنش قال: ضحی علي رضـي اللّٰه عنه بکبشين: کبش عن النبي صلی اللّٰه عليه وسلم، وکبش من نفسه،

وقال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أضحي عنه، فأنا أضحي أبدًا. هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه. (المستدرك للحاكم ٢٥٥/٤)

عن أبي رافع مولى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا ضحى اشترى كبشين سمينين أقرنين أملحين، فإذا صلى وخطب الناس أتى باحدهما، وهو قائم في مصلاه فذبحه بنفسه بالمدية، ثم يقول: اللّٰهم إن هٰذا عن أمتي جميعًا ممن شهد لك بالتوحيد، وشهد لي بالبلاغ، ثم يؤتى بالآخر فيذبحه بنفسه، ويقول: هٰذا عن محمد وآل محمد فيطعمهما جميعًا المساكين، ويأكل هو وأهله منهما، فمكثنا سنين ليس رجل من بي هاشم يضحي قد كفاه الله المؤنة برسول الله صلى الله عليه وسلم والغرم. (المسند للإمام أحمد بن حنبل ٣٩١/٦ رقم: ٢٧٧٣٢)

قال في غنية الألمعي قول بعض أهل العلم الذي رخص في الأضحية عن الأموات مطابق للأدلة، وقول من منعها ليس فيه حجة فلا يقبل كلامه إلا بدليل أقوى، وشهد له بالبلاغ، وعن نفسه، وأهل بيته، ولا يخفى أن أمته صلى الله عليه وسلم، فمن شهد له بالتوحيد وشهد له بالبلاغ كان كثير منهم موجودًا زمن النبي صلى الله عليه وسلم، وكثير منهم توفوا في عهده صلى الله عليه وسلم، فالأموات والأحياء كلهم من أمته صلى الله عليه وسلم دخلوا في أضحيته بلا تفرقة. (عون المعبود شرح سنن أبي داؤد ٥٠/٣)

(۴) اِس جواب میں دو باتیں محلِ نظر ہیں: (۱) یہ کہنا کہ ''حاملہ جانور کی قربانی میں کوئی حرج نہیں ہے''، صحیح نہیں ہے؛ اِس لئے کہ علماء کے نزدیک حاملہ جانور کی قربانی مکروہ ہے؛ کیوں کہ اُس میں بچہ کا خواہ مخواہ ضیاع لازم آتا ہے، اِس لئے حتی الامکان حاملہ کی قربانی سے احتراز ہی اولیٰ ہے، گو کہ قربانی اُس کی بھی ہوجاتی ہے۔

(۲) اور ماں کے پیٹ سے نکلنے والا جنین اگر مردہ ہوتو اُس کی حلت کے بارے میں جو مسئلہ مطلق بیان کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ اِس بارے میں علماء کا سخت اختلاف ہے، بعض علماء نے (جن میں حضراتِ شوافع اور صاحبین بھی شامل ہیں) مردہ جنین کی حلت کا قول کیا ہے، اور حدیث: "ذكاة الجنين ذكاة أمه" کو مستدل بنایا ہے، جس سے بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ماں کا ذبح کرنا جنین کے ذبح کے لئے کافی ہے؛ لیکن علماء محققین (جن میں امام ابوحنیفہؒ سرفہرست ہیں) کی محتاط رائے یہ ہے کہ مردہ جنین کو کھانا جائز نہیں؛ اِس لئے کہ یہ منخنقہ (دم گھٹتے ہوئے) کے حکم میں ہے، اور منخنقہ کی حرمت قرآن سے ثابت ہے، جسے خبرِ واحد سے رد نہیں کیا جاسکتا۔

اور حدیث "ذكاة الجنين ذكاة أمه" اولاً تو راوی: مجالد بن سعید کے ضعف کی وجہ سے ضعیف اور ناقابلِ حجت ہے، اور اگر اسے ثابت بھی مان لیا جائے تو اس کا ایسا مطلب بیان کرنا ضروری ہے جو قرآن کے خلاف نہ ہو اور وہ مطلب یہ ہے کہ جنین کا ذبح بھی اُسی طرح ضروری ہے جیسے ماں کا ذبح کرنا، یہ مطلب "ک" مشبہ کو محذوف ماننے کی شکل میں ظاہر ہوگا، اور حدیث کی عبارت یوں ہوگی "ذكاة الجنين كذكاة أمه"۔ اِس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ مذکورہ مسئلہ میں مجیب کا جواب تحقیق اور احتیاط کے خلاف ہے۔

شاة أو بقرة أشرفت على الولادة، قالوا: يكره ذبحها؛ لأن فيه تضييع الولد، وهٰذا قول أبي حنيفة؛ لأن عنده الجنين لا يتذكى بذكاة الأم، كذا في فتاوىٰ قاضي خان. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الذبائح / الباب الأول ٢٨٧/٥)

إن تقاربت الولادة يكره ذبحها. (شامي / كتاب الذبائح ٣٠٤/٦ كراچی)

رجل له شاة حامل أراد ذبحها، إن تقاربت الولادة يكره الذبح. (خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الذبائح / الفصل الأول ٣٠٧/٤ لاهور، وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصيد والذبائح / باب في الذكاة ٣٦٧/٥ زكريا، وكذا في الفتاوىٰ السراجية / باب المتفرقات ٩٠ كراچی)

ولدت الأضحية ولدًا قبل الذبح، يذبح الولد معها. (الدر المختار / كتاب الأضحية ٣٢٢/٦ كراچی)

فإن ولدت ولدًا ذبحها وولدها معها. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الأضحية / الباب السادس ۵/ ۳۰۱ زكريا، فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ الهندية، كتاب الأضحية / فصل في الانتفاع بالأضحية ۳/ ۳۵۴ زكريا، وكذا في الفتاوىٰ البزازية، كتاب الأضحية / السادس في الانتفاع ۶/ ۲۹۴ زكريا)

والمراد بالحديث التنبيه لا النيابة أي ذكاة الجنين كذكاة أمه ألا ترى! أنه ذكر الجنين أولاً، ولو كان المراد النيابة لذكر النائب أولاً دون المنوب عنه، كما قيل في الألفاظ التي استشهد بها ومثل هٰذا يذكر للتشبيه، يقال: فلان شبه أبيه، وخط فلان خط أبيه. (المبسوط للسرخسي ۱۲/ ۷ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۵/۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کتابچہ ''قربانی کا مسئلہ'' اور چار دن قربانی کا فتویٰ؟

سوال (۶۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسئلہ قربانی عید الاضحیٰ کے بارے میں کہ چند اوراق پر مشتمل کتاب جو ادارہ دعوت القرآن والحدیث سے ''قربانی کا مسئلہ'' کے نام سے شائع کی گئی ہے، ہم اہل محلّہ اِس کتاب کو اِس تحریر کے ساتھ چسپاں کررہے ہیں، اِس پوری کتاب کا مطالعہ کرکے قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تحریر کریں۔

محترم! واقعہ اِس طرح ہے کہ محلّہ اسلام نگر ملک مسجد گلی نمبر۱۰ کرولہ مرادآباد میں ایک چھوٹا سا مدرسہ جو ''اشاعت القرآن'' کے نام سے قاری ممشاد نام کے ایک شخص چلارہے ہیں، اس مدرسہ کے ناظم ومنتظم بھی خود ممشاد صاحب ہی ہیں، کچھ عرصہ سے ممشاد صاحب نے شافعی مسلک اختیار کرلیا ہے، وہ اِس طرح کی کتابیں ودیگر باتیں جیسے مرغے کی قربانی بھی ہوسکتی ہے، اور پندرہویں شعبان کے روزے کی کوئی اہمیت نہیں، اور دیگر باتیں محلّہ کے نوجوانوں اور کچھ بزرگ حضرات کو بلابلاکر سمجھارہے ہیں، جس کی وجہ سے لوگ چار دن کی قربانی کے مسئلہ کو لے کر کافی الجھن کا شکار ہیں۔ اِس کتاب کا مطالعہ کرکے برائے کرم صحیح جواب تحریر فرمادیں، عین نوازش ہوگی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو شخص کسی امام کا مقلد ہو، اُس کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے امام کے مذہب کی پیروی کرے، خواہ اُسے مذہب کی دلیلیں معلوم ہوں یا نہ ہوں؛ کیوں کہ دلائل کا جاننا مجتہد کا کام ہے، مقلد کا کام نہیں ہے، اِس لئے عوام کو دلائل کی بحث میں نہیں پڑنا چاہیے؛ بلکہ اپنے امام کے مذہب پر پورے شرحِ صدر کے ساتھ عمل کرنا چاہئے، اور سمجھنا چاہئے کہ امام نے جو مذہب اور قول اختیار کیا ہے وہ قرآن وسنت اور دلائلِ شرعیہ سے ہی ماخوذ ہے۔ سوال میں جس مسئلہ کا ذکر کیا گیا ہے، اُس میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کی حتمی رائے یہ ہے کہ قربانی کے ایام صرف تین دن ہیں، یعنی ذی الحجہ کی دسویں، گیارہویں اور بارہویں تاریخیں، قربانی کا وقت دسویں تاریخ کی صبح سے شروع ہوکر بارہویں تاریخ کے سورج غروب ہونے پر ختم ہوجاتا ہے، اِس لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلدین پر لازم ہے کہ وہ دوسرے مذاہب کی طرف نظر کئے بغیر اِسی رائے پر عمل کریں، اور دلائل کی بحثوں میں پڑکر شکوک وشبہات میں مبتلا نہ ہوں؛ لیکن چوں کہ سائل نے استفتاء کے ساتھ ایک رسالہ بھی ہم رشتہ ارسال کیا ہے، اور یہ بھی تحریر کیا ہے کہ بعض شر پسند لوگ اِس مسئلہ میں گمراہ کرنے کی کوشش کررہے ہیں، اِس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ مسئلہ کی تفصیلی نوعیت اور موافق ومخالف دلائل واضح طور پر پیش کردیئے جائیں؛ تاکہ حق وباطل میں امتیاز ہو، اور عوام وخواص کو صحیح روشنی مل سکے، ملاحظہ فرمائیں:

راجح مسلک:

قربانی کرنا صرف تین ہی دن یعنی دسویں، گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ تک ہی جائز ہے، اگر بارہویں ذی الحجہ کے غروب شمس کے بعد قربانی کی جائے تو جائز نہیں ہوگی، یہی بات قوی ترین دلائل سے ثابت ہے، اور یہی مسلک حضرات ائمہ ثلاثہ حضرت امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا ہے، اور بہت سے اکابر صحابہؓ کی صحیح اور مرفوع روایات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ قربانی صرف تین دن ہی تک جائز ہے اُس کے بعد جائز نہیں، مزید تسلی کے لئے اَب ہم

پہلے قرآنِ کریم کی آیت کی تفسیر حضرات مفسرین کے حوالہ سے، پھر صحیح اور مرفوع روایات اور اکابر فقہاء کرام کی آراء ذکر کر کے فریق مخالف کی طرف سے کتابچہ ''قربانی کا مسئلہ'' (شائع شدہ: ادارہ دعوت القرآن والحدیث محلّہ ساہو سبزی منڈی چوک مراد آباد) میں پیش کئے گئے تمام دلائل اور اقوال کے جوابات معتبر کتابوں کے حوالہ سے پیش کر رہے ہیں، اور ساتھ ہی حضرات ائمہ ثلاثہ کے مسلک کی وجوہ ترجیح بھی سپردِ قلم کر رہے ہیں؛ تاکہ پڑھنے والے ہر منصف اور ذی شعور کو اطمینان ہو جائے۔

آیتِ قرآنیہ سے استدلال:

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ اَيَّامٍ مَعْلُوْمَاتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ، فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ. (الحج، جزء آیت: ۲۸)

اور پڑھیں اللہ کا نام کئی دن جو معلوم ہیں، ذبح پر چوپایوں اور مواشی کے جو اللہ نے اُن کو دئے ہیں، سو کھاؤ اُن میں سے اور کھلاؤ بے حال محتاجوں کو۔

آیتِ مبارکہ کی تفسیر:

مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے اِس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں ''ایامِ معلومات'' سے مراد قربانی کے صرف تین دن ہی لئے ہیں، بطور نمونہ چند حضرات مفسرین کے نام اور اُن کی تفسیریں یہ ہیں:

علامہ سید آلوسیؒ صاحبِ تفسیر روح المعانی:

ويذكروا اسم الله عند النحر في أيام معلومات أي مخصوصات وهي أيام النحر كما ذهب إليه جماعة منهم أبويوسف و محمد عليهما الرحمة، وعدتها ثلاثة أيام، يوم العيد ويومان بعده

اللہ کا نام لو قربانی کے وقت ایام معلومات یعنی مخصوص دنوں میں، اور وہ قربانی کے دن ہیں جس کی مدت تین دن ہیں، عید کا دن اور دو دن اس کے بعد جیسا کہ یہ علماء کی ایک جماعت کا مسلک ہے، جیسے امام ابو یوسف، امام محمد، امام ثوری، حضرت سعید بن جبیر اور حضرت سعید بن مسیّب

عـنـدنا، وعند الثوري وسعيد بن جبير وسعيد بن المسيب لما روي عـن عـمر وعلي وابن عمر وابن عبـاس وأنـس وأبـي هـريرة إنهم قـالـوا: أيـام النحر ثلاثة: أفضلها أولها. (روح المعاني ۱۰/۵۱ ۲ زكريا)

کا، اور یہی روایت ہے حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عمر حضرت ابن عباس حضرت انس اور حضرت ابو ہریرہ سے، انہوں نے کہا کہ قربانی کے تین دن ہیں، اور افضل پہلا دن ہے۔

اِمام ابوبکر جصاص رازیؒ صاحبِ اَحکام القرآن:

قـال الـلّٰـه عـز وجل: ﴿وَيَذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ اَيَّامٍ مَعْلُوْمَاتٍ عَلىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ﴾ فروي عن علي وابن عمر أن المعلومات يـوم الـنـحر ويومان بعده. (أحكام القرآن للجصاص ۲۳۳/۳ پاکستان)

اللہ عزوجل کا فرمان ہے ﴿وَيَذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ فِـيْ اَيَّـامٍ مَـعْـلُـوْمَـاتٍ عَـلىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيْـمَةِ الْاَنْـعَامِ﴾ چناں چہ روایت ہے حضرت علی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ معلومات یوم نحر (دسویں ذی الحجہ) اور دو دن اُس کے بعد ہیں۔

صاحبِ تفسیر قرطبیؒ:

ودليـلـنـا قوله تعالىٰ: ﴿فِيْ اَيَّامٍ مَـعْـلُـوْمَـاتٍ﴾ وهٰذا جمع قلة؛ لـكن المتيقن منه الثلاثة وما بعد الثـلاثة غيـر متيقن فلايعمل به.

(تفسير القرطبي ٤١/٦ دار الفكر بيروت)

اور ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿فِـــيْ اَيَّـــامٍ مَعْلُوْمَاتٍ﴾ میں ایام جمع قلت ہے اور متیقن اس میں تین دن ہیں، اور جو تین دن سے زائد ہے وہ غیر متیقن ہے؛ لہٰذا اُس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

صاحبِ تفسیر ابن کثیرؒ:

أن ابن عـمر كان يقول: ''الأيام

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ

الـمعلومات والمعدودات هن جـميعهـن أربعة أيـام، فـالأيـام الـمعلومات يوم النحر ويومان بعده – هٰذا إسناد صحيح إليه.

ایامِ معلومات اور معدودات یہ کل ملاکر چار دن ہیں، جن میں ایامِ معلومات یوم نحر اور دو دن اس کے بعد کے ہیں۔ اور ابن عمرؓ کی طرف یہ اسناد صحیح ہے۔

(تفسیر ابن كثير مكمل ٨٩٦ رياض)

صاحبِ تفسیرِ مدارک:

في أيام معلوماتٍ هي عشر ذي الحجة عند أبي حنيفة وآخرها يوم النحر، وهو قول ابن عباس وأكثـر الـمفسرين، وعـنـد صـاحبيـه أيـام الـنحر وهو قول ابن عمر. (تفسير مدارك)

ایامِ معلومات یہ ذی الحجہ کے دس دن ہیں، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جس کا آخری دن یوم نحر ہے، اور یہ قول حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے اور اکثر مفسرین کا بھی، اور حضراتِ صاحبین کے نزدیک ایام نحر مراد ہے، اور یہی قول حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ہے۔

اَحادیثِ مرفوعہ اور اَقوال وآثارِ صحابہ سے استدلال:

حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت کا مسلک اِس سلسلہ میں یہی منقول ہے کہ قربانی صرف تین دن یعنی ۱۰/۱۱/اور ۱۲/تاریخ تک ہی جائز ہے، اور یہی مسلک صحیح روایات مرفوعہ اور اقوال وآثار صحابہ سے ثابت ہے، اور یہ بات متفق علیہ ہے کہ حضرات اصحابؓ اگر ایسی بات کہیں جس کا تعلق قیاس سے نہ ہو؛ بلکہ سماع سے ہو تو وہ حکماً مرفوع ہوتا ہے، اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ اُنہوں نے یہ بات حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی کہی ہوگی، اِس لئے اَب ہم وہ روایات پیش کرتے ہیں:

پہلی روایت:

عـن جابر بن عبد اللّٰه الأنصاري

حضرت جابر بن عبداللہ نے حضرت کعب بن عاصم

عن كعب بن عاصم الأشعريؓ أن رسول الله ﷺ خطب بمنىٰ أوسط أيام الأضحى يعني الغد من يوم النحر. (سنن الدارقطني ۲/۲۱۵ رقم: ۲۵۱۵ مكتبة دار الإيمان سهارنفور)

اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے قربانی کے درمیانی دن یعنی دسویں ذی الحجہ کے بعد والے دن منی میں خطبہ دیا، یہ روایت دارقطنی میں ہے۔

ظاہر ہے کہ اَوسط اَیام کا تحقق اُسی وقت ہوگا جب کہ قربانی کے تین دن مانیں، جیسا کہ یہی صراحت روایت میں بھی موجود ہے کہ درمیانی دن یعنی دسویں ذی الحجہ جو قربانی کا دن ہے، اُس کے بعد والے دن میں آپ نے خطبہ دیا۔

دوسری روایت:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع میں قربانی کا گوشت تین دن سے زائد رکھنے سے منع فرمایا تھا، جیسا کہ یہ روایت بخاری، مسلم اور اِس کے علاوہ دیگر کتبِ اَحادیث میں بھی موجود ہے:

إن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهاكم أن تأكلوا لحوم نسككم فوق ثلاث. (صحيح البخاري ۲/۸۳۵)

نبی کریم علیہ السلام نے تم کو منع کیا ہے کہ تم اپنی قربانی کا گوشت تین دن سے زائد کھاؤ۔

علامہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اِس روایت کی تشریح میں لکھا ہے کہ ”وأولها يوم النحر“ یعنی آپ علیہ السلام نے جو تین دن سے زائد کھانے سے منع فرمایا ہے، اُس کا پہلا دن یوم نحر یعنی دسویں ذی الحجہ ہے۔ (فتح الباری ۱۳/۳۴)

اِس روایت سے معلوم ہوا کہ قربانی کرنا تو تین دن بہر حال جائز ہے، اَب اگر چوتھے دن بھی جائز قرار دیں گے، تو اِس روایت کا کوئی معنی نہیں رہے گا؛ اِس لئے کہ اِس سے تو منع کرنا ایسے وقت میں لازم آرہا ہے کہ جب جمع کر کے رکھنا اور کھانا دونوں ممنوع ہے، اور یہ مہمل بات ہے،

یہاں اگر کوئی یہ کہے کہ قربانی کے گوشت کوتو رکھنے کی اجازت بعد میں دے دی گئی ہے، لہٰذا قربانی کی بھی اجازت ہوگی تو اس کا جواب یہ ہے کہ قربانی کا گوشت تو سالوں سال رکھنے کی اجازت ہے، تو کیا قربانی کی اجازت بھی پورے سال ہوگی؟ حالاں کہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ؛لہٰذا یہ اعتراض قابل التفات نہیں،الحاصل یہ کہ تین دن سے زائد جمع نہ کرنے کی روایت سے دو باتیں ثابت ہوئیں:

(۱) قربانی تین دن تک شروع ہے۔

(۲) تین دن سے زائد قربانی کا گوشت جمع کر کے رکھنا منع ہے؛ لیکن بعد میں آپ نے قربانی کے گوشت کو جمع کر کے رکھنے کی اجازت مرحمت فرمادی، اِس لئے پہلے ثابت شدہ دونوں باتوں میں سے دوسری بات ختم ہوگئی، مگر پہلی بات تو اب بھی اپنی جگہ ثابت ہے کہ قربانی تین دن تک مشروع ہے۔(مستفاد از: اعلاء السنن ۱۷/۲۳۸ مطبوعہ پاکستان)

تیسری روایت:

عن نافع أن عبد الله ابن عمر قال: الأضحى يومان بعد يوم الأضحى. (المؤطا للإمام مالك، كتاب الضحاية / الضحية عما في بطن المرأة ۱۸۸ المكتبة الأشرفية ديوبند)

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قربانی عید کے بعد مزید دو دن تک مشروع ہے۔

واضح رہے کہ جس سند سے یہ روایت بیان ہورہی ہے یہ علماءِ اُصولِ حدیث کے نزدیک اصح الاسانید میں شمار ہوتی ہے؛ لہٰذا اِس روایت سے صحیح ہونے میں کسی کو بھی ادنی تأمل نہیں۔

چوتھی روایت:

قال وحدثنا مالک أنه بلغه أن علي ابن أبي طالب كان يقول: الأضحى يومان بعد يوم الأضحىٰ.

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ تک یہ بات پہنچی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ قربانی عید کے بعد دو دن تک

(السنن الكبرى / باب من قال الأضحى يوم النحر ويومين بعده ۵۵۲/۹ رقم: ۱۹۲۵٤ دار الحديث القاهرة)

مشروع ہے۔

پانچویں روایت:

عن قتادة عن أنس قال: الذبح بعد النحر يومان. (السنن الكبرىٰ / باب من قال الأضحى يوم النحر ويومين بعده ۵۵۳/۹ رقم: ۱۹۲۵۵ دار الحديث القاهرة)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قربانی عید کے بعد دو دن تک مشروع ہے۔

چھٹی روایت:

وقد ذكر الطحاوي في أحكام القرآن بسند جيد عن ابن عباس قال: الأضحى يومان بعد يوم النحر. (إعلاء السنن ۲۳۸/۱۷)

حضرت امام طحاوی رحمہ اللہ نے اچھی اور عمدہ سند سے احکام القرآن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ قربانی یوم نحر کے بعد دو دن ہے۔

ساتویں روایت:

من طريق ابن أبي شيبة قال: حدثنا زيد بن حباب عن معاوية بن صالح حدثني أبو مريم سمعت أبا هريرة يقول: الأضحى ثلاثة أيام. (إعلاء السنن ۲۳٦/۱۷)

ابن ابی شیبہ نے زید بن حباب عن معاویہ بن صالح عن ابی مریم عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ روایت نقل کی ہے کہ یہ فرماتے تھے کہ قربانی تین دن تک مشروع ہے۔

اِس روایت کی بھی سند صحیح ہے؛ اِس لئے کہ معاویہ بن صالح یہ رجال مسلم میں سے ہیں، اور بقیہ چاروں بھی صدوق ہیں، اور ابومریم کے بارے میں حافظ ابن حجر نے یہ لکھا ہے کہ یہ ثقہ ہیں،

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے اعلاء السنن ۱۷/۲۳۶۔

آٹھویں روایت:

من طریق ابن أبي شیبة نا جریر عن منصور عن مجاهد عن ماعز بن مالک بن ماعز الثقفي أن أباه سمع عمر بن الخطاب یقول: إنما النحر في هٰذه الأیام الثلاثة. (إعلاء السنن ۲۳۵/۱۷)

ابن ابی شیبہ نے بطریق جریر عن منصور عن مجاہد عن ماعز بن مالک بن ماعز الثقفی عن ابیہ یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ قربانی اُن ہی تین دنوں یعنی ۱۰/۱۱/۱۲ اور ۱۲/ذی الحجہ میں مشروع ہے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کے مراسیل باتفاق علماء مقبول ہوتے ہیں؛ اِس لئے کہ وہ صرف ثقہ راوی ہی سے نقل کرتے ہیں؛ لہٰذا اِس روایت کے حجت ہونے میں بھی کوئی تأمل نہیں۔

نویں روایت:

وذکره ابن وهب عن ابن مسعود رضي اللّٰه تعالیٰ عنه (عمدة القاري شرح بخاري ۱٤۷/۲۱)

اور یہی مسلک ابن وہب نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا نقل کیا ہے کہ قربانی کے تین ہی دن ہیں۔

دسویں روایت:

عن علي رضؓ کان یقول: أیام النحر ثلاثة أیام أولهن أفضلهن. (عمدة القاري ۱٤۸/۲۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ قربانی کے تین دن ہیں پہلا دن افضل دن ہے۔

گیارہویں روایت:

عن ابن عباس وابن عمر مثله

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر

قالا: النحر ثلاثة أيام، أولها أفضلها. (عمدة القاري ۱٤٨/۲۱)

رضی اللہ سے مروی ہے کہ قربانی کے تین دن ہیں، پہلا دن افضل ہے۔

حضرات تابعین رحمہم اللہ کا مسلک:

حضرات اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا جیسا کہ اوپر یہی مسلک نقل کیا گیا یہی مسلک حضرات اجلۂ تابعین رحمہم اللہ کا بھی ہے مثلاً حضرت سفیان ثوریؒ، حضرت سعید بن جبیرؒ اور حضرت سعید بن مسیّبؒ یہ حضرات بھی یہی فرماتے ہیں کہ قربانی صرف تین ہی دن تک مشروع ہے، علامہ سید آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وعدتها ثلاثة أيام يوم العيد ويومان بعده عندنا، وعند الثوري وسعيد بن جبير وسعيد بن المسيب. (روح المعاني ۱۰/۵ ۲۱ ديوبند)

قربانی کی مدت تین دن ہے، عید کا دن اور دو دن اس کے بعد ہمارے نزدیک، اور حضرت سفیان ثوری، حضرت سعید بن جبیر اور حضرت سعید بن مسیّبؒ کے نزدیک۔

حضرت فقہاء کرام کا مسلک:

حضرات فقہاء کرام میں سے اکثر فقہاء کرام کا بھی مسلک یہی ہے کہ قربانی تین ہی دن تک مشروع ہے۔

امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کا مسلک:

أبو حنيفة عن حماد عن إبراهيم قال: الأضحية ثلاثة أيام يوم النحر ويومان بعده. (مسانيد إمام أعظم ۲۴٦/۲ حيدر آباد)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ قربانی کے تین ہی دن ہیں، عید کا دن اور دو دن اس کے بعد ہیں۔

حضراتِ احناف کے اِس مسلک کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے شامی ۶۱/۹ ۴ مطبوعہ زکریا

بک ڈپو دیوبند، بدائع الصنائع ۱۹۸/۴ مطبوعہ زکریا، فتح القدیر ۵۱۳/۹، البحر الرائق ۱۷۶/۸، مطبوعہ کراچی۔

اکثر فقہاء کرام کا اِجماع تین دن پر:

الحاصل یہ ہے کہ اِس بارے میں اجلِ فقہاء کرامؒ کا تقریباً اِجماع ہے کہ قربانی صرف تین دن ہی تک مشروع ہے، چوتھے دن جائز نہیں، یہی مسلک حضرت امام مالکؒ کا بھی ہے۔

مالک عن نافع أن عبد الله ابن عمر قال: الأضحى يومان بعد يوم الأضحى. (المؤطا، كتاب الضحاية / الضحية عما في بطن المرأة ۳۱ رقم: ۱۲)

حضرت بواسطہ مالک عن عبداللہ ابن عمر یہ فرماتے ہیں کہ قربانی صرف تین ہی دن مشروع ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام مالک ہی کی طرح یہی مسلک حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا بھی ہے اور یہ مسلک انہوں نے متعدد صحابہ کرامؓ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں:

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک:

قال أحمد: أيام النحر ثلاثة عن غير واحد من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم. (إعلاء السنن ۲۳۸/۱۷)

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے متعدد صحابہ کرامؓ سے نقل کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ قربانی کے تین ہی دن ہیں۔

صاحبِ نوادر الفقہاء ابن بنت نعیم حضرات فقہاء کرام کا اجماع نقل کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

أجمع الفقهاء على أن التضحية في اليوم الثالث عشر غير جائزة، إلا الشافعي فإنه أجازها فيه. (نوادر الفقهاء بحواله إعلاء السنن ۲۳۶/۱۷)

فقہاء کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ قربانی ۱۳/ ویں ذی الحجہ کو جائز نہیں، مگر حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اس کو جائز قرار دیتے ہیں ۱۳/ ویں ذی الحجہ میں بھی۔

یہ وہ مختصر دلائل تھے حضرات ائمہ ثلاثہ حضرت امام ابوحنیفہؒ حضرت امام مالکؒ، اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک پر کہ قربانی صرف تین ہی دن جائز ہے، اس لئے حضرات ائمہ ثلاثہ کے متبعین کے لئے اس قول سے خروج اور عدول جائز نہیں، اس لئے اگر ان کے متبوعین میں سے کوئی چوتھے دن قربانی کرے گا تو اس کی قربانی بالکل درست نہیں ہوگی، اب اس کے بعد ہم استفتاء کے ساتھ بھیجے گئے کتابچہ میں مذکور دلائل واقوال کے جوابات پیش کرتے ہیں:

پہلی آیت کریمہ کا جواب:

پہلی آیتِ کریمہ: ﴿وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ اَيَّامٍ مَعْلُوْمَاتٍ﴾ سے کیا مراد ہے؟ وہ ہم نے شروع میں ذکر کر دیا کہ اس سے مراد قربانی کے تین ہی دن ہیں، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت علیؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت انسؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ جیسے کبار صحابہ کا یہی مسلک ہے، اس لئے چند حضرات مفسرین کے اقوال کا سہارا لے کر مذکورہ آیت سے قربانی کے ۴؍دن جائز ہونے پر استدلال درست نہیں۔

دوسری آیتِ کریمہ کا جواب:

رہی بات دوسری آیتِ کریمہ: ﴿وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ اَيَّامٍ مَعْلُوْمَاتٍ﴾ کا تو اس میں دور دور تک کہیں بھی قربانی کے تین یا چار دن کے جواز اور عدم جواز کی کوئی دلیل نہیں، اور نہ ہی اس آیت مبارکہ کا تعلق قربانی سے ہے، یہ تو کتابچہ کے مؤلف موصوف کی چابکدستی اور عوام الناس کی آنکھوں میں خواہ مخواہ آیت کا اضافہ کر کے دھول جھونکنے کی مذموم کوشش معلوم ہو رہی ہے، اس آیت کا تعلق ''رمی جمار'' یعنی حج میں کنکری مارنے سے ہے، ''وَاذْكُرُوا اللّٰهَ'' سے مراد تکبیراتِ تشریق ہے، جو اِن دنوں میں پڑھنا واجب ہے، اور ﴿فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ﴾ کا تعلق رمی جمار سے ہے، زمانۂ جاہلیت میں اِس سلسلہ میں اختلاف تھا کہ تین دنوں تک کنکری مارنا ضروری ہے یا دو دن میں بھی کنکری مار کر واپس آسکتے ہیں، اِس لئے اِن دونوں فریقوں میں

بطور فیصلہ یہ کیا گیا کہ تین دن تو بہتر ہیں، مگر کوئی دو ہی دن میں کنکری مار کر واپس آنا چاہے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ اِس کی تفصیل کے لئے دیکھئے: علامہ شوکانی کی تفسیر (فتح القدیر ۱/۲۰۵ مطبوعہ مکہ المکرّمہ اور معارف القرآن ۱/۴۳۷)

یہی بات امام ابوبکر جصاص رازی لکھتے ہیں: ﴿فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ فَلاَ اِثْمَ عَلَیْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلاَ اِثْمَ عَلَیْهِ﴾ **واتفق أهل العلم على أن قوله بيان لمراد الآية في قوله أيام معدودات** (احکام القرآن) یعنی **فمن تعجل الخ ایام معدودات** کی مراد (یعنی کنکری مارنا) کا بیان ہے، اور اِسی بات پر اہلِ علم حضرات کا اتفاق ہے، اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے آگے رقم طراز ہیں کہ:

فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه، وذٰلک لا يتعلق بالنحر، وإنما يتعلق برمي الجمار المفعول في أيام التشريق. (أيضاً)

فمن تعجل في يومين الخ اِس آیت کا تعلق قربانی سے ہے ہی نہیں؛ بلکہ اس کا تعلق رمی جمار سے ہے، جو ایامِ تشریق میں کیا جاتا ہے۔

لہٰذا اِس آیت سے استدلال درست نہیں:

نقل کی گئی احادیث کے جوابات

اَب ہم کتابچہ میں مذکور احادیثِ مبارکہ کے جوابات پیش کرتے ہیں۔

پہلی روایت کا جواب:

پہلی روایت جو کتابچہ میں پیش کی گئی ہے "**کل أيام التشريق ذبح**" یہ روایت سلیمان بن موسیٰ عن جبیر بن مطعم کے واسطے سے مروی ہے، اور اِس بات پر تمام ہی اصحابِ جرح وتعدیل کا اتفاق ہے کہ سلیمان بن موسیٰ کی ملاقات حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے نہیں ہوئی ہے؛ لہٰذا درمیان سے کوئی نہ کوئی راوی کم از کم ایک ہی سہی ضرور حذف ہوئے ہیں، اس لئے یہ روایت منقطع ہوئی، جیسا کہ خود امام ابن قیم جوزی لکھتے ہیں: **لكن الحديث منقطع**

لایثبت وصله. (زاد المعاد ۳۱۸/۲ بیروت) یعنی یہ حدیث منقطع ہے، اور اس کا موصول ہونا ثابت نہیں، اور اسی روایت کی دوسری سند جو من حدیث سلیمان بن موسی عن عمر بن دینار آئی ہے، یہ گوکہ منقطع نہیں ہے، متصل ہے، مگر اس سند میں بھی ایک راوی ''ابوسعید'' ہیں جو قابل اطمینان نہیں تھے، دارقطنی میں اس کے بارے لکھا ہے: ''**وأبو معید بمثناة فیه لین**''. (سنن الدار قطني ۲۸٤/٤) یعنی ابومعید ''یا'' کے ساتھ ہے، اور اس میں خفت تھی یعنی یہ راوی ٹھیک ٹھاک نہیں تھے، اس کے علاوہ حضرت جبیر بن مطعمؓ کی روایت میں سنداً اضطراب بھی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ یہ روایت منقطع بھی ہے، اور مضطرب بھی اور دونوں ہی قسمیں ضعیف ہیں اس لئے کہ روایت سے بھی استدلال درست نہیں ہے۔

دوسری روایت کا جواب:

دوسری حدیث کے عنوان کے تحت جو حدیث پاک ذکر کی گئی ہے، وہ بلا شبہ سنداً صحیح ہے مگر اس کا تعلق قربانی سے دور کا بھی نہیں، اس میں تو یہ چیز صراحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ کن کن ایام میں روزہ رکھنا منع ہے، اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پانچ دنوں میں روزہ رکھنا منع ہے، تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ قربانی کے ۴ ردن ہیں؟ اس لئے حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے یہ لکھنا کہ قربانی کے چار دن ہیں جہالت کے سوا کچھ نہیں۔

تیسری روایت کا جواب:

تیسری روایت ''**فجاج منی منحر**'' اِس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت بھی منقطع ہے، اس لئے کہ مسند احمد اور ابن حبان میں یہ روایت بسند ''عبدالرحمٰن بن حسین عن جبیر بن مطعم'' مروی ہے، اور یہی روایت دارقطنی اور مسند احمد میں بھی بسند سلیمان بن موسی عن جبیر بن مطعم مروی ہے، مگر دونوں سندوں میں انقطاع ہے، اس لئے جس طرح سلیمان بن موسی کی ملاقات حضرت جبیر بن معطمؓ سے ثابت نہیں اسی طرح عبدالرحمٰن بن حسین کی ملاقات بھی حضرت جبیرؓ سے ثابت نہیں، اس لئے یہ بھی ضعیف روایت ہے، اور اس سے استدلال درست نہیں۔ (عمدۃ القاری ۱۴۸/۲۱)

چوتھی روایت کا جواب:

چوتھی روایت: ”التشریق کلها ذبح“ یہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بطریق ”معاوية بن يحيى الصدفي“ مروی ہے، اور معاویہ بن یحیٰ الصدفی باتفاق محدثین ضعیف ہیں، صاحبِ زاد المعاد ابن قیم اُن کے بارے میں لکھتے ہیں: ”وفيه معاوية بن يحيى الصدفي وهو ضعيف“ کہ اس سند میں معاویہ بن یحیٰ صدفی ضعیف ہیں۔ (زاد المعاد ۲/۳۱۸)

ان کے بارے میں علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ شارح بخاری لکھتے ہیں:

معاوية بن يحيى ضعفه النسائي وابن معين، وعلي ابن المديني، وقال ابن أبي حاتم في كتاب العلل: قال أبي هٰذا حديث موضوع بهذا الإسناد. (عمدة القاري ۱۴۸/۲۱)	معاویہ بن یحیٰ کو امام نسائی، ابن معین اور علی ابن المدینی نے ضعیف قرار دیا ہے، اور ابن ابی حاتم نے اپنے والد کے حوالہ سے کتاب العلل میں یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث اس سند کے ساتھ موضوع ہے۔

اور اِس روایت کی سند میں شدید اضطراب بھی ہے، اس لئے یہ روایت بھی مضطرب اور ضعیف ہے، جس سے استدلال درست نہیں۔

پانچویں روایت کا جواب:

پانچویں روایت: ”أيام التشريق كلها أيام ذبح“ یہ روایت بھی بطریق معاویہ بن یحیٰ عن ابی سعید الخدری“ مروی ہے اور معاویہ بن یحیٰ ضعیف ہیں، جیسا کہ ابھی اوپر چوتھی روایت کے جواب میں گذرا، دیکھئے زاد المعاد ۲/۳۱۸، عمدۃ القاری ۲۱/۱۴۸، اور اعلاء السنن ۱۷/۲۳۴؛ لہٰذا اِس سے استدلال درست نہیں؛ اس لئے کہ یہ روایت ضعیف ہے، اور ضعیف روایت سے استدلال درست نہیں ہوتا ہے۔

چھٹی روایت کا جواب:

یہ روایت: ''أیــام التشــریــق کلهــا أیــام ذبح'' بھی ضعیف ہے؛ اِس لئے کہ یہ بھی بطریق ''معاویہ بن یحییٰ'' مروی ہے، لہٰذا اس سے بھی استدلال درست نہیں، دیکھئے زاد المعاد ۳۱۸/۲، عمدۃ القاری ۱۴۸/۲۱۔

ساتویں روایت کا جواب:

ساتویں روایت ''أیام منی کلها منحر'' یہ روایت بھی منقطع ہے، دیکھئے علامہ عینی اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

قلــت: هٰـذا رواه أحــمد وابن حبـان مـن حدیث عبد الرحمن بـن أبـي حسیــن عــن جبیــر بن مــطـعـم ...... فیـکـون مـنقطعًا.

(عمدة القاري ۱۴۸/۲۱)

یہ روایت مسند احمد اور ابن حبان میں بسند عبدالرحمٰن بن حسین عن جبیر بن مطعم مروی ہے، لہٰذا منقطع ہے اس لئے کہ عبدالرحمٰن کی ملاقات حضرت جبیرؓ سے ہوئی نہیں تھی، لہٰذا اس سے بھی استدلال درست نہیں ہے۔

آٹھویں روایت کا جواب:

آٹھویں روایت: ''أیـام التشریق کلها ذبح'' یہ روایت بھی ضعیف ہے؛ اِس لئے کہ اس کی سند میں ''معاویہ بن یحیٰ'' راوی ہیں جو باتفاق علماء ضعیف ہیں، جیسا کہ چوتھی روایت کے جواب میں لکھا گیا ہے، دیکھئے زادالمعاد ۳۱۸/۲، عمدۃ القاری ۱۴۸/۲۱؛ لہٰذا اِس سے بھی استدلال درست نہیں ہے۔

نویں روایت کا جواب:

نویں روایت: ''أیـام التشـریق کلها ذبح'' یہ روایت بھی ضعیف ہے؛ اِس لئے کہ یہ روایت بھی بطریق ''معاویہ بن یحیٰ عن ابی ہریرۃ'' مروی ہے، اور معاویہ بن یحییٰ ضعیف ہیں،

دیکھئے زاد المعاد۲/۳۱۸، عمدۃ القاری ۲۱/۱۴۸، اور اعلاء السنن ۱۷/۲۳۴۔ الحاصل یہ کہ یہ کل کی کل نو روایتیں یا تو ضعیف یا پھر منقطع اور مضطرب ہیں، اِس لئے کسی سے بھی استدلال درست نہیں؛ کیوں کہ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ حلال وحرام کے باب میں ضعیف روایتیں معمول بہا نہیں ہوتی ہیں۔

اَقوالِ صحابہؓ کے جوابات:

ابن کثیر کے حوالہ سے حضرت ابن عمرؓ کا جو قول نقل کیا گیا ہے وہ مسلم نہیں، اس سے زیادہ صحیح اور قوی سند سے حضرت ابن عمرؓ کا جو قول نقل کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ قربانی کے تین دن ہیں، دیکھئے مؤطا مالک، احکام القرآن، تفسیر مدارک، تفسیر روح المعانی اور زاد المعاد، اور یہی بات بعینہ حضرت ابن عباس اور حضرت علیؓ کے بارے میں ہے کہ ان سے صحیح سندوں کے ساتھ یہی مروی ہے کہ قربانی تین ہی دن تک مشروع ہے۔ دیکھئے: السنن الکبریٰ ۹/۲۹۷، روح المعانی ۱۰/۲۱۵، اور زاد المعاد ۲/۲۱۹۔

اَب صرف اقوالِ صحابہ میں سے حضرت جابر بن عبداللہ کی بات رہ گئی کہ ''قربان گاہ منی کی تمام جگہ ہے'' تو اس کے بارے ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں، جن سندوں کے ساتھ یہ روایت مروی ہے وہ منقطع ہے، لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں۔ دیکھئے: عمدۃ القاری شرح بخاری ۲۱/۱۴۸ وغیرہ۔

اَب جہاں تک بات رہی صاحبِ تفسیر معالم التنزیل، جامع البیان، مدارک، تفسیر فتح القدیر، خازن، جلالین، ابن کثیر، امام شافعی، امام ابن قیم، حضرت حسن بصری، امام عطاء، امام اوزاعی، امام شوکانی اور امام نووی کی تفسیروں اور شہادتوں کا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان تمام لوگوں کی تفسیروں اور شہادتوں کا مدار سورۂ حج کی آیت اور نقل شدہ روایات پر تھا، جن کا جواب دیا جا چکا، تو اَب اُن کا جواب بھی نکل آیا کہ جب اصل ہی ثابت نہیں تو پھر فرع کہاں سے ثابت ہوگا، ایسے ہی حضرت شاہ عبدالقادر کی نقل شدہ شہادت کا جواب یہ ہے کہ اس کا مدار حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر پر ہے، اور اس کا جواب دیا جا چکا۔

کتابچہ میں مذکور کچھ غلط باتوں کی نشان دہی:

(۱) کتابچہ میں ص:۱۰ پر تفسیر مدارک کے حوالہ سے حضرات صاحبینؒ کا یہ مسلک نقل کرنا سوء فہمی ہے کہ قربانی کے چار دن ہیں، صاحب تفسیر مدارک نے جو نقل کیا ہے وہ آپ بھی پڑھئے:

في أيام معلومات - عند صاحبيه أيام النحر وهو قول ابن عمر. (تفسير مدارك)

ایام معلومات سے مراد حضرات صاحبین کے نزدیک ایام نحر ہیں، اور یہی قول حضرت ابن عمرؓ کا ہے۔

اور ہم پہلے معتبر کتابوں کے حوالہ سے یہ نقل کر چکے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ ایام نحر سے کتنے دن مراد لیتے ہیں، جیسا کہ مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضرت ابن عمر کا مسلک یہ ہے کہ قربانی کے ۳/دن ہیں، اور یہی مراد حضرات صاحبینؒ کی بھی ہے۔ دیکھئے: شامی ۹/۴۶۱، ہدایہ ۴/۴۴۶ اور مؤطا امام مالک ۱۳۱/۷ رقم ۱۲، کتاب الضحایا وغیرہ۔

(۲) کتابچہ کے صفحہ ۱۳/ پر صاحبِ ہدایہ کے قول کہ ''ایام تشریق ۴/دن ہیں'' سے یہ کہنا کہاں لازم آرہا ہے کہ قربانی بھی چار دن تک جائز ہے، صاحبِ ہدایہؒ کا مسلک تو یہ ہے کہ: ''وهي جائزة في ثلاثة أيام يوم النحر ويومان بعده. (الهداية ٤/٤٣٠) یعنی قربانی تین ہی دن تک جائز ہے اس لئے اس سے قربانی کے چار دن ثابت کرنا جہالت کے سوا کچھ نہیں۔

(۳) اِسی طرح کتابچہ کے صفحہ ۱۶ پر حافظ ابن حجرؒ کی طرف اس قول کی نسبت درست نہیں کہ اُنہوں نے کہا کہ ایامِ معلومات سے مراد عید کا دن اور تین دن اس کے بعد ہیں، بلکہ حافظ ابن حجرؒ کو تو اِس بارے میں تردد ہے کہ اس سے مراد تین دن ہیں یا چار دن ہیں؟ وہ لکھتے ہیں: ویحتمل أن یکون أراد أن أيام النحر الأربعة أو الثلاثة. (فتح الباري ٩/١٣ بيروت) احتمال ہے کہ اِس سے مراد ۳/دن ہوں یا چار دن۔

وجوہِ ترجیح دلائل حضرات ائمہ ثلاثہؒ:

الغرض ماقبل کی اس قدر گفتگو سے یہ بات ثابت ہوچکی کہ ان حضرات کے نزدیک جو

۴؍دن تک جوازِ قربانی کے قائل ہیں، کوئی قوی دلیل موجود نہیں، اِس کے برخلاف حضراتِ احناف اور حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک کہ قربانی صرف تین ہی دن تک جائز ہے، پر الحمدللہ صحیح روایات وآثار موجود ہیں، جو شروع میں پیش کئے جاچکے۔ اَب ہم مختصراً حضرات ائمہ ثلاثہ کے مسلک کے دلائل کی وجوہاتِ ترجیح بیان کرتے ہیں:

(۱) حضرات ائمہ ثلاثہ کے دلائل میں روایات مرفوع اور قوی الاسناد ہیں، جب کہ دیگر حضرات کی مستدل روایات ضعیف، منقطع اور مضطرب ہیں، جیسا کہ پہلے ثابت کیا جاچکا۔

(۲) ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی مستدل روایات سنداً عالی ہیں، اور دیگر حضرات کی روایات سنداً نازل ہیں۔

(۳) حضرات ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی مستدل روایات محرم ہیں، اور دیگر حضرات کی روایات مبیح ہیں۔

(۴) حضرات ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی روایات منفی ہیں، اور دیگر حضرات کی روایات ''مثبت'' ہیں۔

(۵) حضرات ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی روایات ''احوط'' ہیں، جب کہ دیگر حضرات کی روایات ''غیر احوط''۔

اور یہ بات مسلم ہے کہ قوی الاسناد کو ضعیف الاسناد پر، مرفوع کو منقطع پر، سند عالی کو سند نازل پر، محرم کو مبیح پر، منفی کو مثبت پر، اور احوط کو غیر احوط پر ترجیح ہوتی ہے؛ لہٰذا اِن پانچ وجہوں سے حضراتِ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی مستدل روایات کہ قربانی صرف تین ہی دن تک جائز ہے، اِن روایات پر راجح اور مقدم ہوگی جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قربانی ۴؍دن جائز ہے، اِس لئے مطمئن ہوکر بہر حال تین ہی دن کے اندر قربانی کرنی ضروری ہے، اِس کے بعد اجازت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹؍۱؍۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تکبیرِ تشریق

تکبیرِ تشریق کا پس منظر کیا ہے؟

سوال (۶۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تکبیرِ تشریق کا پس منظر کیا ہے، مستند جواب کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تکبیرِ تشریق کے پسِ منظر کے بارے میں محدثین کے نزدیک تو کوئی صراحت نہیں ملتی؛ البتہ فقہاء اِس کا پس منظر یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بدلہ میں جانور لے کر پہنچے، اور اُنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اِس حال میں دیکھا کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کی تیاری کررہے ہیں، تو اُن کو یہ خوف ہوا کہ اگر مجھ کو پہنچنے میں دیر ہوگئی، تو ہوسکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل کو ذبح کرڈالیں؛ لہٰذا اُنہوں نے ابراہیم کو متنبہ کرنے کے لئے دور سے یہ الفاظ کہے: **اللّٰہ أکبر اللّٰہ أکبر**، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو دیکھا تو آپ نے کہا: **لا إلٰہ إلا اللّٰہ واللّٰہ أکبر** اور جب حضرت اسماعیل کو اِس کا علم ہوا کہ میرے بدلہ میں ذبح ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جانور بھیج دیا ہے، اور اَب مجھ کو نہیں ذبح ہونا ہے، تو اُنہوں نے کہا: **اللّٰہ أکبر وللّٰہ الحمد.**

وقد ذکر الفقہاء: أنہ ماثورٌ عن الخلیل علیہ السلام، وأصلہ أن جبرئیل علیہ السلام لما جاء بالفداء خاف العجلة علی إبراھیم، فقال: اللّٰہ أکبر اللّٰہ أکبر، فلما راٰہ ابراھیم علیہ السلام قال: لا إلٰہ إلا اللّٰہ واللّٰہ أکبر، فلما علم

إسماعيل الفداء، قال إسماعيل: الله أكبر ولله الحمد، كذا في غاية البيان وكثير من الكتب ولم يثبت عند المحدثين كذا في الفتح القدير. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب العيدين ۲/ ۱٦٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۲/ ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تکبیرِ تشریق کی واجبی مقدار، اور عورتوں پر تکبیرِ تشریق کا حکم؟

سوال (٦٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ماہنامہ ندائے شاہی اکتوبر 2013 ص ۳۱ میں تحریر کیا گیا ہے کہ ''تکبیرِ تشریق تین مرتبہ پڑھنا افضل ہے''۔ حالاں کہ تحفۂ رمضان ۱٦۷ اور احسن الفتاویٰ ۴/ ۱۵٦ پر تین مرتبہ پڑھنا خلافِ سنت ہے، اور اِسی طرح مذکورہ رسالہ میں یہ بھی ہے کہ عورتوں پر واجب نہیں ہے، جب کہ تحفۂ رمضان ۱٦۷ اور خطباتِ حج وقربانی ٦۷، جواہر الفقہ ۴۴، مقالاتِ حبیب ۱/ ۳۰٦ اور اہم مسائل ۱۷٦ میں اس کے برعکس ہے؛ لہٰذا آپ سے عرض ہے کہ دونوں اقوال میں راجح اور مفتی بہ قول کیا ہے؟ مجمع عام میں کیا بیان کریں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مفتی بہ قول کے مطابق تکبیرِ تشریق ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ کہنا مرد وعورت امام ومنفرد اور مقتدی سب پر واجب ہے، اور واجب سمجھ کر تین مرتبہ کہنا خلافِ سنت ہے؛ لیکن اگر واجب نہ سمجھیں؛ بلکہ ذکر مستحب کے طور پر تکبیرِ تشریق کئی مرتبہ دہرالیں تو اِس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ بلکہ اِس میں اضافی ثواب الگ سے ملے گا، اور ندائے شاہی کے محولہ مضمون میں جو تکبیرِ تشریق تین مرتبہ پڑھنا افضل کہا گیا ہے، اُس کا مطلب وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ اِس تفصیل کے اعتبار سے دیگر کتابوں سے کوئی تعارض لازم نہیں آتا؛ البتہ اِس مضمون میں جو یہ لکھا گیا ہے کہ تکبیرِ تشریق عورتوں پر واجب نہیں ہے یہ قول مرجوح ہے، راجح یہی

ہے کہ عورتوں پر بھی تکبیرِ تشریق واجب ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ ۱/۴۴۶، فتاویٰ حقانیہ ۳/۳۹۳، ایضاح المسائل ۳۷، کتاب المسائل ۲/۳۳۴)

عـن جـابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسـلـم يـكبـر في صلاة الفجر يوم عرفة إلى صلاة العصر من آخر أيام التشريق، حين يسلم من المكتوبات. (سنن الدار قطني / باب العيدين ٣٧/٢ رقم: ١٧١٩)

عـن الأسـود قال: كان عبد اللّٰه يكبر من صلاة الفجر يوم عرفة إلى صلاة العـصـر مـن يوم النحر، يقول: ''اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر، لا إلٰه إلا اللّٰه واللّٰه أكبـر اللّٰه أكبر ولله الحمد''. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة / التكبير من أي يوم هو؟ ١٩٥/٤ رقم: ٥٦٧٩)

عـن هـمام قال: رأيت قتادة صلى وحده أيام التشريق، فكبر. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة / في الرجل يصلي وحده يكبر أم لا؟ ٢٤١/٤ رقم: ٨٥٨٢)

عـن إبـراهيم قال: كان يحب للنساء أن يكبرن دبر الصلاة أيام التشريق. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة / في النساء عليهن تكبير أيام التشريق ٢٥١/٤ رقم: ٥٩١٤)

وقال البيهقي: وروينا عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: أيام التشريق أيام أكل وشرب وذكر اللّٰه، وأنه صلى اللّٰه عليه وسلم كبّر على الصفا وكان مسافرًا.

وروينـا عـن ابن عمر وأنس بن مالك رضي اللّٰه عنهما في تكبيرهم يوم عرفة عند الغد ومن منى إلى عرفة، وكانوا مسافرين.

وعن أم عطية في الحيّض: يخرجن يوم العيد فيكن خلف الناس يكبرن مع الناس.

وكانت ميمونة رضي اللّٰه عنها تكبِّر يوم النحر.

وكـان الـنسـاء يـكبـرن خـلف أبـان بن عثمان وعمر بن عبد العزيز ليالي التشريق مع الرجال في المسجد.

وكـان الشـعبـي وإبراهيم النخعي يقولان هٰذا القول. (السـنن الكبرىٰ للبيهقي، كتـاب صلاة العيدين / باب سنة التكبير للرجال والنساء والمقيمين والمسافرين ١٠٦/٥، بحواله: الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / كيف تكبير التشريق ٦٣٩/٢-٦٤٠ تحت رقم: ٣٤٧٧ زكريا)

ويـجـب تـكبيـر التشـريـق في الأصح للأمر به مرةً، وإن زاد عليها يكون فـضلاً (الـدر الـمختـار) قـوله: وإن زاد: أفاد أن قوله ''مرةً'' بيان للواجب. (الدر المختار مع الشامي / باب العيدين، مطلب: يطلق اسم السنة على الواجب ٦٢/٣ زكريا)

ويـأتي به مرةً ومـا زاد فهـو مستـحـب. قاله بدر العيني في شرح التحفة: وأقـره في الدر. وفي الحموي عن القراحصاري: الإتيان به مرتين خلاف السنة. وفي مجمع الأنهر: إن زاد فقد خالف السنة. ولعلّ محله ما إذا أتى به على أنه سنة، وأما إذا أتى به على أنه ذكر مطلق فلا. (حاشية الطحطاوي / أحكام العيدين ٢٩٤ كراچی)

وصـفته أن يقول مرة واحدةً، وإن زاد عليها يكون فضلا الخ. (سكب الأنهر على مجمع الأنهر ٢٦٠/١ دار إحياء التراث العربي بيروت)

وأما عدده وهيتئه فهي أن يقول مرةً واحدةً: اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر الخ. (تبيين الحقائق ٥٤٥/١ زكريا)

وعـنـدهما كل من صلى المكتوبة في هٰذه الأيام فعليه التكبير مقيمًا كان أو مسـافـرًا رجلاً كـان أو امـرأـةً فـي المصر أو في غير المصر في الجماعات أو وحده الخ. (خلاصة الفتاوىٰ ٢١٦/١ كراچی والمكتبة الأشرفية ديوبند)

ويجب تكبير التشريق – إلى قوله – على إمام مقيم بمصرَ وعلى مقتدٍ أو مسـافـرٍ أو قـروي أو امـرأـة، وقالا: بوجوبه فور كل فرض مطلقًا، ولو منفردًا أو مسـافـرًا أو امـرأة؛ لأنه تبع للمكتوبة. (الدر المختار) فيجب على كل من تجب عليه الصلاة المكتوبة. قوله: وعليه الاعتماد: هٰذا بناء على أنه إذا اختلف الإمام

وصاحباه فالعبرة لقوة الدليل وهو الأصح. (الدر المختار مع الشامي / باب العيدين، مطلب: المختار أن الذبيح إسماعيل ٦٣/٣-٦٤ زكريا)

وقالا هو على كل من يصلي المكتوبة؛ لأنه تبع للمكتوبة. (تبيين الحقائق ٥٤٥/١ زكريا)

يجب على الرجال والنساء تكبير التشريق في الأصح مرةً. (الفقه الإسلامي وأدلته ٣٤١/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۳۵/۲/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَیامِ تشریق کی تکبیر کتنی مرتبہ پڑھنی چاہئے؟

سوال (٦٧):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اَیامِ تشریق کی تکبیر کتنی مرتبہ پڑھنی چاہئے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تکبیرِ تشریق ایک مرتبہ کہنا واجب ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۷۹/۳، ایضاح المسائل ۳۷)

عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا صلى الصبح من غداة عرفة يقبل على أصحابه، فيقول: على مكانكم، ويقول: "الله أكبر الله أكبر، لا إله إلا الله، والله أكبر الله أكبر ولله الحمد" فيكبر من غداة عرفة إلى صلاة العصر من آخر أيام التشريق. (سنن الدارقطني / باب العيدين ٣٨/٢ رقم: ١٧٢١)

عن أبي الأحوص عن عبد الله أنه كان يكبر أيام التشريق: "الله أكبر الله أكبر الله أكبر، لا إله إلا الله، والله أكبر ولله الحمد".

عـن شريک قال: قلت لأبي إسحٰق: كيفل كان تكبير علي وعبد اللّٰه؟ فقال: كـانـا يـقـولان: ”اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر، لا إلٰه إلا اللّٰه، واللّٰه أكبر اللّٰه أكبر وللّٰه الحمد“.

(المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة / كيف يكبر يوم عرفة ١٩٩/٤–٢٠٠ رقم: ٥٦٩٧–٥٦٩٩)

عـن ابـن عباس رضي اللّٰه عنهما أنه كان يقول: اللّٰه أكبر كبيرًا، اللّٰه أكبر كبيـرًا، اللّٰه أكبر وأجل، اللّٰه أكبر وللّٰه الحمد. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة / كيف يكبر يوم عرفة؟ ٢٠٠/٤ رقم: ٥٧٠١)

أمـا صـفـتـه فإنه واجب وأما عدده وماهيته فهو أن يقول مرة واحدة: ”اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر، لا إلٰه إلا اللّٰه واللّٰه أكبر اللّٰه أكبر وللّٰه الحمد“. (الفتاویٰ الهندية ١٥٢/١)

والتكبير أن يقول مرة واحدة: اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر ...... وهو عقيب الصلاة الـمـفـروضـات عـلـى الـمقيمين في الأمصار في الجماعات المستحبة عند أبي حنيفة. (الهداية ١٧٥/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۴/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک سے زائد مرتبہ تکبیرِ تشریق کہنا؟

سوال (٦٨):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تشریق ایک سے زائد مرتبہ کہنے میں جوازاً استحباباً اور کراہۃً مختلف اقوال ہیں، مفتی بہ قول کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الـجـواب وبالله التوفيق: والتـكبيـر أن يقول: مرةً واحدةً، وهو قول عـمـر بـن الخطاب وابن مسعود، وقولنا: هو مذهب عمر بن الخطاب وعبد اللّٰه بن مسعود. (عيني شرح الهداية ١٠٣٠/١)

ويـاتـي به مرةً وما زاد فهو مستحب، قاله العيني في شرح التحفة، وأقره في

الدر. وفي الحموي عن القرا حصاری: الإتيان به مرتين خلاف السنة. (طحطاوي ٢٩٤)

ويجب تكبير التشريق في الأصح للأمر به مرةً وإن زاد عليها يكون فضلاً قاله العيني؛ لكن ذكر أبو السعود أن الحموي نقل عن القرا حصاری أن الإتيان به مرتين خلاف السنة، قلت في الأحكام عن البرجندي. ثم المشهور من قول علمائنا أنه يكبر مرة، وقيل: ثلاث مرّات. (شامي ٣/٦١-٦٢ زكريا)

اِن عباراتِ فقہیہ اور اَکابر کے فتاویٰ سے معلوم ہوا کہ راجح قول یہ ہے کہ ایک مرتبہ تکبیرِ تشریق کہی جائے اور ایک سے زائد کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور ایک سے زائد تکبیر کو سنت سمجھ کر پڑھنا مکروہ ہے، محض ذکر سمجھ کر پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۵/۲۰۴، امداد الفتاویٰ ۱/۱۱۷، احسن الفتاویٰ ۴/۱۵۲)

وفي مجمع الأنهر: إن زاد فقد خالف السنة ولعل محله إذا أتى به على أنه سنة، وأما إذا أتى به على أنه ذكر مطلق فلا. (طحطاوي ٢٩٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۴/۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

یومِ عرفہ کی فجر سے تکبیرِ تشریق کیوں پڑھی جاتی ہے؟

سوال (۶۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تکبیرِ تشریق کی ابتداء یوم النحر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے وقت سے ہوئی ہے، پھر یوم العرفہ کی فجر سے تکبیرِ تشریق کیوں پڑھی جاتی ہے؟ مع حوالہ کتب تحریر فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تکبیرِ تشریق کی مشروعیت کا سبب وقت کی تعظیم بھی ہے، یعنی جن اَیام میں مناسک حج ادا کئے جاتے ہیں، جن کی ابتداء عرفہ کے دن سے انتہاء تیرہویں

تاریخ کو ہوتی ہے، اُن کی تعظیم مقصود ہے، اِس لئے اشکال کی کوئی وجہ نہیں۔

لأن التكبير لتعظيم الوقت الذي شرع فيه المناسك، وأوله يوم عرفة، إذ فيه يقام معظم أركان الحج وهو الوقوف. (بدائع الصنائع ۱/ ٤٥٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۹/ ۱۱/ ۱۴۲۶ھ

نمازِ عیدالاضحیٰ کے بعد تکبیرِ تشریق زور سے پڑھنا؟

سوال (۷۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد بالجہر تکبیرِ تشریق پڑھنی واجب ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد بالجہر تکبیر تشریق پڑھنا بالاتفاق ثابت اور جائز ہے؛ البتہ وجوب واستحباب میں اختلاف ہے؛ لیکن قول وجوب راجح ہے۔

(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۱۳۵)

كذا في الدر المختار: ولا بأس به عقب العيد؛ لأن المسلمين توارثوه فوجب اتباعهم وعليه البلخيون، قال الشامي: قوله: فوجب الظاهر أن المراد بالوجوب الثبوت لا الوجوب المصطلح عليه، وفي البحر عن المجتبى: والبلخيون يكبرون عقب صلاة العيد؛ لأنها تؤدى بجماعة فأشبهت الجمعة. وهو يفيد الوجوب المصطلح عليه. (الدر المختار مع الشامي، باب العيدين / مطلب كلمة لا بأس قد تستعمل في المندوب، كذا في البحر الرائق ٢/ ١٦٥)

وفي الحجة: سئل الفقيه أبو الليث عن التكبير بالجهر بعد صلاة العيد يوم النحر؟ قال: على قول أصحابنا غير مسنون، ولكن الناس اعتادوا التكبير بعد صلاة العيد فلا بأس بذٰلک، والفتویٰ على أنهم يمنعون. ويجهر بالتكبير

في طريق المصلى، روى المعلى عن أبي يوسف عن أبي حنيفة أنه لا يجهر، وروى الطحاوي عن أستاذه عن أبي عمر عن أبي حنيفة أنه يجهر، وهو قول أبي يوسف ومحمد. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل السابع والعشرون في تكبيرات أيام التشريق ٢/ ٦٤٣ رقم: ٣٤٨٧ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۲/ ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ کی نماز کے بعد تکبیر تشریق پڑھنا؟

سوال (۷۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اَیامِ تشریق کے دوران اگر جمعہ آجائے تو بعد نماز جمعہ تکبیراتِ تشریق بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اَیامِ تشریق میں جمعہ کی نماز کے بعد بھی بآواز بلند تکبیر تشریق پڑھی جائے گی۔

عقب كل فرض عيني. (الدر المختار) شمل الجمعة۔ (الدر المختار مع الشامي / باب العيدين ٣/ ٦٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/ ۱۱/ ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا مسبوق پر جہراً تکبیرِ تشریق پڑھنا واجب ہے؟

سوال (۷۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسبوق کے ذمہ تکبیرِ تشریق جہراً پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ضروری ہے تو جہراً پڑھنے سے متعلق صریح جزئیہ درکار ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حضرت اِمام اَبوحنیفہؒ کے نزدیک مسبوق کے لئے تکبیرِ تشریق جہراً پڑھنا ضروری نہیں ہے، اور آہستہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

عن محمد بن فضيل قال: رأيت ابن شبرمة غير مرةٍ إذا فاته شيء من الصلاة أيام التشريق قام فقضى ثم كبر.

عن الحسن وابن سيرين في الرجل تفوته الركعة أيام التشريق، قال ابن سيرين: يقضي، ثم يكبر، وقال الحسن: يكبر ثم يقضي. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة / باب في الرجل تفوته الركعة أيام التشريق كيف يصنع؟ ٢٣٩/٤ رقم: ٥٨٧٣-٥٨٧٥)

المسبوق هل يأتي تكبيرات التشريق إذا فرغ من صلاته؟ لا شك أن على قول أبي يوسف ومحمد يأتي به، أما على قول أبي حنيفة إن قيل يأتي به، فله وجه؛ لأنه منفرد من وجه متابع الإمام من وجهٍ، فمن حيث أنه منفرد يسقط، ومن حيث أنه متابع لا يسقط، والتكبيرات وجبت عليه بالشروع مع الإمام، فلا تسقط بالشك، وإن قيل لا يأتي به فله وجه؛ لأن الجهر بالتكبير بدعة في الأصل، وإنما عرفنا جوازه بالشروع بشرط الأداء بالجماعة، فإذا كان منفردًا من وجه متابعًا من وجه وقع الشك في شرعية الجهر في حقه، فلا تثبت الشرعية في حقه بالشك. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل السابع والعشرون في تكبيرات أيام التشريق ٦٤٢/٢ رقم: ٣٤٨٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۴/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اگر دعا مانگتے وقت تکبیرِ تشریق یاد آئے تو کیا کریں؟

سوال (۷۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: کیا فرض نماز کا سلام پھیر کر فوراً تکبیرِ تشریق کا پڑھنا واجب ہے؟ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سلام پھیر کر دعا مانگتے وقت تکبیرِ تشریق یاد آتی ہے، کیا اُس وقت پڑھ لینے سے وجوب ادا ہوجائے گا؟ یا اگر دعا مانگنا شروع کردی تو تکبیرِ تشریق کا وقت ختم ہوگیا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز فرض کے بعد فوراً تکبیرِ تشریق کہہ لینی چاہئے، اگر زیادہ وقفہ ہوجائے گا تو اُس کا وقت نکل جائے گا، اور اگر دعا مانگتے وقت یاد آ جائے تو اُس وقت بھی پڑھ لینے سے واجب ادا ہوجائے گا۔

وينبغي أن يكبر متصلا بالسلام حتى لو تكلم، أو أحدث متعمدًا سقط، كذا في التهذيب. (الفتاویٰ الهندية / باب العيدين ١/١٥٢ زكريا)

ويجب تكبير التشريق مرةً عقب كل فرضٍ عيني بلا فصلٍ، فلو خرج من المسجد أو تكلم عامدًا أو ساهيًا أو أحدث عامدًا سقط عنه التكبير. (الدر المختار مع الشامي ٣/٦١-٦٣ زكريا)

أن التكبير من خصائص الصلاة حيث لا يؤتى به إلا عقب الصلاة الخ. (البحر الرائق ٢/١٦٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۱/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چرمِ قربانی اور اُسکی قیمت کے مصارف

قربانی کی کھال کا مصرف؟

سوال (۴۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قربانی کی کھال اپنے کام میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟ کسی دوسرے کو دینا کیسا ہے؟ امیر وغریب امام اور مؤذن کو دینے میں کوئی حرج تو نہیں؟ نیز بیچنے اور تبادلہ کا کیا حکم ہے؟ دونوں مسئلوں کو مفصل اور مدلل تحریر فرمائیں، عین کرم ہوگا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قربانی کی کھال سے متعلق تفصیل تین باتوں میں بیان کی جارہی ہے: (۱) کھال کا خود استعمال کرنا (۲) دوسرے کسی شخص کو دینا (۳) بیچنا یا کسی سے تبادلہ کرنا، اِن تینوں کو وضاحت کے ساتھ ترتیب وار بیان کیا جاتا ہے:

(۱) **کھال کا خود استعمال کرنا**:- قربانی کے چمڑے کا ڈول، جوتا، خفین، مصلی، مشکیزہ، دسترخوان وغیرہ تیار کروا کر اپنے استعمال میں لانا، اور دوسروں کو دینا جائز اور درست ہے۔ (کفایت المفتی ۸/۲۲۵ جواب: ۲۹۵)

وله أن ينتفع بجلد أضحيته في بيته بأن يجعله سقاء، أو فروًا أو غير ذلك لما روي عن سيّدتنا عائشة رضي الله عنها أنها اتخذت من جلد أضحيتها سقاءً. (بدائع الصنائع ٤/٢٢٥ زكريا)

أو يعمل منه نحو غربال وجراب وقربة وسفرة ودلو. (الدر المختار مع الشامي ٩/٤٧٥ زكريا)

جائز است کہ تصدق کند پوست قربانی را یا جراب وغربال ومشک وغیرہ چیزے کہ بکار خانہ داری در آید طیار سازد۔ (مالابدمنہ ۱۶۸)

(۲) **قربانی کی کھال دوسرے کو دینا:-** قربانی کی کھال فقیر اور اَمیر، مسلم اور غیر مسلم سب کو دینا جائز ہے؛ لیکن کسی چیز کی اُجرت میں دینا جائز نہیں؛ لہٰذا اِمامِ مؤذن اور مدارس کے مدرسین وملازمین تنخواہوں میں دینا جائز نہیں؛ لیکن اگر کوئی بطور ہبہ دیدے، تو اُن کی کھالوں کو لینا اور فروخت کرکے اپنے استعمال میں لانا جائز اور درست ہے۔ (امدادالفتاویٰ ۳/۵۵۲، کفایت المفتی ۸/۲۹۴)

لیکن مدارسِ اسلامیہ کے غریب ونادار طلبہ ان کھالوں کا بہترین مصرف ہیں، اُن کو دینے میں دوہرے اَجر کا مستحق ہوگا، ایک صدقہ کرنے کا دوسرے علم دین کے حاصل کرنے والوں کی اِعانت کا۔ (جواہر الفقہ ۶/۲۷)

(۳) **بیچنا یا کسی چیز سے تبادلہ کرنا:-** قربانی کی کھال فروخت کرکے اپنے کام میں لانا اور مسجد کے امام، مؤذن، مدرسین اور ملازمین کی تنخواہوں میں صرف کرنا جائز نہیں، اُس کی قیمت غریبوں پر صدقہ کرنا لازم اور ضروری ہے، جن چیزون کو باقی رکھ کر نفع اُٹھانا ناممکن ہو، کھال کا اُن سے تبادلہ جائز نہیں، اگر تبادلہ کرلیا تو اُن کا صدقہ کرنا لازم ہے، جیسے: تیل، گھی، مصالح، آٹا وغیرہ اور جن چیزوں سے باقی رکھ کر نفع حاصل کرنا ممکن ہو، اُن سے تبادلہ جائز ہے، جیسے جانماز، کپڑا وغیرہ۔ (امدادالفتاویٰ ۳/۵۶۴)

ذبح کرنے اور کھال اُتارنے کی اُجرت میں کھال متعین کرنا جائز نہیں، الگ سے اُجرت متعین کرنی چاہیئے، اگر کسی نے اُجرت میں دے دیا تو قیمت کا صدقہ کرنا لازم ہے۔

ولا بأس بأن يشتري به ما ينتفع بعينه في البيت مع بقائه استحبابًا. (فتح القدير ٤٣٦/٨ کوئٹہ)

جائز نیت کہ چیزے از اضحیہ بہ اُجرت قصاب دادہ شود، چنانچہ در عوام رواج است کہ پوست قربانی را بقصاب عوض اُجرت او می دہند۔ (مالا بدمنہ ۱۶۹)

ولا أن يعطي أجر الجزار والذابح منها. (بدائع الصنائع ٤/٢٢٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۸/۱۰/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی کی کھال کی قیمت کے مصارف؟

سوال (۷۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قربانی کی کھال کی رقم کہاں کہاں خرچ کرسکتے ہیں؟ یا کہاں کہاں لگاسکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چرمِ قربانی کی رقم اپنے ذاتی استعمال میں نہیں لائی جاسکتی ہے، اُس کو بھی زکوٰۃ کے مصارف میں صرف کرنا لازم ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ﴾ [التوبة، جزء آيت: ٦٠]

ولو باعها بالدراهم ليتصدق بها جاز؛ لأنه قربة كالتصدق. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الأضحية / الباب السادس ٥/٣٠١)

ولا يدفع إلىٰ أصله وإن علا، وفروعه وإن سفل. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الزكاة / الباب السابع في المصارف ١/١٨٨ زكريا)

ولا يدفع إلى أصله وإن علا، أو فروعه وإن سفل. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الزكاة / باب في بيان أحكام مصرف ١/٣٣١ المكتبة الغفارية كوئٹه)

ولا يصح دفعها لكافرٍ وغني يملك نصابًا ...... وأصل المكي وفروعه. (مراقي الفلاح) قوله: وأصل المكي وفروعه: لأن الواجب عليه الإخراج عن ملكه رقبة ومنفعة، ولم يوجر في الأصول والفروع، والإخراج عن ملكه منفعه وإن وجد رقبة، وهٰذا الحكم لا يخص الزكاة؛ بل كل صدقة واجبة كالكفارات،

وصـدقة الفطر والنذور لا يجوز دفعها إليهم. (حـاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الزكاة / باب المصرف ٧٢١)

فإن بيـع الـلـحـم أو الـجـلـد بـه: أي بمستهلك أو بدراهم تصدق بثمنه (الـدر الـمختار) **قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: أي وبالدراهم فيما لو أبدله بها**. (الدر المختار مع الشامي / كتاب الأضحية ٦/ ٣٢٨ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲؍۸؍۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی کی کھال اور اُس کی قیمت کے مصارف؟

سوال (۷۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: یہاں پر ایک پرچہ تقسیم ہوا، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے، سہل الفاظ میں سمجھائیں کہ قربانی کی کھال یا اُس کی قیمت کہاں کہاں خرچ کی جاسکتی ہے، اور یہ پرچہ چند رضا خانیوں کی جانب سے تقسیم ہوا، جن میں مطلقاً جواز کی بات کہی گئی ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یہ بات طے ہے کہ قربانی کے مالک کے لئے قربانی کا چمڑا اپنے استعمال میں لانا یا اُس چمڑے کو اپنے کسی عزیز قریب کو ہدیہ میں دینا اور اُس کے بدلہ میں کوئی باقی رہنے والا سامان خرید کر اُس سے انتفاع اٹھانا سب جائز ہے، اِس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ دوسری طرف یہ بھی متفق علیہ ہے کہ اگر قربانی کرنے والا شخص قربانی کے چمڑے یا دیگر اجزاء کو بیچ دے تو اُس سے حاصل شدہ رقم کا صدقہ کرنا واجب ہے، اور اُس صدقہ واجبہ کے مصارف وہی ہیں جو زکوۃ کے مصارف ہیں؛ لہٰذا اُس رقم کو مسجد یا مدرسہ کی تعمیر میں لگانا درست نہیں ہے۔

اَب مسئلہ یہ ہے کہ یہ کھال مسجد کو دے دی جائے یا مسجد کے متولی کو دے کر اُس کی رقم مسجد میں لگانے کا ارادہ کیا جائے، تو یہ رقم مسجد میں لگانی جائز ہے یا نہیں، یہ بات قابل غور ہے۔ ہمر شتہ

فتویٰ میں اُس کی جن بنیادوں پر اجازت دی گئی ہے وہ صحیح نہیں ہے، اور عباراتِ فقہیہ کے صحیح محمل سے ناواقفیت پر مبنی ہے؛ کیوں کہ جو شخص بھی مسجد کے متولی یا امام کو مسجد کے لئے قربانی کا چمڑا دیتا ہے تو اُس کا منشاء یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ متولی یا امام اُسے بیچ کر ذاتی استعمال میں لے آئے؛ بلکہ وہ صرف اُن لوگوں کو چمڑا بیچنے کا وکیل بناتا ہے؛ لہٰذا جب بھی یہ لوگ بیچیں گے تو اُن کا بیچنا اصل مالک کا بیچنا سمجھا جائے گا؛ اِس لئے کہ وکیل کا فعل مؤکل کی طرف منسوب ہوتا ہے، اور جو حکم مؤکل کے بیچنے کی صورت میں ہے وہی حکم یہاں بھی لاگو ہوگا، یعنی جس طرح مؤکل اسے بیچ کر اُس کی رقم مسجد میں لگانے کا مجاز نہیں ہے، تو اِسی طرح اُس کا وکیل بھی اُس کو بیچ کر مسجد میں نہیں لگا سکتا، سبھی فقہی عبارتیں ہمارے اِس موقف کی تائید کرتی ہیں اور یہی صحیح ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۳/۶۱۵، عزیز الفتاویٰ ۲/۱۷)

أخرج أحمد في مسنده حديثًا طويلاً طرفه هٰذا: ولا تبيعوا لحوم الهدي والأضاحي، فكلوا وتصدقوا واستمتعوا بجلودها، ولا تبيعوها، وإن أطعمتم من لحمها فكلوا إن شئتم. (المسند للإمام أحمد بن حنبل ٤/١٥ رقم: ١٦٣١٢)

ونقل ابن حزم عن أبي ظبيان فقلت لابن عباس: كيف نصنع بإهاب البدن؟ قال: يتصدق به وينتفع به، وعن عائشة رضي الله عنها أم المؤمنين أن يجعل من جلد الأضحية سقاء ينبذ فيه، وعن مسروق أنه كان يجعل من جلد أضحية مصلي يصلي فيه، وصح عن الحسن البصري: انتفعوا بمسوك الأضاحي ولا تبيعوها. (المحلي لابن حزم / كتاب الأضاحي ٦/٥٢ تحت رقم المسئلة ٩٨٦)

ويتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال وجراب وقربة وسفرة ودلوٍ أو يبدله بما ينتفع به باقيًا كما مر، لا بمستهلک کخل ولحم ونحو، وكدراهم؛ فإن بيع اللحم أو الجلد به أي بمستهلک أو بدراهم تصدق بثمنه أي وبالدراهم فيما لو أبدله بها، ولا يعطي أجر الجزار منها؛ لأنه كبيع؛ لأن كلا منهما معاوضة؛ لأنه إنما يعطي الجزار بمقابلة جزره والبيع مكروه، فكذا ما في معناه كفاية الخ. (شامي،

كتاب الأضحية / ويتصدق بجلدها واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح ولا أن يعطي أجر الجزار والذابح منها ٣٢٨/٦ كراچی، الفتاوىٰ الهندية، كتاب الأضحية / الباب السادس ٥/١ ٣٠ كوئٹه، البحر الرائق /كتاب الأضحية ١٧٨/٨ كوئٹه، تبيين الحقائق / كتاب الأضحية ٤٨٦/٦ المكتبة الإمدادية ملتان)

وإنما حل بيعه بما يمكن الانتفاع به مع بقاء عينه؛ لأنه يقوم مقام المبدل فكأنه باق وهو شبيه بما لو صنع من الجلد شيء ينتفع به كالقربة والدلو. (الموسوعة الفقهية ١٠٤/٥، الدر المختار مع الشامي ٤٧٤/٩ زكريا)

بيع شيء من لحمها أو شحمها أو صوفها أو شعرها أو وبرها أو غير ذٰلک، إذا كان البيع بدراهم أو دنانير أو ماكولات أو نحو ذٰلک مما لا ينتفع به إلا باستهلاک عينه، فهٰذا البيع لا يحل وهو مكروه تحريمًا ،فإن باع نفذ البيع عند أبي حنيفة ومحمد، ووجب عليه التصدق بثمنه؛ لأن القربة ذهبت عنه ببيعه ولا ينفذ البيع عند أبي يوسف، فعليه أن يسترده من المشتري؛ فإن لم يستطع وجب التصدق بثمنه. (الموسوعة الفقهية ١٠٤/٥)

فإذا تمولته بالبيع وجب التصدق؛ لأن هٰذا الثمن حصل بفعل مكروه فيكون خبثًا فيجب التصدق. (عيني شرح الهداية ١٩٠/٤، شامي ٤٧٥/٩ زكريا)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكًا لا إباحةً كما مر لا يصرف إلى بناء نحو مسجد، وفي الشامية: كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار وكل ما لا تمليک له. (شامي، كتاب الزكاة / باب المصرف ٢٩١/٣ زكريا)

ومن شرط الوكالة أن يكون المؤكل ممن يملک التصرف ويلزمه الأحكام؛ لأن الوكيل يملک التصرف من جهة المؤكل، فلا بد أن يكون المؤكل مالكًا ليملكه من غيره. (الهداية / كتاب الوكالة ١٧٩/٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۲/۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی کے پیسوں کا مصرف؟

سوال (۷۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قربانی کے پیسے کہاں لگ سکتے ہیں، اور کہاں نہیں لگ سکتے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کے پیسے اُنہیں جگہوں پر صرف کئے جاسکتے ہیں جہاں زکوٰۃ کی رقم صرف کی جاسکتی ہے، جیسے غرباء اور مساکین اور مدارس کے طلبہ۔ اور جہاں زکوٰۃ صرف نہیں ہوسکتی، جیسے کہ مساجد اور تعمیرات وغیرہ، تو اُن میں قربانی کی کھالوں کی رقومات لگانا بھی جائز نہیں۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکًا لا إباحةً کما مر لا یصرف إلی بناء نحو مسجد، وفي الشامیة: کبناء القناطر والسقایات وإصلاح الطرقات وکری الأنهار وکل ما لا تملیک له. (شامي، کتاب الزکاة / باب المصرف ۲۹۱/۳ زکریا)

ولا ینبغي له أن یصرف ذٰلک العشر إلی عمارة الرباط، وإنما یصرف إلی الفقراء لا غیر، ولو صرف إلی المحتاجین، ثم إنهم انفقوا علی عمارة الرباط جاز، وکذلک من علیه الزکاة لو أراد صرفها إلی بناء المسجد أو القنطرة لا یجوز، فإن أراد الحیلة فالحیلة أن یتصدق به المتولي علی الفقراء، ثم الفقراء یدفعونه إلی المتولي، ثم المتولي یصرف إلی ذٰلک. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الوقف / الباب الثاني عشر في الرباط والمقابر ۴۷۳/۲ کوئٹہ، خانیة علی الهندیة، کتاب الوقف / فصل المقابر ۳۱۵/۳) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۲/۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی کی کھالوں کی رقم مستحقین پر خرچ کرنا؟

سوال (۷۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: جماعت کی ویلفیئر کمیٹی کے ذریعہ جماعت کے لوگوں کی جانب سے قربانی کی کھالیں جمع کی جاتی ہیں اور اُن کھالوں کو بیچ کر اُس رقم سے قوم کے غریب اور ضرورت مند لوگوں کی دوا اسپتال میں علاج کے اخراجات تحقیق کے بعد اٹھائے جاتے ہیں، اِس طرح کی خدمت کا سلسلہ شروع کئے ہوئے تین سال ہو چکے ہیں، گذشتہ دو سال میں اگلے سال کی بچی ہوئی رقم کو آئندہ سال کی رقم میں جوڑ دیا جاتا ہے، اس طرح سے ہم سالانہ تقریباً پونے دو لاکھ روپئے کی رقم کا کام کرتے ہیں، تو سوال یہ ہے کہ یہ اسکیم صحیح ہے؟ اِس معاملہ میں آپ شرعی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر قربانی کی کھالوں کی قیمتیں واقعی غریبوں اور مستحق زکوٰۃ ضرورت مندوں کے علاج پر خرچ کی جائیں تو اِس کی گنجائش ہے؛ لیکن عموماً علاج و معالجہ میں اِس کا امتیاز دشوار ہوتا ہے کہ کون مستحق ہے اور کون مستحق نہیں ہے؛ اِس لئے اِس میں پوری احتیاط اور چھان بین ضروری ہے، جو شخص بھی مالکِ نصاب ہو اُس پر صرف کرنی جائز نہیں ہے۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكًا لا إباحةً. (شامي، كتاب الزكاة / باب المصرف ٣/٢٩١ زكريا)

والأظهر أن يقول: من لا يملك نصابًا ناميًا ليدخل ما ذكره الشارح. (شامي ٣/٢٨٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱/۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چرمِ قربانی کے مصارف اور اہلِ مدرسہ کا چرمِ قربانی کی وصولی کا طریقہ؟

سوال (۷۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: چرمِ قربانی کے مصارف کیا ہیں؟ نیز وہ مدارسِ عربیہ اسلامیہ جہاں غریب ونادار اور ہر قسم کے بچے پڑھتے ہیں، اور خود یہ مدارس اُن بچوں کی مکمل کفالت کرتے ہیں، ایسے مدارس میں چرمِ قربانی

دینا کیسا ہے؟ ہمارے اِس علاقہ (گیا) میں اکثر حضرات مدارس میں اپنا چرم قربانی دیتے ہیں، اور بعض لوگ تو خود مدرسہ میں پہنچا دیتے ہیں؛ لیکن اکثر لوگوں کے گھروں میں جا کر چرمِ قربانی وصول کرنا پڑتا ہے۔

چرمِ قربانی وصول کرنے کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ قربانی کے دن سے آٹھ دس روز پہلے شہر کے اَطراف اور محلوں میں جا کر طلبۂ کرام اشتہار چسپاں کرتے ہیں، جس کے ذریعہ مدرسہ کی معاونت کی اپیل کی جاتی ہے، اور لوگوں کے گھروں میں جا کر پمفلٹ تقسیم کیا جاتا ہے، اس پمفلٹ میں مسائل قربانی وکیفیت قربانی لکھا ہوا رہتا ہے، نیز اِس پمفلٹ کے ذریعہ سے مدرسہ کے امداد کی درخواست کی جاتی ہے، نیز لوگوں سے ملاقاتیں کی جاتی ہیں، اور اُن سے کہا جاتا ہے کہ آپ اپنا چرمِ قربانی ہمارے مدرسہ میں دیں، اِس علاقہ کے اکثر اہلِ مدارس کا طرز عمل یہی ہے۔

سوال کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اِس طرح سے اشتہارات چسپاں کرنا اور پمفلٹ تقسیم کرنا شرعاً کیسا ہے؟ جب کہ اِس میں مدرسہ کا کافی خرچ بھی ہوتا ہے، نیز قربانی سے پہلے چرمِ قربانی کی تشکیل کرنا کیسا ہے؟ بعض مدارس والے تشکیل کی حدود کو پار کر کے قربانی سے پہلے چرمِ قربانی کو اپنے مدرسہ کے لئے متعین کرنے کے لئے یہ تدبیر اختیار کرتے ہیں کہ ایامِ قربانی سے پہلے جبراً رسید کاٹ دیتے ہیں، تو اہلِ مدارس کا جبراً رسید کاٹنے کا عمل یا اُن سے وعدہ لینے کا عمل کیسا ہے؟ خاص کر چرمِ قربانی کی ایڈوانس رسید کاٹنا کیسا ہے؟ نیز کمیشن پر چرمِ قربانی وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

چرمِ قربانی وصول کرنے کے لئے بہت سی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اِس میں سب سے زیادہ پریشانی طلبہ اور اساتذہ کو ہوتی ہے، قربانی کا مبارک دن جو کہ اللہ کی طرف سے ضیافت کا دن ہے، اور ہر مسلمان کے لئے خوشی کا دن ہے، اِن مبارک ایام کے لئے اہلِ مدارس طلبہ واَساتذہ کو جبراً روکتے ہیں، طلبہ اور اساتذہ بدرجہ مجبوری اپنی تمام تر خوشیوں کو زیرقدم کر دیتے ہیں، پھر شہر اور دیہات میں جا کر اس طرح کام کرتے ہیں جیسا کہ نقشہ مندرجہ ذیل ہے:

اہلِ مدارس قربانی کے دن اساتذہ وطلبہ کو فجر کی نماز کے بعد ناشتہ سے فارغ کر دیتے ہیں،

ناشتہ سے فراغت کے بعد بعض مقامات پر نمازِ عید الاضحیٰ سے پہلے بھیج دیتے ہیں اور وہیں پر عید الاضحیٰ کی نماز ادا کرتے ہیں، اور بعض مقامات پر عید الاضحیٰ کی نماز پڑھ کر بچے اور اساتذہ کو بھیجتے ہیں، بہرصورت نماز سے فارغ ہونے کے بعد طلبہ اپنے ہاتھوں میں بوریاں لے کر چرمِ قربانی وصول کرنے کے لئے اپنے متعینہ محلوں اور علاقوں میں چلے جاتے ہیں اور جن لوگوں سے پہلے ملاقات کی ہوتی ہے، اُن کے دروازہ پر جا کر چرمِ قربانی کے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں، اتنے میں دوسرے مدرسہ والے اُسی صاحبِ خانہ کے دروازہ پر آ کر اپنے مدرسہ کے لئے چرمِ قربانی کا مطالبہ کرتے ہیں، اِس موقع پر بعض مرتبہ صاحبِ خانہ یہ کہہ کر دامن جھاڑ لیتے ہیں کہ آپ دونوں فیصلہ کرلیں، صاحبِ خانہ کے اس جملہ کہنے پر بعض مرتبہ دونوں مدرسہ والوں کے درمیان نازیبا الفاظ بھی استعمال ہوجاتے ہیں اور کبھی اُلجھاؤ بھی پیدا ہوجاتا ہے، مدرسہ والوں کے اِس عمل کو دیکھ کر دوسرے لوگ برا اَثر لیتے ہیں، جس سے طلبہ واساتذہ کا وقار مجروح ہوجاتا ہے، بعض لوگ لعن طعن اور فقرہ بازی کرتے ہیں، جس سے طلبہ واساتذہ کو دلی تکلیف بھی ہوتی ہے، خلاصہ یہ کہ یوم العید طلبہ واساتذہ کے حق میں ''یوم الخبیث'' بن کر رہ جاتا ہے۔

تو کیا اہلِ مدارس کا طلبہ واساتذہ کے ساتھ اِس مبارک دن میں اُن کی تمام تر خوشیوں پر پانی پھیرتے ہوئے اِس طرح استعمال کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

سوال کے تمام جزئیات پر نظر رکھتے ہوئے مدلل طور پر تسلی بخش جواب تحریر کریں، اللہ تعالیٰ آپ سب کو اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائیں، آمین۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چرمِ قربانی بعینہٖ اپنے یا غیر کے استعمال میں لائی جاسکتی ہے، اور صدقہ بھی کی جاسکتی ہے؛ لیکن جب اُسے فروخت کردیا جائے تو اُس کی قیمت کا صدقہ کرنا لازم ہے، اور مدارس کے نادار بچے بہرصورت اِس صدقہ کا بہترین مصرف ہیں؛ تاہم اِس کی وصول یابی کے لئے ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے اہلِ مدارس کی حیثیت عرفی مجروح ہو یا

آپس میں رسہ کشی کی صورت ہو، جیسا کہ سوال میں لکھا گیا ہے، تو ایسی باتوں سے احتراز لازم ہے، اور مقامی مدارس کے ذمہ داران کو مل جل کر ایسی بات طے کر لینی چاہئے کہ جس سے وصول یابی کے موقع پر آپسی تنازع کی صورت پیش نہ آئے، خصوصاً پیشگی جبریہ رسید کاٹ دینا اور کمیشن پر وصول یابی کرانا شرعاً درست نہیں ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۷/۴۶۲-۴۶۵ ڈابھیل، جواہر الفقہ ۶/۴۲۷)

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا لا تظلموا! ألا لا يحل مال امرء إلا بطيب نفس منه. (مشكاة المصابيح / باب الغصب والعارية، الفصل الثاني ٢٥٥، مرقاة المفاتيح / باب الغصب والعارية، الفصل الثاني ٦/١١٨ المكتبة الأشرفية ديوبند، المسند للإمام أحمد بن حنبل ٥/٧٢، شعب الإيمان للبيهقي ٤/٣٨٧ رقم: ٥٤٩٢ دار الكتب العلمية بيروت)

الوعد هو الإخبار عن فعل المرء امرًا في المستقبل يتعلق بالغير، سواءٌ أكان خيرًا أو شرًا. (معجم المصطلحات والألفاظ الفقهية ٣/٤٨٨)

في القنية: اشترى بلحمها مأكولاً فأكله لم يجب عليه التصدق بقيمته استحسانًا، وإذا دفع اللحم إلى فقير بنية الزكاة لا يحسب عنها في ظاهر الرواية؛ لكن إذا دفع لغني ثم دفع إليه بنيتها يحسب. (شامي ٩/٤٧٥ زكريا)

ويأكل من لحم الأضحية ويؤكل غنيًا ويدخر، ولأنه لما جاز له أن يأكل منه وهو غنيٌّ، فأولىٰ أن يجوز له إطعام غيره وإن كان غنيًا. (تبيين الحقائق ٦/٤٨٥ زكريا)

ويتصدق بجلدها ...... فإن بيع اللحم أو الجلد به أي بمستهلک أو بدراهم تصدق بثمنه. (تنوير الأبصار مع الدر المختار ٩/٤٧٥ زكريا)

لا بأس بأن ينتفع بإهاب الأضحية ...... وإن باعه بدراهم أو فلوس يتصدق بثمنه. (فتاوىٰ قاضي خان ٣/٣٥٤)

وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى

المنازعة. (الدر المختار ۷/۹ زکریا)

ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه له بنصفه أي بنصف الغزل أو استأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه أو ثورًا ليطحن برّه ببعض دقيقه، فسدت في الكل؛ لأنه استأجره بجزء من عمله. (الدر المختار ۷۹/۹ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۸/۱۱/۱۴۳۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قربانی کی کھال فروخت کرکے بغیر تملیک خرچ کرنا؟

سوال (۸۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قربانی کے چمڑے کے سلسلہ میں یہاں علماء اور مفتیان کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے، بعض حضرات اِس کو عیدگاہ اور مسجد ومدرسہ کی زمین کی خریداری، اُس کی تعمیر ومرمت اور وہ مکاتب جہاں صرف مقامی بچے قرآن اور درجہ پرائمری پنجم تک پڑھتے ہیں اُس مکتب کی تعمیر ومرمت، زمین کی خریداری اور مدرسین کی تنخواہ وغیرہ میں دینے کو ناجائز کہتے ہیں، اور دلیل پیش کرتے ہیں کہ قربانی کے جانور کی کھال جب بیچ دی جائے تو اُس کی قیمت واجب التصدق ہے، مساکین وغرباء ہی کو وہ رقم مالک بنا کر دے دینا چاہئے، مکتب یا مسجد کی تعمیر میں وہ رقم استعمال نہیں کرسکتے۔ ہدایہ آخرین میں ہے:

ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بما لا ينتفع به إلا بعد اسهلاكه تصدق بثمنه؛ لأن التقربة انتقلت إلى بدله. (الهداية ٤٣٤/٤ إدارة المعارف ديوبند)

فإن بيع اللحم أو الجلد به، أي بمستهلک أو بدراهم تصدق بثمنه، ومفاده صحة البيع مع الكراهة، وعن الثاني باطل؛ لأنه كالوقف مجتبى الخ. (الدر المختار مع الشامي ٤٧٥/٩ زكريا)

فتاویٰ دار العلوم میں ہے چرمِ قربانی کا صدقہ فقراء ومساکین پر واجب ہے، مسجد کی مرمت وغیرہ میں اُس کا صرف کرنا درست نہیں۔

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قابلِ استفادہ فتویٰ منقول ہے: قربانی کی کھالوں کی قیمت اُن کے فروخت کرنے کے بعد از روئے شریعت صدقۂ واجبہ میں داخل ہے، قربانی کی کھالیں فروخت کرنے کے بعد مثل زکوٰۃ وغیرہ کے اُن کی قیمت کا صدقہ کر دینا واجب ہے؛ لہٰذا اُن کے مصارف بھی مصارفِ زکوٰۃ ہیں، اور چوں کہ زکوٰۃ و دیگر صدقات میں تملیک شرط ہے؛ اِس لئے اُن کو تعمیر مسجد وغیرہ میں صرف کرنا ہرگز جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ تعمیر مسجد میں تملیک نہیں پائی جاتی، حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جب کھال فروخت کر دی تو اُس کی قیمت کا تصدق واجب ہے اور تصدق کی ماہیت تملیک سے ماخوذ ہے؛ کیوں کہ یہ صدقۂ واجبہ ہے، اِسی لئے اُس کے مصارف مثل زکوٰۃ کے ہیں۔

اگر کھالیں مسجد کے متولیان یا پیش اِماموں کو مسجدیں بنانے کے لئے دے دی جائیں کہ یہ لوگ اُس کی قیمت کو تعمیر مساجد میں صرف کریں تو بھی جائز نہ ہوگا؛ کیوں کہ یہاں بھی شرط تملیک جو رکن ہے پائی نہیں جاتی؛ کیوں کہ تملیک کے معنی ہی یہ ہیں کہ کسی شخص کو مالک بنا دینا؛ تاکہ وہ مالک ہو جانے کے بعد جو چاہے کرے، اور بصورتِ مذکورہ اِس قسم کا مالک بنایا نہیں جاتا؛ بلکہ دینے والے اس لئے دیتے ہیں کہ یہ رقم تعمیر مساجد میں صرف کی جائے اور یہ تملیک نہیں؛ بلکہ سراسر توکیل ہے، قربانی کرنے والے کو ایسا مجاز نہیں کہ کھال کی قیمت تعمیر مساجد میں صرف کرے، ویسا ہی اُن کو یہ بھی مجاز نہیں کہ کسی دوسرے کو مساجد وغیرہ کی تعمیر میں اُسے صرف کرنے کو وکیل بنا دے؛ کیوں کہ جس تصرف کے لئے خود موکل کو مجاز نہیں ہے، اُس کے واسطے دوسرے کو وکیل بنانا جائز نہیں۔ چناں چہ ’’ہدایہ‘‘ کی ’’کتاب الوکالۃ‘‘ میں ہے:

من شرط الوكالة أن يكون الموكل ممن يملك التصرف ويلزمه الاحكام؛ لأن الوكيل يملك التصرف من جهة الموكل، فلابد أن يكون الموكل مالكا ليملّكه من غيره. (الهداية ۳/ ۱۷۹ إدارة المعارف ديوبند)

خلاصہ یہ کہ جب قربانی کی کھال فروخت کر دی گئی، پھر اُس کی قیمت مساجد وغیرہ میں

صرف کرنا شرعاً ممنوع ہے، اور نہ اُسے دوسرے کو اس لئے دینا جائز ہے کہ بعد فروختگی اُس کی قیمت تعمیر مساجد میں صرف کریں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۹؍۴۲)

جو لوگ جواز کے قائل ہیں وہ دلیل پکڑتے ہیں ''کفایت المفتی'' سے، جس میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ قربانی کی کھال سے خود فائدہ اٹھانا یا کسی کو کھال دے دینا، خواہ وہ غنی ہو، یا فقیر، ہاشمی ہو یا اور کوئی، اپنے اُصول وفروع ہوں یا اجنبی، یہ سب جائز ہے اور اِس میں تملیک بھی لازم نہیں؛ کیوں کہ خود اپنے لئے اُس کا مصلی ڈول وغیرہ بنالینا اور کام میں لانا جائز ہے جس میں تملیک متصور نہیں۔ (کفایت المفتی ۸؍۲۲۶)

دوسری جگہ مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ قربانی کی کھال اگر قربانی کرنے والا کسی کو دیدے اور وہ شخص جس کو کھال دی ہے، اُسے فروخت کر کے کسی معلم کو تنخواہ دے یا مسجد کی تعمیر میں خرچ کردے تو جائز ہے۔ (کفایت المفتی ۸؍۲۲۸)

مئو میں کئی انجمنیں قائم ہیں، جیسے ''انجمن اسلامیہ انصاری ٹرسٹ'' وغیرہ جو چمڑے وصولتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اسے فلاحی اور رفاہی کاموں میں خرچ کرتے ہیں، مثلاً: لاوارث لاش کی تجہیز وتکفین وتدفین، مریضوں کا علاج، غریبوں کے مکان کی تعمیر، اصلاحی جلسے اور اس میں علماء کرام کے آمد ورفت کے کرائے اور مشاعرہ وغیرہ، جب کہ آپ کے مسائل اور ان کا حل ۴؍۲۱۳ پر حضرت مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ قربانی کی کھالیں فروخت کرنے کے بعد اُن کا حکم زکوٰۃ کی رقم کا ہے، جس کی تملیک ضروری ہے اور بغیر تملیک کے رفاہی کاموں میں اُس کا خرچ کرنا درست نہیں، قربانی کی کھالیں ایسے ادارے اور جماعت کو دی جائیں جو شرعی اُصولوں کے مطابق اُن کو صحیح جگہ خرچ کرسکیں۔

مذکورہ بالا مسئلہ کی ایسی وضاحت کی جائے کہ تضاد ختم ہو اور سبھی لوگوں کو مسئلہ سمجھنے میں سہولت ہو۔ اور حیلہ شرعی کیا ہے اِس کی بھی وضاحت کریں؟ آج ہر کس وناکس حیلہ کر کے زکوٰۃ، کھال اور اُس کے مثل رقموں کو اپنے من مانی خرچ میں لا رہا ہے، مثلاً اسکول، اسپتال، سرائے، مکاتبِ دینیہ،

مساجد، عیدگاہ وغیرہ، پہلے حیلہ علماء اور صلحاء کرتے تھے، اب اوباش شر پسند، مغربی تہذیب وتمدن کے حامل لوگ کرتے ہیں، قرآن واَحادیث کی روشنی میں مدلل ومفصل تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کی کھالوں کو بیچ کر بلا تملیک متفرق مصارف میں صرف کرنے کے لئے سوال میں جو حیلہ لکھا گیا ہے وہ شرعاً درست نہیں ہے؛ اِس لئے کہ مدرسہ کے مہتمم یا کسی تنظیم کے ذمہ دار کو قربانی کی کھال جو دی جاتی ہے وہ تملیکاً نہیں ہوتی؛ بلکہ توکیلاً ہوتی ہے، یعنی اُس ذمہ دار کو یہ حق نہیں ہوتا ہے کہ وہ اُسے اپنے ذاتی مصرف میں کسی طرح بھی استعمال کرے؛ بلکہ وہ محض دینے والے کا وکیل ہوتا ہے، اَب اگر وہ اُس کھال کو بیچ دے تو جس طرح مؤکل کے بذات خود بیچنے کی صورت میں بالاتفاق کھال کی قیمت واجب التصدق ہوتی ہے، اِسی طرح وکیل کے بیچنے کی شکل میں بھی کھال کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا، اور مصارفِ صدقہ کے علاوہ اُس کی رقم خرچ کرنے کی شرعاً اجازت نہ ہوگی۔ یہی بات فتاویٰ رحیمیہ میں حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمہ اللہ نے لکھی ہے جو آپ کے سوال میں نقل شدہ ہے۔ اور کفایت المفتی کے فتاویٰ کا محمل وہ صورت ہے جب کہ کسی شخص کو کھال کا بالکلیہ حقیقۃً مالک بنادیا جائے، تو اسے اختیار رہتا ہے کہ وہ خواہ چمڑے سے فائدہ اٹھائے یا اُس کی قیمت سے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آج کل ہر چھوٹے بڑے اِدارے اور تنظیموں کی طرف سے قربانی کی کھالوں کو جمع کرکے اُن کی قیمت کیف ما اتفق خرچ کرنے کا جو رواج پڑ گیا ہے یہ قطعاً صحیح نہیں ہے، اِس پر نکیر کرنا اور اِس طریقہ کو چھوڑنا لازم ہے، اور جو لوگ اِس میں بے احتیاطی کرتے ہیں وہ عنداللہ مؤاخذہ سے بچ نہیں پائیں گے۔ (امداد الفتاویٰ ۳/ ٦١٥، عزیز الفتاویٰ ۱۲۷)

وإنما حل بيعه بما يمكن الانتفاع به مع بقاء عينه؛ لأنه يقوم مقام المبدل، فكأنه باقٍ وهو شبيه بما لو صنع من الجلد شيء ينتفع به كالقربة والدلو.

(الموسوعة الفقهية ١٠٤/٥ كويت، الدر المختار مع الشامي ٤٧٥/٩ زكريا)

بيع شيء من لحمها أو شحمها أو صوفها أو شعرها أو وبرها أو لبنها الذي حلب منها بعد ذبحها، أو غير ذٰلک إذا كان البيع بدراهم أو دنانير أو ماكولات أو نحو ذلک مما لا ينتفع به إلا باستهلاک عينه، فهٰذا البيع لا يحل وهو مكروه تحريمًا، فإن باع نفذ البيع عند أبي حنيفة ومحمد، ووجب عليه التصدق بثمنه؛ لأن القربة ذهبت عنه ببيعه، ولا ينفذ البيع عند أبي يوسف، فعليه أن يسترده من المشتري، فإن لم يستطع وجب التصدق بثمنه. (الموسوعة الفقهية ٥/٤ ١٠)

فإذا تمولته بالبيع وجب التصدق؛ لأن هٰذا الثمن حصل بفعل مكروه، فيكون خبيثًا فيجب التصدق. (البناية والنهاية شرح الهداية / كتاب الأضحية ١٢/٥٥، الفتاوىٰ الهندية ٥/١ ٣٠، شامي ٩/٤٧٥ زكريا)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكًا لا إباحةً كما مر لا يصرف إلى بناء نحو مسجد، وفي الشامية: كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار وكل ما لا تمليک له. (شامي، كتاب الزكاة / باب المصرف ٣/٢٩١ زكريا)

ومن شرط الوكالة أن يكون المؤكل ممن يملک التصرف ويلزمه الأحكام؛ لأن الوكيل يملک التصرف من جهة المؤكل، فلا بد من أن يكون المؤكل مالكًا ليملّكه من غيره. (الهداية / كتاب الوكالة ٣/١٦٣ إدارة المعارف ديوبند، ٣/١٧٩ الأمين كتابستان ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۵/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چھوٹے مکتب میں چرمِ قربانی کی کھال دینا؟

سوال (۸۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے شہر میں چرمِ قربانی کی کھال مسجد کے جو چھوٹے مکتب دیتے ہیں، اُن میں باہر کا کوئی

بچہ بھی نہیں پڑھتا، تو کیا ہم اُن مکاتب میں دے سکتے ہیں؟ اور مسجد کے امام صاحب جو کہ مولانا حضرات ہوا کرتے ہیں وہ خود لے جاتے ہیں، تو کیا اُن مکاتب میں چرمِ قربانی کی کھال لگ سکتی ہے؟ اگر لگ سکتی ہے تو کون سے حیلہ سے لگ سکتی ہے؟ مفصل جواب دیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کی کھال اگر فروخت کی جائے تو اُس کے پیسے کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کے پیسہ کا مصرف ہے؛ لہٰذا ایسے چھوٹے مکاتب جن میں زکوٰۃ کا مصرف نہیں پایا جاتا، وہاں برائے فروختگی چرمِ قربانی دینا جائز نہیں، ایسے ہی مسجد کے امام صاحب اگر خود صاحبِ نصاب ہو تو اُن کے لئے قربانی کی کھال لے کر اُسے فروخت کرکے اُس کے پیسے کو اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر وہ قربانی کی کھال کو بعینہٖ استعمال کریں، مثلاً اُس کو دباغت دے کر جائے نماز بنالیں یا کسی اور استعمال میں لائیں تو اِس کی اجازت ہے۔ اور آپ نے مکاتب میں کھالوں کی رقم استعمال کرنے کے لئے حیلہ پوچھا ہے، تو یاد رکھنا چاہئے کہ ایسا حیلہ جس سے مقصدِ شریعت پر حرف آئے وہ دیانۃً مؤاخذہ سے بچنے کا سبب نہیں بن سکتا؛ اِس لئے ذمہ دارانِ مکاتب کو فکرِ آخرت لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۷/۴۶۲ ڈابھیل)

مصرف الزكاة وهو مصرف أيضًا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذٰلک من الصدقات الواجبة. (رد المحتار علی الدر المختار ۲/۳۳۹ کراچی، ۳/۲۸۳ زکریا)

وقيد بالزكاة؛ لأن النفل يجوز للغني كما للهاشمي، وأما بقية الصدقات المفروضة والواجبة كالعشر والكفارات والنذور وصدقة الفطر فلا يجوز صرفها للغني لعموم قوله عليه السلام: لا تحل صدقة لغني. (البحر الرائق ۲/۲٤٥ کوئٹہ)

ويتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال أو جراب. (البحر لرائق ۸/۳۲۷ زکریا)

وقال محمد: يكره لما فيه من القصد إلى إبطال حق الفقراء بعد وجود سببه. (عمدة القاري ١٤/١١١ بيروت)

فإن بدل اللحم والجلد يتصدق به أي بالبدل؛ لأن القرابة انتقلت إلى بدله، فيجبر على التصدق به. (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر ٤/ ١٧٤ كوئٹه) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۱۲/۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مکتب کی تعمیر میں چرمِ قربانی لگانا؟

سوال (۸۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) بندہ کے گاؤں میں ایک مکتب ہے، جس میں تقریباً آٹھ مدرسین وملازمین خدمت کرتے ہیں، اگر بچوں پر فیس وغیرہ متعین کریں، تو اُن کے والدین معذوری کا اظہار کرتے ہیں، تو ایسے مکاتب میں چرمِ قربانی کی رقم خواہ مدرسین کی تنخواہ کی شکل میں یا مکتب کی تعمیر کی شکل میں لگانا از روئے شرع کیسا ہے؟

(۲) حیلۂ تملیک کی کوئی ایسی شکل ہے جس کی بنیاد پر مذکورہ مصارف میں خرچ کی گنجائش نکل سکے؟

(۳) نیز اگر چرمِ قربانی کی رقم بچوں کے قرآن شریف، کاپی، ٹپائی اور دیگر ایسی ہی ضرورتوں میں صرف کریں، تو کیسا ہے؟ جب کہ اُن کے بچے خود بھی مکتب میں پڑھ رہے ہوں، اور اگر چرمِ قربانی دینے والے حضرات کے بچے نہ ہوں، تو پھر مذکورہ مصارف میں خرچ کرنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) تعمیرات میں براہِ راست چرمِ قربانی کی رقم لگانا جائز نہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۶/ ۲۹۴)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکًا لا إباحةً کما مر لا یصرف إلی بناء نحو مسجد، وفي الشامیة: کبناء القناطر والسقایات وإصلاح الطرقات وکری الأنهار وکل ما لا تملیک له. (شامي، کتاب الزکاة/ باب المصرف ۳/ ۲۹۱ زکریا)

ولا يعطى أجر الجزار منها؛ لأن كلا منهما معاوضة؛ لأنه إنما يعطى الجزار بمقابلة جزره والبيع مكروه، فكذا ما في معناه. (شامي ٤٧٥/٩ زكريا، البحر الرائق ١٧٨/٨)

(۲) حیلۂ تملیک ایسے اِدارہ کے لئے جائز ہوتا ہے جہاں مصارفِ زکوٰۃ پہلے سے موجود ہوں، اور جس مکتب میں صرف مقامی بچے پڑھتے ہوں وہاں عموماً مصرفِ زکوٰۃ نہیں پایا جاتا، اِس لئے ایسے مکتب میں حیلۂ تملیک کی اِجازت نہیں ہوگی۔

إن الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هٰذه الأشياء. (الدر المختار) **وفي التعبير بثم إشارة إلى أنه لو أمره أولاً لا يجزي؛ لأنه يكون وكيلاً عنه في ذٰلک.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الزكاة / باب المصرف ٢٩٣/٣ زكريا، الفتاویٰ الهندية، كتاب الزكاة / باب المصرف ٤٧٣/٢)

(۳) غریب خاندان کے بچوں کو چرمِ قربانی کی رقم سے قرآنِ پاک، کاپی وغیرہ خرید کر دی جاسکتی ہے؛ لیکن اپنی اولاد کو یہ رقم دینا درست نہیں ہوگا۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۲۴۷/۶)

ولا يصرف إلى من بينهما ولاد (الدر المختار) **أي بينه وبين المدفوع إليه؛ لأن منافع الأملاک بينهم متصلة، فلا يتحقق التمليک على الكمال ...... أي أصله، وإن علا كأبويه وأجداده وجداته من قبلهما وفرعه وإن سفل كأولاد الأولاد.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الزكاة / باب المصرف ٢٩٣/٣ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۲/۲/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس مدرسہ میں بیرونی طلبہ کا قیام وطعام نہ ہو اُس میں چرمِ قربانی دینا؟

سوال (۸۳):- کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: چرمِ قربانی کی رقم ایسے مدرسہ میں صرف کرنا کیسا ہے، جہاں بیرونی طلبہ کے قیام وطعام کا انتظام نہیں ہے، نہ باہر کے طلبہ پڑھتے ہیں؟ تو اس مدرسہ میں وہ رقم خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کی کھال بیچ دینے کے بعد اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے، جس کے مستحق غرباء ومساکین ہیں، اور مسئولہ مدرسہ میں چوں کہ مستحق طلبہ نہیں رہتے ہیں؛ اِس لئے اُس مدرسہ میں چرمِ قربانی کی رقم کا صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۳۱۵/۹، عزیز الفتاویٰ ۱/۱۱۷)

ومصرف الزكاة، وفي الشامية: والكفارة النذر وغير ذٰلك من الصدقات الواجبة وهو فقير. (شامي ۲۸۳/۳ زكريا)

ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بما لا ينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه. (الهداية / كتاب الأضحية ٤٣٤/٤ إدارة المعارف ديوبند، ٤٥٠/٤ الأمين كتابستان)

فإن بدل اللحم أو الجلد يتصدق به أي بالبدل؛ لأن القربة انتقلت إلى بلده فيجر على التصدق به. (سكب الأنهر / كتاب الأضحية ١٧٥/٤ دار الكتب العلمية بيروت، البحر الرائق / كتاب الأضحية ١٧٨/٨ كوئٹه)

فإن بيع اللحم أو الجلد به أي بمستهلك أو بدراهم تصدق بثمنه. (الدر المختار / كتاب الأضحية ٣٢٨/٦ دار الفكر بيروت)

ويتصدق بجلدها أو يعمله آلة كجراب أو خف أو فرد أو يشتري به ما ينتفع به مع بقائه كغربال، فإن بدل اللحم أو الجلد به أي بما ينتفع بالاستهلاك جاز ويتصدق به. (مجمع الأنهر / كتاب الأضحية ١٧٤/٤ دار الكتب العلمية بيروت)

وقيد بالزكاة؛ لأن النفل يجوز للغني كما للهاشمي، وأما بقية الصدقات المفروضة والواجبة كالعشر والكفارات والنذر وصدقة الفطر فلا يجوز صرفها

للغني الخ. (البحر الرائق، کتاب الزکاۃ / باب المصرف ۲/ ۲٤٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۲/ ۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چرم قربانی یا فطرہ کے پیسوں کو مسجد میں لگانا

سوال (۸۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قربانی یا فطرہ کے پیسوں کو مسجد کے کسی کام میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً غسل خانہ یا لیٹرین وغیرہ میں اگر کسی کام میں استعمال کرنے کی گنجائش ہو تو ضرور بالتفصیل تحریر کریں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چرم قربانی اور صدقہ فطر کے پیسے مسجد کے کسی کام میں بھی خرچ کرنا جائز نہیں؛ بلکہ یہ فقراء ومساکین کا حق ہے، اور اُن تک پہنچانا لازم ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسَاكِيۡنَ﴾ [التوبۃ، جزء آیت: ٦٠]

لا يصرف إلى بناء نحو مسجد. (شامي ۳/ ۲۹ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۴/۵/ ۱۴۲۲ھ

قربانی کی کھال کا پیسہ مسجد میں لگانا؟

سوال (۸۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قربانی کی کھالوں کا پیسہ کیا مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ جیسا کہ ان پیسوں سے مصلیٰ وغیرہ خریدنا یا مسجد کے دوسرے کاموں میں صرف کرنا جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو قربانی کی کھالیں مسجد کے لئے اِس غرض کے لئے جمع کی جائیں کہ اُن کو فروخت کر کے اُن کی رقم مسجد میں لگائی جائے گی، تو اُس رقم کا مسجد میں لگانا جائز

نہیں؛ کیوں کہ قربانی کی کھالوں کی رقم کا مصرف صرف فقراء اور مساکین ہیں، مسجد اُس کے مصرف میں شامل نہیں ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۳/ ۴۸۳، احسن الفتاویٰ ۷/ ۴۹۵، فتاویٰ محمودیہ ۱۴/ ۳۳۳)

فإن بيع اللحم أو الجلد به أي بمستهلك أو بدراهم تصدق بثمنه. (الدر المختار / كتاب الأضحية ٦/ ٣٢٨ دار الفكر بيروت)

ومصرف الزكاة، وفي الشامية: والكفارة النذر وغير ذٰلک من الصدقات الواجبة وهو فقير. (شامي ٣/ ٢٨٣ زكريا)

ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بما لا ينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه. (الهداية / كتاب الأضحية ٤/ ٤٣٤ إدارة المعارف ديوبند، ٤/ ٤٥٠ الأمين كتابستان)

فإن بدل اللحم أو الجلد يتصدق به أي بالبدل؛ لأن القربة انتقلت إلى بدله فيجر على التصدق به. (سكب الأنهر / كتاب الأضحية ٤/ ١٧٥ دار الكتب العلمية بيروت، البحر الرائق / كتاب الأضحية ٨/ ١٧٨ كوئٹه)

ويتصدق بجلدها أو يعمله آلة كجراب أو خف أو فرد أو يشتري به ما ينتفع به مع بقائه كغربال، فإن بدل اللحم أو الجلد به أي بما ينتفع بالاستهلاک جاز ويتصدق به. (مجمع الأنهر / كتاب الأضحية ٤/ ١٧٤ دار الكتب العلمية بيروت)

وقيد بالزكاة؛ لأن النفل يجوز للغني كما للهاشمي، وأما بقية الصدقات المفروضة والواجبة كالعشر والكفارات والنذر وصدقة الفطر فلا يجوز صرفها للغني الخ. (البحر الرائق، كتاب الزكاة / باب المصرف ٢/ ٢٤٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۱/ ۲/ ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چرمِ قربانی کو مساجد اور رفاہی کاموں میں لگانا؟

سوال (۸۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: چرمِ قربانی کے مستحق کون لوگ ہیں، چرمِ قربانی کو مسجد یا اِسی طرح رفاہِ عام کے لئے اسپتال وغیرہ بنوانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چرمِ قربانی کی قیمت غرباء کا حق ہے، اِس رقم کو مساجد اور دیگر رفاہی کاموں میں صرف کرنا درست نہیں ہے۔

ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بما لا ينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه. (الهداية / كتاب الأضحية ٤٣٤/٤ إدارة المعارف ديوبند، ٤٥٠/٤ الأمين كتابستان)

فإن بدل اللحم أو الجلد يتصدق به أي بالبدل؛ لأن القربة انتقلت إلى بدله فيجر على التصدق به. (سكب الأنهر / كتاب الأضحية ١٧٥/٤ دار الكتب العلمية بيروت، البحر الرائق / كتاب الأضحية ١٧٨/٨ كوئٹه)

فإن بيع اللحم أو الجلد به أي بمستهلك أو بدراهم تصدق بثمنه. (الدر المختار / كتاب الأضحية ٣٢٨/٦ دار الفكر بيروت)

ويتصدق بجلدها أو يعمله آلة كجراب أو خف أو فرد أو يشتري به ما ينتفع به مع بقائه كغربال، فإن بدل اللحم أو الجلد به أي بما ينتفع بالاستهلاك جاز ويتصدق به. (مجمع الأنهر / كتاب الأضحية ١٧٤/٤ دار الكتب العلمية بيروت)

وقيد بالزكاة؛ لأن النفل يجوز للغني كما للهاشمي، وأما بقية الصدقات المفروضة والواجبة كالعشر والكفارات والنذر وصدقة الفطر فلا يجوز صرفها للغني الخ. (البحر الرائق، كتاب الزكاة / باب المصرف ٤٥٠/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۸/۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چرمِ قربانی کی رقم سے مکتب کی تپائیاں وغیرہ بنانا؟

سوال (۸۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: مسجد میں چلنے والے مکتب میں اُس کے اخراجات مثلاً ٹپائیاں، بوری، دری، مدرس کی تنخواہ کے واسطے کیا چرمِ قربانی کی رقم استعمال کی جاسکتی ہے، مکتب بھی جزوقتی ایک ہی وقت کا ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چرمِ قربانی کی رقم مکتب کے اخراجات مثلاً: بوری، دری وغیرہ اور مدرس کی تنخواہ میں صرف کرنا درست نہیں ہے؛ بلکہ اس کا فقراء ومساکین پر صدقہ کرنا لازم ہے۔ (کفایت المفتی ۸/۲۴۷، فتاویٰ محمودیہ ۱۱/۳۳۹، جواہر الفقہ ۲/۴۵۳)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ﴾ [التوبۃ، جزء آیت: ۶۰]

وإن باعه بدراهم أو فلوس يتصدق بثمنه. (فتاویٰ قاضي خان علی هامش الهندية ۳/ ۳۵٤)

مصرف الزكاة وهو مصرف أيضًا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذٰلک من الصدقات الواجبة. (رد المحتار علی الدر المختار ۲/۳۳۹ کراچی، ۳/۲۸۳ زکریا)

وقيد بالزكاة؛ لأن النفل يجوز للغني كما للهاشمي، وأما بقية الصدقات المفروضة والواجبة كالعشر والكفارات والنذور وصدقة الفطر فلا يجوز صرفها للغني لعموم قوله عليه السلام: لا تحل صدقة لغني. (البحر الرائق ۲/ ۲٤٥ کوئٹہ) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۱/۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

قربانی کی کھال دوست کو ہدیہ دینا؟

سوال (۸۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید اور بکر دونوں دوست ہیں اور زید قربانی کی کھال ہدیہ میں اپنے دوست بکر کو دینا چاہتا ہے، تو اپنے دوست کو قربانی کی کھال بطور ہدیہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کی کھال اپنے دوست کو ہدیہ میں دینا درست ہے، خواہ وہ غنی ہو یا فقیر؛ البتہ کھال بیچ کر اُس کی قیمت غنی کو دینا درست نہیں۔

أخرج أحمد في مسنده حديثًا طويلاً طرفه هٰذا: ولا تبيعوا لحوم الهدي والأضاحي، فكلوا وتصدقوا واستمتعوا بجلودها، وإن أطعمتم من لحومها شيئًا فكلوه إن شئتم. (المسند للإمام أحمد بن حنبل ٤/١٥ رقم: ١٦٣١٢)

ونقل ابن حزم عن أبي ظبيان فقلت لابن عباس: كيف نصنع بإهاب البدن؟ قال: يتصدق به وينتفع به، وعن عائشة رضي اللّٰه عنها أم المؤمنين أن يجعل من جلد الأضحية سقاء ينبذ فيه، وعن مسروق أنه كان يجعل من جلد أضحية مصلى يصلي فيه، وصح عن الحسن البصري: انتفعوا بمسوك الأضاحي ولا تبيعوها. (المحلي لابن حزم / كتاب الأضاحي ٦/٥٢ تحت رقم المسئلة ٩٨٦)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من باع جلد أضحيته فلا أضحية له. (المستدرك للحاكم / كتاب التفسير ٤/١٣٠٣ رقم: ٣٤٦٨)

ويهب منها ما شاء للغني والفقير......، ولو باعها بالدراهم ليتصدّق بها جاز. (الفتاوىٰ الهندية ٥/٣٠٠-٣٠١) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۱/۱۱/۱۴۱۰ھ

چرمِ قربانی کی رقم سے کرایہ پر اُٹھانے کا سامان خریدنا؟

سوال (۸۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: چرمِ قربانی کی قیمت کے روپئے مکتب یا ایسے مدرسہ میں جس میں غریب بچے باہر کے مقیم نہ ہوں، لگانا کیسا ہے؟ یا اُن روپیوں سے پلیٹیں خرید کر کرایہ پر دینا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چرمِ قربانی کی رقم صرف فقراء پر خرچ کی جاسکتی ہے، مذکورہ مدرسہ میں یا کرایہ پر اُٹھانے کے لئے سامان کی خریداری میں یہ رقم لگانا ناجائز ہے۔

ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم تصدق بثمنه. (الهداية ٤/٤٣٤)

ويتصدق بجدلها، أو يعمل منه نحو غربال وجراب ...... فإن بيع اللحم أو الجلد به: أي بمستهلک أو بدراهم تصدق بثمنه. (تنوير الأبصار مع الدر المختار / كتاب الأضحية ٦/٣٢٨ كراچی، وكذا في البحر الرائق / كتاب الأضحية ٨/٣٢٧ زكريا، وكذا في الفتاوىٰ الهندية، كتاب الأضحية / الباب السادس في بيان ما يستحب في الأضحية ٥/٣٠١ زكريا)

وإنما يصرف إلى الفقراء لا غير، ولو صرف إلى المحتاجين، ثم إنهم أنفقوا في عمارة الرباط جاز، ويكون ذٰلک حسنًا. (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ الهندية، كتاب الوقف / في المقابر والرباطات ٣/٥ ٣١ زكريا، وكذا في الفتاوىٰ الهندية / كتاب الوقف ٢/٤٧٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۳/۱۲/۱۴۱۴ھ

چرمِ قربانی کا روپیہ قبرستان کی چہار دیواری میں لگانا؟

سوال (۹۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: محلّہ اَصالت پورہ مسجد ہری چگوں والی کے قبرستان پر کچھ لوگوں نے غاصبانہ قبضہ کرکے دوکانیں ویرانے لوہے کے گودام اور گائے بھینسوں کی پرورش گاہیں بنا کر مالی منفعت حاصل کررہے ہیں، اور گوبر کے ڈھیر لگا کر قبرستان کا تقدس پامال کررہے ہیں، اہل محلّہ اِس سلسلہ میں سعی کررہے ہیں کہ حکومت کے ذریعہ غاصبوں کا قبضہ ہٹا کر اُس کا تقدس بحال کیا جائے، اور قبرستان کی چہار دیواری تعمیر کرکے محفوظ کردیا جائے۔ ضروری امر یہ ہے کہ کیا چرمِ قربانی کا روپیہ قبرستان کی چہار دیواری کی تعمیر میں لگایا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چرم قربانی کا روپیہ قبرستان کی چہار دیواری کی تعمیر میں

لگانے کی اِجازت نہیں ہے، اِس کام کیلئے اگرضرورت ہوتو دوسری مد سے چندہ حاصل کرلیا جائے۔

لا يصرف إلى بناء نحو مسجد. (الدر المختار مع الشامي ٣٤٤/٢ كراچى)

ويتصدق بجدلها، أو يعمل منه نحو غربال وجراب ...... فإن بيع اللحم أو الجلد به: أي بمستهلک أو بدراهم تصدق بثمنه. (تنوير الأبصار مع الدر المختار / كتاب الأضحية ٣٢٨/٦ كراچى، وكذا في البحر الرائق / كتاب الأضحية ٣٢٧/٨ زكريا، وكذا في الفتاوىٰ الهندية، كتاب الأضحية / الباب السادس في بيان ما يستحب في الأضحية ٣٠١/٥ زكريا)

مصرف الزكاة والعشر ...... وهو مصرف أيضًا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذٰلک من الصدقات الواجبة. (شامي، كتاب الزكاة / باب المصرف ٣٣٩/٢ دار الفكر بيروت)

وإنما يصرف إلى الفقراء لا غير، ولو صرف إلى المحتاجين، ثم إنهم أنفقوا في عمارة الرباط جاز، ويكون ذٰلک حسنًا. (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ الهندية، كتاب الوقف / في المقابر والرباطات ٣١٥/٣ زكريا، وكذا في الفتاوىٰ الهندية / كتاب الوقف ٤٧٢/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۱۱/۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی کی کھال کی قیمت سے قبرستان کے لئے زمین خریدنا؟

سوال (۹۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی گاؤں کے تمام افراد مل کر اپنی قربانی کی کھال کی قیمت سے اجتماعی طور پر ایک قبرستان کی زمین خریدنا چاہیں، تو کیا اُس قیمت سے خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کی کھال کی قیمت سے قبرستان کی خریداری جائز نہیں ہے، اُس قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے۔

فإن بيع اللحم أو الجلد به أي بمستهلك أو بدراهم تصدق بثمنه. (الدر المختار ٤٧٥/٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۲/۱۱/۱۴۲۴ھ

قربانی کی کھالیں چوری ہوگئیں تو ضمان کس پر؟

سوال (۹۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قصبہ کھیڑا ٹانڈہ، ڈونک پوری ٹانڈہ دونوں بستیوں کے مدارس کے لئے ایک جگہ چرمِ قربانی بقرعید کے موقع پر جمع کی جاتی ہیں، ذمہ دارانِ مدرسہ نگرانی کا بھی معاوضہ لیتے رہے ہیں، گذشتہ سال دس یا بارہ چمڑے جو کہ بڑے بڑے تھے، جن کو دن میں الگ الگ چٹ لگائی گئی تھی، درمیانی اس سے زائد تھے اور چھوٹے اس سے زائد تھے، صرف بڑے بڑے چمڑے چوری ہوئے باقی نہیں، یہ لگ بھگ گاؤں سے ستر آدمیوں کی قربانی ہوئی، ہم لوگوں کو مسئلہ یہی معلوم ہے کہ یا تو قربانی کرنے والا اُس کو اپنی ضروریات میں صرف کرے یا پھر مستحق زکوٰۃ کو دے، یہ صرف کرنا واجب ہے، ورنہ واجب ترک ہوا۔ ظاہر ہے کہ یہ نامعلوم چور مسلمان ہے اور موقع واردات کے قریب کا ہے؛ کیوں کہ ایسی چیز دور نہیں جاسکتی اور یہ چوری نکل سکتی تھی؛ کیوں کہ یہ کاروبار مخصوص لوگوں کا ہے، ہر ایک اس کا بیوپار نہیں کرتا، بہر کیف اِس معاملہ کو دبایا گیا، یہ پراسرار بات ہے۔

اَب سوال یہ ہے کہ فقیر مستحق کی ملکیت میں یہ چرمِ قربانی نہیں گئی تو ادائیگی قربانی کرنے والے کی طرف سے ثابت نہیں ہوئی، سفیر رقوم زکوٰۃ کا وکیل ہوتا ہے یہ بھی وکیل ہوئے، سفیر سے اگر رقم گم ہوجائے یا چوری ہوجائے تو ضمان آتا ہے، وصول کرنے کے بعد فقیر کو دیا جاتا ہے تب ہی معطی کی زکوٰۃ ادا ہوتی ہے، ورنہ معلق رہتی ہے، کیا اس کا بھی یہی مسئلہ ہے؟

ہمارا جی یہ چاہتا ہے کہ ہم خود چرمِ قربانی کو فروخت کرکے مستحقین کو روپیہ دیں، تو کیا یہ شکل درست اور مناسب ہے یا نہیں؟ ستر آدمیوں کی چرمِ قربانی جو کہ اَمین سے ضائع ہوئی اُس کا

شرعی فیصلہ کیا ہے؟ آج تک مولوی نیچر سے اتنے نہیں گرے تھے، جیسا کہ اَب حال ہوا ہے، ہم عوام کیا کریں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں ذکر کردہ تفصیل اگر درست ہے تو اُس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کے چمڑوں کی چوری میں نگرانی کرنے والوں کی کوتاہی کا دخل ہے؛ اس لئے کہ چمڑا ایسی چھوٹی چیز نہیں ہے کہ اُسے آسانی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جائے اور کسی کو پتہ نہ چلے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں جتنے چمڑوں کی چوری کا دعویٰ کیا گیا ہے، اُن کی قیمت چمڑوں کی نگرانی کرنے والوں سے وصول کی جائے گی اور پھر اُس قیمت کو فقراء اور مستحقین پر تقسیم کیا جائے گا، اور جن حضرات نے قربانی کی ہے اُن کی قربانی بہرحال درست ہوچکی ہے، وہ شرعاً کسی قسم کے مؤاخذہ دار نہیں ہیں۔

المودع إذا ربط السلسلة على باب خزانته في خان بحبل ولم يقفله فخرج فسرقت الوديعة، قالوا: إن عد هٰذا إغفالاً وإهمالاً كان ضامنًا وإلا فلا. (خانية على هامش الفتاوىٰ الهندية، كتاب الوديعة / قبيل فصل في هلاك الوديعة بعد الطلب من صاحبها ۳۷۹/۳)

ويتصدق بجلدها أو يعمل منه – إلى قوله – فإن بيع اللحم أو الجلد به أو بلدراهم تصدق بثمنه. (الدر المختار ٤٧٥/٩ زكريا، الهداية ٤٣٤/٤ إدارة المعارف ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۱/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی کی کھالوں کے لئے پیشگی رسید کاٹنا؟

سوال (۹۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے علاقہ میں مختلف اِدارے اور تنظیمیں قربانی کی کھالیں اکٹھا کرتی ہیں، اِس کے لئے عید الاضحیٰ سے چند روز قبل ہی کھال کی رسیدیں جبراً کاٹ کر لوگوں کے گھروں میں ڈال دیتے ہیں، اور

اُسی ثبوت کی بناء پر قربانی کے دن کھال اُٹھا کر لے جاتے ہیں، کیا ہمارا اِس طرح کا عمل از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کھالیں وصول کرنے میں جبر جائز نہیں، جو خوشی سے دینا چاہے رسید اُسی کی کاٹی جائے۔ (کفایت المفتی ۲۴۷/۸)

لا یجوز التصرف في مال غیرہ بلا إذنه و لا و لایته. (الدر المختار مع الشامي، کتاب الغصب / مطلب فیما یجوز من التصرف بمال الغیر ۲۹۱/۹ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۲/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چرمِ قربانی وصول کرنے سے پہلے نیلام کرنا؟

سوال (۹۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) عید کے دن قربانی کے موقع پر اہل مدارس چرم کی وصولی کرتے ہیں، اور تینوں دن کے چرم کی نیلامی پہلے دن ہی کردیتے ہیں، جب کہ دوسرے اور تیسرے دن کے چرم پر قبضہ نہیں ہوا ہوتا، کیا از روئے شرع قبضہ سے پہلے نیلامی کرنا درست ہے؟

(۲) اگر پہلے دن کے چرم کو نمونہ بنا کر آئندہ دو دن ملنے والے چرم کا بھاؤ پہلے ہی طے کر کے اُسی بھاؤ سے آئندہ دو دن والے چرم کو بھی بیچ دیں، تو کیا جائز ہے؟

(۳) چرم یا اُس کی قیمت کا مصرف کون لوگ ہیں؟ کیا ایسے مدارس یا مکاتب جہاں طلبہ کے قیام وطعام کا نظم نہ ہو، وہاں چرم دیا جا سکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) جو چیز بائع کے قبضہ میں نہیں ہے، اُس کو پیشگی بیچنا جائز نہیں ہے؛ البتہ اول آمدہ چرم کو نمونہ بنا کر اگر بھاؤ طے کرلیا جائے، اور مشتری سے کہہ دیا

جائے کہ آئندہ دونوں میں چرم اِس بھاؤ سے بیچی جائے گی، تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں؛ اِس لئے کہ بیع حقیقۃً اُس وقت متحقق ہوگی جب کہ مشتری کھال پر قبضہ کرلے اور اِس سے پہلے جو بات طے ہوئی ہے، وہ وعدے کے درجہ میں ہوگی۔

فإن كان لا تتفاوت آحادها كالمكيل والموزون، وعلامته أن يعرض من بالنموذج يكتفي برؤية واحد منها إلا إذا كان الباقي أرادأ مما رأى، فحينئذ يكون له الخيار، وإن كانت تتفاوت آحادها كالثياب والدواب لا بد من رؤية كل واحد منها (الهداية) أعني رؤية ما هو المقصود من كل واحد. (فتح القدير، كتاب البيوع / باب خيار الرؤية ٥/٦ ٣١ بيروت، الهداية ٣/ ٢٠)

(۳) اگر کھال چندے میں دی جائے یا مالک خود اُسے بیچ دے، تو اُس کی قیمت مصارفِ زکوٰۃ میں خرچ کرنا ضروری ہے؛ لہٰذا جن مکاتب میں مصرف زکوٰۃ نہیں پایا جاتا اُس کے لئے چرمِ قربانی سے حاصل شدہ رقم تعمیرات اور تنخواہوں میں لگانا جائز نہ ہوگا۔

ولو باعها بالدراهم ليتصدق بها جاز؛ لأنه قربة. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الأضحية / الباب الأول ٥/١ ٣٠)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكًا لا إباحةً كما مر لا يصرف إلى بناء نحو مسجد، وفي الشامية: كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار ...... وكل ما لا تمليك فيه. (شامي، كتاب الزكاة / باب المصرف ٣/ ٢٩١ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۶/ ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی کے گوشت کے مصارف

حضور کے نام پر کی گئی قربانی کے گوشت کا حکم؟

سوال (۹۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بقرعید کے موقع پر چھ افراد نے ایک گائے خریدی، سبھی برابر کے شریک ہیں، اور ساتویں حصہ کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے قربانی کی۔

دریافت طلب امر ایں کہ ساتویں حصہ کا گوشت کیا کیا جائے؟ کیا چھ حصہ داروں میں برابر تقسیم کردیا جائے؟ کیا ایسا کرنا درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر قربانی کیا گیا ہے، اُسے دیگر شرکاء برابر برابر لے سکتے ہیں؛ لیکن افضل یہ ہے کہ اُس حصہ کا کم ازکم تہائی حصہ صدقہ کردیں؛ کیوں کہ قربانی میں یہی مستحب ہے۔

ویستحب أن یأکل من أضحیته ویطعم منها غیرہ، والأفضل أن یتصدق بالثلث. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الأضحیة / الباب الخامس ۵/۳۰۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۹/۴/۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نذر کی قربانی، میت کی طرف سے کی گئی قربانی اور بقرعید کی قربانی کے گوشت کے مصارف؟

سوال (۹۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: نذر کی قربانی کا گوشت اور میت کی طرف کی گئی قربانی اور بقرعید کی قربانی کے گوشت کا استعمال کرنا کیسا ہے؟ نیز دوسرے کو دینے یا بیچنے اور کسی چیز سے تبادلہ کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی مہمانی ہوتی ہے، اور مہمان کو کھانے پینے کی پوری اِجازت ہوتی ہے؛ لیکن کسی چیز کے بیچنے اور فروخت کرنے کی اجازت نہیں ہوتی، اِس لئے بندہ قربانی کے گوشت کو کھانے اور کھال کو جوتے وغیرہ کے کام میں پورے طور پر استعمال کرسکتا ہے، اور دوسرے کسی شخص کو بلا کسی معاوضہ کے دے سکتا ہے؛ لیکن کسی چیز کی اُجرت میں دینا جائز نہیں ہے۔

لأنها من ضيافة اللّٰه عز شانه التي أضاف بها عباده، وليس للضيف أن يبيع من طعام الضيافة شيئًا. (بدائع الصنائع ٥/٤ ٢٢ زكريا)

قربانی کے گوشت کے متعلق جو احکامِ شرعی معلوم کئے گئے ہیں، اُن کو تین الگ الگ سرخیوں میں واضح کیا جائے گا: (۱) گوشت کو اپنے استعمال میں لانا (۲) کسی دوسرے کو دینا (۳) بیچنا یا کسی چیز سے تبادلہ کرنا۔ ذیل میں ترتیب وار ہر ایک کو واضح کیا جاتا ہے۔

(۱) **گوشت کو اپنے استعمال میں لانا:-** اگر نذر اور منت کی قربانی ہے تو اُس کا سارا گوشت غریبوں پر خرچ خیرات کرنا ضروری ہے، خود استعمال نہیں کرسکتا، اگر استعمال کرلیا تو اُس کے برابر قیمت کا صدقہ کرنا لازم ہے۔ (بہشتی زیور مکمل مدلل ۱۳۹/۳)

اگر میت نے قربانی کی وصیت کی تھی، تو میت کی طرف سے وصیت کردہ قربانی کا گوشت نہیں کھا سکتا، اُس کا صدقہ کرنا لازم اور ضروری ہے، اور اگر میت کی طرف سے بطور تبرع قربانی کیا ہے، تو اُس کا گوشت کھانے اور دوسرے کو دینے کا پورا اختیار حاصل ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۴۹۶/۷، امداد الفتاویٰ ۵۳۳/۳)

اور اگر قربانی کا گوشت ہے تو اپنے استعمال میں لاسکتا ہے، اور دوسرے کو بلا معاضہ دے

سکتا ہے۔ (مالابدمنہ ۱۶۸)

لیکن قربانی کے گوشت میں اَفضل اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ کل گوشت کے تین حصے کئے جائیں، ایک حصہ غریب اور مسکین پر صدقہ کردیا جائے، اور ایک حصہ اعزہ واَقارب کی مہمان نوازی کے لئے اپنے پاس روک لے، اور ایک حصہ اپنے اہل وعیال کے لئے رکھے؛ لیکن اگر کوئی ایک تہائی سے کم غریبوں کے لئے خیرات کرے، یا کچھ بھی خیرات نہ کرے تو اُس پر کوئی گناہ نہیں۔ (بہشتی زیور ۳/۱۶۵)

اور اگر کوئی زیادہ اَولاد والا ہے اور خوش حال نہیں ہے، ایسے شخص کے لئے گوشت کا تہائی حصہ صدقہ کرنا مستحب ہے، اور اگر گوشت کو سکھا کر یا فریج میں رکھ کر کئی دنوں تک استعمال کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴/۲۱۵)

ولا يـأكل الناذر منها، فإن أكل تصدق بقيمة ما أكل. (الدر المختار مع الشامي ٩/٤٦٤ زكريا)

والمختار أنه إن بأمر الميت لايأكل منها وإلا يأكل. (شامي ٩/٤٧٢ زكريا)

وإن تبرع بها عنه له الأكل؛ لأنه يقع على ملك الذابح والثواب للميت. (شامي ٩/٤٨٤ زكريا)

ويسحب أن يأكل من أضحيته ويطعم منها غيره. (الفتاویٰ الهندية ٥/٣٠٠)

والأفضل أن يتصدق بالثلث ويتخذ الثلث ضيافة لأقربائه وأصدقائه، ويدخر الثلث، ويستحب أن يأكل منها، ولو حبس الكل لنفسه جاز؛ لأن القربة في الإراقة والتصدق باللحم تطوع. (شامي ٩/٤٧٤ زكريا، بدائع الصنائع ٤/٢٢٤ زكريا)

وندب تركه لذي عيال غير موسع الحال. (شامي ٩/٤٧٤ زكريا)

(۲) قربانی کا گوشت کسی دوسرے کو دینا: - قربانی کا گوشت مسلم، غیر مسلم مال دار اور فقیر سب کو دیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ کسی معاوضہ میں نہ دیا جائے۔ (احسن الفتاویٰ ۷/۴۹۵، فتاویٰ رحیمیہ ۶/۱۶۵)

خوش حال لوگوں کے لئے یہ مستحب ہے کہ گوشت میں سے تہائی حصہ فقیروں پر صدقہ کردے، اور کسی دوسرے کی قربانی کا دیا ہوا گوشت کھانا یا کسی کو دینا یا فروخت کرکے اُس کی قیمت استعمال کرنا جائز اور درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۴/۲۵۰)

یهب منها ما شاء للغني والفقير والمسلم والذمي، كذا في الغياثية. (الفتاویٰ الهندية ٥/٣٠٠ زكريا)

وندب أن لاينقص الصدقة من الثلث. (البحر الرائق ٣٢٦/٨ زكريا)

أن إطعامها والتصدق أفضل إلا أن يكون الرجل ذا عيال وغير موسع الحال الخ. (بدائع الصنائع ٢٢٥/٤ زكريا)

(۳) **بیچنا یا کسی چیز سے تبادلہ کرنا:** - قربانی کے گوشت کو روپئے پیسوں اور ایسی چیز کے عوض فروخت کرنا جائز نہیں، جس کے باقی رہتے ہوئے نفع اٹھانا ممکن نہیں، مثلاً کھانا، تیل، گوشت، اَناج، سرکہ، مصالح وغیرہ اور جن چیزوں کے باقی رہتے ہوئے نفع حاصل کرنا ممکن ہو، اُن سے تبادلہ درست ہے، جیسے مصلی کپڑے وغیرہ، پس اگر کسی نے روپئے کے عوض یا ایسی چیز کے عوض بیچا جس کے باقی رہتے ہوئے نفع حاصل کرنا ممکن نہیں، تو اُس کی قیمت اور تبادلہ میں حاصل شدہ چیز کا صدقہ کرنا لازم اور ضروری ہے، ذبح کرنے والے کو ذبح کی اُجرت میں اور کام کرنے والے مزدور کے کھانے میں قربانی کا گوشت دینا جائز نہیں، اگر کسی نے دے دیا، تو اُس کے برابر قیمت کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۷/۴۹۴)

فإن بيع اللحم أو الجلد به أي بمستهلک أو بدراهم تصدق بثمنه. (الدر المختار) أي وبالدراهم فيما لو أبدله به. (الدر المختار مع الشامي ٤٧٥/٩ زكريا)

ولا يعطى أجر الجزار منها؛ لأنه كبيع. (الدر المختار مع الشامي ٤٧٥/٩ زكريا)

اگر بفروشد کسے گوشت اضحیہ را بدراہم یا تبدیل کند از سرکہ وغیرہ پس واجب است کہ تصدق کند قیمت آں را۔ (مالابدمنہ ۱۶۹)

ولـو باعه نفذ سواء كان من النوع الأول أو الثاني فعليه أن يتصدق بثمنه. (بدائع الصنائع ٤/٢٢٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۸/۱۰/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی کے گوشت میں سے فقراء کا حصہ نکالنا؟

سوال (۹۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بقرعید کے موقع پر سبھی لوگ غرباء ومساکین کے حصوں کو یکجا جمع کردیتے ہیں اور پھر غرباء کے درمیان تقسیم کرتے ہیں، اور غرباء کے متعینہ حصہ میں بطور تبرک خود بھی لیتے ہیں؛ لہٰذا یہ گوشت اُن لوگوں کے لئے کھانا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قربانی میں فقراء کا حصہ نکالنا واجب یا فرض نہیں؛ بلکہ مستحب اور مسنون ہے؛ لہٰذا اگر قربانی کرانے والے حضرات فقراء کے قبضہ میں دینے سے قبل فقراء کے لئے الگ کئے گئے حصہ میں سے اپنے لئے کچھ لے لیں، تو اِس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

كما تستفاد من العبارة الآتية: ولو حبس الكل لنفسه جاز؛ لأن القربة في الإراقة والتصدق باللحم تطوع. (شامي ٦/٣٢٨ كراچی)

ويستحب أن يأكل من أضحيته ويُطعم منها غيره ...... ولو تصدق بالكل جاز، ولو حبس الكل لنفسه جاز. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الأضحية / الباب الخامس ٥/٣٠٠ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۱/۶/۳ھ

قربانی کا گوشت فرمائش پر دینا؟

سوال (۹۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: قربانی کے لئے جو بڑا جانور یا چھوٹا جانور ذبح کرتے ہیں، تو پڑوسی یا تعلق دار اُس جانور کے پائے یا پنجہ یا اور کسی جگہ کے گوشت کے حصہ کو مانگتے ہیں، تو اِس طرح سے قربانی کے جانور کا گوشت فرمائش پر دینا درست ہے یا نہیں؟ کیوں کہ تقسیم کرنے والا تو اپنی مرضی سے تقسیم کرتا ہے، صحیح طریقہ کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کرنے والا شخص اپنی مرضی سے پڑوسیوں کی فرمائش کے مطابق اُنہیں گوشت دے سکتا ہے، قربانی کا گوشت خود اپنے استعمال میں لانا اور غریب فقراء، دوست واحباب کو دینا مستحب ہے۔

ویستحب أن یأکل من أضحیته ویطعم منها غیره، والأفضل أن یتصدق بالثلث، ویتخذ الثلث ضیافة لأقاربه وأصدقائه، ویدخر الثلث ویطعم الغني والفقیر جمیعًا. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الأضحیة / الباب الخامس في بیان محل إقامة الواجب الخ ۵/۳۰۰، کذا في رد المحتار / کتاب الأضحیة ۶/۳۲۸ دار الفکر بیروت، تبیین الحقائق / کتاب الأضحیة ۶/۸ المکتبة الإمدادیة ملتان) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۲/۱۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا غریب آدمی اپنی قربانی کے جانور کا گوشت کھا سکتا ہے؟

سوال (۹۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: غریب آدمی اگر جانور خرید کر قربانی کرے تو وہ اُس قربانی کا گوشت کھا سکتا ہے؟ اِس بارے میں دونوں طرح کے قول ہیں، ایک قول کے مطابق کھا سکتا ہے، جب کہ دوسرے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ غریب آدمی کا قربانی کے واسطے جانور خریدنا نذر کے حکم میں ہونے کی وجہ سے اُس کے لئے اِس قربانی کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے؛ بلکہ نذر کے جانور کا جو حکم ہے اُس جانور کا بھی وہی حکم

ہے، اِس لئے حضور والا سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ مفتی بہ قول کی نشان دہی فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرچہ اِس بارے میں فقہ میں دونوں طرح قول ملتے ہیں؛ لیکن علامہ شامیؒ کی بحث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فقیر کی قربانی اگرچہ نذر کے درجہ میں ہے؛ لیکن اُس کے لئے اُس میں سے کھانا منع نہیں ہے؛ کیوں کہ کھانے کی ممانعت اِس صورت کے ساتھ خاص ہے، جب کہ ابتداءً بالقصد نذر مانی گئی ہو، اور یہاں نذر کا حکم ابتداءً نہیں ہے؛ بلکہ ضمناً ہے۔

ثم ظاهر كلامه أن الواجبة على الفقير بالشراء له الأكل منها. (شامي / كتاب الأضحية ٤٧٣/٩ زكريا)

والحاصل أن التي لايؤكل منها هي المنذورة ابتداءً. (شامي / كتاب الأضحية ٤٧٤/٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۲/۷/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دینا؟

سوال (۱۰۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ بالتفصیل جواب سے مطلع فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دے سکتے ہیں۔

وللمضحي أن يهب كل ذٰلک أو يتصدق بع أو يهديه لغني أو فقير مسلم أو كافر. (إعلاء السنن / باب بيع جلد الأضحية ٢٦٢/١٧ إدارة القرآن كراچی)

ويهب منها ما شاء للغني والفقير والمسلم والذمي. (الفتاوىٰ الهندية / الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب ٣٠٠/٥ زكريا)

ویطعم الغني والفقیر ویهب منها ما شاء لغني ولفقیر ولمسلم وذمي. ولو تصدق بالکل جاز. ولو حبس الکل لنفسه جاز. (حاشیة الطحطاوي علی الدر المختار / کتاب الأضحیة ١٦٦/٤ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۰/۱۱/۳۰ھ

غیر مسلم دوست کو قربانی کا گوشت دینا؟

سوال (۱۰۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی غیر مسلم کو جو مسلمانوں سے مانوس ہو اور مسلمانوں کے ساتھ رہتا سہتا ہو، ایسے غیر مسلم دوست کو بقرعید کے موقع پر قربانی کا گوشت کھلا سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کا گوشت غیر مسلم کو کھلانا جائز ہے۔

یجوز أن یطعم من الأضحیة کافرًا. (إعلاء السنن ٢٨٨/٧ کراچی)

وللمضحي أن یهب کل ذٰلک أو یتصدق به أو یهدیه لغني أو فقیر مسلم أو کافر. (إعلاء السنن / باب بیع جلد الأضحیة ٢٦٢/١٧ إدارة القرآن کراچی)

ویطعم الغني والفقیر، ویهب منها ما شاء لغني ولفقیر ولمسلم وذمي، ولو تصدق بالکل جاز. ولو حبس الکل لنفسه جاز. (حاشیة الطحطاوي علی الدر المختار / کتاب الأضحیة ١٦٦/٤ کراچی)

ویهب منها ما شاء للغني والفقیر والمسلم والذمي. (الفتاویٰ الهندیة / الباب الخامس في بیان محل إقامة الواجب ٣٠٠/٥ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۱۱/۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قصاب کی اُجرت قربانی کے گوشت سے ادا کرنا؟

سوال (۱۰۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک آدمی قربانی میں قصاب کی اُجرت الگ سے ہی ادا کرنا چاہتا تھا مگر ایسا نہ کیا؛ بلکہ گوشت کو اُجرت میں دے دیا، تو وجوب ساقط ہوگیا یا ساقط نہیں ہوا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قصاب کی اُجرت میں قربانی کا گوشت دینا جائز نہیں تھا، اَب تلافی کی صورت یہ ہے کہ جتنی قیمت کا گوشت قصاب کو دیا ہے، اُتنی رقم غریبوں پر صدقہ کردے؛ البتہ اُس کی قربانی بہرحال درست ہوگئی ہے۔

عن علي رضي اللّٰه عنه قال: أمرني رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم أن أقوم علی بدنه، وأن أتصدق بلحمها وجلودها وأجلّتها، وأن لا أعطي الجزار منها، وقال: نحن نعطيه من عندنا. (صحیح مسلم، کتاب الحج / باب الصدقة بلحوم الهدایا وجلودها وجلالها ۱/۴۲۳ رقم: ۱۳۱۷)

ولا یعطی أجر الجزار منها؛ لأنه کبیع. (الدر المختار) فإذا أعطی أجر الجزار منها یصیر بائع اللحم والجلد بالدراهم، وقد ثبت المنع عنه. (عنایة) لأن کلا منهما معاوضة؛ لأنه إنما یعطی الجزار بمقابلة جزر، والبیع مکروه، فکذا ما في معناه. (الدر المختار مع الشامي / کتاب الأضحیة ۹/۴۷۵ زکریا)

ولو أراد أن یعطي الجزار أو الذابح أجرته من لحمها لا یجوز، وفي الظهیریة: ولا یعطی جلد الأضحیة ولا لحمها أجرة الذباح والسلاخ. (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الأضحیة / الفصل السادس في الانتفاع بالأضحیة ۱۷/۴۴۲ رقم: ۲۷۷۶۳ زکریا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۱/۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سات حصہ داروں میں سے کسی ایک کا بوٹی بنانے کی اُجرت لینا؟

سوال (۱۰۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قربانی کے موقع پر ہمارے یہاں ایسا کرتے ہیں کہ ایک جانور میں چند حصہ دار ہوتے ہیں، اور جانور کی بوٹیاں بنوانے کے لئے قصائی یا کسی بھی آدمی سے اُجرت دے کر بوٹیاں بنوالیتے ہیں، کبھی حصہ داروں میں ہی بوٹیاں بنانے والے ہوتے ہیں، تو ایک یا اور حصہ داروں کو بھی پیسے دے کر بوٹیاں بنوالیتے ہیں۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا اس جانور کا حصہ دار بھی مزدوری لے کر بوٹیاں بناسکتا ہے، اسی جانور کی جس میں اُس کا حصہ ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گوشت کی باقاعدہ حصہ داروں میں تقسیم سے قبل کسی ایک حصہ دار کا بوٹیاں بنانے کی اُجرت لینا درست نہیں ہے، ورنہ خود اپنے حصہ کی بوٹی بنانے پر اجرت لینا لازم آئے گا جو ممنوع ہے؛ البتہ تقسیم کا عمل مکمل ہونے کے بعد ایک حصہ دار دوسرے کے حصہ کو بنانے کی اس سے اُجرت لے تو مضائقہ نہیں۔

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن استيجار الأجير يعني حتى يبين له أجره. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الإجارة / باب لا تجوز الإجارة حتى تكون معلومة ٦/٢٢٢ رقم: ١١٦٥٢ دار الكتب العلمية بيروت)

وتفسد (أي الإجارة) بجهالة المسمى كله، أو بعضه. (الدر المختار / كتاب الإجارة ٩/٦٦ زكريا)

وإذا دفع الرجل إلى حائك غزلاً لينسجه بالنصف أو ما أشبه ذٰلك، فالإجارة فاسدة عند علمائنا، وفي السراجية: وبه أفتى الشيخ الإمام السرخسي. (الفتاوىٰ التاتارخانية ١٥/١١٥ رقم: ٢٢٣٧٢ زكريا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۱۱/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

لڑکی کی شادی میں قربانی کا گوشت کھلانا؟

سوال (۱۰۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بہت سے لوگ ذی الحجہ کی بارہویں تاریخ کو لڑکی کی شادی کرتے ہیں، اور قربانی کا گوشت کھلا کر نیوتہ وصول کرتے ہیں، نیوتہ تو بہر حال ناجائز ہے؛ لیکن کیا عقیقہ کرنا بھی ناجائز ہے؟ اور قربانی درست ہوتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکی کی شادی میں قربانی کا گوشت کھلانا بھی درست ہے، اِس سے قربانی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

ویأکل من لحم الأضحیة ویطعم الأغنیاء والفقراء ویدخر لقوله علیه السلام: کنت نهیتکم عن أکل لحوم الأضاحي، فکلوا منها وادخروا. (الفتاویٰ الهندیة ٤٤٩/٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۸/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی کے جانور

قربانی کے جانوروں میں سے کونسا جانور اَفضل ہے؟

سوال (۱۰۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قربانی کے جانوروں میں کونسا جانور زیادہ افضل ہے؟ دنبہ، اُونٹ یا گائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: فقہاء نے اِس سلسلہ میں کثرتِ قیمت کا اعتبار کیا ہے، یعنی اگر گائے وغیرہ کے ساتویں حصہ سے دنبہ یا بکری کی قیمت زیادہ ہے تو دنبہ ہی زیادہ اَفضل ہے، اور اگر قیمت برابر ہو تو عمدہ اور زیادہ گوشت والے جانور کو ترجیح ہوگی، اِسی سے یہ بھی مفہوم ہوا کہ اگر کوئی اکیلا شخص بڑا جانور صرف اپنی طرف سے بلاشرکتِ غیرے قربانی کرنا چاہے اور اُس کی قیمت بکری سے زیادہ ہو تو قیمت اور گوشت کے زیادہ ہونے کی وجہ سے وہی بڑا جانور قربان کرنا اُس کے لئے افضل ہوگا۔

عن أبي الأسود السلمي عن أبيه عن جده قال: كنت سابع سبعة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في سفر، فأدركنا الأضحى فأمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فجمع كل رجل منا درهمًا، فاشترينا أضحية بسبعة دراهم، وقلنا: يا رسول الله! لقد غلينا بها، فقال: إن أفضل الضحايا أغلاها وأسمنها، قال: ثم أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فأخذ رجل برجل، ورجل برجل، ورجل بيد، ورجل بيد، ورجل بقرن، ورجل بقرن، وذبح السابع، وكبروا عليها جميعًا. (المستدرك للحاكم / كتاب الأضاحي ٤/٢٥٧ رقم: ٧٥٦١ بيروت)

اختلف المشايخ أن البدنة أفضل أم الشاة الواحدة؟ قال بعضهم: إن كانت قيمة الشاة أكثر من قيمة البدنة فالشاة أفضل؛ لأن الشاة كلها فرض، والبدنة سبعها فرض، والباقي يكون فضلاً. قال الشيخ الإمام أبوبكر محمد بن الفضل: البدنة أفضل؛ لأنها أكثر لحمًا من الشاة. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الأضحية / الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب ٥/٢٩٩ زكريا)

وفي العتابية: وكان الأستاذ يقول: بأن الشاة السمينة العظيمة التي تساوي البقرة قيمة وكمًّا أفضل من البقر؛ لأن جميع الشاة يقع فرضًا بلا خلاف، واختلفوا في البقرة، قال بعض العلماء: يقع سبعها فرضًا، والباقي تطوع. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الأضحية / الفصل الخامس في بيان ما يجوز من الضحايا وما لا يجوز ١٧/٤٣٣ رقم: ٢٧٧٤٠ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۱۰/۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بھینس کی قربانی؟

سوال (۱۰۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا بھینس کی قربانی جائز ہے؟ جواب کسی نص حدیث سے بھینس کی قربانی ثابت نہیں ہے؛ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ اِس سے اجتناب کیا جائے۔ (مراعاۃ المفاتیح)

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بھینس چوں کہ گائے کی جنس سے ہے، اور گائے کی قربانی کا جواز بنص حدیث ثابت ہے؛ لہٰذا دلالت النص کے طور پر بھینس کی بھی قربانی بلا کراہت جائز ہے، اِس لئے بھینس یا کٹڑے کی قربانی سے اجتناب کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، شامی میں ہے:

عن الحسن أنه كان يقول: الجواميس بمنزلة البقر. (المصنف لابن أبي شيبة،

كتاب الزكاة / في الجواميس تعد في الصلقة ٦٥/٧ رقم: ١٠٨٤٨)

وصـح الثـني هو ابن خمس من الإبل، وحولين من البقر والجاموس، قال الشافعي: والجاموس نوع من البقر. (الدر المختار مع الشامي ٤٦٦/٩ زكريا)

البـقـر جـنـس مـن فـصـيـلـة البقرات يشمل الثور والجاموس ويطلق على الذكر والأنثى. (المعجم الوسيط ٦٥، المنجد عربي ١٠٧)

ويـجزئ الجاموس في الأضحية عن سبعة، وفي الحاوي: قال الفقيه: وبه نأخذ، وعن أبي القاسم أنه لا يجوز. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الأضحية / الفصل الخامس في بيان ما يجوز من الضحايا وما لا يجوز وفي بيان المستحب والأفضل منها ٤٣٤/١٧ رقم: ٢٧٧٤٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۵/۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا بھینس کی قربانی کرنا جائز ہے؟

سـوال (۱۰۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قربانی کن کن جانوروں کی ہے؟ بعض لوگ بھینس کی قربانی کے عدمِ جواز کے قائل ہیں، چوں کہ بھینس کی قربانی کا ذکر حدیث شریف میں نہیں ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بھینس گائے ہی کی ایک جنس ہے، اور یہ بھی گائے کی طرح ایک پالتو جانور ہے۔

ويدخل في البقر الجاموس؛ لأنه من جنسه. (فتح القدير ٥١٧/٩، الفتاویٰ الهندية ٢٩٧/٥، شامي ٤٦٦/٩ زكريا، بدائع الصنائع ٦٨/٥)

اِسی بناء پر فقہاء کرام نے گائے اور بھینس کی قربانی کو بلاشبہ درست قرار دیا ہے۔

و كذٰلک في البقر مع الجواميس. (المبسوط للسرخسي ۱۸۳/۳)

فـإذا اتفق في المال جواميس وصنف اٰخر من البقر كمل نصاب أحدهما بـالأخر، وأخذ الفرض من أحدهما على قدر المالين. (المغني ۲٤۰/۲ رقم: ۱۷۱۱ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۱/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بھینس اور گائے کتنی عمر کے ہونے چاہئیں؟

سوال (۱۰۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر بڑے جانور جیسے بھینس بھینسہ کی قربانی کی جائے تو کیا عمر ہونی چاہئے؟ پہلے ۳؍سال عمر بتائی جاتی تھی اور لکھا بھی دیکھا ہے؛ لیکن اَب پڑھنے میں کم از کم ۲؍سال عمر آیا ہے، کیا یہ درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بھینس گائے وغیرہ کی قربانی کے لئے کم از کم دو سال کی عمر ہونی چاہئے، اِس سے کم نہ ہو، زیادہ میں حرج نہیں ہے۔

قال الله تعالىٰ: ﴿وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ﴾ [الأنعام، جزء آيت: ١٤٤]

عـن جـابـر رضـي الـلّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا تـذبـحـوا إلا مسـنـة إلا أن يعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضأن. (صحيح مسلم، كتـاب الأضـاحـي / بـاب سـن الأضـحية ص: ١٢٤٨ رقـم: ١٩٦٣ بيت الأفكار الدولية، سنن أبي داؤد، كتاب الضحايا / باب ما يجوز من السن في الضحايا ص: ٥٢٩ رقم: ٢٧٩٧ دار الفكر بيروت)

عـن عاصم بن كليب عن أبيه رضي اللّٰه عنه قال: كنا مع رجل من أصحاب الـنبـي صـلى اللّٰه عليه وسلم يقال له مجاشع من بني سليم فعزّت الغنم فأمر مناديًا، فـنـادىٰ أن رسـول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يقول: إن الجذع يوفى مما يوفى من الثني. (سنن أبي داؤد، كتاب الضحايا / باب ما يجوز من السن في الضحايا ص: ٥٢٩ رقم: ٢٧٩٩ بيروت)

والثني منه ابن سنتين وتقدير هٰذه الأسنان بما قلنا يمنع النقصان ولا يمنع الزيادة. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الأضحية / الباب الخامس ۲۹۷/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۱۲/۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جانور کی عمر کے بارے میں غیر مسلم کے قول کا اعتبار؟

سوال (۱۰۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قربانی کے جانور کی عمر کوئی غیر مذہب والا شخص بتلائے، تو اس کے بتلانے کا اعتبار کیا جائے یا نہیں؟ بایں طور کہ عمر صحیح تسلیم کرلی جائے اور قربانی کردی جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ظنِ غالب اُس کے قول کی صحت کا ہو، مثلاً وہ علامتیں پائی جائیں جن سے عمر کا اندازہ لگایا جاتا ہے، یا کوئی اور قرینہ ہو، تو جانور کی عمر کے بارے میں غیر مسلم کے قول کا اعتبار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

يقبل قول الواحد في المعاملات عدلاً كان أو فاسقًا حرًا كان أو عبدًا، ذكرًا كان أو انثىٰ، مسلمًا كان أو كافرًا، دفعًا للحرج والضرورة. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية / الفصل الثاني في العمل بخبر الواحد في المعاملات ۳۱۰/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۳/۱/۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس گائے بھینس کے دو سال میں بھی دانت نہ نکلے ہوں اُس کی قربانی کرنا؟

سوال (۱۱۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گائے بھینس جس کی عمر پورے دو سال ہے؛ لیکن ابھی اُس کے دانت نہیں اکھڑے ہیں، یعنی

ابھی دونتی نہیں ہے، تو کیا اُس کی قربانی کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دانت نکلنا ضروری نہیں، اگر دو سال واقعی مکمل ہوگئے ہیں، تو اُس کی قربانی درست ہوجائے گی۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ﴾ [الأنعام، جزء آيت: ١٤٤]

عن جابر رضي اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم: لا تذبحوا إلا مسنة إلا أن يعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضأن. (صحيح مسلم، كتاب الأضاحي / باب سن الأضحية ص: ١٢٤٨ رقم: ١٩٦٣ بيت الأفكار الدولية، سنن أبي داؤد، كتاب الضحايا / باب ما يجوز من السن في الضحايا ص: ٥٢٩ رقم: ٢٧٩٧ دار الفكر بيروت)

وصح الثني هو ابن خمس من الإبل وحولين من البقر والجاموس. (شامي ٤٦٦/٩ زكريا)

ويجزئ في الأضحية الثني فصاعدًا من كل شيءٍ، ولا يجوز ما دون ذٰلک من كل شيءٍ، إلا الجذع من الضمان إذا كان عظيمًا، ومعناه أنه إذا اختلط مع الثنيان يظن الناظر إليه أنه ثنيٌّ. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الأضحية / الفصل الخامس في بيان ما يجوز من الضحايا وما لا يجوز ٤٢٥/١٧ رقم: ٢٧٧١٣ زكريا)

والثني من الغنم الذي تم له سنة وطعن في الثانية، ومن البقر الذي تم له سنتان وطعن في الثالثة، ومن الإبل الذي تم له خمس سنين، وطعن في السادسة هٰذا كله قول أهل الفقه. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الأضحية / الفصل الخامس في بيان ما يجوز من الضحايا وما لا يجوز ٤٢٥/١٧ رقم: ٢٧٧١٤ زكريا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۹/۱۱/۲۴ھ

پوشیدہ طریقے سے اُونٹ گائے کی قربانی کرنا؟

سوال (۱۱۱) :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قربانی کے دنوں میں ہمارے یہاں سرکاری طور سے بھینس اور بھینسا کے لئے آرڈر ہے جو کھلم کھلاّ ہوتی ہے، اِس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، اَب اِس درمیان کوئی شخص پوشیدہ طریقے پر دوسرے جانوروں مثلاً اُونٹ اور گائے کی قربانی کردے تو قربانی درست ہوئی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بھینس وغیرہ کے علاوہ اُونٹ اور گائے کی بھی قربانی درست ہوتی ہے، اِس لئے اگر کوئی شخص اِن جانوروں کی قربانی کرے تو اُس کی قربانی صحیح ہوجائے گی؛ تاہم اپنی عزتِ نفس کو بچانا بھی ضروری ہے؛ لہٰذا قانون کی خلاف ورزی میں جب کہ نقصان کا اندیشہ ہے تو ایسا کام نہیں کرنا چاہئے ۔(مستفاد: فتاویٰ احیاء العلوم ۱؍۲۵۰)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسىٰ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً﴾

[البقرة، جزء آیت: ٦٧]

وقال تعالیٰ: ﴿وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ﴾ [الأنعام، جزء آیت: ١٤٤]

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: كنا مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في سفر، فحضر الأضحىٰ، فاشتركنا في البقرة سبعةً، وفي البعير عشرةً.

وعن جابر رضي اللّٰه عنه قال: نحرنا مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بالحديبية البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعةٍ.

عن علي رضي اللّٰه عنه قال: البقرة عن سبعة ...... الخ. (سنن الترمذي / باب ما جاء في الاشتراك في الأضحية ٢٧٦/١، صحيح البخاري / باب الأضحية للمسافر والنساء ٨٣٢/٢، وكذا في إعلاء السنن، كتاب الأضاحي / بابٌ: أن البدنة عن سبعة ٢٠٥/١٧ إدارة القرآن كراچی)

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه يقول: نحر رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه

وسلم عن نسائه. (صحيح مسلم، كتاب الحج / باب الاشتراك في الهدي وإجزاء البقرة والبدنة كل منهما عن سبعةٍ ص: ٨٢٤ رقم: ١٣١٩ بيت الأفكار الدولية)

في رواية: نحر عائشة رضي الله عنها بقرةً يوم النحر. (جمع الفوائد، كتاب الحج / باب الهدي ٤٩٨/٢ رقم: ٣٥٤٥ إدارة القرآن كراچی)

ويجوز بالجاموس؛ لأنه نوع من البقر بخلاف بقر الوحش حيث لا يجوز التضحية به؛ لأن جوازها عرف بالشرع في البقر الأهلي دون الوحشي والقياس ممتنع. (تبيين الحقائق / كتاب التضحية ٤٨٣/٦ كراچی، وكذا في الفتاوىٰ الهندية، كتاب الأضحية / الباب الخامس ٢٩٧/٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۳/۱/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہرن یا نیل گائے کی قربانی کرنا؟

سوال (۱۱۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نیل گائے اور ہرن کی قربانی جائز ہے؟ جب کہ نیل گائے یا ہرن شکار کر کے نہیں لایا گیا ہے؛ بلکہ کسی سے خرید کر لیا ہے، یا شکار کر کے لایا گیا؛ لیکن اُسے بہت دنوں تک اپنے یہاں پالا ہے اور وہ جانور بہت مانوس ہوگیا ہے، بہر دوصورت قربانی جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہرن یا نیل گائے یا کسی بھی جنگلی جانور کی قربانی کسی صورت میں جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ جنگلی جانور ہیں، اور قربانی صرف پالتو جانوروں کی ہوتی ہے۔

وإن ضحى بظبية وحشية ألفت أو ببقرة وحشية ألفت لم يجز. (بدائع الصنائع ٥٩/٥، خانية ٣٤٨/٣، الفتاوىٰ الهندية ٢٩٧/٥، الجوهرة النيرة ٢٨٥/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۲/۱۱/۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قانوناً ممنوع ہونے کے باوجود گائے کی قربانی کرنا؟

سوال (۱۱۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایسی جگہ جہاں حکومت کی طرف سے گائے ذبح کرنے پر پابندی عائد ہے، وہاں گائے کی قربانی جائز ہوگی یانہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی تو ہوجائے گی؛ لیکن اپنی عزت نفس کی حفاظت بھی ضروری ہے، ایسی جگہ عواقب کو سامنے رکھ کر عمل کیا جائے۔ (امداد المفتیین ۷۹۹ کراچی، فتاویٰ محمودیہ ۲۶/۲۶۰ میرٹھ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۱۱/۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پولیس سے مل کر چوری سے گائے کی قربانی کرنا؟

سوال (۱۱۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جہاں بالکل کسی بڑے جانور کا لائسنس نہیں ہے وہاں گائے کا گوشت پولیس سے مل کر کرتے ہیں اور قربانی بھی کرتے ہیں، کیا ایسی جگہ پر قربانی جائز ہے یانہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گائے شرعاً حلال جانور ہے، اُس کی قربانی ہر جگہ درست ہے، حکومت کے قانون کی وجہ سے کوئی حلال چیز حرام نہیں ہوسکتی؛ البتہ حکومت کی بندشوں سے بچنے کا پیشگی نظم کرنا چاہئے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۸/۲۰۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۷/۱۱/۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سرکار اور غیر مسلموں سے چھپ کر گائے کی قربانی کرنا؟

سوال (۱۱۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں بلکہ علاقہ میں قربانی کے موقع پر مسلمان سرکار سے اور غیر مسلم سے گائے اور بیل چھپا کر قربانی کرتے ہیں؛ کیوں کہ سرکاری لائسنس نہیں ہے، اِس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پابندی کی جگہ پر گائے یا بیل کی قربانی سے واجب ادا ہوجائے گا؛ لیکن اپنی جان و مال کے تحفظ کے لئے غیر قانونی عمل سے احتراز بہتر ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۳۴۵/۱۴ ڈابھیل) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱۱/۱۹ھ

گائے بیل کے ذبح کرنے پر غیر مسلموں کا پابندی لگانا؟

سوال (۱۱۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم قربانی یا عام دنوں میں گائے، بیل کاٹتے ہیں تو ہمارے غیر مسلموں کو تکلیف ہوتی ہے، تو اُس وقت ہمارا اِسلام کیا کہتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گائے بیل کاٹنا اِسلام میں مباح ہے لازم نہیں ہے، اِس لئے اگر کوئی مصلحت کی وجہ سے اُسے نہ کاٹے، تو کوئی حرج نہیں؛ لیکن گائے بیل کو ہمیشہ حلال ہی سمجھنا چاہئے اُسے ناجائز نہ سمجھا جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۳۴۵/۱۴، کفایت المفتی ۲۰۲/۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۷/۸/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک سال سے کم کا بکرا جو دیکھنے میں ایک سال کا معلوم ہو؟

سوال (۱۱۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: کیا ایسا بکرا جوفربہ ہو، اور ایسا موٹا تازہ اگر اُس کو ایک سال کے بکرے میں کھڑا کردیا جائے تو فرق معلوم نہ ہو، مگر سال مکمل ہونے میں دو مہینے یا ایک مہینہ یا پندرہ یا دس یا ایک یوم بھی کم ہے، تو کیا اُس کی قربانی کرنا جائز ہے؟ بھیڑ اور دنبہ کی طرح موٹا تازہ کی شرط کے ساتھ بکرے میں بھی تخفیف وقت کی رخصت حاصل ہے؟ بحوالہ جواب سے آگاہ فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بکرے کی قربانی اُس وقت درست ہوسکتی ہے، جب کہ اُس کی عمر مکمل ایک سال ہو، اگر ایک سال سے ایک دن بھی کم ہوگا تو اُس سے واجب قربانی ادا نہ ہوگی، موٹے تازے بھیڑ اور دنبے میں سال سے کم ہونے کی رخصت حدیث سے ثابت ہے، اِس پر بکرے کو قیاس نہیں کیا جائے گا؛ کیوں کہ رخصت کا مدار نقل پر ہے؛ لہٰذا عقلی دلیل سے اُس رخصت کو متعدی نہیں کیا جاسکتا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۷/۳۶۳ ڈابھیل، جواہر الفقہ ۱/۴۴۹)

وأما سنه فلا يجوز شيء مما ذكرنا من الإبل والبقر والغنم من الأضحية إلا الثني من كل جنس إلا الجذع من الضأن خاصة إذا كان عظيمًا، لما روى عن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم أنه قال: ضحوا بالثنايا إلا أن يعز على أحدكم فيذبح الجذع في الضأن. (بدائع الصنائع ٤/ ٢٠٥ زكريا)

فلا يجوز شيء مما ذكرنا من الإبل والبقر والغنم عن الأضحية إلا الثني من كل جنس، وإلا الجذع من الضأن خاصةً إذا كان عظيمًا ...... حتى لو ضحىٰ بأقل من ذلك شيئًا لا يجوز. (الفتاویٰ الهندية ٥/ ٢٩٧)

وصح الثني فصاعدًا من الثلاثة، والثني هو ابن خمس من الإبل وحولين من البقر والجاموس، وحول من الشاة. (شامي / كتاب الأضحية ٩/ ٤٦٦ زكريا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۱/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

ایک سال کا بکرا جس کے دانت نہ نکلے ہوں؟

سوال (۱۱۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بکرے کی عمر ایک سال ہے، مگر دانت ایک بھی نہیں نکلے، تو ایسے جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو جانور قربانی کی عمر کو پہنچ گیا ہو، مگر اُس کے دانت نہ نکلے ہوں، تو اگر وہ گھاس وچارہ کھا سکتا ہے تو اُس کی قربانی درست ہے، اور اگر نہیں کھا سکتا تو درست نہیں۔

كذا في البدائع، وأما الهتماء: وهي التي لا أسنان لها، فإن كانت ترعي وتعتلف جازت وإلا فلا. (بدائع الصنائع ٥/٤ ٢١ زكريا، الهداية ٤٤٨/٤ مكتبه بلال ديو بند)

وأما الهتماء: وهي التي لا أسنان لها، فقد روي عن هشام عن أبي يوسف أنه لا يجوز، سواء كانت تعتلف أو لا تعتلف، فإن بقي بعض أسنانها إن كانت تعتلف بما بقي من الأسنان جاز وما لا فلا. وفي جامع الجوامع عن أبي حنيفة: التي لا سن لها، ولا تعتلف جاز وإلا فلا. وفي اليتيمة: كتبت إلى أبي الحسن علي المرغينان، إن كانت تعتلف. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الأضحية / الفصل الخامس في بيان ما يجوز من الضحايا وما لا يجوز ٤٢٨/١٧ رقم: ٢٧٧٢٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۲/۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بکرے کی قربانی میں صرف ایک سال کا ہونا ضروری ہے یا دانت نکلنا بھی ضروری ہے؟

سوال (۱۱۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: بکرے کی قربانی کے سلسلہ میں صرف سال بھر کا ہوجانا جافی ہے، یا دانت کا نکل آنا اور دانت والا ہوجانا ضروری ہے؟ ہمارے علاقہ میں غیر مقلدین عوام کو بھڑکاتے رہتے ہیں کہ دانت کا ہوجانا ضروری ہے، صرف سال بھر کا ہونا کافی نہیں ہے، قربانی نہیں ہوگی؟ حدیث میں دانت والا ہونا بیان کیا گیا ہے؟ اور علماء احناف کہتے ہیں کہ سال بھر کا ہونا کافی ہے، اِس سلسلہ میں حدیث صریح کیا ہے اور کونسی حدیث ہے جس کو پیش کیا جاسکے کہ جس سے معلوم ہو کہ سال بھر کا ہوجانا کافی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث شریف میں مسنۃ کی قربانی کا حکم ہے، اور مسنہ کی تشریح ایک سالہ بکری سے کی گئی ہے، اُس میں دانت نکلنا شرط نہیں؛ بلکہ ایک سال کی عمر ہونا ضروری ہے؛ لہٰذا دونتے کی شرط لگانا خلافِ مدلول ہے۔

عن جابر رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: لا تذبحوا إلا مسنة الخ. (مشکاة المصابیح عن صحیح مسلم ۱۲۷/۱)

ویجوز من جمیع هٰذه الأقسام الثني وهو المراد من المسنة، وهو من الإبل ماستکمل خمس سنین، ومن الغنم الخ ما استکمل سنة. (حاشیة: مشکاة المصابیح ۱۲۷/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۰/۱۰/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک سال سے کم کا بکرا اگر ایک سال جیسا معلوم ہو؟

سوال (۱۲۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے پاس ایک بکرا ہے جو تقریباً ایک سال پورا ہونے میں ایک مہینہ کم ہے؛ لیکن دیکھنے میں ایک سال کا لگتا ہے، کافی تندرست ہے، اسی طرح ایک دوسرا بکرا صرف آٹھ دن چھوٹا ہے، تو اُس کی قربانی ہوسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بوقتِ قربانی جو بکرا ایک سال سے ایک دن بھی کم کا ہو تو اُس کی قربانی درست نہ ہوگی، بھلے ہی وہ بڑی عمر کا معلوم ہو۔ (امداد الفتاویٰ ۳/۵۶۸)

عن نافع أن عبد اللّٰہ بن عمر رضي اللّٰہ عنهما کان یقول: في الضحایا والبدن الثني فما فوقه. (المؤطا للإمام مالك، کتاب الحج / باب العمل في الهدي حین یساق ۱۴۸ المکتبة الأشرفیة دیوبند)

وصح الثني …… وحول من الشاة والمعز. (شامي / کتاب الأضحیة ۹/۴۶۶ زکریا)

والثني من الغنم الذي تم له سنة وطعن في الثانیة. (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الأضحیة / الفصل الخامس في بیان ما یجوز من الضحایا وما لا یجوز وفي بیان السمتحب والأفضل منها ۱۷/۴۲۵ تحت رقم: ۲۷۷۱۴ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۱۱/۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خصی بکرے کی قربانی کرنا؟

سوال (۱۲۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جب کسی جسمانی نقص والا بکرا لائق قربانی نہیں تو خصی بکرا جس کا ایک عضو خورد نکال کر اور نس بندی کر کے افزائش نسل سے محروم کر دیا جاتا ہے، تو کس طرح لائق قربانی ہوسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جانوروں میں خصی ہونا عیب نہیں؛ بلکہ گوشت کے لئے پسندیدہ ہے، اِسی بناپر خصی بکرے کی قیمت غیر خصی سے زیادہ ہوتی ہے؛ لہٰذا اُس کی قربانی بلا شک وشبہ درست ہی نہیں؛ بلکہ مستحسن ہے، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خصی بکروں کی قربانی فرمائی ہے۔

عن جابر بن عبد اللّٰہ رضي اللّٰہ عنه قال: ذبح النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم

یـوم الـذبـح كبشين أقرنين أملحين مُوجَئَين. (سـنـن أبي داؤد، كتاب الضحايا / باب ما يستحب من الضحايا ص: ٥٢٨ رقم: ٢٧٩٥ دار الفكر بيروت، سنن الترمذي رقم: ١٥٢١)

ويضحي بالجماء والخصي والثولاء. (الدر المختار / كتاب الأضحية ٣٢٣/٦ كراچی)

والـخـصـي أفضل من الفحل؛ لأنه أطيب لحمًا، كذا في المحيط. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الأضحية / الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب ٢٩٩/٥ زكريا)

والـذكـر مـنه أفضل إذا كان خصيًا. (الفتاویٰ البزازية علی هامش الفتاویٰ الهندية، كتاب الأضحية / الفصل الرابع فيما يجوز من الأضحية ٢٨٩/٦ زكريا)

ويـجـوز أن يـضحيّ بالجماء ...... والخصي؛ لأن لحمها أطيب، وقد صح أن النبي صلى الله عليه وسلم ضحى بكبشين أملحين موجؤين. (فتح القدير ٥١٥/٩)

وعن الإمام أن الخصي أولیٰ؛ لأن لحمه ألذُّ وأطيبُ. (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر / كتاب الأضحية ١٧١/٤ المكتبة الغفارية كوئٹه) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۱۱/۱۸ھ

خصی بکرے کی قربانی؟

سـوال (۱۲۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بکرا کو خصی کرنا حکم خداوندی ہے یا حکم نبوی؟ یا طریقہ قدیمہ ہے؟ جب کہ قربانی کا جانور ہر عیب سے پاک ہوتا ہے؛ لیکن بکرا کا خصی کردینا معیوب ہے، اِن تینوں سوالوں کا جواب ندائے شاہی میں شائع فرمادیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بکرے کے لئے خصی ہونا عیب کی بات نہیں؛ بلکہ یہ اُس کے گوشت کے لئے خوبی کی بات ہوتی ہے، اِسی بناپر خصی کی قیمت غیر خصی کے مقابلہ میں زیادہ

ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خصی بکروں کی قربانی فرمائی ہے، اِس لئے خصی جانور کی قربانی میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن أبي رافع رضي اللّٰه عنه قال: ضحى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بكبشين أملحين موجوئين خصيين. (المسند للإمام أحمد ٧٠/١٦ رقم: ٢١٦١١، ١٥١/١٧ رقم: ٢٣٧٥٠، نصب الراية ٥٠٩/٤ مكتبة دار الايمان سهارنفور)

وعن الإمام: أن الخصي أولى؛ لأن لحمه ألذُّ وأطيبُ. (مجمع الأنهر / كتاب الأضحية ١٧١/٤ كوئٹه)

وجاز خصاء البهائم وقيدوه بالمنفعة وهي إرادة سمنها أو منعها عن العض. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / فصل في البيع ٥٥٧/٩ زكريا، تبيين الحقائق، كتاب الكراهية / فصل في البيع ٣١/٦ ملتان، ٦٨/٧ زكريا، البحر الرائق، كتاب الكراهية / فصل في البيع ٢٠٤/٨ كراچی، الهداية ٤٣٢/٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳/۱۱/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خصی ہونا جانور میں عیب نہیں

سوال (۱۲۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قربانی کے جانور میں اگر کوئی کمی ہو، یا چوٹ لگی ہو تو اُس جانور کی قربانی منع ہے، پھر خصی بکرے کی قربانی کیوں کی جاتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جانور کا خصی ہونا گوشت اور چربی کے اعتبار سے پسندیدہ ہے، یہ اُس کے لئے عیب نہیں؛ بلکہ اُس کی قیمت میں اضافہ کا ذریعہ ہے، اِس لئے خصی جانور کی قربانی میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے، خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دو خصی مینڈھوں

کی قربانی فرمائی ہے۔

عن جابر بن عبد اللّٰہ رضي اللّٰہ عنہ قال: ذبح النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم یوم الذبح کبشین أقرنین أملحین مُوجئین الخ. (سنن أبي داؤد، کتاب الضحایا / باب ما یستحب من الضحایا رقم: ۲۷۹۵ دار الفکر بیروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۱۱/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی کے بکروں کو اَولاد کی طرح پالنا؟

سوال (۱۲۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں ہر سال قربانی کی غرض سے بکرے پالتا ہوں، بکروں کی پرورش بالکل اِس طرح کرتا ہوں کہ جس طرح اِنسان اَولاد کو پالتا ہے، جب عیدالاضحیٰ میں قربانی کرتے وقت جانور ذبح کیا جاتا ہے تو گھر کے بچے روتے ہیں، کیا یہ ٹھیک ودرست ہے؟ یا اِس میں کوئی کمی یا گناہ ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ طریقہ نہ صرف جائز؛ بلکہ مستحسن اور ثواب کی زیادتی کا باعث ہے۔

والمستحب أن تکون الأضحیة أسمنها وأحسنها وأعظمها. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الأضحیة / قبیل الباب السادس ۵/۳۰۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۱۲/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کتیا کا دودھ پینے والی بکری کا حکم

سوال (۱۲۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک بکری کے بچے نے ایک کتیا کا دودھ پی لیا، جس سے اُس کا نشو ونما ہوا، کیا ایسے بکرے

کی قربانی وعقیقہ وغیرہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: درمختار میں لکھا ہے کہ بکری کا بچہ اگر خنزیر کا دودھ پی کر غذا حاصل کرے تو ''بعد استہلاک لبن'' اُس کا کھانا حلال ہے۔

الجدي إذا غذی بلبن الخنزیر فقد عللوا حل أکله بصیرورته مستهلکًا لا یبقی له أثر. (الدر المختار مع الشامي ٧٣١/٦ کراچی)

اِس سے معلوم ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں کتیا کا دودھ پینے والی بکری کی قربانی اورعقیقہ درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ٢٧/٢/١٤١٤ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دس ذی الحجہ کو پیدا ہونے والے بکرے کی قربانی آئندہ دس گیارہ ذی الحجہ کو کرنا؟

سوال (١٢٦): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بکرا کی پیدائش گیارہویں ذی الحجہ کو ہوئی، تو دوسرے سال قربانی کے اَیام دسویں یا گیارہویں یا بارہویں تاریخ میں اِس بکرے کی قربانی ہوسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ بکرے کی قربانی بارہویں ذی الحجہ کو کی جاسکتی ہے؛ لیکن دسویں اور گیارہویں کو کرنا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ دسویں کو تو سال ہی مکمل نہیں ہوا، اور گیارہویں کو سال تو مکمل ہوگیا؛ لیکن دوسرے سال میں شروع نہیں ہوا، جب کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ سال مکمل ہونے کے بعد دوسرے سال میں لگ جائے؛ اِس لئے اِن دونوں تاریخوں میں اس بکرے کی قربانی درست نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ٣٢٣/١٤، فتاویٰ رحیمیہ ٥١/١٠ دارالاشاعت دیوبند)

وصح حول من الشاة (الدر المختار) وفي الشامي: فلو ضحى بسن أقل لا يجوز. (الدر المختار مع الشامي / كتاب الأضحية ٤٦٦/٩ زكريا)

وتقدير هٰذه الأسنان بما قلنا يمنع النقصان ولا يمنع الزيادة حتى لو ضحى بأقل من ذٰلک شيئًا لا يجوز، ولو ضحى بأكثر من ذٰلک شيئًا يجوز ويكون أفضل. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الأضحية / الباب الخامس ٢٩٧/٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۱۱/۱۴۲۱ھ

مرغی، چڑیا اور بطخ کی قربانی کا حکم؟

سوال (۱۲۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مرغی، چڑیا، بطخ یا اُس کے مانند جانوروں کی قربانی جائز کیوں نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مرغی وغیرہ کی قربانی درست نہیں، حکم شرع اِسی طرح وارد ہے، اس کی عقلی وجہ معلوم ہونا ضروری نہیں ہے، اور کتبِ فقہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی غریب شخص قربانی کرنے والوں کی مشابہت اختیار کرتے ہوئے مرغ کی قربانی کرے تو یہ مکروہ ہے؛ کیوں کہ یہ مجوسیوں کا طریقہ ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۳۵۸/۱۷ ڈابھیل)

والتضحية بالديک والدجاجة في أيام الأضحية ممن لا أضحية عليه لإعساره تشبيهاً بالمضحين مكروه؛ لأنه من رسوم المجوس. كذا في الخلاصة. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الأضحية / الباب الخامس فيكره ذبح دجاجة وديك؛ لأنه تشبه بالمجوس ٣٠٠/٥، الدر المختار / كتاب الأضحية ٣١٣/٦ دار الفكر بيروت، الفتاویٰ البزازية / كتاب الأضحية ٢٩٠/٦ زكريا، البحر الرائق ١٦٤/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۱۲/۱۴۱۲ھ

اَدھیا سے حاصل شدہ بکری کی قربانی

سوال (۱۲۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بکر نے خالد کو ایک بکری دی پالنے کے لئے اور کہا گیا کہ جو بچہ اِس میں ہوگا دونوں کا آدھا آدھا ہوگا، اِس کے بعد بکری نے دو بچہ دیئے، دونوں نے ایک ایک حصہ کرلیا۔

مسئلہ دریافت یہ کرنا ہے کہ جو خالد کو حصہ ملا ہے، کیا اُس میں جانور کو قربانی کرسکتا ہے یانہیں؟ اور اِس طرح معاملہ کرنا آپس میں کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ معاملہ شرعاً فاسد ہے اور بکری کے دونوں بچوں کا مالک بکر ہے۔ اور اِس مدت میں خالد نے جو بکری کی خدمت کی ہے اُس کی اُجرت اور جو چارہ وغیرہ کھلایا اُس کی قیمت بکر پر واجب ہے، اور بکر بکری کی قربانی بھی کرسکتا ہے؛ البتہ خالد کے لئے اُس کی قربانی جائز نہیں؛ کیوں کہ وہ اُس کا مالک نہیں؛ لیکن اگر بکر اُجرت کے بدلہ میں خالد کو اس بچہ کا مالک بنادے تو خالد کے لئے اُس کی قربانی درست ہوسکتی ہے۔

دفع بقرة إلى رجلٍ على أن يعلفها وما يكون من اللبن والسمن بينهما أنصافًا فالإجارة فاسدة، وعلى صاحب البقرة للرجل أجر قيامه وقيمة علفه.

(الفتاویٰ الهندیة، کتاب الإجارة / الباب الخامس من الفصل الثالث الخ ٤/٤٤٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۳/۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تجارت کے جانور میں منافع لے کر قربانی کرنا؟

سوال (۱۲۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے ۳۳؍سو روپئے میں ایک جانور خریدا، اور ساڑھے چھ سو کا حصہ لگایا، ایک حصہ دار خود رہ گیا، یعنی اپنی طرف سے کوئی پیسہ نہیں لگایا، تو کیا اُس کی قربانی درست ہوگی؟ کچھ لوگ کہتے

ہیں کہ چوں کہ وہ نفع میں قربانی کرا رہا ہے، اِس لئے درست نہ ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں اِس طرح نفع اُٹھانا پھر اُس نفع ہی کی قربانی کرنا درست ہے، جب کہ تجارت ہی کی نیت سے خریدا ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۱۰/ ۳۷ دار الاشاعت دیوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/ ۲/ ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی کی نیت سے پالے ہوئے جانور کو فروخت کر کے دوسرا جانور خریدنا؟

سوال (۱۳۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے ایک بکرا بچپن سے قربانی کے لئے پالا کہ اُس کی قربانی کروں گا، اَب زید کی نیت یہ ہوگئی کہ اُس کے بدلہ میں اِس بکرے کو بیچ کر بڑا جانور خریدلوں، جس میں سات حصہ سب گھر والوں کے نام سے ہوجائیں، کیا اِس صورت میں بڑے جانور کی قربانی جائز ہے، یا جس بکرے کو قربانی کی نیت سے پالا تھا، اُسی کی قربانی کرنی پڑے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اگر زید نے مذکورہ بکرے کو پال کر اُس کو بذریعہ نذر اپنے اوپر واجب اور لازم نہیں کیا ہے، تو قربانی کی نیت سے پالنے کی بناء پر اُس کی قربانی متعین طور پر کرنا واجب اور ضروری نہیں ہے، زید اُس کا مالک ہے، اُس کو اِس بات کا اختیار ہے کہ مذکورہ بکرا فروخت کر کے بڑا جانور خریدلے، جس میں گھر کے سات آدمی شریک ہوسکیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۴/ ۳۴۲)

إن كان غنيًا لم تتعين وله أن يقيم غيرها مقامها كما في البدائع من

الأضحية. (الأشباه والنظائر ٤٠)

ولو ملك إنسانٌ شاة فنوىٰ أن يضحي بها أو اشترىٰ شاة ولم ينو الأضحية وقت الشراء، ثم نوى بعد ذٰلک أن يضحي بها لا تجب عليه، سواء كان غنيًّا أو فقيرًا، وأما الذي يجب على الغني دون الفقير فما يجب من غير نذرٍ ولا شراء للأضحية؛ بل شكرًا لنعمة الحياة وإحياء لميراث الخليل حين أمره الله بذبح الكبش في هٰذه الأيام كذا في البدائع. (الفتاوىٰ الهندية / أول كتاب الأضحية ٢٩١/٥-٢٩٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱۱/۲۴ھ

قربانی کے جانوروں کے عیوب

لنگڑے جانور کی قربانی؟

سوال (۱۳۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قربانی کے بکرے کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی ہے، جو علاج کے ذریعہ جڑوائی گئی مگر وہ ٹھیک نہیں جڑسکی، جس کی وجہ سے چلنے میں لنگڑاپن محسوس ہوتا ہے، جب کہ خریداری کے وقت ٹانگ ٹوٹی ہوئی نہیں تھی، تو کیا ایسی حالت میں اُس کی قربانی ہوسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے بکرے کی قربانی کرنے سے واجب ادا ہوجائے گا، ایسا معمولی لنگڑاپن قربانی میں مانع نہیں ہے۔

قوله: والعرجاء التي لا يمكنها المشي برجلها العرجاء إنما تمشي بثلاث قوائم، حتى لو كانت تضع الرابعة على الأرض وتستعين بها جاز. (شامي ۳۲۳/۶ كراچی، ۴۶۸/۹ زكريا، البحر الرائق ۱۷۶/۸ كراچی، الفتاوىٰ التاتارخانية ۴۲۶/۱۷ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ۲۹۷/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۰/۱۲/۴ھ

لنگڑے بکرے کی قربانی؟

سوال (۱۳۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارا بکرا جس کی عمر ایک سال سے زائد ہے، گھر کا پلا ہوا بکرا ہے، اَب سے ۵؍ ماہ قبل کسی

شخص نے اُس کی ٹانگ توڑ دی تھی، اوراس پر پلاسٹر چڑھوادیا گیا تھا، ٹانگ ٹھیک ہوگئ؛ لیکن ٹانگ میں لنگڑا پن ہوگیا، قربانی ہوسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر لنگڑا پن اتنا کم ہے کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ خود چل کر جاسکتا ہے تو اُس کی قربانی درست ہے، ہاں اگرا تنا زیادہ لنگ ہو کہ وہ چل ہی نہ سکے تو اُس کی قربانی جائز نہ ہوگی۔

عن البراء بن عازب رضي اللّٰه عنه قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وأشار بأصابعه، وأصابعي أقصر من أصابع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يشير بإصبعه، يقول: لا يجوز من الضحايا العوراء البيّن عورها، والعرجاء البيّن عرجها، والمريضة البين مرضها، والعجفاء التي لا تنقي. (سنن النسائي، كتاب الضحايا / باب العجفاء ۱۷۹/۲ رقم: ۴۳۷۸ دار الفكر بيروت)

لا بالعمياء ...... والعجفاء، والعرجاء التي لا تمشي إلى المنسک (الدر المختار) أي التي لا يمكنها المشي برجلها العرجاء، إنما تمشي بثلاث قوائم، حتى لو كانت تضع الرابعة على الأرض وتستعين بها جاز. (الدر المختار مع الشامي / كتاب الأضحية ۳۲۳/۶ کراچی)

العرجاء التي تمشي بثلاثة قوائم وتُجافي الرابع عن الأرض، لا تجوز الأضحية. وإن كانت تضع الرابع على الأرض وتستعين به إلا أنها تتمايل مع ذٰلک وتضعه وضعًا خفيفًا يجوز. وإن كانت ترفعه رفعًا أو تحمل المنكسر لا تجوز. (البحر الرائق / كتاب الأضحية ۳۲۳/۹ زکریا، ۱۷۶/۸ کراچی، وكذا في خلاصة الفتاویٰ، كتاب الأضحية / الباب الخامس في العيوب ۳۲۱/۴ زکریا)

العرجاء البين عرجها وهي التي لا تقدر أن تمش برجلها إلى المنسک. (الفتاویٰ الهندية ۲۹۷/۵)

قال مشائخنا: إذا كانت تمشي بثلاث قوائم، وتجافى الرابع عن الأرض لا يجوز، وإذا كانت تضع الرابع على الأرض تستعين بها، إلا أنه تتمايل مع ذلک وتضعه وضعًا خفيفًا يجوز؛ وأما إذا كانت ترفع، أو تحمل المنكسر لا يجوز. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الأضحية / الفصل الخامس في بيان ما يجوز من الضحايا ٤٢٦/١٧ رقم: ٢٧٧١٧ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۶/۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کھر بڑھے ہوئے بکرے کی قربانی؟

سوال (۱۳۳۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک بکرا قربانی کے لئے رکھا گیا تھا، اَب اُس کے کھر بہت بڑے بڑے ہوگئے ہیں، جب چلتا ہے تو ٹھہر ٹھہر کر چلتا ہے، تو کیا کھر بڑے ہوجانے کی وجہ سے قربانی نہیں ہوسکتی؟ شرعاً اِس بکرے کے بارے میں کیا حکم ہے، قربانی ہوسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض کھر کا بڑا ہوجانا اور اُس کی وجہ سے ٹھہر ٹھہر کر چلنا قربانی کی صحت کے لئے مانع نہیں ہے، ہاں اگر اتنا معذور ہوجائے کہ چل ہی نہ سکے تو پھر لنگڑے جانور کے حکم میں ہوکر اُس کی قربانی درست نہ ہوگی۔

كل عيب يزيل المنفعة على الكمال أو الجمال على الكمال يمنع الأضحية. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الأضحية / الباب الخامس ٢٩٩/٥)

ولا يجوز العرجاء التي لا تقدر على القيام والمشي إلى المذبح وإن قدرت جاز. (الفتاویٰ الخانية / فصل في العيوب ما يمنع الأضحية وما لا يمنع ٣٥٣/٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴/۶/۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس جانور کا تھن سوکھ جائے اُس کی قربانی؟

سوال (۱۳۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قربانی کے دودھ والا جانور کے ایک تھن سے پورا دودھ نہیں آتا، یا بالکل نہیں دیتا، تو اُس کی قربانی کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر دودھیا جانور (بکری ایک تھن سے اور دیگر بڑے جانور دو تھن سے) دودھ دینا بند کردے یا تھن سوکھ جائیں تو یہ عیب ہے، اُس کی وجہ سے قربانی صحیح نہ ہوگی، تھوڑا بہت دودھ اگر آتا ہو تو اُس کی قربانی درست ہے، محض دودھ کی کمی نقص نہیں ہے۔

والشطور لا تجزئ وهي من الشاة ما انقطع اللبن عن إحدى ضرعيها، ومن الإبل والبقر ما انقطع اللبن من ضرعيها. (الفتاویٰ الهندية / الباب الخامس من كتاب الأضحية ٢٩٩/٥، شامي ٣٢٥/٦ كراچی، ٤٧٠/٩ زكريا)

والتي لا ينزلها لبن غير علة، والتي لها ولد، يجوز ...... وفي الشاة والمعز إذا لم يكن لهما أحد حلمتيها خلقةً، أو ذهبت بآفة وبقيت واحدة لم يجز. وفي الإبل والبقر إن ذهبت واحدة يجوز، وإن ذهبت اثنان لا يجوز. (خلاصة الفتاویٰ، كتاب الأضحية / الفصل الخامس في العيوب ٣٢١/٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۱۱/۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بے سینگ جانور کی قربانی کرنا؟

سوال (۱۳۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی جانور کے پیدا ہونے کے بعد اُس کے سینگ کے نشانات کو داغ دیا جائے جس سے اُس کے سینگ نہ اُگ سکیں، تو کیا ایسے جانور کی قربانی درست ہے؟ جب کہ داغنے والوں کا کہنا ہے

کہ اِس طرح کرنے سے جانور میں خوب صورتی پیدا ہوجاتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس جانور کے سینگ نہ اُگے ہوں اُس کی قربانی مطلقاً درست ہے، خواہ اُس کے نہ اگنے کی وجہ کچھ بھی ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲۶۱/۱۷ ڈابھیل، احسن الفتاویٰ ۵۰۱/۷)

ویضحی بالجماء هي التي لا قرن لها خلقة، وكذا العظماء التي ذهب بعض قرنها بالكسراء وغيره. (شامي ٤٦٧/٩ زكريا)

ويضحي بالجماء التي لا قرن لها خلقةً؛ لأن القرن لا يتعلق به مقصود، وكذا مكسورة القرن بل أولىٰ. (البحر الرائق / كتاب الأضحية ٣٢٣/٨ زكريا)

وتجوز الجماء بتشديد الميم، وهي التي لا قرن لها بالخلقة؛ إذ لا يتعلق به المقصود، وكذا مكسورة القرن. (مجمع الأنهر / كتاب الأضحية ٤٧٩/٦ دار الكتب العلمية بيروت، وكذا في الفتاوىٰ الهندية، كتاب الأضحية / الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب ٢٩٧/٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۵/۱۱/۲۹ھ

آنکھوں میں گول سفیدی والے جانور کی قربانی؟

سوال (۱۳۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے پاس ایک کٹرا ہے جس کی آنکھوں میں گول گول سفیدی ہے، ہمارے یہاں اس جانور کو کنجی والا جانور کہتے ہیں، اُس کو دیکھنے میں بھی کوئی دشواری نہیں ہوتی ہے، صرف اُس کی آنکھ کے دیدہ کے کنارے سفید ہیں، اور اس طرح کے جانور عیب دار بھی نہیں مانے جاتے، یا اُن کی قیمت میں بھی کوئی فرق نہیں ہوتا، تو کیا اُس جانور کی قربانی ہوسکتی ہے؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال میں مذکورہ صفت کے جانور کی قربانی بلا شبہ

درست ہے۔

قال في الشامي: وتجوز الحولاء ما في عينها حول. (شامي / كتاب الأضحية ٤٧٠/٩ زكريا، كذا في الفتاوىٰ التاتارخانية ٤٢٧/١٧ رقم: ٢٧٧٢٠ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۱۱/۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چرخ والے جانور کی قربانی کا حکم؟

سوال (۱۳۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: چرخ والے جانور کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر چرخ کا اثر گوشت تک پہنچ گیا ہے، تو اُس کی قربانی مکروہ ہے، ورنہ درست ہے۔

ويضحي بالجماء والجرباء السمينة فلو مهزولة لم يجز؛ لأن الجرب في اللحم نقص. (شامي / كتاب الأضحية ٣٢٣/٦ كراچی، ٤٦٧/٩ زكريا، كذا في البحر الرائق / كتاب الأضحية ١٧٦/٨ كراچی، ٤٧٩/٦ زكريا، تبيين الحقائق / كتاب الأضحية ٥/٦ المكتبة الإمدادية ملتان، مجمع الأنهر / كتاب الأضحية ١٧١/٤ كوئٹه، بدائع الصنائع / فصل في شروط جواز إقامة الواجب ٣١٦/٦ دار الكتب العلمية بيروت، ٢١٦/٤ زكريا، الفتاوىٰ الهندية / الباب الخامس من كتاب الأضحية ٢٩٧/٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۲/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی کے جانور میں نذر و نیاز کا حکم

قربانی کے جانور میں نذر کا حصہ کرنا؟

سوال (۱۳۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قربانی کے جانور میں نذر کا حصہ داخل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کے جانور میں نذر کا حصہ بھی شامل کیا جا سکتا ہے، مگر اُس حصہ کا گوشت اپنے استعمال میں نہ لائے؛ بلکہ فقراء کو دے دے۔

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما لا يؤكل من جزاء الصيد والنذر، ويؤكل مما سوى ذٰلك. (صحيح البخاري، كتاب المناسك / باب وإذ بوّأنا لابراهيم مكان البيت ١/٢٣٢ تحت رقم الباب: ١٢٣)

عن عطاء: لا يؤكل من جزاء الصيد، ولا مما يجعل للمساكين من النذر وغير ذٰلك، ولا من الفدية، ويؤكل مما سوى ذٰلك. (إعلاء السنن، كتاب الحج / باب يستحب الأكل من لحوم الهدايا الخ ١٠/٥١٧ رقم: ٣٠٢٣)

ولو أرادوا القربة الأضحية أو غيرها من القرب أجزأهم، سواء كانت القربة واجبة أو تطوعًا. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الأضحية / الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا ٥/٣٠٤)

ولو نوى بعض الشركاء الأضحية، وبعضهم هدى المتعة، وبعضهم هدى القرآن، وبعضهم جزاء الصيد، وبعضهم دم العقيقة جاز عن الكل في ظاهر الرواية، عن محمد في النوادر كذٰلك، وعن أبي يوسف رحمه اللّٰه في الأمالي:

أنـه قـال: الأفضل أن يكون الكل من جنس واحد، وإن كان مختلفًا، وكل واحد متقرب إلى اللّٰه [جاز] وعن أبي حنيفة رحمه اللّٰه أنه قال: أكره ذٰلک فإن فعلوا جاز. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الأضحية / الفصل السابع فيما يتعلق بالشركة في الضحايا ١٧/ ٤٥٢ رقم: ٢٧٨٠٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۱۲/۲۳ھ

نذر کے جانور کی قربانی میں کسی دوسرے کو شریک کرنا

سوال (۱۳۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کا ایک بڑا جانور (مثلاً گائے بھینس وغیرہ) بیمار تھا، زید نے نذر مانی کہ اگر میرا جانور اچھا ہوگیا تو اُس کی قربانی کروں گا، بفضلہٖ تعالیٰ جانور صحت مند ہوگیا، اَب زید پر اس جانور کی قربانی واجب ہوگئی؛ لہٰذا کچھ دیگر لوگ بھی اِس میں شریک ہونا چاہتے ہیں، تو کیا بنیتِ قربانی یہ دیگر حضرات شریک ہوسکتے ہیں یا پورا جانور اپنی طرف سے ذبح کیا جائے؟ شرعاً جو حکم ہو مطلع فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: صورتِ مسئولہ میں زید پر پورے جانور کی قربانی کرنا واجب ہے، اُس میں کسی دوسرے کے شریک ہونے کی گنجائش نہیں ہے۔

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ﴾ [الحج، جزء آيت: ٢٩]

عـن ابـن عباس رضي اللّٰه عنهما أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: …… من نذر نذرًا أطاقه فليفِ به. (سنن أبي داؤد، كتاب الأيمان والنذور / باب من نذر نذرًا لا يطيقه ص: ٦٣٢ رقم: ٣٣٢٢ دار الفكر بيروت، سنن ابن ماجة، كتاب الكفارات / باب من نذر نذرًا ولم يسمّه ص: ٤٩٤ رقم: ٢١٢٨ دار الفكر بيروت)

لـحـديث من ننذر وسمى فعليه الوفاء بما سمى كصوم. (الدر المختار، كتاب الأيـمـان والنـذور / مـطلب في أحكام النذر ٣/٥ ٧٣ دار الفكر بيروت، ٤١٢/٥ دار إحياء التراث العربي بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۲/۱۱/۱۳ھ

نیاز کے بکرے کی قیمت سے قربانی کرنا؟

سوال (۱۴۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں نے ایک بکرا گھر کی بکری کا پالا تھا، اور میری نیت یہ تھی کہ اِس بکرے کو بیچ کر اللہ تعالیٰ کے نام کی نیاز کریں گے، اور اُس کا پیسہ اُسی میں لگادیں گے، بکرا تین ہزار روپئے کا فروخت کردیا ہے، اِس پیسہ کی قربانی کر کے اِس پیسہ میں سے پکانے کا خرچ کر کے ایسا کرسکتے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورتِ مسئولہ میں بکرے کی قیمت قربانی اور اُس کے گوشت کے پکانے میں لگا سکتے ہیں، یہ خرچ بھی اللہ کی راہ میں ہوگا۔

وأما الـذي يـجب على الغني دون الفقير فما يجب من غير نذر ولا شراء لـلأضحية؛ بل شكرًا لنعمة الحياة، وإحياء الميراث الخليل. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الأضحية / الباب الأول ٢٩٢/٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۱۲/۷ھ

عقیقہ کے مسائل

بچہ کے کان میں اَذان واِقامت کی شرعی حیثیت

سوال (۱۴۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بچہ کے کان میں اَذان واِقامت کی شرعی دلیل کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نومولود بچہ کے کان میں اَذان واِقامت کہنا سنت ہے اور حدیث سے ثابت ہے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت کے موقع پر خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے کان میں اذان دی تھی۔

عن أبي رافع رضي اللّٰه عنه قال: رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أذن في أذن الحسن بن علي حين ولدته فاطمة بالصلاة. (سنن الترمذي ۲۷۸/۱)

قال الملا علي القاري: هٰذا يدل على سنية الأذان في أذن المولود. (مرقاة المفاتيح ۸۱/۸ تحت رقم: ٤١٥٧ دار الكتب العلمية بيروت)

عن الحسين رضي اللّٰه عنه مرفوعًا: من ولد له ولد فأذن في أذنه اليمنى وأقام في أذن اليسرىٰ لم تضره أم الصبيان. (كنز العمال ۱۹۰/۱٦، كذا في المرقاة المفاتيح، كتاب الصيد والذبائح / باب العقيقة ۸۱/۸ تحت رقم: ٤١٥٧ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۸/۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نومولود بچے کے کانوں میں اَذان وتکبیر کا ثبوت؟

سوال (۱۴۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل کے بارے میں کہ: جب بچہ کی ولادت ہوتی ہے تو بچہ کے ایک کان میں اَذان اور دوسرے کان میں اِقامت کہی جاتی ہے، یہ صحیح ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے بعد آپ کے کان میں اذان دینے کی صراحت ابوداؤد اور ترمذی شریف کی صحیح احادیث میں ہے۔

أذن رسول الله صلى الله عليه وسلم في أذن الحسن بن علي حين ولدته فاطمة رضي الله عنها بالصلاة. (مشكاة المصابيح ٣٦٣/٢)

اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع روایت اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے قول سے بھی دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اِقامت کا ثبوت ہوتا ہے۔

وفي شرح السنة: روي أن عمر بن عبد العزيز رضي الله عنه كان يؤذن في اليمنىٰ ويقيم في اليسرىٰ إذا ولد الصبي. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصيد والذبائح / باب العقيقة ٨١/٨ تحت رقم: ٤١٥٧ دار الكتب العلمية بيروت، حاشية مشكاة المصابيح ٣٦٣/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہٗ ۱۴۱۹/۵/۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نومولود کے کان میں کئی مرتبہ اَذان کہنا؟

سوال (۱۴۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل کے بارے میں کہ: کیا نومولود بچے کے کان میں کئی مرتبہ اَذان کہی جاسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایک مرتبہ نومولود بچہ کے دائیں کان میں اَذان اور بائیں کان میں تکبیر کہنا سنت ہے؛ لہٰذا ایک سے زائد اذان کو سنت یا مستحب نہ کہا جائے۔

فمنها عند ولادة المولود فإنهم صرحوا بسنية الأذان في أذن الولد اليمنى والإقامة في اليسرىٰ. (أوجز المسالك ١٨٣/١، الدر المختار مع الشامي ٥٣/٢ زكريا، مجمع الأنهر ١١٦/١ مكتبة فقيه الأمة ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۷/۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ختنہ اور عقیقہ کرنا کیسا ہے؟

سوال (۱۴۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ختنہ اور عقیقہ کرنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ختنہ اور عقیقہ کرنا سنت ہے۔

عن أسامة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الختان سنة للرجال مكرمة للنساء. (المسند للإمام أحمد بن حنبل ٧٥/٥، المعجم الكبير ١٨٦/١١ رقم: ١١٥٩٠)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: الفطرة خمس: الختان، والاستحداد، وقص الشارب، وتقليم الأظفار ونتف الإبط. (صحيح البخاري ٨٧٥/٢ رقم: ٥٦٦٢، سنن الترمذي ١٠٤/٢)

عن سباع بن ثابت أن محمد بن ثابت بن سباع أخبره أن أم كرز أخبرته أنها سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن العقيقة، فقال: عن الغلام شاتان، وعن الجارية واحدة. (سنن الترمذي ٢٧٨/١)

الختان سنة للرجال من جملة الفطرة لا يمكن تركها وهي مكرمة في حق النساء أيضًا كما في الكفاية. (شامي ۵۳۳/۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۹/۴/۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عقیقہ کو ضروری سمجھنا اور بے جا خوشی منانا؟

سوال (۱۴۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عقیقہ کر کے اُس میں خوشی منا کر ضروری سمجھ کر لوگوں کو بلا کر بھوج کھلانا کیسا ہے، اور رات کو عقیقہ کرنا کیسا ہے، مکروہ یا مستحب اور جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقیقہ کر کے لوگوں کو دعوت کھلانا یا گوشت وغیرہ تقسیم کرنا جائز ہے؛ البتہ اِس کو ضروری سمجھنا درست نہیں؛ کیوں کہ عقیقہ صرف مباح کے درجہ میں ہے۔

وهي ذبح شاة في سابع الولادة وضيافة الناس مباحةً لا سنةً ولا واجب، وذكر محمد في العقيقة فمن شاء فعل ومن شاء لم يفعل، وهٰذا يشير إلى الإباحة فيمنع كونها سنة. (الفتاویٰ الهندية ۳۶۲/۵، وهكذا في الشامي ۳۳۶/٦ کراچی، ۴۸۵/۹ زكريا)

وإنما أخذ أصحابنا الحنفية في ذٰلک بقول الجمهور، وقالوا باستحباب العقيقة. (إعلاء السنن ۱۱۳/۱۷، حاشية سنن الترمذي ۲۷۷/۱)

نیز عقیقہ رات میں کرنے سے بھی ادا ہوجائے گا اور یہ فعل بھی جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۳/۱۱/۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عقیقہ کس دن کرنا چاہئے؟

سوال (۱۴۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بچی کا عقیقہ ہونا ہے یعنی بکرا کٹوانا ہے، کیا تاریخ پیدائش سے اُس کا کوئی تعلق ہے یا کبھی بھی

بکرا کٹوایا جاسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بہتر ہے کہ پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کرایا جائے؛ لیکن اگر اِس کے علاوہ کر دیں تو بھی جائز ہے۔

عن سمرة بن جندب رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الغلام مرتهن بعقيقته، يذبح عنه يوم السابع، ويسمي، ويحلق رأسه. (سنن النسائي، كتاب العقيقة / باب متى يعقّ ١٨٨/١)

عن بريدة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: العقيقة لسبع، أو أربع عشرة، أو إحدى وعشرين. (إعلاء السنن، كتاب الذبائح / باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة ١١٨/١٧ إدارة القرآن كراچی)

المذكور أيضًا أنها إن لم تذبح في السابع ذبحت في الرابع عشر، وإلا ففي الحادي والعشرين، ثم هٰكذا في الأسابيع. وفيه وجه للشافعية أنه إذا تكررت السبعة ثلاث مراتٍ، فات وقت الاختيار. قال الرافعي: فإن أخّر حتى بلغ سقط حكمها في حق غير المولود. وهو مخير في العقيقة عن نفسه. (إعلاء السنن، كتاب الذبائح / باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة ١١٧/١٧ إدارة القرآن كراچی)

يستحب لمن وُلد له ولد أن يسميه يوم أسبوعه ويحلق رأسه ...... ثم يعق عند الحلق إباحةً على ما في الجامع المحبوبي، أو تطوعًا على ما في شرح الطحاوي. (شامي / كتاب الذبائح ٣٣٦/٦ كراچی، ٤٨٥/٩ زكريا)

العقيقة عن الغلام وعن الجارية وهي ذبح شاة في سابع الولادة. (الفتاوىٰ الهندية ٣٦٤/٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۲/۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بچہ کا عقیقہ کس دن کرنا چاہئے؟

سوال (۱۴۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جب کسی کے یہاں کسی بچے کی پیدائش ہوتی ہے تو عقیقہ کس دن اور کس طرح کرنا چاہئے؟ اگر کسی کے پاس عقیقہ کرنے کی استطاعت نہیں ہے تو وہ کیا کرے، جس سے بچہ تمام آفات وبلاؤں سے محفوظ رہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرطِ استطاعت عقیقہ کا طریقہ یہ ہے کہ لڑکے کے پیدائش کے ساتویں دن عقیقے کی نیت سے دو بکرے یا دو بکریاں ذبح کی جائیں، اور لڑکی ہونے کی صورت میں ایک بکرا یا بکری ذبح کی جائے، اور بچے یا بچی کا سر منڈا کر اُن کے بالوں کے وزن کے بقدر سونا یا چاندی صدقہ کردی جائے، اور اُسی دن اُن کا کوئی اچھا سا نام تجویز کردیا جائے، اور اگر کسی شخص کے پاس عقیقہ کرنے کی استطاعت نہ ہو تو مؤخر کردے، اور بچے کی بلاؤں سے حفاظت کے لئے دعا کا اہتمام کرے، انشاء اللہ اُمید ہے کہ بچہ برحمتِ خداوندی آفات وبلیات سے محفوظ رہے گا۔

عن سباع بن ثابت أن محمد بن ثابت بن سباع أخبره أن أم كرز أخبرته أنها سألت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن العقيقة، فقال: عن الغلام شاتان، وعن الجارية واحدة. (سنن الترمذي ٢٧٨/١)

عن سمرة بن جندب رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الغلام مرتهن بعقيقته تذبح عنه يوم السابع ويسمى ويحلق رأسه. (رواه الترمذي)

وقال أبوعيسىٰ: والعمل على هٰذه عند أهل العلم يستحبون أن يذبح عن الغلام العقيقة يوم السابع؛ فإن لم يتهيَّأ يوم السابع فيوم الرابع عشر، فإن لم يتهيَّأ عق عنه يوم إحدىٰ وعشرين. (سنن الترمذي، أبواب الأضاحي / باب ما جاء في العقيقة ٢٧٨/١، إعلاء السنن / باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة ١١٥/١٧ إدارة القرآن كراچی، مشكاة المصابيح ص: ٣٦٢)

يستحب لمن وُلد له ولد أن يسميه يوم أسبوعه ويحلق رأسه ...... ثم يعق عند الحلق عقيقة إباحةً على ما في الجامع المحبوبي، أو تطوعًا على ما في شرح الطحاوي. (شامي / كتاب الذبائح ٣٣٦/٦ كراچی، ٤٨٥/٩ زكريا)

قال الإمام الأكبر شاه ولي الله المحدث الدهلوي: وأما تخصيص اليوم السابع فلأنه لا بد من فصل بين الولادة والعقيقة، فإن أهله مشغولون بإصلاح الوالدة. (حجة الله البالغة / باب العقيقة ٣٧٤/٢ مكتبة حجاز ديوبند)

العقيقة عن الغلام وعن الجارية: وهي ذبح شاة في سابع الولادة وضيافة الناس وحلق شعره مباحة. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب الثاني والعشرون ٣٦٢/٥ زكريا)

العقيقة عن الغلام وعن الجارية، وهي ذبح شاة في سابع الولادة وضيافة الناس وحلق شعره مباحة لا سنة ولا واجبة، كذا في وجيز الكردري. (الفتاویٰ الهندية / الباب الثاني والعشرون في تسمية الأولاد ٣٦٢/٥ كوئٹه، حجة الله البالغة / باب العقيقة ٣٧٣/٢ مكتبة حجاز ديوبند، شامي / قبيل كتاب الحظر والإباحة ٣٣٦/٦)

يستحب لمن ولد له ولد أن يسميه يوم أسبوعه ويحلق رأسه، ويتصدق عند الأئمة الثلاثة بزنة شعره فضة أو ذهبًا، ثم يعق عند الحلق عقيقة إباحة على ما في الجامع المحبوبي، أو تطوعًا على ما في شرح الطحاوي. (شامي ٤٨٥/٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۲/۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پیدائش کے ایک سال بعد عقیقہ کرنا؟

سوال (۱۴۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بچہ خواہ لڑکا ہو یا لڑکی، اُس کی عمر ایک سال سے زائد ہوچکی ہے، اَب اُس کے والدین یا اور کوئی رشتہ دار اُس کا عقیقہ کرنا چاہتے ہیں، تو کیا وہ قربانی کے جانور میں عقیقہ کے لئے شریک ہوسکتے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بچہ کی عمر ایک سال سے زائد ہوجائے تب بھی عقیقہ کر سکتے ہیں۔ (بہشتی زیور ۳/۴۲-۴۳)

نیز قربانی کے جانور میں عقیقہ کا حصہ رکھنا جائز ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۷/۵۳۵، فتاویٰ محمودیہ ۱۷/۵۲۰ ڈابھیل)

عن الحسن البصري: إذا لم يُعقّ عنک، فعقِّ عن نفسک وإن كنت رجلاً. (إعلاء السنن، كتاب الذبائح / باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة ١٧/١٢١ إدارة القرآن كراچی)

فنقل الرافعي أنه يدخل وقتها بالولادة ...... ثم قال: والاختيار أن لا تؤخر عن البلوغ، فإن أخرت عن البلوغ سقطت عمن كان يريد أن يعق عنه، لكن إن أراد أن يعق عن نفسه فعل. (فتح الباري، كتاب العقيقة / باب إماطة الأذى عن الصبي في العقيقة ٩/٥٩٤-٥٩٥ دار المعرفة بيروت)

إن الترمذي أجاز بها إلى يوم إحدى وعشرين، قلت: بل يجوز إلى أن يموت. (فيض الباري / كتاب العقيقة ٤/٣٣٧)

قال: أخبرني عبد الملک في موضع آخر: أنه قال لأبي عبد الله: فيعق عنه كبيرًا، قال: لم أسمع في الكبير شيئًا. قلت: أبوه معسر، ثم فأراد أن لا يدع ابنه حتى يعق عنه. قال: لا أدري، ولم أسمع في الكبير شيئًا، ثم قال لي: ومن فعله فحسن. (تحفة المودود بأحكام المولود ٦٩ بيروت)

وكذا لو أراد بعضهم العقيقة عن ولدٍ قد وُلد له من قبل؛ لأن ذٰلک جهة التقرب بالشكر على نعمة الولد، ذكره محمد رحمه اللّٰه تعالىٰ. ولم يذكر الوليمة ...... وقد ذكر في "غرر الأفكار" أن العقيقة مباحة على ما في جامع المحبوبي، أو تطوع على ما في شرح الطحطاوي الخ. (شامي / كتاب الأضحية ٦/٣٢٦ كراچی)

ولو نوى بعض الشركاء الأضحية، وبعضهم هدى المتعة ...... وبعضهم

دم العقيقة لولادة ولدٍ وُلد له في عامه ذلک، جاز عن الكل في ظاهر الرواية. (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ الهندية، كتاب الأضحية / فصل فيما يجوز في الضحايا وما لا يجوز ۳۵۰/۳ زكريا، وكذا في بدائع الصنائع، كتاب التضحية / فصل في شروط جواز إقامة الواجب ۳۰۶/٦ دار الكتب العلمية بيروت، ۲۰۹/٤ زكريا)

ووقتها بعد تمام الولادة إلى البلوغ ...... ويسن أن يعق عن نفسه من بلغ ولم يعق عنه. (تنقيح الفتاویٰ الحامدية / كتاب الذبائح ۲۳۳/۲ المكتبة الميمنية مصر، الفتاویٰ الهندية ۳۰٤/٥ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۶/۵/۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سال دو سال بعد بچہ کا عقیقہ کرنا اور بچہ کے بال منڈانا؟

سوال (۱۴۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جس بچہ کا عقیقہ ساتویں دن کسی مجبوری کی وجہ سے نہ ہوسکے تو چھ مہینہ بعد یا سال بھر بعد یا دو سال بعد ہوتا ہے، تو ایسے لڑکے یا لڑکی کا سر کے بال جڑ سے کٹا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر سر سے بال کٹا دے گا تو پیٹ والا بال تو عقیقہ ہونے تک کسی کپڑے میں لپیٹ کر رکھنا پڑے گا اور جس دن عقیقہ ہوگا اُس دن اُس بال کو ترازو پر تول کر اُس کے برابر چاندی فقیر کو دینا پڑے گی، یا اُس وقت جو نیا بال سر پر ہوگا اُس بال کو کاٹ کر کے اُس کی مقدار چاندی خیرات کرنی پڑے گی؟ عقیقہ کرنے کے لئے ماں کے پیٹ کا بال سر میں رکھنا ضروری ہے، چاہے کتنے سال کے بعد عقیقہ ہو یا عقیقہ کے وقت جو بال ہو اُس بال کو کاٹ لینے سے عقیقہ ہو جائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پیدائش کے بعد جلد سے جلد عقیقہ کر دینا چاہئے، اگر کسی وجہ سے جلدی عقیقہ نہ ہوسکے تو بال کٹانے میں عقیقہ کا انتظار نہ کریں؛ بلکہ پہلے ہی کٹا کر اُس

کے بقدر چاندی صدقہ کردیں، عقیقہ تک بال کو محفوظ رکھنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے، اور اگر بڑی عمر میں عقیقہ کیا جارہا ہے، تو اُس وقت لڑکی کے بال نہ منڈائیں، لڑکے کے بال منڈا سکتے ہیں۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۷/ ۵۱۶-۵۱۷ ڈابھیل)

عن علي بن أبي طالب رضي اللّٰه عنه قال: عق رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن الحسن بشاة، وقال: يا فاطمة! أحلقي رأسه وتصدقي بزنة شعره فضةً، فوزناه فكان وزنه درهمًا أو بعض درهم. (مشكاة المصابيح / باب العقيقة ٢/ ٣٦٢، سنن الترمذي / باب ما جاء في العقيقة ١/ ٢٧٨)

العقيقة عن الغلام وعن الجارية، وهي ذبح شاة في سابع الولادة وضيافة الناس وحلق شعره مباحة لا سنة ولا واجبة، كذا في وجيز الكردري. (الفتاویٰ الهندية / الباب الثاني والعشرون في تسمية الأولاد ٥/ ٣٦٢ كوئٹه، حجة اللّٰه البالغة / باب العقيقة ٢/ ٣٧٣ مكتبة حجاز ديوبند، شامي / قبيل كتاب الحظر والإباحة ٦/ ٣٣٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۲/۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بڑے جانور میں عقیقہ کا حصہ لینا؟

سوال (۱۵۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عقیقہ میں کٹڑے کے سات حصوں میں ہم اپنے بچوں کا عقیقہ کرنا چاہیں، تو اُس کے لئے کیا مسئلہ ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کے ساتھ دیگر شرکاء کی نیت بھی عقیقہ یا صدقہ کی ہے، تو ایک یا دو حصے کا عقیقہ درست ہوگا، اور اگر آپ نے کسی دوکاندار سے معاملہ کرلیا کہ ٦/ حصے وہ فروخت کرے اور ایک حصہ کا آپ عقیقہ کریں، تو یہ طریقہ صحیح نہ ہوگا۔

لايشارك المضحي فيما يحتمل الشركة من لا يريد القربة رأسًا؛ فإن

شارک لم يجز عن الأضحية، و كذا هٰذا في سائر القرب إذا شارک المتقرب من لا يريد القربة لم تجز عن القربة. (الفتاویٰ الهندية / الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا ٥/٣٠٤)

وكذا لو أراد بعضهم العقيقة عن ولدٍ قد وُلد له من قبل؛ لأن ذٰلک جهة التقرب بالشكر على نعمة الولد، ذكره محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ. ولم يذكر الوليمة ...... وقد ذكر في "غرر الأفكار" أن العقيقة مباحة على ما في جامع المحبوبي، أو تطوع على ما في شرح الطحطاوي الخ. (شامي / كتاب الأضحية ٦/ ٣٢٦ كراچی)

ولو نوى بعض الشركاء الأضحية، وبعضهم هدى المتعة ...... وبعضهم دم العقيقة لولادة ولدٍ وُلد له في عامه ذٰلک، جاز عن الكل في ظاهر الرواية.

(فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ الهندية، كتاب الأضحية / فصل فيما يجوز في الضحايا وما لا يجوز ٣/ ٣٥٠ زكريا، وكذا في بدائع الصنائع، كتاب التضحية / فصل في شروط جواز إقامة الواجب ٦/ ٣٠٦ دار الكتب العلمية بيروت، ٤/ ٢٠٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۱۱/۳ھ

ایسے جانور میں عقیقہ کا حصہ لینا جس میں تمام شرکاء کی نیت قربت کی ہو؟

سوال (۱۵۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم دو بھائی ہیں، ایک کے دولڑکے ہیں اور دوسرے بھائی کے دولڑکی اور ایک لڑکا ہے، اور ایک بھینس ہے، ہم دونوں بھائی شرکت میں بچوں کا عقیقہ کرنا چاہتے ہیں؛ لہٰذا شرعی حکم کیا ہے؟ عقیقہ میں سات حصے ہوتے ہیں یا نہیں؟ اگر ہوتا ہے تو لڑکے کے لئے نر اور لڑکی کے لئے مادہ کا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بڑے جانور کے ساتویں حصہ سے بھی عقیقہ ہوسکتا ہے،

اِس میں نر یا مادہ کی لڑکے یا لڑکی کے لئے کوئی قید نہیں ہے، بس یہ ہے کہ سارے حصوں والوں کی نیت قربت ہی کی ہونی چاہیے، محض گوشت کا حصول مقصود نہ ہو۔

تنبیہ: قد علم أن الشرط قصد القربة من الكل. (شامي ٣٢٦/٦ کراچی، ٤٧٢/٩ زکریا)

لا يشارك المضحي فيما يحتمل الشركة من لا يريد القربة رأسًا؛ فإن شارك لم يجز عن الأضحية، وكذا هذا في سائر القرب إذا شارك المتقرب من لا يريد القربة لم تجز عن القربة. (الفتاوىٰ الهندية / الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا ٣٠٤/٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۳/۱۱/۴ھ

قربانی کے علاوہ بڑے جانور میں عقیقہ کے سات حصے کرنا؟

سوال (۱۵۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عقیقہ کے واسطے دو بکرے لڑکے کے لئے اور ایک بکری لڑکی کے لئے ہے، اور قربانی کے جانور میں بھی عقیقہ کا حصہ لیا جاسکتا ہے۔ تو دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا بڑے جانور میں بغیر قربانی کے سات حصے عقیقہ کے ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقیقہ بجائے خود قربانی کی ہی ایک شکل ہے، اُس کے لئے اَیامِ اضحیہ کی کوئی قید نہیں ہے۔ بریں بنا اگر بڑے جانور کے سبھی شرکاء کی نیت عقیقہ ہی کی ہے، تو اُس جانور میں عقیقہ کے سات حصے درست ہو جائیں گے، بہتر ہے کہ لڑکے کی طرف سے ۲/ حصے اور لڑکی کی طرف سے ایک حصہ لیا جائے۔ (مستفاد: الفتاوىٰ الهندية / الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا ٣٠٤/٥)

عـن قتـادـة أن أنـس بن مالک رضي اللّٰہ عنه کان يعق عن بنيه بالجزور.

(تـحـفة الـمودود في أحكام المولود ٦٥، إعلاء السنن، كتاب الذبائح / باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة ١١٦/١٧ إدارة القرآن كراچی، تعليقات فتاویٰ محموديه ٥٢٣/١٧ ڈابھیل)

ولو ذبح بدنةً أو بقرةً من سبعة أولادٍ، أو اشترک فيها جماعة جاز، سواء أرادوا كـلهـم الـعـقيقة أو أراد بعضهم العقيقة وبعضهم اللحم. قلت: مذهبنا في الأضـحية بـطلانها بإرادة بعضهم اللحم، فليکن کذٰلک في العقيقة. (إعلاء السنن، كتاب الذبائح / باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة ١١٩/١٧ إدارة القرآن کراچی)

وكـذا لو أراد بعضهم العقيقة عن ولدٍ قد وُلد له من قبل؛ لأن ذٰلک جهة التقرب بالشكر على نعمة الولد، ذكره محمد رحمه اللّٰہ تعالیٰ. ولم يذكر الوليمة ...... وقـد ذكـر في ''غرر الأفكار'' أن العقيقة مباحة على ما في جامع المحبوبي، أو تطوع على ما في شرح الطحطاوي الخ. (شامي / كتاب الأضحية ٣٢٦/٦ کراچی)

ولـو نـوى بـعض الشركاء الأضحية، وبعضهم هدى المتعة ...... وبعضهم دم العقيقة لولادة ولـدٍ وُلـد لـه في عامه ذٰلک، جاز عن الكل في ظاهر الرواية.

(فتـاویٰ قـاضـي خـان على هامش الفتاویٰ الهندية، كتاب الأضحية / فصل فيما يجوز في الضحايا وما لا يـجـوز ٣٥٠/٣ زكـريـا، وكـذا في بدائع الصنائع، كتاب التضحية / فصل في شروط جواز إقامة الواجب ٣٠٦/٦ دار الكتب العلمية بيروت، ٢٠٩/٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عقیقہ کے لئے بڑے جانور میں حصے لینا؟

سوال (۱۵۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں اپنے ساتوں بچوں کا ایک ساتھ عقیقہ کرنا چاہتا ہوں جب کہ میری پانچ لڑکیاں اور دو

لڑکے ہیں، تو اگر میں دو بکرے اور ایک بھینس عقیقہ میں ذبح کروں تو کیا ہر نفر کی جانب سے عقیقہ درست ہوجائے گا یا نہیں؟ میرے پڑوسی ایک مولانا صاحب ہیں، اُنہوں نے مجھ سے بتلایا ہے کہ قربانی کے جانور میں تو یہ صحیح ہے؛ لیکن اگر قربانی کے علاوہ عقیقہ کیا جائے گا، تو ہر نفر کی جانب سے علاحدہ علیحدہ جانور ذبح کرنا ہوگا، یعنی ایک گائے ایک ہی نفر کی طرف سے ہوسکتی ہے، اُس کے اندر سات حصے نہیں ہوسکتے، جواب باوضاحت تحریر فرما کر عنداللہ وعندالناس ماجور ہوں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس طرح بڑے جانور میں قربانی کے سات حصے ہوتے ہیں، اِسی طرح عقیقہ میں بھی سات حصے ہوں گے، ہر نفر کی جانب سے علاحدہ علاحدہ جانور ذبح کرنا ضروری نہیں؛ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں دو بکرے دو لڑکیوں کی جانب سے، اور ایک بھینس کے تین حصے لڑکیوں کی طرف سے اور بقیہ چار حصے دو لڑکوں کی طرف سے عقیقہ میں ذبح کرنا شرعاً درست ہے۔ (کفایت المفتی ۸/۲۴۰ کراچی، فتاویٰ محمودیہ ۱۷/۵۲۲ ڈابھیل، فتاویٰ رحیمیہ ۱۰/۶۳ دارالاشاعت کراچی، امدادالفتاویٰ ۱۳/۶۲۰)

عن قتادة أن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه کان یعق عن بنیه بالجزور.

(تحفة المودود في أحکام المولود ٦٥، إعلاء السنن، کتاب الذبائح / باب أفضلیة ذبح الشاة في العقیقة ١٧/١١٦ إدارة القرآن کراچی، تعلیقات فتاویٰ محمودیه ١٧/٥٢٣ ڈابھیل)

ولو ذبح بدنةً أو بقرةً من سبعة أولادٍ، أو اشترک فیها جماعة جاز، سواء أرادوا کلهم العقیقة أو أراد بعضهم العقیقة وبعضهم اللحم. قلت: مذهبنا في الأضحیة بطلانها بإرادة بعضهم اللحم، فلیکن کذٰلک في العقیقة. (إعلاء السنن، کتاب الذبائح / باب أفضلیة ذبح الشاة في العقیقة ١٧/١١٩ إدارة القرآن کراچی)

والجمهور علی إجزاء الإبل والبقر أیضًا، وفیه حدیث عند الطبراني وأبي الشیخ عن أنس رضي اللّٰه عنه رفعه: یعق عنه من الإبل والبقر والغنم، ونص

أحمد على اشتراط كاملة، وذكر الرافعي بحثًا أنها تتأدى بالسبع كما في الأضحية. (فتح الباري ٥٩٣/٩ رياض)

تنبيه: – قد علم أن الشرط قصد القربة من الكل ...... وكذا لو أراد بعضهم العقيقة عن ولد قد ولد له من قبل؛ لأن ذٰلک جهة التقرب بالشكر على نعمة الولد. (شامي ٤٧٢/٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۷/۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گوشت بیچنے کیلئے ذبح کئے ہوئے جانور میں عقیقہ کا حصہ لینا؟

سوال (۱۵۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید اپنے لڑکے کا عقیقہ کرنا چاہتا ہے، لڑکے کے عقیقہ میں دو بکرے یا دو حصے بڑے جانور میں لے لئے، تو کیا عقیقہ ہوجائے گا؟ اگر قصائی جس جانور کو بیچنے کے لئے ذبح کررہا ہے اُس کے سات حصوں میں سے دو حصے لے لئے جائیں، تو عقیقہ ادا ہوگا یا نہیں؟ فقہ اِسلامی کی روشنی میں مسئلہ کا جواب مرحمت فرمائیں، کرم ہوگا۔ فقط والسلام بینوا توجروا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کے علاوہ دنوں میں بڑے جانوروں میں عقیقہ کے صحیح ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ پورے جانور کا عقیقہ کیا جائے، خواہ ایک لڑکے کی طرف سے ہو یا دو اور تین کی طرف سے، اور اُن میں سے ایک حصہ بھی فروخت نہ کیا جائے؛ لہٰذا قصائی جس جانور کو بیچنے کے لئے ذبح کررہا ہے اُس میں دو حصے کا شریک ہوجانے سے عقیقہ صحیح نہیں ہوگا۔ دو بکرے یا بڑے کا انتظام نہ ہوتو لڑکے کے عقیقہ میں بھی ایک بکرا کافی ہے۔ (امداد المفتیین ۸۰۲ زکریا، فتاویٰ رحیمیہ ۹۴/۲، ایضاح المسائل ۱۳۵، کفایت المفتی ۲۴۲/۸)

ولو ذبح بدنةً أو بقرةً من سبعة أولادٍ، أو اشترک فيها جماعة جاز، سواء

أرادوا كلهم العقيقة أو أراد بعضهم العقيقة وبعضهم اللحم. قلت: مذهبنا في الأضحية بطلانها بإرادة بعضهم اللحم، فليكن كذٰلک في العقيقة. (إعلاء السنن، كتاب الذبائح / باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة ١١٩/١٧ إدارة القرآن كراچی)

لو أرادوا القربة الأضحية أو غيرها من القرب أجزأهم، سواء كانت القربة واجبةً أو تطوعًا – إلیٰ قوله – وكذلک إن أراد بعضهم العقيقة من ولد ولد له من قبل، كذا ذكره محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ فی نوادر الضحايا. (الفتاویٰ الهندية ٣٠٤/٥ زكريا)

وإن كانت شريک الستة نصرانيًا أو مريد اللحم لم يجز عن واحد. (الدر المختار مع الشامي ٤٧٢/٩ زكريا)

عن علي بن أبي طالب رضي اللّٰه عنه قال: عق رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن الحسن بشاة الخ. (مشكاة المصابيح ٣٦٢، سنن الترمذي ١٨٣/١)

واز یں حدیث معلوم شد کہ عقیقہ بیک گوسفند ہم می باشد- الیٰ قولہ- وصاحب سفر السعادۃ گفتہ است کہ حدیث شاۃ واحدہ صحیح است۔ (اشعۃ اللمعات ۳/۴۸۳ مطبع لکھنؤ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۱۰/۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا شخص واحد گائے میں قربانی اور عقیقہ دونوں کا حصہ لے سکتا ہے؟

سوال (۱۵۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شخص واحد کی طرف سے ایک گائے میں قربانی اور عقیقہ کا حصہ رکھا جا سکتا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی اور عقیقہ دونوں میں قربت اور عبادت کی جہت پائی جاتی ہے؛ لہٰذا کسی بڑے جانور میں ایک ہی شخص کی طرف قربانی اور عقیقہ دونوں کا حصہ لینا درست ہے۔

لو أرادوا القربة الأضحية أو غيرها من القرب أجزأهم، سواء كانت القربة واجبة، أو تطوعًا أو وجب على البعض، دون البعض وسواء اتفقت جهات القربة، أو اختلفت بأن أراد بعضهم الأضحية ......، وكذلك إن أراد بعضهم العقيقة عن وَلد وُلد لَه من قبل. (الفتاوىٰ الهندية ٣٠٤/٥، بدائع الصنائع ٢٠٩/٤، شامي ٤٧٢/٩ زكريا، ٣٢٦/٦ كراچی، طحطاوی على الدر ١٦٦/٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱۲/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عقیقہ میں کتنے بکرے بکری ذبح کرنے چاہئیں؟

سوال (۱۵۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میری بیٹی کے ایک بچہ ہے، شادی کو نو سال ہو چکے ہیں، جس میں اُس نے منت مانی تھی کہ میرے یہاں کوئی بچہ ہوگا تو میں عقیقہ کروں گی، اَب آپ مجھے یہ بتایئے کہ عقیقہ میں کتنے بکرے یا بکری سے عقیقہ کروں؟ یا گنجائش کے بقدر؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقیقہ میں اگر لڑکا ہو تو دو بکرے یا بکری، اور اگر لڑکی ہو تو ایک بکرا یا بکری ذبح کرنا چاہئے۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: إن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أمرهم عن الغلام شاتان مكافئتان، وعن الجارية شاة. (سنن الترمذي ٢٧٨/١)

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي اللّٰه عنه قال: سُئل رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن العقيقة. فقال: لا يُحبُّ اللّٰهُ العُقوقَ، كأنه كره الاسمَ. وقال: من ولد له ولدٌ فأحبَّ أن ينسُک عنه فلينسُک عن الغلام شاتين، وعن الجارية شاةٍ. رواه أبو داؤد والنسائي. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب

الصيد والذبائح / باب العقيقة ٨٠/٨-٨١ دار الكتب العلمية بيروت، ١٥٩/٨ المكتبة الأشرفية ديو بند)

شاتان عن الغلام وشاة عن الجارية. (شامي / آخر كتاب الأضحية ٤٨٥/٩ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۸/۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عقیقہ کے لئے بکرا ہونا ضروری نہیں؟

سوال (۱۵۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی بچہ کا عقیقہ کیا جائے تو اُس میں بکرا ہونا ضروری ہے یا بھینس اور کٹرہ کے ذریعہ بھی ہوسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقیقہ کے لئے بکرا ہی ہونا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ بڑے جانور میں بھی اُس کے نام کا حصہ لیا جاسکتا ہے۔ (ایضاح المسائل ۱۳۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۵/۱۲/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی کی طرح عقیقہ کے گوشت میں بھی تین حصے کرنا؟

سوال (۱۵۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا قربانی کی طرح عقیقہ کے گوشت میں بھی تین حصہ لگایا جاتا ہے؟ عقیقہ کے گوشت کا اصل مستحق کون ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس شخص پر عید الاضحیٰ کی قربانی واجب ہو، وہ اپنے حصہ قربانی میں عقیقہ کی نیت نہیں کرسکتا؛ البتہ یہ ممکن ہے کہ بڑے جانور میں قربانی کے ساتھ عقیقہ کا

حصہ بھی الگ سے شامل کرلے تو اِس میں کوئی حرج نہیں۔ اور افضل یہی ہے کہ عقیقہ کے گوشت کو تین حصوں میں بانٹا جائے، ایک حصہ غرباء میں تقسیم کرے، ایک حصہ رشتہ داروں کو دے، اور ایک حصہ گھر والے استعمال کریں۔

وندب أن لا ینقص التصدق عن الثلث (الدر المختار) **ضیافة لأقربائه وأصدقائه ویدخر الثلث، ویستحب أن یأکل منها.** (الدر المختار مع الشامي / کتاب الأضحیة ۴۷۴/۹ زکریا)

وکذا لو أراد بعضهم العقیقة عن ولدٍ قد وُلد له من قبل؛ لأن ذٰلک جهة التقرب بالشکر علی نعمة الولد، ذکره محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ، ولم یذکر الولیمة ...... وقد ذکر في ”غرر الأفکار“ أن العقیقة مباحة علی ما فی جامع المحبوبي، أو تطوع علی ما في شرح الطحاوي الخ. (رد المحتار / کتاب الأضحیة ۳۲۶/۶ کراچی)

ولو نوی بعض الشرکاء الأضحیة، وبعضهم هدی المتعة ...... وبعضهم دم العقیقة لولادة ولدٍ وُلد له في عامه ذٰلک، جاز عن الکل في ظاهر الروایة. (فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ الهندیة، کتاب الأضحیة / فصل فیما یجوز في الضحایا وما لا یجوز ۳۵۰/۳ زکریا، وکذا في بدائع الصنائع، کتاب التضحیة / فصل في شروط جواز إقامة الواجب ۳۰۶/۶ دار الکتب العلمیة بیروت، ۲۰۹/۴ زکریا)

وکذلک إن أراد بعضهم العقیقة عن ولد ولد له من قبل. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الأضحیة / الباب الثامن فیما یتعلق بالشرکة في الضحایا ۳۰۴/۵ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۸/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شادی کی دعوت میں عقیقہ کرنا؟

سوال (۱۵۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ہمارے یہاں کچھ لوگ لڑکی کی شادی میں عقیقہ کرتے ہیں، پھر وہ گوشت باراتیوں اور دیگر مہمانوں کوکھلاتے ہیں، اور نیوتہ وصول کرتے ہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقیقہ کا اصل وقت بچپن میں ہے؛ تاہم اگر کوئی شخص شادی کی دعوت میں عقیقہ کی نیت کرلے تو یہ بھی جائز ہے، اور عقیقہ کا گوشت امیر غریب سب کھا سکتے ہیں۔

قال العلامة أنور شاه الكشميري رئيس هيئة التدريس بدار العلوم ديوبند سابقًا وشيخ الحديث فيها: إن الترمذي أجاز بها إلى يوم إحدىٰ وعشرين، قلت: بل يجوز إلى أن يموت. (فيض الباري شرح صحيح البخاري / كتاب العقيقة ٣٣٧/٤ ريان بك ڈپو دلهي)

ويستحب لمن له ولد أن يسميه يوم أسبوعه ويحلق رأسه ويتصدق عند الحلق فضة. (شامي ٤٨٥/٩ زكريا)

فنقل الرافعي أنه يدخل وقتها بالولادة ...... ثم قال: والاختيار أن لا تؤخر عن البلوغ، فإن أخرت عن البلوغ سقطت عمن كان يريد أن يعق عنه، لكن إن أراد أن يعق عن نفسه فعل. (فتح الباري، كتاب العقيقة / باب إماطة الأذى عن الصبي في العقيقة ٥٩٤/٩-٥٩٥ دار المعرفة بيروت)

قال: أخبرني عبد الملک في موضع آخر: أنه قال لأبي عبد اللّٰه: فيعق عنه كبيرًا، قال: لم أسمع في الكبير شيئًا. قلت: أبوه معسر، ثم فأراد أن لا يدع ابنه حتى يعق عنه. قال: لا أدري، ولم أسمع في الكبير شيئًا، ثم قال لي: ومن فعله فحسن. (تحفة المودود بأحكام المولود ص: ٦٩ بيروت)

ووقتها بعد تمام الولادة إلى البلوغ ...... ويسن أن يعق عن نفسه من بلغ ولم يعق عنه. (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية / كتاب الذبائح ٢٣٣/٢ المكتبة الميمنية مصر، بحواله:

تعلیقاتِ فتاویٰ محمودیة ۱۷/۰ ۵۱ ڈابھیل) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/۸/۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عقیقہ کے وقت بال کٹانا مستحب ہے

سوال (۱۶۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض لوگ اپنی اولاد کا عقیقہ ساتویں دن نہیں کراتے، چاہے لڑکا ہو یا لڑکی، اور سال بھر یا چھ مہینہ یا ایک مہینہ، تو ایسا شخص جو عقیقہ کرنے کا اِرادہ رکھتا ہو اور بال نہ کٹاتا ہو تو بال نہ کٹانے کی وجہ سے گنہگار رہوگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقیقہ کے وقت بال کٹانا کوئی لازم نہیں، صرف مستحب ہے؛ لہٰذا اگر ابھی عقیقہ نہ کرنا ہو تو پہلے بھی بال کٹانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور مسئولہ صورت میں بال نہ کٹانے والے پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

ویستحب حلق رأس المولود یوم سابعه. (إعلاء السنن، کتاب الذبائح / باب أفضلیة ذبح الشاة في العقیقة ۱۱۹/۱۷)

یستحب لمن ولد له ولد أن یسمیه یوم أسبوعه ویحلق رأسه ...... ثم یعق عند الحلق عقیقة إباحة علی ما في الجامع المحبوبي أو تطوعًا علی ما في شرح الطحاوي. (رد المحتار / کتاب الأضحیة ۳۳۶/۶ دار الفکر بیروت)

حلق شعره مباحة لا سنة ولا واجبة. (الفتاویٰ الهندیة ۳۶۲/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۸/۱۰/۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عقیقہ میں بچی کا سر منڈانا؟

سوال (۱۶۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: عقیقہ میں چھوٹی لڑکیوں کے بال منڈانا یا کتروانا درست ہے یا نہیں؟ نیز منڈانے یا کتروانے کے لئے کتنی عمر ہونی چاہئے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقیقہ میں سر منڈانے کے حکم سے بچیوں کے لئے سر منڈوانے کی حلت معلوم ہوتی ہے؛ لیکن جب وہ ۸-۹/ سال کی ہوجائے تو بلا عذر ایسا نہ کیا جائے۔

(فتاویٰ محمودیہ ۱۷/ ۵۱۱ ڈابھیل)

عن سمرة بن جندب رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: كل غلام رهينٌ بعقيقته، يذبح عنه يوم سابعه، وتحلق رأسه يسمى، ويحلق رأسه. (سنن النسائي، كتاب العقيقة / باب متى يعقّ ٢/ ١٦٧)

ويستحب حلق رأس المولود يوم سابعه. (إعلاء السنن، كتاب الذبائح / باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة ١٧/ ١١٩ إدارة القرآن كراچی)

العقيقة عن الغلام وعن الجارية، وهي ذبح شاة في سابع الولادة وضيافة الناس وحلق شعره مباحة لا سنة ولا واجبة، كذا في وجيز الكردري. (الفتاویٰ الهندية / الباب الثاني والعشرون في تسمية الأولاد ٥/ ٣٦٢ كوئٹه، حجة اللّٰه البالغة / باب العقيقة ٢/ ٣٧٣ مكتبة حجاز ديوبند، شامي / قبيل كتاب الحظر والإباحة ٦/ ٣٣٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۱۱/۳ھ

دادا کے عقیقہ کرنے کے بعد باپ کا دوبارہ عقیقہ کرنا

سوال (۱۶۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دادا نے باپ سے پوچھے بغیر پوتے کا عقیقہ کردیا، اَب باپ بھی عقیقہ کرنا چاہتا ہے، تو کیا اُس بچہ کا دوبارہ عقیقہ ہوسکتا ہے؟ اگر باپ دوبارہ عقیقہ کردے تو صحیح کونسا ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باپ کی موجودگی میں بچہ کے عقیقہ کا حق باپ کو ہے دادا کونہیں؛ لہٰذا اگر باپ دوبارہ عقیقہ کرنا چاہے تو کرسکتا ہے، اور یہی صحیح ہوگا۔

من أحب أن ینسک عن ولدہ فلیفعل. (إعلاء السنن ۱۷/۱۱٤، بهشتی زیور ۴۲/۳)

یستحب لمن ولد له ولد أن یسمیه یوم أسبوعه، ویحلق رأسه ویتصدق عند الأئمة الثلاثة بزنة شعره فضة أو ذهبًا. (شامي ٤٨٥/٩ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۲/۴/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نانا کا نواسی کا عقیقہ کرنا؟

سوال (۱۶۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے ازراہِ شفقت ومحبت اپنی نواسی کے عقیقہ کی نیت سے ایک بکری خریدی، بچی کے بال اتروادئے اور ساتھ ہی بکری ذبح کرکے گوشت تقسیم کردیا۔ عمر کا کہنا ہے کہ یہ عقیقہ درست نہیں ہوا؛ کیوں کہ بکری کی قیمت زید نے اپنی جیب سے ادا کی تھی، اگر عمر کا قول درست ہے تو تحریر فرمائیں، اَب دوبارہ عقیقہ کی کیا شکل اختیار کی جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب کہ نانا نے اپنی خوشی سے نواسی کا عقیقہ کیا اور نواسی کے باپ کو کوئی اعتراض بھی نہیں ہوا ہے، تو یہ عقیقہ بہرحال درست ہوگیا، باپ کی جیب سے پیسہ خرچ ہونا ضروری نہیں ہے۔

ومنها أنه تجري فیها النیابة فیجوز للإنسان أن یضحي بنفسه أو بغیره بإذنه؛ لأنها قربة تتعلق بالمال فتجري فیه النیابة. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الأضحیة / قبیل الباب الثاني ٢٩٤/٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۸/۴/۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ممبئی میں پیدا ہونے والے بچے کا مرادآباد میں عقیقہ کرنا؟

سوال (۱۶۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر بچہ کی پیدائش ممبئی میں ہوا اور ابھی اُس کی ماں ہسپتال میں ہو، تو کیا ساتویں دن اُس کا عقیقہ مرادآباد میں کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: افضل تو یہ ہے کہ جہاں بچہ پیدا ہو وہیں عقیقہ کیا جائے؛ تاکہ عقیقہ اور بال اُتارنا یکجا ہو جائے، تاہم دوسرے شہر میں بھی عقیقہ کرسکتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۱/۳۴۷، آپ کے مسائل اور اُن کا حل ۴/۲۳۶)

عن سمرة بن جندب رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: كل غلام رهينة بعقيقته، تذبح عنه يوم سابعه ويحلق ويسمى. وقال أبوداؤد: "يسمّي" أصح. (سنن أبي داؤد، كتاب الضحايا / باب العقيقة ۲/۳۹۲)

عن سمرة بن جندب رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الغلام مرتهن بعقيقته يذبح عند يوم السابع ويسمى ويحلق رأسه. (رواه الترمذي ۱/۲۷۸)

وقال أبوعيسىٰ: والعمل على هٰذا عند أهل العلم يستحبون أن يذبح عن الغلام العقيقة يوم السابع؛ فإن لم يتهيَّأ يوم السابع فيوم الرابع عشر، فإن لم يتهيَّأ عق عنه يوم إحدىٰ وعشرين. (سنن الترمذي، أبواب الأضاحي / باب ما جاء في العقيقة ۱/۲۷۸، إعلاء السنن / باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة ۱۷/۱۱۵ إدارة القرآن كراچی، مشكاة المصابيح ص: ۳۶۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۱/۷/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عقیقہ کے لئے قرض لینا؟

سوال (۱۶۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ظفر کھاتا پیتا اَوسط درجہ کا ایک انسان ہے، وہ اپنے بچوں کا عقیقہ کرانا چاہتا ہے، جانور خریدنے میں کچھ روپئے کی کمی پڑ رہی ہے؛ لہٰذا اُس کمی کو اُدھار لے کر پورا کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقیقہ کے لئے اُدھار لینا ممنوع نہیں ہے۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: قلت يا رسول اللّٰه! استدين وأضحي، قال نعم! فإنه دين مقضي. (سنن الدارقطني، كتاب الأشربة / باب الصيد والذبائح والأطعمة ٤/١٨٨ رقم: ٤٧١٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۳/۱۱/۵ھ